حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کی فقہی بصیرت اور اسلامی معاشرت کی تشکیلِ جدید

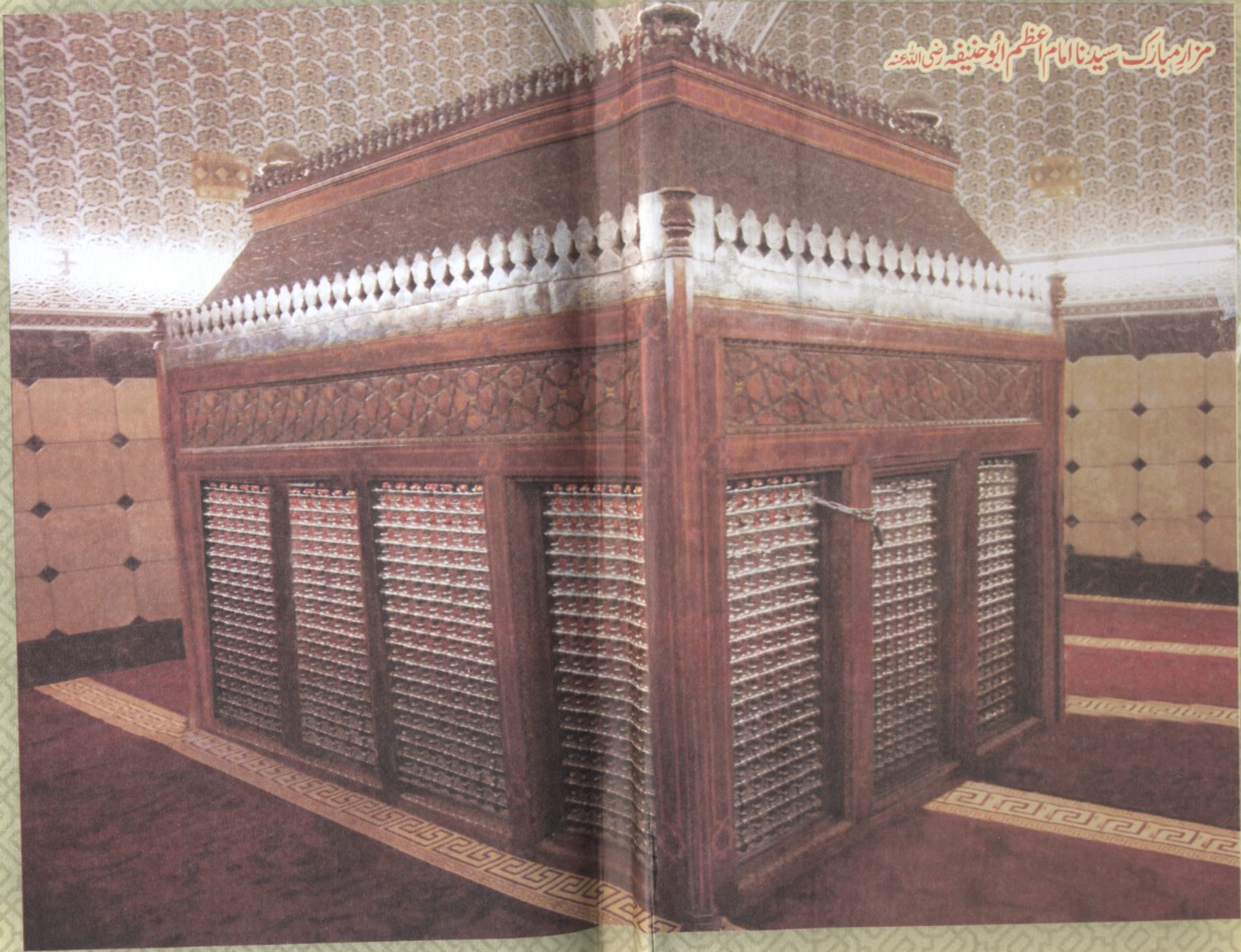
مرتب

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

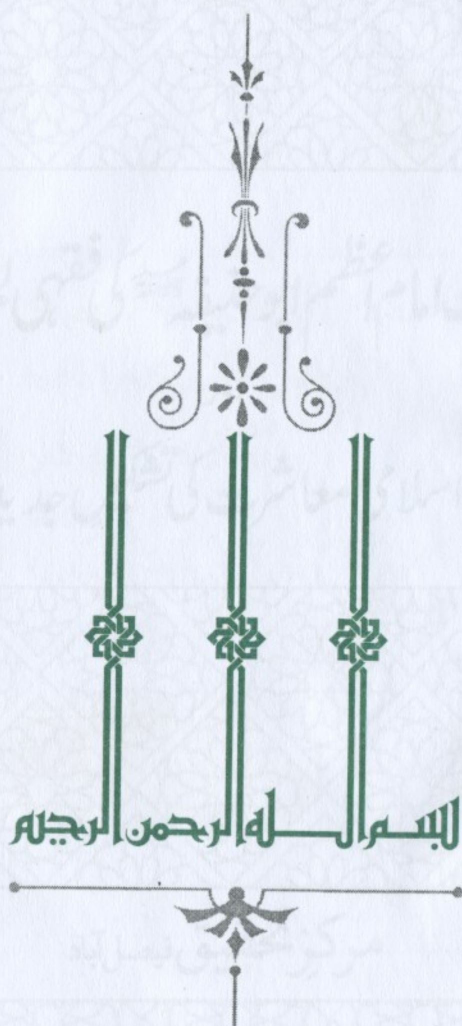
صدر مرکزِ تحقیق



ہدیہ عقیدت: طیّب گروپ آف انڈسٹریز فیصل آباد



مزارِ مبارک سیدنا امام اعظم ابُو حنیفہ رضی اللہ عنہ


بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت

اور

اسلامی معاشرت کی تشکیلِ جدید

مرکزِ تحقیق فیصل آباد

کتاب	حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت اور اسلامی معاشرت کی تشکیل جدید
مرتب	پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
تعداد	1100
مطبع	البغداد پرنٹرز مصطفیٰ آباد سرگودھا روڈ فیصل آباد 041-8788807 ab_printers007@yahoo.com
سرورق	عدیل الرحمٰن اطہر
ڈیزائن	ملک مامون شہزاد
کمپوزنگ	محمد حنیف انصاری
اہتمام	صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری مہتمم جامعہ قادریہ رضویہ ٹرسٹ فیصل آباد

انتساب

اُن صاحبانِ فکر ونظر کے نام

جو شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہونے

کی مومنانہ خواہش رکھتے ہیں

فہرست

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

2002ء کی صبح احباب کے دلی جذبوں کی عکاس تنظیم "مرکزِ تحقیق فیصل آباد" کی تشکیل ہوئی جس کا ابتدائی تعارف ان کلمات پر مشتمل تھا:

"لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ"

قرآن مجید کا یہ اعلان سرمدی پیغام بھی ہے اور ہمہ جہت کامرانی کی نوید بھی۔ نبیِ رحمت ﷺ کا اُسوۂ حسنہ اس قدر جامع، ہمہ گیر اور جاودانی ہے کہ حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ اس کی کرم بخشیوں سے محروم نہیں۔ افراد کے مسائل ہوں یا اجتماع کے، معاشرتی پیچیدگیاں ہوں یا معاشی الجھنیں، تہذیبی رویوں کی بوقلمونی ہو یا تمدنی پیش رفت کی اثر آفرینی، مادی معاملات ہوں یا روحانی کیفیات، سیرت سازی کا مرحلہ ہو یا تعمیر کردار کا دورانیہ، انسانی زندگی کا کوئی رُخ ہو یا کوئی پہلو، رحمت عالمین ﷺ کی سیرت، اُسوۂ حسنہ راہبر و راہنما ہے۔ اسی نسبت سے نظریاتی پاکیزگی اور عملی طہارت کا سامان ہوتا ہے اسی تعلق نے انسانی زندگی کو پُر بہار بنایا ہے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ فلاح و نجات اور اصلاح و تعمیر کی ہر صورت گری اسی وجود کرم ﷺ کی نورانیت سے مستنیر ہے۔ یہ اسی وجود محترم کی مرکزیت کا فیض ہے کہ انسانی رویوں میں معاشرتی تنوع اور سماجی انفرادیت کے باوجود یکسانی کی نمود ہوئی

ہے۔ اس لئے اسلامی تعلیمات میں زمینی حوالہ بھی ایک ہے اور ماورائی نسبت بھی یکتا۔ وحدتِ نسلِ انسانی کا عملی اظہار بھی آقائے رحمت ﷺ کی ذات اور تعلیمات کا مرہون ہے۔ اُمتِ مسلمہ دراصل اسی تصورِ وحدت کی نقیب ہے۔ عصرِ حاضر کا انسان انتشار و اضطراب کا شکار ہے۔ یقین و اعتماد کے حوالوں کے باوجود ذہنی بے کیفی اور عملی بدچلنی کی صرف یہ وجہ ہے کہ انسان نے اپنے مفاد پرستانہ افکار اور خود ساختہ نظریات کو نجات دہندہ شمار کر لیا ہے۔ بدقسمتی سے وہ عقل و دانش کے دعووں کے باوجود سرابوں میں سرگرداں ہے۔ وہ تقسیم در تقسیم کے عمل کا نخچیر ہے۔ ظالم و مظلوم، آقا و غلام، حاکم و رعایا، امیر و غریب کی تفریق نے وہ ستم ڈھائے ہیں کہ مظلوموں کی آہیں، بے بسوں کی چیخیں اور ستم رسیدہ انسانوں کے نوحے ہر کہیں سنائی دے رہے ہیں، یہ پکار داد طلب ہے اور یہ نوحے مسیحائی کے طلب گار ہیں، آج کا انسان اسی دورِ ہمایوں کی تلاش میں ہے، جس میں انسان، انسان کے ہاتھوں ذلیل نہ ہو، کوئی کسی کا حق غصب نہ کر سکے، جہاں نہ کسی کا ہاتھ دراز ہو اور نہ زبان بلکہ ہر طرف سلامتی کی جلوہ گری ہو اور ہر طرف حقوق کی پاسداری ہو۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اور سیرتِ طیبہ کی راہنمائی میں پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنا ہر صاحب علم و دانش پر لازم ہے۔ اس لئے کہ یہ یقین ہر ایمان والے میں ودیعت ہے کہ اسلام ہر دور کے تقاضوں کا حل پیش کرتا ہے۔ یہ یقین ہی پرورشِ خیر کا متحرک اور اصلاح کا ضامن ہے، حل موجود ہے ضرورت اس پر عمل کرنے اور اس کو بروئے کار لانے کی ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہوگا جب ماخذ تک رسائی کا ولولہ اور استخراج کی صلاحیت کی قوت نمایاں ہوگی، حیرت ہے کہ مادی سرفرازی کا حاصل اور آسائشوں کی بہتات سے فیض یاب ہونے والا بھی سماجی ہم آہنگی حاصل نہیں کر سکا، اس اضطراب نے ایک میلان کو جنم دیا ہے، مجبوراً ہی سہی قافلۂ انسانیت ایک مربوط تصور کے ساتھ اسلام کی آفاقی تعلیمات کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آثار ہویدا ہو رہے ہیں، حساس نوعیت کے لمحے دعوت فکر و عمل دے رہے ہیں

اس لئے احتیاط لازم ہے کیونکہ ذرا سی غفلت، معمولی سی بے اعتدالی اور ہلکی سی خام خیالی مہلک ہوسکتی ہے اور اسلام کی راحت بخش تعلیمات سے دور لے جاسکتی ہے، غور کیجئے کیا انتہا پسندی کے رجحان نے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے قدم روک نہیں لئے اور مومن کی امن پسندی اور مسلمان کی سلامت روی کا تابندہ چہرہ دھندلا نہیں رہا، اصحاب درد پر واجب ہے کہ دینِ اسلام کے حوالے سے بہبودِ انسانیت کا رویہ سامنے لائیں اور امن عالم کی کفالت کا حق ادا کریں۔ اس سلسلے میں علمی افق پر محبت و یگانگت کے فانوس روشن کرنا ضروری ہے، اسلامی تعلیمات کو سیرتِ مطہرہ کے اُجلے حوالوں کے ساتھ نقد و تحقیق کے اعلیٰ معیار کے ساتھ پیش کرنا لازم ہے۔ یاد رہے کہ کوتاہی صرف پیش کش کی ہے تعلیمات کی پختگی کی ہمہ گیری کی نہیں، ادائے فرض کے اسی جذبہ نے تحریک دی کہ اربابِ تحقیق کو ایک مرکز مہیا کیا جائے، چند دردمند اہل علم مدت سے اسی مرکز کے حوالے سے کوشاں رہے، غور وفکر جب القان کی حدت سے منور ہوئی تو مرکز تحقیق کی تشکیل کا فیصلہ کرلیا گیا۔

مرکزِ تحقیق کے قیام کا مقصد صرف یہ ہے کہ اربابِ فکر وحکمت اور اصحابِ نقد و تحقیق کو اشتراکِ عمل کی دعوت دی جائے تاکہ پیغام رحمت کے عملی نفاذ کی راہیں تلاش کی جاسکیں یہ اشتراکِ عمل اس لئے ضروری ہے کہ مجموعی فکر، بہر صورت زیادہ نتیجہ خیز اور اثر آفرین ہوتا ہے، مرکزِ تحقیق اسی اشتراک کیلئے جدوجہد کرے گا۔

مرکزِ تحقیق نے ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا، آغاز ہی میں اہداف مقرر کردیئے گئے اور اغراض ومقاصد کا واضح تعین کردیا گیا، جو کچھ یوں تھے:

1) مرکزِ تحقیق اسلامی موضوعات پر مثبت، متوازن اور بامقصد تحقیق کیلئے کام کرے گا۔

2) مرکزِ تحقیق کے تحت کئی ایسے مراکز قائم کئے جائیں گے جہاں حوالہ کی کتب موجود ہوں اور محققین کی ٹھوس راہنمائی اور مشاورت کا باقاعدہ اہتمام ہو۔

3) مرکزِ تحقیق مختلف موضوعات پر تحقیق کرنے والے اصحاب کے درمیان رابطہ کو مؤثر بنائے گا اور انہیں ایک دوسرے کے کام سے آگاہ رکھنے میں معاونت کرے گا۔

4) مرکزِ تحقیق کے تحت بامقصد تحقیقی رسائل شائع کئے جائیں گے۔

5) مرکزِ تحقیق علمی موضوعات پر ورکشاپس، فکری نشستیں اور سیمینار کا اہتمام کرے گا۔

6) مرکزِ تحقیق کے تحت ہونے والی تحقیق کی طباعت واشاعت اور سیمینار کا اہتمام کیا جائے گا۔

7) مرکزِ تحقیق کے مقاصد کی تکمیل کیلئے پاکستان اور بیرون پاکستان میں اس کی شاخیں قائم کی جائیں گی۔

8) مرکزِ تحقیق محققین کی کفالت اور ان کی محققانہ کاوشوں کو منظر عام پر لانے کے لئے مالی معاونت کا اہتمام کرے گا۔

9) تحقیق کے مقاصد کو عوام الناس تک پہنچانے کے لئے میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کو استعمال میں لایا جائے گا۔

10) بلاد اسلامیہ میں جدید تحقیقی نگارشات کے ترجمہ واشاعت کا اہتمام کیا جائے گا نیز وہاں کے محققین سے علمی وتحقیقی روابط استوار کئے جائیں گے۔

11) مرکزِ تحقیق کے تحت ایسا نشریاتی ادارہ قائم کیا جائے گا جس سے تحقیقی پیش رفت کو عام کیا جاسکے۔ ان اغراض ومقاصد سے اتفاق رکھنے والے وہ اصحابِ درد جنہوں نے ہم سفری کا وعدہ کیا اور بھرپور ساتھ دینے کا عہد باندھا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

1) جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی (صدر)
2) جناب عطاء المصطفیٰ نوری (سینئر نائب صدر)
3) جناب رضاء الدین صدیقی (نائب صدر)
4) جناب ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری (جنرل سیکرٹری)
5) جناب ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس (سیکرٹری نشرواشاعت)
6) جناب پروفیسر محمد ریاض قریشی (خازن)
7) جناب پروفیسر منظور حسین سیالوی (ممبر)
8) جناب الحاج شوکت علی (ممبر)
9) جناب محمد ارشد اچھی (ممبر)

ان رفقاء کار میں سے پروفیسر منظور حسین سیالوی انتقال فرما چکے ہیں۔ مرکزِ تحقیق کے اراکین اُن کی کمی کو محسوس کرتے ہیں اور سیالوی مرحوم کیلئے ہمیشہ آخرت کی سرخروئی کیلئے دعا گو ہیں۔ مرکزِ تحقیق کی جولاں گاہ کی وسعت کے پیشِ نظر چند اور معاون احباب کا اضافہ کیا گیا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

10) جناب ڈاکٹر محمد اعظم بخاری (ممبر)
11) جناب مفتی محمد سلیم نقشبندی (ممبر)
12) جناب سیّد مقصود گیلانی (ممبر)
13) جناب محمد صابر مرتضائی (ممبر)
14) جناب ڈاکٹر غلام قادر فیاض (ممبر)
15) جناب محمد رضوان (ممبر)
16) جناب محمد ہارون رشید (ممبر)

مرکز تحقیق فیصل آباد کی علمی وفکری سرگرمیوں کا آغاز ایک سیمینار سے ہوا جو 23-24 مئی 2004ء کو تحصیل میونسپل ہال فیصل آباد میں نہایت علمی وقار اور فکری وجاہت کے ساتھ منعقد ہوا۔ سیمینار کا مرکزی موضوع ''سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں مصطفائی معاشرہ کی تشکیل'' تھا۔ سیمینار کی چار نشستیں ہوئیں جن میں مختلف موضوعات پر اکیس مقالے پیش کئے گئے جو زیور طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین کرام کے لئے افزائش علم کا باعث بنے۔

3-4 جون 2006ء کو دوسرا علمی سیمینار چناب کلب فیصل آباد کے وسیع اور پروقار لائل پور ہال میں منعقد ہوا جس کی چار نشستیں ہوئیں۔ سیمینار کا عنوان تھا:

''نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کی روشنی میں احترام آدمیت''

اس سیمینار میں پاکستان بھر سے اہل علم شریک ہوئے۔ بائیس وقیع مقالات پڑھے گئے۔ جو کتابی شکل میں چھپ کر سامنے آئے، مقالات کے حوالے سے سوالات اٹھائے گئے جن کے مقالہ نگاروں نے جواب دیئے اور خوب دیئے۔ اس لحاظ سے یہ سیمینار ایک یادگار علمی پیش رفت ثابت ہوا۔ سیمینار کی ایک نمایاں خصوصیت سامعین کی کثرت ہے جو سب کے سب علمی ذوق رکھنے والے تھے اور دلجمعی سے محوِ سماعت تھے۔ مہمانانِ گرامی کی ایک کثیر تعداد بھی موجود تھی جن میں مستند اہل قلم اور اصحاب دانش کے علاوہ معاشرتی وسماجی عظمت کے اہل افراد بھی تھے، خصوصیتے معروف سجادہ نشین اور مسند نشین بھی موجود تھے جن کی موجودگی اس علمی سیمینار کو تقدیس کی عظمت عطا کر رہی تھی۔

تیسرا علمی وفکری سیمینار 30-31 جنوری 2010ء کو منعقد ہوا۔ چار علمی نشستوں پر مشتمل یہ سیمینار لائل پور ہال چناب کلب فیصل آباد کے پر بہار اور پروقار مقام پر انعقاد پذیر ہوا جس کیلئے وطن عزیز کے اصحاب علم کو دعوت دی گئی تھی۔ دعوت نامہ کچھ یوں تھا:

''مرکزِ تحقیق فیصل آباد ایک محدود وسائل کا ادارہ ہے مگر اس کے ارکان کا علمی جذبہ

ہمیشہ فلاح امت کی راہیں تلاش کرنے میں سرگرم رہتا ہے۔ اُمت مسلمہ کو عہد حاضر میں جو مختلف الجہات مسائل درپیش ہیں ان کا حل تلاش کرنا ہر دردمند صاحبِ فکر پر لازم ہے کہ دانش مندی ایک امانت ہے جس کی پاسداری ضروری ہوتی ہے۔ مرکزِ تحقیق فیصل آباد نے سیرت النبی ﷺ کی تابندہ روشنی میں موجود مسائل کے حل کے لئے دو علمی وفکری نشستوں کا اہتمام کیا جس میں وطن عزیز کے ہر گوشے سے اصحاب علم ہماری دعوت پر تشریف لائے اور گراں قدر مقالات سے سامعین کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حبیب کریم ﷺ کی رحمتوں کے سایوں میں ترتیب پانے والے علمی مقالات زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں اور اصحاب دانش کی محبتوں سے نوازے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس کرم بے پایاں نے ایک بار پھر مرکزِ تحقیق کو پیش رفت کا حوصلہ عطا کیا ہے۔ اراکین مرکز کے باہمی مشورے سے یہ طے پایا ہے کہ اس سال پھر ایک علمی و تحقیقی سیمینار کا اہتمام ہو، اس سیمینار میں کن موضوعات پر اہل دانش اظہارِ خیال فرمائیں گے اس بارے میں مرکزِ تحقیق کے فکری میلان کی اجمالاً وضاحت یہ ہے:

عہدِ حاضر کے معاشرتی و معاشی مسائل، تہذیبوں کے ٹکراؤ اور متنوع رویوں سے ملت اسلامیہ کے لئے گھمبیر صورتِ حال پیدا کر رہے ہیں۔ معاشی جبر نے ہر انسان کو متاثر کیا ہے اور وہ ان سے نجات کی راہیں تلاش کرنے کے لئے بے چین ہے۔ مرکزِ تحقیق کے اراکین کی یہ پختہ رائے ہے کہ اگرچہ موجودہ مسائل اضطراب خیز ہیں مگر اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری ان مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔ ماضی کا تناظر بھی گواہ ہے کہ ہر دور میں اکابر ملت نے درپیش مسائل کا حل تلاش کر لیا ہے۔ امت کے شاندار ماضی میں اکابر کی ایسی کہکشاں موجود تھی جو معاشرتی عقدوں کو کھولنے کی استطاعت رکھتی تھی، ان اکابر میں جو نام اپنی عظمت و رفعت کے حوالے سے درخشاں تر رہا وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا ہے دینِ اسلام جزیرہ نمائے عرب سے نکلا تھا اور مختلف ممالک واقوام میں ایک قوت کے طور پر

نمایاں ہوا تھا، ظاہر ہے کہ عربوں کی معاشرت کو دنیا کی ہر معاشرت کے ساتھ تعلقات کی نوعیت اور حدود متعین کرنا تھیں اور اسلام کی آفاقی روشنی میں ایسے راہنما اصول ترتیب دینے تھے جو اسلامی طرزِ حیات کو ہر معاشرت کے لئے باعث رحمت بنا سکیں۔ تاریخ فکر انسانی شاہد ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے اس انقلابی عمل میں قائدانہ کردار ادا کیا، آپ کی مجلس فقہ اس قدر اثر آفریں ثابت ہوئی کہ موجودہ مسائل کا ہی نہیں آئندہ پیش آنے والے مسائل کا بھی حل تلاش کر لیا گیا۔ اس طرح ہر دور کے تقاضوں کے لئے رہنمائی مہیا کر دی گئی، یقیناً امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا طرزِ استدلال اور طریق فکر ہر دور کے لئے محفوظ اور کامیاب طریق فکر کی افزائش کا ذریعہ ہے، یہی خیال محرک بنا کہ ایک علمی اور فکری سیمینار آپ کی فکری روشنی کے سائے میں ترتیب دیا جائے چنانچہ اراکین مرکزِ تحقیق فیصل آباد کی متفقہ رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ ایک سیمینار 30-31 جنوری 2010ء بروز ہفتہ، اتوار منعقد ہو جس کا مرکزی عنوان ہو:

"امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت اور اسلامی معاشرت کی تشکیل جدید"

اس عنوان کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کے لئے چار نشستیں تجویز کی گئیں جن کی تفصیل یہ ہے:

1) امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا طریق استنباط

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے استنباط کا انداز
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء کی آراء سے استنباط کا طریق
فقہاء کے طریق استنباط پر امام اعظم علیہ الرحمہ کے اثرات
استحسان کا دائرہ کار، ضرورت اور اس کے حدود
امام اعظم علیہ الرحمہ اور علم حدیث، اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

2) امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی مجلس فقہ

اراکین مجلس کا انتخاب اور تدوین فقہ میں اراکین کا کردار

مباحث کا طریقہ کار اور استخراج مسائل کی بنیادیں

موضوعات اور آراء کے اختلافات کی صورت میں تطبیق کا طریق کار

3) امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے فکر کی روشنی میں بین الاقوامی مسائل کا حل

استحکام معاشرت کے ضوابط اور بین الاقوامی روابط

بین الاقوامی معاشی تعلقات، نوعیت اور حدود

اسلامی بینکاری کے رہنما اصول وضوابط

مشارکہ، مضاربہ، مرابحہ، بیع سلم اور استصناع

4) امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ..........فقیہ عصر

امام اعظم علیہ الرحمہ کی فقہی رہنمائی اور عصر حاضر کے تقاضے

امام اعظم علیہ الرحمہ کے افکار کی روشنی میں نظام عدل وانصاف

تدوینِ فقہ کے اصول..........فقہ حنفی کی روشنی میں

رفاہی ریاست کے قیام میں فقہ حنفی کا کردار

چنانچہ حسبِ پروگرام سیمینار کا انعقاد ہوا اور فیصل آباد میں چناب کلب کے لائل پور ہال میں تقریبات کا آغاز ہوا۔ ہال عمدہ طریق سے ترتیب دیا گیا تھا، ہر نشست میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی جن میں علماء کرام، مشائخ عظام، اصحابِ دانش اور دینی علوم کے محققین کے علاوہ کثیر تعداد میں طلبہ اور دردمند اصحاب شریک ہوئے اور نہایت توجہ اور دلجمعی سے علمی ومعلوماتی مقالات کی سماعت کی۔ ہر نشست کے آخر پر ظہرانہ پیش کیا گیا۔

سیمینار کی پہلی نشست 30 جنوری 2010ء بروز ہفتہ صبح 10 بجے شروع ہوئی، نقابت

کے فرائض جنرل سیکریٹری مرکزِ تحقیق جناب ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری نے انجام دیئے۔ صدارت عالمی مبلغ صاحبزادہ امین الحسنات مہتمم جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف نے فرمائی جبکہ مولانا سعید قمر شیخ الحدیث جامعہ رضویہ فیصل آباد جناب محمد ارشد اچھی چیئرمین الحمراء ٹیکسٹائل ملز فیصل آباد، جناب حاجی شوکت علی چیئرمین شادمان ڈائننگ فیصل آباد، جناب حاجی بشیر احمد چیئرمین النور پرنٹنگ فیصل آباد، جناب رانا محمد اقبال پرنسپل گورنمنٹ ایم سی ہائی سکول فیصل آباد، جناب محمد ابرار صدیقی صدر انجمن حنفیہ مجددیہ مدن پورہ فیصل آباد اور جناب رانا محمد صفدر چیف ایگزیکٹو ایس پی ڈیپارٹمنٹل سٹور فیصل آباد، مہمانان گرامی تھے۔ قاری کرامت علی نعیمی کی پُرسوز، سراپا کیف آواز میں تلاوتِ قرآن مجید سے نشست کا آغاز ہوا۔ مرکزِ تحقیق کے سینئر نائب صدر جناب صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری کی پُرشکوہ آواز میں قصیدہ بردہ کے چند اشعار پیش کئے گئے۔ موضوع کی مناسبت سے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے شہرہ آفاق قصیدہ کے کچھ اشعار مولانا ذاکر الھاشمی نے دردبھری آواز میں پڑھے، قاری محمد نعمان صدیقی نے نعت رسول مقبول ﷺ سے سامعین کے دلوں پر دستک دی، صدر مرکزِ تحقیق ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اسی علمی نشست کے موضوع کا تعارف کرایا اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے حوالے سے سیمینار کے انعقاد کے محرکات پر روشنی ڈالی بعدازاں فاضل مقالہ نگاروں نے اپنے محققانہ مقالے پیش کئے۔

صاحبزادہ امین الحسنات مدظلہ نے خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جس میں آپ نے سیمینار کے انعقاد کو ایک علمی پیش رفت قرار دیا اور اراکین مرکزِ تحقیق کی کاوشوں کو سراہا۔

مقالہ نگاروں کے اسماء یہ ہیں:

1) پیر مولانا غلام رسول قاسمی
2) ڈاکٹر محمد حسین آزاد
3) پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

4) ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

5) ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

6) ڈاکٹر خضر نوشاہی

7) پروفیسر بشیر احمد رضوی

8) ڈاکٹر حافظ افتخار احمد خان

نشست کا آغاز دس بجے ہوا تھا اور یہ ڈیڑھ بجے کے قریب اختتام کو پہنچی، آخر میں صدر مرکزِ تحقیق نے مقالہ نگار حضرات، مہمانانِ گرامی اور سامعین کا شکریہ ادا کیا، اس طرح نمازِ ظہر کی ادائیگی اور ظہرانہ کے لئے یہ نشست برخاست ہوئی۔

دوسری نشست کا آغاز 2 بجے بعد دوپہر سے ہوا، صدارت اہل سنت کے عظیم قائد جناب حاجی محمد حنیف طیب سابق وفاقی وزیر حکومت پاکستان نے فرمائی۔ مہمانانِ گرامی میں جناب ڈاکٹر ریاض الحق طارق، ریکٹر فیصل آباد یونیورسٹی فیصل آباد، جناب سیّد ہدایت رسول شاہ ضلعی امیر تحریک منہاج القرآن فیصل آباد، جناب حاجی محمد اکبر چیئرمین شمع گروپ آف انڈسٹریز فیصل آباد، جناب حاجی محمد رفیع چیئرمین سمیع فیبرکس فیصل آباد، جناب منیر احمد نورانی صدر مرکزی میلاد کمیٹی فیصل آباد، جناب ڈاکٹر غلام قادر فیاض صدر شعبہ سکن پلاسٹک سرجری سروسز ہسپتال لاہور اور جناب میاں محمد فاروق مصطفائی امیر مصطفائی تحریک پاکستان شامل تھے۔ قاری غلام مصطفیٰ نعیمی کی جاذب ودلکش آواز میں قرآن حکیم کی آیات تلاوت کی گئیں، قصیدہ بردہ صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری نے پیش کیا جبکہ قصیدہ نعمانیہ مولانا ذاکر الہاشمی نے پڑھا اور نعت سرورِ کائنات ﷺ قاری غلام مصطفیٰ نعیمی نے پیش کی۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے موضوع کا تعارف کرایا اور مقالات کی نوعیت واضح کی۔ ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری نے نقابت کے فرائض انجام دیئے۔

درج ذیل محققین نے اپنے پُر مغز مقالات پیش کئے:

9) ڈاکٹر حافظ محمد طفیل

10) ڈاکٹر محمد شریف سیالوی

11) ڈاکٹر محفوظ احمد

12) مولانا محمد صدیق ہزاروی

13) ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

14) ڈاکٹر سیّد قمر علی زیدی

افتخار احمد میاں ریسرچ ایسوسی ایٹ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا مقالہ تحریری شکل میں موصول نہ ہوا اس لئے طباعت کی منزل تک نہ پہنچ سکا۔ سیمینار کے آخر میں صاحبِ صدارت حاجی محمد حنیف طیب صاحب نے خطبہ صدارت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے وسیع تر علمی اثرات کا ذکر کیا، آپ کا کہنا تھا کہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے صحیح پیروکار وہی ہیں جو عقائد میں بھی امام صاحب کو لائق اتباع گردانتے ہیں، احناف کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونا چاہئے تا کہ فقہ حنفی کی برکات سب تک پہنچ سکیں۔ آپ نے میڈیا پر چلائی جانے والی اس مہم کا بھی ذکر کیا جو دین کے نام پر تصوف اور صوفیاء کے خلاف چلائی جا رہی ہے، اس کا سدباب نظریات میں پختگی، فقہ حنفی سے وابستگی اور باہمی اتحاد سے ہی ممکن ہے۔ تقریباً پانچ بجے یہ نشست اختتام پذیر ہوئی۔

31 جنوری 2010ء بروز اتوار صبح دس بجے تیسری نشست کا آغاز ہوا۔ مسند صدارت پر سلسلہ قادریہ کے بین الاقوامی شہرت وعزت کے مالک حضرت پیر سیّد انور شاہ گیلانی مدظلہ زیب سجادہ دربار قادریہ سدرہ شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان تشریف فرما تھے۔ متوسلین کا ایک بہت بڑا اجتماع نذرانہ ہائے عقیدت لئے حاضر تھا۔ مہمان خصوصی کی نشست پر مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان کے چیئرمین اور تنظیم المدارس کے صدر جناب مفتی منیب الرحمٰن تشریف فرما تھے۔ شریعت وطریقت کا ایک ایسا حسین سنگم تھا کہ حاضرین کی عقیدت جولانی

پر تھی، مہمانان گرامی کی حیثیت سے تشریف لانے والوں میں بہت سی باوقار شخصیات شامل تھیں، ان میں سے چند ایک اسماء گرامی یہ ہیں:

جناب ڈاکٹر محمد اشفاق ڈین یونیورسٹی آف ایگریکلچر فیصل آباد، جناب پیر سیّد سعید الحسن شاہ چیئرمین ادارہ حزب الاسلام فیصل آباد، جانب میاں محمد طیب چیئرمین طیب گروپ آف انڈسٹریز فیصل آباد، جناب میاں محمد ادریس چیئرمین ستارہ کیمیکل انرجی فیصل آباد، جناب میاں شوکت علی چیئرمین ستارہ لیبلز فیصل آباد اور جناب ڈاکٹر محمد اعظم بخاری صدر سکن ڈیپارٹمنٹ سروسز ہسپتال لاہور۔

قاری غلام فرید کی پُرسوز آواز میں تلاوت قرآن مجید سے نشست کا آغاز ہوا۔ جناب صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری نے قصیدہ بردہ کے چند اشعار اپنی مخصوص آواز میں سنائے جبکہ قصیدہ نعمانیہ مولانا ذاکر الھاشمی نے اپنی پُرکیف آواز میں پڑھا اور نعت کا نذرانہ قاری فضل الرحمٰن نے اپنی درد بھری آواز میں پیش کیا، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے موضوع کے حوالے سے ابتدائی گفتگو کی اور مقالہ نگاروں کو خوش آمدید کہا۔ ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری اور ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس نے نقابت کے فرائض انجام دیئے، درج ذیل مقالہ نگاروں نے مقالات پیش کیئے:

15) ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

16) پروفیسر حافظ مقبول احمد

17) ڈاکٹر ثناء اللہ الازہری

18) پروفیسر عطاء الحق

اس نشست میں محترم ڈاکٹر غلام سرور قادری اور جناب جسٹس ڈاکٹر منیر احمد مغل نے بھی خیالات کا اظہار فرمایا مگر ان کے خیالات تحریری شکل میں دستیاب نہ ہو سکے اس لئے شامل اشاعت نہیں ہیں، تقریب میں کلیدی خطبہ جناب مفتی منیب الرحمٰن کا تھا، آپ نے

عصر حاضر کے تناظر میں فقہ حنفی کے کردار پر محققانہ روشنی ڈالی اور ان عناصر کا ذکر کیا جو عصر جدید میں مادیت کی یلغار سے متاثر ہو کر فقہ کی اہمیت وضرورت سے انکار کر رہے ہیں، آپ نے مطالبہ کیا کہ وطن عزیز کے شہریوں کے اکثریتی فیصلے کے مطابق فقہ حنفی کو رائج کیا جائے، صدر ذی الاحتشام پیر سیّد انور شاہ گیلانی نے اس پروقار تقریب کے انعقاد پر مبارک باد دی اور حوصلوں کی سربلندی کے لئے دعائیں دیں، آپ نے سامعین سے اپیل کی کہ عشق رسول ﷺ کے مشن کو اپنائیں اور علماء اہل سنت کی روش پر چلیں تا کہ ایک معتدل اور روشن خیال معاشرہ تشکیل پا سکے، تقریباً دو بجے ظہرانہ پیش کیا گیا اور یوں سیمینار کی تیسری نشست اختتام کو پہنچی۔

چوتھی اور آخری نشست تقریباً اڑھائی بجے شروع ہوئی جس کا موضوع تھا ''امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ فقیہ عصر'' کرسی صدارت پر فیصل آباد کی معروف دینی اور سیاسی شخصیت جناب صاحبزادہ فضل کریم ایم این اے، مہتمم جامعہ رضویہ فیصل آباد تشریف فرما ہوئے، مہمان خصوصی کی نشست کو معروف دینی شخصیت آزاد کشمیر اسمبلی کے رُکن اور وزیر مذہبی امور وزکوٰۃ وعشر حکومت ریاست جموں وکشمیر جناب صاحبزادہ حامد رضا نے رونق بخشی، مہمانان اعزاز میں بہت سی دینی وسماجی شخصیات شامل تھیں مثلاً:

جناب میاں محمد حنیف چیئرمین بورڈ آف گورنرز دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ڈین فیکلٹیز آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، جناب حاجی بشیر احمد چیئرمین داؤد ٹیکسٹائل ملز فیصل آباد، جناب حاجی امین القادری ضلعی امیر تحریک منہاج القرآن فیصل آباد، جناب حاجی غلام فرید چیئرمین سویٹی ٹیکسٹائل ملز فیصل آباد، جناب مولانا باغ علی رضوی صدر جماعت اہل سنت فیصل آباد۔

آغاز قاری محمد نعمان صدیقی کی تلاوت سے ہوا۔ صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری نے قصیدہ بردہ پیش کیا، قاری فضل الرحمٰن نے قصیدہ نعمانیہ کے چند اشعار پڑھے جبکہ نعت کا

نذرانہ وطن عزیز کے عظیم ثناء خوان جناب عبدالرؤف روفی نے پیش کیا۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے موضوع کی حدود وقیود کی وضاحت کی تا کہ گفتگو سلیقے کی پابند رہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری نے نقابت کی ذمہ داری خوبصورت طریق سے نبھائی۔ اس نشست میں مندرجہ ذیل مقالہ نگاروں نے اپنی اپنی نگارشات پیش فرمائیں:

19) جناب ڈاکٹر حافظ محمد طفیل

20) جناب ڈاکٹر مجید اللہ قادری

21) جناب پروفیسر قاری محمد اقبال

22) جناب حافظ محمد سعد اللہ

23) جناب پروفیسر محمد اکرم ورک

اس نشست میں مولانا عبدالحکیم شرف علیہ الرحمہ کا ایک وقیع مقالہ بھی پیش کیا گیا جس کی افادیت واہمیت کا سب نے اعتراف کیا۔

آخر میں صدر مجلس صاحبزادہ حاجی فضل کریم نے اپنے ارشادات سے سامعین کو مشرف فرمایا، آپ نے امام اعظم علیہ الرحمہ کے زریں کارناموں کی تفصیل سنائی اور اسے عصر حاضر کے علماء ودانشوروں کی ذمہ داری قرار دیا کہ حنفی مشن کو جاری رکھا جائے کہ اجتماع ملت کا یہ سب سے بڑا محرک ہے، آخر میں صدر مرکزِ تحقیق ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے چاروں نشستوں کے مہمانانِ گرامی، مقالہ نگار حضرات اور سامعین کا شکریہ ادا کیا اور اعلان کیا کہ یہ علمی وتحقیقی مقالات مرکزِ تحقیق کے زیرنگرانی شائع کردیئے جائیں گے۔ مستقبل کے ارادوں کا بھی ذکر ہوا سلام ودعا پر یہ پُروقار علمی نشست اختتام پذیر ہوئی۔

سیمینار کے انعقاد میں جن اہل ثروت ومحبت کرم فرماؤں نے تعاون کیا وہ ہم سب کے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ سرمایہ اگر خیر طلبی کا ذریعہ بن جائے تو توشۂ آخرت ہوتا ہے اور مزید آسائشوں کا ذریعہ بنتا ہے۔

میں اس سیمینار کے حوالے سے سب سے پہلے جناب میاں محمد طیب صاحب کا ذکر کرنا چاہوں گا جن کا ہمہ جہتی تعاون ہمیں حاصل رہا، میاں صاحب نے نہایت رازداری اور بغیر کسی نمود ونمائش کے سرپرستی فرمائی اور آئندہ بھی اس تعاون کو جاری رکھنے کا اعلان فرمایا۔

میاں محمد حنیف کا نام فیصل آباد ہی نہیں پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں خیر کی اشاعت کے لئے معروف ہے۔ میاں صاحب کا مرکزِ تحقیق سے تعاون روزِ اوّل سے ہے۔ آپ نے اس سیمینار میں بھی بھرپور ساتھ دیا اور بہت سے اخراجات برداشت کئے۔

میاں محمد ارشد اچھی نیک طینت اور سراپا عجز انسان ہیں، آپ مرکزِ تحقیق کے فعال رُکن ہیں اور ہمیشہ سے تعاون کے لئے سرگرم ہیں، سیمینار کے ارادے باندھے جارہے تھے کہ آپ کی طرف سے ایک خطیر رقم مہیا کردی گئی جس سے پیش رفت میں آسانی ہوئی۔

حاجی محمد اکبر نہ صرف یہ کہ ہمارے شانہ بشانہ کھڑے ہیں بلکہ بغیر کسی طلب کے دستِ تعاون بڑھاتے رہتے ہیں، لائل پور ہال اور مہمانوں کے لئے رہائشی کمروں کا سارا انتظام حاجی صاحب کی ہمت کا نتیجہ ہے، یوں کہہ سکتے ہیں کہ حاجی صاحب مرکزِ تحقیق کے دائمی سرپرست ہیں۔

ان معاونین کے علاوہ بھی بہت سے ساتھی ایسے ہیں جو ہر لمحہ پیش قدمی کو حاضر رہتے ہیں، یہ سب انہیں معاونین کی وجہ سے ہے کہ مرکزِ تحقیق کبھی بھی کسی مالی بحران کا شکار نہیں ہوا، ارادوں میں استقامت انہی احباب کی وجہ سے ہے کہ یہ سب نشر خیر کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کرم فرماؤں کو حفظ وامان میں رکھے اور دین ودنیا کی نعمتوں سے نوازے۔

سیمینار کی کامیابی کے لئے مرکزِ تحقیق کے اراکین کی مسلسل جدوجہد بھی بنیادی حیثیت کی حامل ہے، ہر رُکن نے شب وروز کام کیا ہے، ہال کی آرائش وزیبائش سے لے کر مہمانوں کے استقبال، آمدورفت، رہائش، طعام وقیام اور پُرآسائش ماحول فراہم

کرنے میں سب نے خوب محنت کی ہے۔ یہ ان اراکین کی مسلسل تگ و دو کا نتیجہ ہے کہ سیمینار ایک یادگار منزلت حاصل کر گیا ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ بھی اسی جوش وولولے کے ساتھ علمی پیش رفت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

سیمینار میں مقالہ نگار حضرات نے نہایت سلیقہ مندی سے مقالات ترتیب دیئے اور پیش فرمائے۔ مقالات کی علمی وجاہت کے باوجود مرکزِ تحقیق نے احبابِ تحقیق کے ذریعے ہر مقالہ کو دقت نظری سے جانچنے کی کوشش کی ہے اور علمی مقالات کے معیار پر پرکھا ہے جو مقالات اس معیار پر پورے اترے ہیں وہ قارئین کی نذر کیے جا رہے ہیں، ہمیں امید ہے کہ یہ مقالات قارئین کی علمی ثروت میں اضافے کا سبب بنیں گے۔

دعا ہے کہ وہ علیم وخبیر رب اپنے کرم سے اُمت مسلمہ کو مثبت پیش رفت کی توفیق بخشے اور نبی اکرم ﷺ کی رحمتوں کے صدقے سے ہمیں مزید محنت اور کامیاب علمی تجسس کا ذوق عطا فرمائے، آمین!

(نوٹ.......: ”تمام مضامین ماہر اساتذہ کی نظر سے گزرے ہیں“)

اللھم صل وسلم دائماً ابدًا......علی حبیبک خیر الخلق کلھم

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

صدر مرکزِ تحقیق فیصل آباد

پیر محمد امین الحسنات کا پیغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

☆ عالم اسلام کے امام ومقتداء امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت علیہ الرحمہ کی عالی شخصیت کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ادارہ ”مرکز تحقیق فیصل آباد“ کی یہ مساعی جمیلہ ہر لحاظ سے قابل تحسین ہے۔

☆ کوفہ کی جامع مسجد کا خادم حسب معمول صبح کے وقت مسجد میں چراغ جلا کر تہجد کی اذان دینے مسجد کے ہال میں داخل ہوا۔ تو اس نے ایک شخص کو اللہ کے حضور پورے خضوع و خشوع سے آہ وزاری کرتے پایا۔ اس نے خیال کیا کہ کوئی مسافر ہے۔ معمول کا معاملہ سمجھ کر چراغ روشن کیا، روشنی نے راز سے پردہ اٹھا دیا۔ اللہ کے حضور جبین نیاز جھکانے والی، بخشش اور امان طلب کرنے والی یہ ہستی عالم اسلام کی امام و رہبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا خضوع وخشوع، عبادت گزاری اس دن کی بات نہ تھی بلکہ سالہا سال کا معمول تھا آپ کی عبادت گزاری کے حوالے سے آئمہ کرام نے بے شمار واقعات اپنی کتب میں تحریر کیے ہیں۔

☆ آپ کی شخصیت کا یہ بھی طرہ امتیاز ہے کہ جہاں آپ رات بھر عبادت و ریاضت اور مناجات میں گزارتے وہاں دن بھر تجارت، تبلیغ، تعلیم وتدریس میں مصروف رہتے

گویا قدرت آپ سے ایسے ہزاروں شاگرد تیار کروارہی تھی جنہوں نے آگے چل کر دنیا بھر میں پھیلے مسلمانوں کے لئے قرآن و حدیث اور نصوص کی روشنی میں روزمرہ مسائل کا قابل عمل حل پیش کرنا تھا اور ایسا ہی ہوا۔

☆اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اسلامی فقہ کی تدوین اول کا سہرا امام صاحب کے سر ہے اس کی تصریح امام شافعیؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے ''کہ قیامت تک جو شخص بھی دین کی سمجھ حاصل کرنا چاہے گا وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا محتاج ہوگا''

☆اصحاب علم وفن کے نزدیک امام صاحب اور اس پایہ کے کبار ائمہ کرام کو بھی نبی رحمت ﷺ کے خصائص میں شمار کرتے ہیں جس طرح قرآن حضور نبی رحمت ﷺ کا زندہ معجزہ اور سنت مطہرہ کی حفاظت کے لئے احادیث مبارکہ کا ذخیرہ آپ ﷺ کے خصائص مبارکہ سے ہے۔ بقیہ ائمہ مجتہدین اور امام اعظم کا وجود بھی آپ ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔

☆ کہتے ہیں شخصیت جتنی قدآور اور عظیم ہوگی اس کے ساتھ عداوت اور مخالفت کا انداز بھی شدید تر ہوگا آزمائش کے مراحل سخت تر ہونگے امام صاحب کو بھی مخالفت اور آزمائش دونوں کے سخت ترین مراحل کا سامنا کرنا پڑا ایک آزمائش بادشاہ وقت کی طرف سے آئی۔ قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے جام شہادت پر موقوف ہوئی، جرم فقط اتنا تھا کہ آپ مفتی اعظم کا عہدہ قبول نہ کر کے شاہی گستاخی کے مرتکب ہوئے۔

☆اس ظلم اور احسان فراموشی پر حیرت کے ساتھ احساس ندامت میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب عالم اسلام کے ان محسنین پر اٹھنے والے ہاتھ اہل اسلام کے نظر آتے ہیں۔

☆آپ کے ساتھ تعصب اور عناد کی ایک صورت اور بھی روا رکھی گئی اس کا سلسلہ آپ کے معاصر حاسد علماء سے شروع ہوا اور پھر نسل در نسل متعصب مذہبی طبقات کی شکل میں

جاری ہے گذشتہ کئی صدیوں میں آپ کے خلاف حسد، بغض اور عناد کے اظہار میں شدت آگئی ہے خاص طور پر علم حدیث سے دوری اور لاعلمی کا متعصبانہ الزام عائد کر کے ایک مخصوص فکر کے حامل افراد اپنے خبث باطن کا اظہار کر رہے ہیں کتنی عجیب بات ہے کہ عالم اسلام کا 80 فیصد سے زیادہ حصہ امام اعظم کے فقہی اصولوں کا پیروکار ہو لیکن پھر بھی آپ پر حدیث سے دوری کا الزام عائد کیا جاتا رہے۔

☆آپ کی عظیم شخصیت آپ کا عالی علمی کام آپ پر لگنے والے ہر الزام کا جواب ہے۔ امام اعظم کا تاج آپ کے سر ہی زینت رہے گا ان شاء اللہ۔

☆☆☆

نشست اول

بعنوان

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا طریق استنباط

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے استنباط کا انداز

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء کی آراء سے استنباط کا طریق

فقہاء کے طریق استنباط پر امام اعظم علیہ الرحمہ کے اثرات

استحسان کا دائرہ کار، ضرورت اور اس کے حدود

امام اعظم علیہ الرحمہ اور علم حدیث، اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

استحسان کا دائرہِ کار
ضرورت اور اس کے حدود

غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی

استحسان کا دائرۂ کار، ضرورت اور اس کے حدود

غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ!

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِالۡاَنۡبِیَآءِ

وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اَمَّا بَعۡدُ

استحسان کا مادہ ''حسن'' ہے۔ حسن کا معنی ہے خوبصورت۔ استحسان اسی کا باب استفعال ہے۔ اس کا معنی ہوا ''بہتری کی تلاش، یا خوب سے خوب تر کی جستجو، یا ترجیح دینا''۔

قیاس جلی اور قیاس خفی میں فرق

شریعت کے چار ماخذ ہیں: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ قیاس کے چار ارکان ہوتے ہیں۔ مقیس، مقیس علیہ، علت اور حکم۔ مطلق قیاس سے مراد یہی قیاس ہوتا ہے۔ اسے قیاس جلی بھی کہتے ہیں۔

قیاس خفی سے مراد ایسا چھپا ہوا مدلل قیاس ہے جو قیاس جلی کے خلاف ہوتا ہے۔ نور الانوار میں قیاس خفی کی تعریف یوں لکھی ہے: هُوَ الدَّلِیۡلُ الَّذِیۡ یُعَارِضُ الۡقِیَاسَ الۡجَلِیَّ یعنی یہ ایسی دلیل ہے جو قیاس جلی کے خلاف ہوتی ہے (نور الانوار صفحہ 247)۔

استحسان سے مراد یہی قیاس خفی ہے اور قیاس جلی کے مقابلے پر آنے والے قوی تر دلائل کو قیاس جلی پر ترجیح دینا ہے مثلاً اگر قیاس قرآن کی آیت کے خلاف ہو تو ایسی صورت

میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور قرآن کو ترجیح دی جائے گی۔ قیاس کے مقابلے پر قرآن کو راجح قرار دینا استحسان ہے۔ اگر قیاس پوری اُمت کے اجماع کے خلاف ہو تو پھر بھی قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور اجماع کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ بھی استحسان ہے۔ اگر قیاس پر عمل کرنے سے انسان مجبور اور بے بس ہو جاتا ہو تو ایسی صورت میں بھی قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور انسان کی سہولت کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ بھی استحسان ہے۔ اگر قیاس جلی بذاتِ خود کسی چھپے ہوئے مدلل قیاس کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں بھی قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور اس قیاس کو ترجیح دی جائے گی جسے ہم نے چھپا ہوا مدلل قیاس کہا ہے۔ یہ بھی استحسان ہے۔

استحسان کا دائرہ کار:

جب استحسان کی وجہ سے قیاس پر قرآن وسنت کو ترجیح دی جاتی ہے تو اسے استحسان بالاثر کہتے ہیں۔ جب استحسان کی وجہ سے قیاس پر اجماع کو ترجیح دی جاتی ہے تو اسے استحسان بالاجماع کہا جاتا ہے۔ جب استحسان کی وجہ سے قیاس پر ضرورت کو ترجیح دی جاتی ہے تو اسے استحسان بالضرورۃ کہا جاتا ہے۔ اور جب استحسان کی وجہ سے قیاس پر قیاسِ خفی کو ترجیح دی جاتی ہے تو اسے مطلقاً استحسان کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات قیاس کو استحسان پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ بھی استحسان ہی کی ایک قسم ہے۔

اب استحسان کی ان پانچ اقسام میں سے ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمائیے:

1) استحسان بالاثر:

حدیث شریف میں ہے کہ: لَاتَبِعۡ مَالَیۡسَ عِنۡدَکَ یعنی وہ چیز مت بیچ جو تیرے پاس نہیں ہے (ابوداؤد حدیث نمبر 3503، ترمذی حدیث نمبر 1232، نسائی حدیث نمبر 4627، ابن ماجہ حدیث نمبر 2187)۔

اس حدیث پر اگر قیاس کیا جائے تو بیع سلم کو ناجائز ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ بیع سلم میں بھی بیچی جانے والی چیز پاس موجود نہیں ہوتی۔ بیع سلم سے مراد یہ ہے کہ رقم دے دی جائے اور مال بعد میں وصول کیا جائے۔ اَلسَّلَمُ هُوَ بَيْعُ آجِلٍ بِعَاجِلٍ لیکن چونکہ بیع سلم کے جائز ہونے کے حق میں علیحدہ حدیث پاک وارد ہو چکی ہے، لہذا یہاں قیاس کی بجائے حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ حدیث یہ ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ، فَقَالَ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہ لوگ ایک سال یا دو سال کے ادھار پر پھلوں کی بیع کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص بیع سلم کرے وہ صرف معین ماپ اور معین وزن اور مدت معینہ میں بیع کرے۔

(بخاری حدیث نمبر 2239، مسلم 4118، ابوداؤد 3463، ترمذی 1311،
نسائی 4616، ابن ماجہ 2280، دارمی 2586، مسند احمد 1873)

2) استحسان بالاجماع:

کسی چیز کو آرڈر پر بنوانا یعنی سائی دے کر بنوانا استصناع کہلاتا ہے مثلاً فرنیچر والے سے کہا جائے کہ اتنے پیسوں میں صوفہ تیار کر دو۔ اس کی کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے، پیشگی پیسے دیئے جائیں یا نہ دیئے جائیں۔ اس استصناع کے جائز ہونے پر امت کا اجماع ہے اور مسلمانوں کا اس پر عمل جاری و ساری ہے۔ جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ استصناع کو ناجائز کہا

جائے اس لئے کہ اس میں ایک غیر موجود چیز کی خرید وفروخت ہو رہی ہے۔ اب یہاں ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا اور امت کے تعامل اور اجماع کو ترجیح دی۔ یہ استحسان بالاجماع ہوا۔

3) استحسان بالضرورۃ:

اگر کنواں، حوض یا برتن ناپاک ہو جائے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ قیامت تک پاک نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ ان کو نچوڑا نہیں جاسکتا تاکہ ان کے اندر سے ناپاکی زائل ہو جائے لہذا یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناپاک ہی رہیں گے اور جب بھی انہیں پاک کرنے کے لئے ان میں پانی ڈالا جائے گا وہ پانی خود بھی ناپاک ہو جائے گا لیکن ہم نے اس قیاس کو اس لئے ترک کر دیا کہ ان کو نچوڑنا انسان کے بس میں نہیں ہے لہذا انسانی ضرورت اور مجبوری کے پیش نظر اگر کنویں کا پانی نکال دیا گیا تو کنواں پاک ہو جائے گا اور اگر حوض کا پانی نکال بہا دیا گیا تو یہ بھی پاک ہو جائے گا اور اگر برتن پر پانی بہا دیا گیا تو یہ بھی پاک ہو جائے گا یہاں ہم نے قیاس پر ضرورت کو ترجیح دی۔ اسے استحسان بالضرورۃ کہتے ہیں۔

4) استحسان بالقیاس الخفی:

شکاری درندے کا جھوٹا نجس اور ناپاک ہے۔ اس پر اگر قیاس کیا جائے تو شکاری پرندے کا جوٹھا بھی نجس ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کا گوشت بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح شکاری جانور کا گوشت حرام ہے۔ یہ قیاس جلی ہے۔ مگر قیاس خفی جسے استحسان کہتے ہیں یہ اتنا باریک بین ہوتا ہے کہ اس قیاس نے شکاری درندے اور شکاری پرندے میں ایک باریک فرق ڈھونڈ نکالا ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ شکاری درندہ زبان سے کھاتا ہے اور اس کا لعاب بہتا ہے جبکہ شکاری پرندہ اپنی چونچ کو استعمال کرتا ہے جو محض ایک ہڈی ہے اور ہڈی پاک ہوتی ہے خواہ زندہ کی ہو یا مردہ کی۔ لہذا ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا اور استحسان کو اختیار کیا۔

5) تقدیم القیاس علی الاستحسان:

شکاری پرندے کی چونچ والی مثال میں آپ نے دیکھا کہ استحسان کو قیاس پر ترجیح دی گئی۔ لیکن بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہوتا ہے یعنی قیاس کو استحسان پر ترجیح دی جاتی ہے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قیاس جلی کو قیاس خفی پر ترجیح دی جاتی ہے مثلاً قیاس (جلی) کا تقاضا ہے کہ نماز کے دوران سجدہ تلاوت آجائے تو سجدہ کی بجائے رکوع کر لینا بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے "وَخَرَّ رَاكِعاً وَّاَنَابَ" یعنی وہ رکوع میں گر گیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس آیت میں خَرَّ رَاكِعاً یعنی رکوع میں گر گیا کے الفاظ ہیں۔ حالانکہ رکوع میں گرا نہیں جاتا گویا سجدے کی جگہ رکوع کا لفظ استعمال فرمایا۔ قیاس جلی کا تقاضا یہ ہے کہ آیتِ سجدہ تلاوت کی جائے تو رکوع کر لینا بھی کافی ہے۔

لیکن استحسان (قیاس خفی) کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہِ تلاوت کی جگہ پر صرف سجدہ ہی کیا جائے نہ کہ رکوع۔ اسلئے کہ سجدہ تعظیم کی انتہا ہے نہ کہ رکوع۔ لہذا رکوع کو سجدے کا قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا۔ اب قیاس کہتا ہے کہ رکوع کافی ہے اور استحسان کہتا ہے کہ سجدہ ضروری ہے۔ یہاں ہم نے قیاس کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تلاوت کے سجدہ سے محض عاجزی اور تواضع مقصود ہوتی ہے، بذاتِ خود سجدہ مقصود نہیں ہوتا اور یہ عاجزی نماز کے دوران رکوع کی صورت میں بھی ظاہر ہو جاتی ہے ہاں البتہ اگر نماز سے باہر آیت سجدہ پڑھی جائے تو پھر رکوع سے کام نہیں چلے گا اس لئے کہ نماز کے باہر کا رکوع سجدے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا اور عام طور پر لوگ عاجزی اور شکرانے کی خاطر یا فرطِ محبت میں آکر سجدے میں ہی گرتے ہیں نہ کہ رکوع میں۔

اس تفصیل کے بعد آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ استحسان کو اختیار کر کے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِيْسُ اور قیاس پرستی کے الزامات کو دھو کر رکھ دیا ہے اور علم کی اس بلندی پر جا پہنچے ہیں جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ لَوْ كَانَ

الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهٖ رَجُلٌ مِنْ اَبْنَآءِ فَارِسَ یعنی اگر دین ثریا کی بلندی پر بھی ہوگا تو اہل فارس میں سے ایک شخص وہاں سے علم کو اتار کر لے آئے گا۔

(مسلم حدیث نمبر6497-6498، بخاری4897-4898، ترمذی3310-3933)

استحسان کی ضرورت

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات خود بخود واضح ہو رہی ہے کہ قرآن وسنت اور اجماع کے مقابلے پر آنے والے قیاس کو لگام دینے کیلئے استحسان لازمی ہے اور شرعی احکام کو دقتِ نظر سے جانچنے اور خطا سے حتی المقدور بچنے کے لئے استحسان کو فقہ کے اصولوں پر داخل کرنا از حد ضروری ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے "اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا" یعنی بے شک گمان اور ظن حق سے بے نیاز نہیں کر سکتا (یونس:36)۔ حدیثِ پاک میں بھی ہے کہ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ یعنی واضح اور لاریب بات کے مقابلے پر مشکوک اور کچی پکی باتوں کو ترک کر دو (ترمذی2518، نسائی5727، مسند احمد1732، مشکوۃ2773)۔

علماءِ کرام علیہم الرحمہ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ ہمیشہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جائے بلکہ جب نجران کے عیسائیوں نے لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَة اور اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ وغیرہ کی تصریحات کے مقابلے پر کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ کے سہارے الوہیتِ مسیح ثابت کرنے کی کوشش کی تو اللہ کریم نے عین اس موقع پر سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں اور محکم کو متشابہ کے ماتحت کرنے سے منع فرمایا کہ "اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تاکہ فتنہ بازی کر سکیں۔

ہر باطل فرقے نے یہیں سے ٹھوکر کھائی ہے یا جان بوجھ کر فراڈ چلایا ہے کہ محکمات اور تصریحات کے ہوتے ہوئے متشابہات بشمول موضوعات، اسرائیلیات اور تواریخ کا سہارا

لیا ہے یا اجماع کے مقابلے پر شاذ اور مردود اقوال پر اپنی خرافات کی بنیاد رکھی ہے یا قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف اجتہاد کیا ہے۔

علامہ ابنِ کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"اَهلُ السُّنَةِ یَأْخُذُونَ بِالْمُحْکَمِ وَیَرُدُّونَ مَاتَشَابَهَ اِلَیهِ، وَهٰذِهِ طَرِیقَةُ الرَّاسِخِینَ فِی الْعِلْمِ کَمَاوَصَفَهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِی کِتَابِهِ، وَهٰذَا الْمَوضِعُ مِمَّا زَلَّ فِیهِ اَقْدَامُ کَثِیرٍ مِنْ اَهلِ الضَّلَالَاتِ، وَاَمَّا اَهلُ السُّنَةِ فَلَیسَ لَهُمْ مَذْهَبٌ اِلَّا اتِّبَاعَ الْحَقِّ وَیَدُورُونَ مَعَهُ کَیفَمَادَارَ

یعنی اہل سنت ہمیشہ محکم کو پکڑتے ہیں اور متشابہ کو اس کی طرف لوٹاتے ہیں یہ علم میں رسوخ رکھنے والوں کا طریقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کی تعریف فرمائی ہے یہی وہ مقام ہے جہاں اکثر گمراہوں کے قدم پھسلے ہیں مگر اہل سنت کا مذہب حق کے اتباع کے سواء کچھ نہیں جس طرف کو حق گھومتا ہے، اہل سنت بھی حق کے ساتھ ساتھ گھوم جاتے ہیں (البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 248)۔

اس قاعدے کو ذہن نشین فرمالیجئے اب دیکھیے، پادری فانڈر کو لاالٰہ الااللہ اور لَاتَقُولُوْاثَلٰثَة کی تصریح پسند نہیں آئی اور اس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے تین خدا ثابت کرنے کی کوشش کی۔

مرزا قادیانی کو آیت خاتم النبیین، متواتر احادیث اور صحابہ و جمیع امت کا اجماع نظر نہیں آیا اور اس نے ان کے مقابلے پر درود ابراھیمی وغیرہ سے نبوت کا اجراء ثابت کرنا چاہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھائے جانا آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیهِ سے صریحاً ثابت ہے اور آپ کے نزول جسمی پر متواتر احادیث موجود ہیں مگر مرزا قادیانی ان

تصریحات کے مقابلے پر قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے اور کرہِ زمہریر کی تپش وغیرہ سے استدلال کرتا ہے۔

افضلیتِ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر قرآن کی نص وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی موجود ہے، احادیث میں تصریحات موجود ہیں مولا علی رضی اللہ عنہ کے واضح ارشادات موجود ہیں، اسی پر تمام صحابہ و تابعین اور جمیع امت کا اجماع ہے مگر مخالفین کے پاس ایسی کوئی تصریح موجود نہیں بلکہ کبھی سب سے پہلے ایمان لانے والے مرجوح قول کو اپنے نظریے کی بنیاد بنائیں گے اور کبھی زوجِ بتول رضی اللہ عنہا ہونے سے استدلال کریں گے کبھی سلاسلِ طریقت کے اجراء کا سہارا لیں گے اور کبھی یہاں تک کہہ دیں گے کہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر دل نہیں مانتا۔

اس دور کا ایک عظیم فساد خلافِ شرع شاعری ہے۔ قرآن، حدیث اور اجماع کے مقابلے پر کسی شاعر کی خرافات پیش کرنا اَلشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ کا صحیح مصداق ہے۔ سب سے زیادہ مبالغہ اور غلو شعروں میں ہی پایا جاتا ہے، اَعْذَبُ الشِّعْرِ اَکْذَبُهَا جبکہ اس زمانے کے شاعروں کی اکثریت جاہل اور غالی ہے۔ جب ان لوگوں کے سامنے قرآن اور حدیث پڑھے جائیں تو یہ لوگ جواباً کوئی دوہڑا سنا دیتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون.

آپ نے دیکھا کہ استحسان نہ صرف راجح اور مرجوح کا فرق سکھاتا ہے بلکہ بعض اوقات اسلام اور کفر کے درمیان لکیر کھینچ کر رکھ دیتا ہے۔ یاد رکھیے کہ تصریحات و محکمات کے مقابلے پر مردود، مرجوح اور غیر مستحسن اقوال ہر موضوع پر مل سکتے ہیں۔ اگر استحسان کے مذکورہ قاعدے کو مدنظر نہ رکھا گیا تو دین کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔ معاذ اللہ۔

حدودِ استحسان کی وُسعت

کبھی قیاس خفی کو جلی پر ترجیح دینا، کبھی جلی کو خفی پر ترجیح دینا، کبھی قیاس پر ضرورت کو ترجیح

دینا کبھی قیاس پر اجماع کو ترجیح دینا اور کبھی قیاس پر قرآن وسنت کو ترجیح دینا سب استحسان ہے یہاں سے علم ترجیحات مستقل علم اور باقاعدہ سائنس کی شکل میں جنم لے رہا ہے۔

علم ترجیحات

انسان دین ودنیا کے تمام معاملات میں ترجیحات قائم کئے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ وہ ایک قدم بھی اٹھاتا ہے تو کسی نہ کسی ترجیح کی بنا پر اٹھاتا ہے اور اگر رُکتا ہے تو کسی نہ کسی ترجیح کی بناء پر رُکتا ہے۔ یہ ایک مستقل علم ہے جسے ہم نے جنوری 2000ء میں پہلی بار مدون کیا تھا۔ ذیل کی سطور میں اس علم کی باقاعدہ تفصیل بیان کی جا رہی ہے اور یہ سب سیّدِ عالم ﷺ کی بانٹی ہوئی خیرات ہے۔

علم ترجیحات کی تعریف:

ترجیحات کا علم وہ علم ہے جو اچھائی اور برائی میں تمیز کر کے اچھائی کو ترجیح دینے یا دو اچھائیوں میں سے بڑی اچھائی کو ترجیح دینے اور دو برائیوں میں سے چھوٹی برائی کو ترجیح دینے سے بحث کرتا ہے۔

کسی بھی فن کا ماہر وہ ہے جو اس فن کے اندر زیادہ سے زیادہ ترجیحات کا ماہر ہے۔

The best in any science is the best in prefering.

علم ترجیحات کا ماخذ

قرآن شریف سے علم ترجیحات کا ثبوت:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے صرف ہدایت رکھ دی ہے اور وہ اسی پر عمل پیرا ہونے کے مکلف ہیں لیکن انسان کے سامنے ہدایت اور گمراہی دونوں رکھ دی گئی ہیں اور اسے ہدایت کو ترجیح دینے کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ہم نے انسان کو ہدایت کا راستہ دکھا دیا ہے اب خواہ ہدایت کو اختیار

کرے یا گمراہی کو (الدھر: 3)۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ یعنی تم لوگ جلدی ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہو اور آخرت میں ملنے والی چیز کو چھوڑ دیتے ہو (القیامۃ 75:20)۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو خطاب فرمایا کہ "اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور آخرت میں سے ایک چیز کو ترجیح دینے کا اختیار دیا۔ اس بندے نے آخرت کو ترجیح دی۔ آپ ﷺ کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو تعجب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کسی ایک بندے کی بات کر رہے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خواہ مخواہ رونے لگے۔ حالانکہ ایک بندے سے مراد خود نبی کریم ﷺ تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔

(بخاری حدیث نمبر 466-3654-3904، مسلم 6170-6171، ترمذی 3660)۔

فقہاء نے دنیا کی مثال قیاس جلی سے دی ہے اور آخرت کی مثال قیاس خفی سے دی ہے چنانچہ حضرت ملا احمد جیون علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

فَاِنَّ الدُّنْيَا ظَاهِرَةٌ وَالْعُقْبٰى بَاطِنَةٌ لٰكِنَّهَا تَرَجَّحَتْ عَلَى الدُّنْيَا بِقُوَّةِ اَثَرِهَا مِنْ حَيْثُ الدَّوَامِ وَالصَّفَاءِ وَاَمْثِلَتُهٗ كَثِيْرَةٌ

یعنی دنیا ظاہر ہے اور عقبیٰ باطن ہے لیکن عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح حاصل ہے اس لئے کہ دوام اور صفا کے لحاظ سے اس کا اثر قوی ہے اور اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں (نورالانوار صفحہ 248)۔ آپ نے دیکھا کہ نورالانوار میں استحسان کا ترجمہ ترجیح سے کیا گیا ہے۔

قرآن شریف میں میراث کی تقسیم اور مختلف ورثاء کی موجودگی کا دوسروں کی میراث پر اثر انداز ہونا (النساء 4:11 تا 13)، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ

وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ یعنی کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ (الزمر 39:9) وغیرہ علم ترجیحات اور استحسان کی عظیم مثالیں ہیں۔

احادیث میں علم ترجیحات کا ثبوت:

1) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَمَّابَعَثَہٗ اِلَی الْیَمَنِ، قَالَ کَیْفَ تَقْضِیْ اِذَا عَرَضَ لَکَ قَضَآءٌ؟، قَالَ بِکِتَابِ اللّٰہِ، قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ؟ قَالَ فَبِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ، قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ، قَالَ اَجْتَہِدُ رَاْئِیْ وَلَاآلُوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی صَدْرِہٖ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِمَایَرْضٰی بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تو فرمایا "جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی کتاب سے۔ فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ گے تو پھر؟ عرض کیا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے۔ فرمایا: اگر رسول کی سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر؟ عرض کیا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول کے نمائندے کو ایسی بات کی توفیق بخشی جو رسول ﷺ کو پسند ہے (ترمذی حدیث رقم 1327، ابوداؤد 3592، سبب اکدارن ء170)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فَمَنْ عَرَضَ لَہٗ قَضَآءٌ فَلْیَقْضِ فِیْہِ بِمَافِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ جَآءَ ہٗ اَمْرٌ لَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ وَلَا قَضٰی بِہٖ نَبِیُّہٗ ﷺ فَلْیَقْضِ بِمَاقَضٰی بِہِ الصَّالِحُوْنَ، فَاِنْ جَآءَ ہٗ اَمْرٌ لَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ وَلَا قَضٰی بِہٖ نَبِیُّہٗ ﷺ وَلَاقَضٰی بِہِ الصَّالِحُوْنَ، فَلْیَجْتَہِدْ رَاْیَہٗ، وَلَایَقُوْلُ اِنِّیْ اَخَافُ

وَاِنِّیْ اَخَافُ، فَاِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَالْحَرَامَ بَیِّنٌ وَبَیْنَ ذٰلِکَ اُمُوْرٌ مُشْتَبِہَاتٌ، فَدَعْ مَایُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ، قَالَ اَبُوْعَبْدِ الرَّحْمٰنِ، ھٰذَا الْحَدِیْثُ حَدِیْثٌ جَیِّدٌ جَیِّدٌ

یعنی حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے سامنے مقدمہ پیش ہو تو وہ اس سے فیصلہ کرے جو اللہ کی کتاب میں ہے اور اگر اس کے پاس کوئی ایسا مسئلہ آ جائے جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے پھر وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اس کے نبی ﷺ نے فیصلہ کیا ہے اگر اس کے پاس کوئی ایسا مسئلہ آ جائے جو اللہ کی کتاب میں بھی نہ ہو اور اس کے نبی نے بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ دیا ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرے جو صالحین نے فیصلہ دیا ہے اور اگر اس کے پاس کوئی ایسا مسئلہ آ جائے جو اللہ کی کتاب میں بھی نہ ہو اور اس کے نبی نے بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ دیا ہو اور صالحین نے بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ دیا ہو تو اب اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اس طرح نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں میں ڈرتا ہوں۔ بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں۔ پس مشکوک کو چھوڑ کر یقینی بات کو پکڑ لو۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بڑی زبردست چیز ہے زبردست چیز ہے۔ (نسائی حدیث رقم 5397)۔

پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ تلاشِ حق میں سب سے زیادہ ترجیح قرآن کو حاصل ہے پھر حدیث کو پھر اجماع اُمت کو اور پھر قیاس کو۔ جو شخص ان ترجیحات سے بے خبر ہو گا عین ممکن ہے وہ قرآن و حدیث کے مقابلے پر قیاس کرتا پھرے۔

2) نبی کریم ﷺ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا چوائس دیا جاتا تو آپ آسان چیز کو ترجیح دیتے تھے بشرطیکہ وہ آسان چیز گناہ نہ ہو۔ (بخاری حدیث 3560، مسلم 6045، ابوداؤد 4785)

اس حدیث پر غور فرمائیے، دونوں چیزوں میں سے آسان کو اختیار کرنا ایک ترجیح ہے لیکن اگر وہ آسان چیز گناہ ہو تو ترجیح بدل گئی اور دوسری چیز کے حق میں استحسان کا فیصلہ فرمایا۔

3) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ،فَاِنْ كَانُوْافِى الْقِرَائَةِ،سواءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ،فَاِنْ كَانُوافِى السُّنَّةِ سَوَاءً،فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً،فَاِنْ كَانُوْافِى الْهِجْرَةِ سَوَآءً،فَاَقْدَمُهُمْ اِسْلَامًا،وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِى سُلْطَانِهٖ وَلَا يَقْعُدُ فِىْ بَيْتِهٖ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو اللہ کی کتاب کا سب سے بڑا قاری ہو، اگر وہ سب قرائت میں برابر ہوں تو سنت کا بڑا عالم امامت کرائے، اگر سنت کے علم میں برابر ہوں تو ہجرت میں پہل کرنے والا، اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو پہلے اسلام لانے والا، اور کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی سلطنت میں جا کر امامت نہ کرائے، اور کوئی شخص کسی کے گھر میں جا کر اس کی اجازت کے بغیر اس کی مسند پر نہ بیٹھے (مسلم حدیث نمبر 1532، ابوداؤد 582-583-584، ترمذی 235، نسائی 779-782، ابن ماجہ 980)۔

4) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلَا اِنِّىْ اَبْرَأُ اِلٰى كُلِّ خِلٍّ مِنْ خِلِّهٖ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا،اِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! میں ہر خلوت کے دوست کی دوستی سے بری ہوں، اگر میں کسی کو خلیل اور تنہائی کا دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن میں تو صرف اللہ کا خلیل اور تنہائی کا دوست ہوں (مسلم حدیث نمبر 6176، ترمذی 3655، ابن ماجہ 93)۔

اس حدیث شریف میں استحسان اور ترجیح کی انتہا کر دی گئی ہے۔

5) معراج شریف کی رات محبوب رب العالمین ﷺ کو دودھ اور شراب کے دو پیالوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کا کہا گیا تو آپ ﷺ نے دودھ کو پسند فرمایا۔ کہا گیا کہ آپ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ اگر آپ شراب والا پیالہ منتخب کر لیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی (بخاری حدیث نمبر 3394-3437، مسلم 424، ترمذی 3130)۔

6) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ اَصْحَابِىْ عَلٰى جَمِيْعِ الْعَالَمِيْنَ سِوَى النَّبِيّٖنَ والمرسلين واختارلى منهم اربعة ابابكر وعمر وعثمان وعلياً فَجَعَلَهُمْ خَيْرَ اَصْحَابِىْ وَفِىْ اَصْحَابِىْ كُلِّهِمْ خَيْرٌ

یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو نبیوں اور رسولوں کے سوا سارے جہانوں پر ترجیح دیتے ہوئے پسند فرمالیا ہے اور ان میں سے خصوصاً میرے لئے چار صحابہ کو پسند فرمایا ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی۔ اور انہیں میرے صحابہ میں سے افضل بنایا ہے، ویسے میرے صحابہ میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ (الشفاء جلد 2 صفحہ 42، الروضۃ النضرۃ جلد 1 صفحہ 47)۔

7) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ رسول اللہ ﷺ سے کیسی محبت کرتے تھے؟ آپؓ نے فرمایا اللہ کی قسم آپ ﷺ ہمیں ہمارے مال، اولاد، باپ دادا، ہماری ماؤں اور پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے (الشفاء جلد 2 صفحہ 18)۔

8) عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ رضى الله عنهُ قَالَ: اِعْتَمَرْنَا مَعَ النبىِّ ﷺ فِىْ عُمْرَةٍ اِعْتَمَرَهَا، فَحَلَقَ شَعْرَهٗ، فَاسْتَبَقَ النَّاسُ اِلٰى شَعْرِهٖ، فَسَبَقْتُ اِلَى النَّاصِيَةِ فَاَخَذْتُهَا فَجَعَلْتُهَا فِىْ مُقَدَّمَةِ الْقَلَنْسُوَةِ، فَمَا وَجَّهْتُ فِىْ وَجْهٍ اِلَّا فُتِحَ عَلَىَّ رَوَاهُ اَبُوْ يَعْلٰى

یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے جو عمرہ کیا تھا، ہم نے بھی وہ عمرہ آپ کے ساتھ کیا۔ آپ ﷺ نے سر مبارک منڈوایا، تو لوگ آپ کے بالوں پر لپک پڑے، میں ماتھے کے بال لینے میں کامیاب ہو گیا، میں نے انہیں اپنی ٹوپی کے اگلے حصے میں رکھ لیا۔ اس کے بعد میں جس مہم پر بھی بھیجا گیا، مجھے فتح نصیب کی گئی (مسند ابویعلی حدیث رقم 7178، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر 3714، مجمع الزوائد حدیث رقم 5882 وقال الھیثمی رجالھما رجال الصحیح، مستدرک حاکم حدیث رقم 5378، دلائل النبوۃ للبیہقی 249/6)۔

یہ ٹوپی جب ایک مرتبہ میدانِ جنگ میں حضرت خالد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سر سے گر گئی تو آپ نے اپنی جان کا خطرہ مول لے کر گھمسان کی لڑائی کے دوران نیچے جھک کر اسے اٹھا لیا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ آپ نے ایک ٹوپی کو اتنی ترجیح کیوں دی؟ آپ نے انکشاف فرمایا کہ اس ٹوپی میں محبوب کریم ﷺ کے بال مبارک ہیں (الشفاء جلد 2 صفحہ 44)۔ اس استحسان کا تعلق عشق و عقیدت اور ادب سے ہے۔

9) حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو جب اہل مکہ نے قتل کرنے کے لئے حرم شریف سے باہر نکالا تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا، اے زید میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم اس وقت یہی نہیں چاہتے کہ تمہاری جگہ پر محمد ﷺ ہوں اور تمہاری جگہ انہیں قتل کیا جائے اور تو اپنے گھر والوں میں خیریت سے موجود ہو؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ، نے فرمایا اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ محمد ﷺ کو اپنے گھر میں بیٹھے بٹھائے بھی کوئی کانٹا تک چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان نے کہا میں نے آج تک کسی انسان کو کسی دوسرے انسان سے اتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی محمد ﷺ کے اصحاب محمد ﷺ سے محبت کرتے ہیں (الشفاء جلد 2 صفحہ 19)۔

10) عَنِ بنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ: مَارَاهُ الْمُوْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسے مومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے۔ اس حدیث کو امام محمد علیہ الرحمہ نے موطا میں مرفوعاً روایت فرمایا ہے (موطا امام محمد صفحہ 144، مسند ابوداؤد الطیالسی 243، ابونعیم 375/1، المعجم الاوسط حدیث رقم 3602، مسند احمد 3599)۔

حضرت سیدنا امام جعفر صادق قدس سرہ نے فرمایا ’’دانشمند وہ ہے جو دو اچھائیوں میں سے بڑی اچھائی کو ترجیح دے سکے اور دو برائیوں میں سے چھوٹی برائی کو ترجیح دے سکے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ’’دانشمند وہ ہے جو اچھے اور برے میں تمیز کر سکے (تذکرۃ الاولیاء صفحہ 4)۔

مختلف معاملات میں ترجیحات

1) ذاتی ترجیحات:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًا کہ تیری جان کا بھی تجھ پر حق ہے (بخاری حدیث نمبر 1975)۔ لہٰذا کثرتِ مجاہدہ اور اپنی صحت میں حسبِ ضرورت ترجیحات کا جاننا ضروری ہے۔ روزمرہ کے معاملات مثلاً طعام، آرام، کام اور دوستوں سے ملاقات میں ترجیحات معلوم ہونی چاہیں کہ کس وقت میں کون سا کام کرنا چاہئے۔

وہ شخص اپنی ذاتی زندگی میں سخت ناکام ہے جس کے پاس اپنا نظامِ اوقات Time Table مقرر نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے اوقات کا ایک حصہ عبادت کے لئے دوسرا حصہ گھر والوں کے لئے اور ایک حصہ اپنی ذات کے لئے مقرر فرما رکھا تھا۔ پھر اس ذاتی حصے میں سے آدھا وقت لوگوں کی حاجت روائی کے لئے مقرر فرما رکھا تھا۔ لوگ ایک ایک، دو دو اور کئی کئی حاجات لے کر حاضر ہوتے تھے۔ (شمائل ترمذی صفحہ 24)۔

انسان کی ایک کمزوری یہ ہے کہ جلد ہاتھ آنے والی چیز کو دیر سے ملنے والی چیز پر ترجیح دیتا ہے كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْاٰخِرَةَ (القیامۃ 20:75)۔ جو شخص اپنی اس کمزوری کو تاڑ لے اور اس کا علاج کر لے وہی دوراندیش، حلیم اور مدبر شخص ہے۔

انسان کی ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کی قیمتی بات پر اپنی فضول بات کو ترجیح دیتا ہے۔ اس ترجیح کا تعلق اخلاقیات کے ساتھ ہے۔

2) معاشرتی ترجیحات

ان ترجیحات کا تعلق حقوق العباد سے ہے عام مخلوق پر انسان کو ترجیح حاصل ہے، عام انسان پر مسلمان کو ترجیح حاصل ہے، عام مسلمان پر رشتہ دار کو ترجیح حاصل ہے اور عام رشتہ دار پر قریبی رشتہ دار کو ترجیح حاصل ہے۔

انسانی حقوق کے نام پر کی جانے والی تمام کوششیں دراصل کفر اور اسلام کا امتیاز ختم کرنے کی ناپاک سازش ہے۔ نیز مسلم ممالک میں غیر مسلموں کو پروان چڑھانے کی یہ ایک منصوبہ بندی ہے۔ انسانی حقوق کے ٹھکیداروں کو مشرقی تیمور میں انسانی حقوق کی پامالی صرف ایک ہفتے میں صاف نظر آنے لگی تھی، اس لئے کہ وہ عیسائی اکثریت کا علاقہ ہے لیکن انہیں کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی آج باسٹھ سال تک نظر نہیں آئی اس لئے کہ یہ اہل اسلام کی آزادی کا مسئلہ ہے۔ لہذا انسانی حقوق کے مکار نعروں کے خلاف ہمارا نہایت چست وچالاک ہونا اشد ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ یعنی لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ (ابوداؤد حدیث نمبر 4842)۔ لہذا انسانوں میں باہمی ترجیحات کا جاننا ضروری ہوا۔ انسانی حقوق کے نام پر چھڑی پکا کر بیٹھ جانا محض غلط ہے۔

انسان کے حسن سلوک کی سب سے زیادہ حق دار ماں ہے۔ نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا۔ یارسول اللہ ﷺ مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا، تیری ماں کا۔ پھر تیری

ماں کا۔ پھر بھی تیری ماں کا اور پھر تیرے باپ کا اور پھر اس سے دور والا اور پھر اس سے بھی دور والا رشتہ دار (بخاری حدیث نمبر 5971، مسلم 6500، ابن ماجہ 3658)۔

ان حدیثوں میں نبی کریم ﷺ نے علم ترجیحات کی زبردست خیرات بانٹی ہے۔ اس کے علاوہ فرد اور معاشرے کے مفاد میں ترجیحات اور ذاتی اور دوسروں کے مفاد میں ترجیحات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ فرد کے مفاد پر معاشرے کے مفاد کو ترجیح حاصل ہے اور اپنے چھوٹے مفاد پر دوسروں کے بڑے مفاد کو ترجیح حاصل ہے اور اگر اپنی ذاتی مفاد دوسروں کے مفاد کے مقابلے پر بڑا ہو تو بلاشبہ ذاتی مفاد کو ترجیح دینا درست ہے۔ لیکن ایثار اور قربانی کی شریعت نے حوصلہ افزائی کی ہے يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر 9:59)۔

یہ ترجیح جاننا بھی ضروری ہے کہ کس صورتِ حال میں مختلف افراد سے کس قسم کا معاملہ کرنا ہے مثلاً کسی کی اولاد کے سامنے اس کی پردہ پوشی کی جائے جب کہ اس کے والدین کے سامنے اس کی غلطی پر اسے صاف صاف ٹوک دیا جائے۔

جو شخص ان ترجیحات کو نہیں سمجھتا وہ غیر تمدنی اور غیر معاشرتی انسان ہے اور اس کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اسے تمیز نہیں۔

3) تعلیمی ترجیحات

تعلیمی میدان میں سب سے پہلے علم اور جہالت میں تمیز کر کے ان میں سے علم کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ یاد رکھیے کہ کتابوں میں لکھ دی جانے والی ہر چیز کا نام علم نہیں۔ کتنے ہی اہل علم ایسے موجود ہیں جنہوں نے کتاب کا ایک لفظ تک نہیں پڑھا اور کتنے ہی ایسے جاہل موجود ہیں جنہوں نے کتابوں کے ڈھیر چاٹ لئے ہیں۔ علم سمجھی جانے والی ہر وہ بات جو بندے کو اس کے رب سے دور لے جائے وہ دراصل جہالت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا یعنی بعض علم بھی عین جہالت ہوتے ہیں (ابوداؤد حدیث

نمبر 5012)۔

اس کے علاوہ غیر مسلموں کے مشنری سکولوں میں مسلمان بچوں کو تعلیم دلانا سراسر غلط ہے۔امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ علم دین ہے خوب غور کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کس شخص سے سیکھ رہے ہو۔(مسلم فی مقدمۃ ،دارمی حدیث نمبر 433)۔

لہذا ماں باپ کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بچوں کے لئے مناسب علوم اور مناسب تعلیمی اداروں کو ترجیح دیا کریں۔ ہمارے ملک پر حکومت کرنے والوں کی اکثریت عیسائی مشنری سکولوں اور آکسفورڈ وامریکہ سے پڑھ کر آتی ہے یہی فساد کی جڑ ہے۔

اس کے بعد نصابی ترجیحات کا نمبر آتا ہے۔نصاب بنانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ ان میں اس کام کی کامل صلاحیت موجود ہو ورنہ ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا یعنی وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے (بخاری حدیث نمبر 100، مسلم 6796، ترمذی 2652،ابن ماجہ 52)۔نصاب تشکیل دینے کے لئے بچوں کی صلاحیت اور حالات کے تقاضوں کے درمیان توازن کا قائم رکھنا ضروری ہے۔خوش بخت ہے وہ معلم جس نے اس مذکورہ گراف کو مدنظر رکھتے ہوئے نصابی ترجیحات اختیار کر لیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نااہل کے سامنے علم کی بات رکھنا ایسا ہی ہے جیسے خنزیر کے گلے میں موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دیا جائے (ابن ماجہ 224)۔

بنیادی تعلیم کے بعد پیشہ وارانہ تعلیم اور اپنی ذہنی استعداد کے مطابق مضامین کے انتخاب میں ترجیحات کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔عقائد ونظریات کے میدان میں صحیح عقیدے کو ترجیح دے کر اسے اختیار کرنا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ کی توحید نبی کریم ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کا عقیدہ صحیح عقیدہ ہے۔اب آپ ہر اس چیز کو مانتے چلے جائیے جس کی خبر نبی کریم ﷺ نے دی ہو۔علم حدیث کے باب میں خبر واحد پر مشہور کو اور مشہور پر متواتر کو ترجیح حاصل ہے۔ ضعیف پر حسن کو اور حسن پر صحیح کو ترجیح حاصل ہے۔مقطوع پر

موقوف کو اور موقوف پر مرفوع کو ترجیح حاصل ہے۔

فقہ میں مباح پر مستحب کو، مستحب پر سنت کو، سنت پر واجب کو اور واجب پر فرض کو ترجیح حاصل ہے۔ کتبِ فقہ میں سے متون کو شروح پر اور شروح کو فتاوی جات پر ترجیح حاصل ہے۔قیاس کرنے کے لئے علم ترجیحات کی بنا پر ہی مناسب ترین مقیس علیہ کا انتخاب ممکن ہے۔امامت کے حق دار کی ترجیح، قضا شدہ نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب کا لحاظ، امر ونہی کے لئے مختلف حالات میں مناسب لائحہ عمل، حلال اور حرام میں ترجیح، زکوٰۃ اور عفو کی تقسیم میں ترجیحات، تقسیم میراث میں ترجیحات اور اختلافی مسائل میں ترجیحات، علم ترجیحات کے شاہکار موضوعات ہیں۔

4) معاشی ترجیحات

معاشی میدان میں انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ بنیادی ضرورت اور سہولیات میں تمیز کرے اور ان میں باہم ترجیحات قائم کرے۔ جو لوگ ضرورت اور سہولت کا فرق نہیں سمجھتے وہ معاشی طور پر ہمیشہ مار کھاتے رہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رہنے کا مکان، پہننے کے لئے کپڑے روٹی اور پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہیں۔(ترمذی حدیث نمبر 2341، مسندِ احمد جلد 1 صفحہ 77)۔آج کل لوگوں نے فریج، ٹی وی، کار کوٹھی اور سوئی گیس کو اپنی بنیادی ضرورت سمجھ کر اپنے اوپر مصنوعی غربت طاری کر رکھی ہے۔ایسے لوگ اللہ کی رضا سے منہ پھیر کر امیروں پر حسد کرتے کرتے اپنی زندگی کو عذاب بنائے رکھتے ہیں۔پھر جب یہ لوگ بوکھلا کر کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو اپنے بھوکے بچوں کے لئے آٹا سبزی خرید کر لانے کی بجائے ٹی وی اٹھا کر لے آتے ہیں۔ یہ غلط ترجیح ہے۔ایک نئی مصیبت یہ ہے کہ فریج کا ٹھنڈا پانی پی پی کر اور مسلسل مشقت میں رہ رہ کر لوگوں کے معدے امراض کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔

ایسے لوگ اپنی غلط ترجیحات کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد اپنا کنبہ چھوٹا رکھنے کے

لئے خاندانی مصنوبہ بندی پر عمل کرنے لگتے ہیں تو تقدیر کے ہاتھوں مزید رسوائی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔اوّل تو ان کی یہ تدابیر کچھ کام ہی نہیں کرتیں اور اگر کام کرتی بھی ہیں تو خواتین کی صحت پر اس کا اتنا برا اثر پڑتا ہے کہ زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک فطری عمل کا راستہ روکنے کا یہی انجام ہونا چاہئے۔ہم یہ بات محض نا سمجھی کی بنا پر یا الزام کے طور پر نہیں کہہ رہے بلکہ بے شمار لوگ ہمیں اپنی زبان سے داستان ظلم وستم سنا چکے ہیں اور اپنے بگڑے ہوئے کیس (Case) کے علاج کے لئے ہم سے رجوع کر چکے ہیں۔لہذا اب جو اس بات کو تسلیم نہیں کرتا وہ خود ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔ہاں اگر ایک آدھ کیس کامیاب بھی ہو چکا ہو تو اسے سو فیصد کامیابی نہیں کہہ سکتے۔اگر کوئی شخص زہر کھا کر بچ رہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زہر کھانا درست تھا۔سہولیات پر ضروریات کو ترجیح دینے کے بعد ضروریات میں سے بھی زیادہ اہم ضرورت کو ترجیح دینا ضروری ہے۔مثلاً ایک آدمی کے گھر میں آٹا اور سبزی دونوں موجود نہیں جب کہ رقم صرف ایک چیز کو خریدنے کی موجود ہے تو یقیناً وہ آٹے کو ہی ترجیح دے گا۔

فضول خرچی اور کنجوسی کے درمیانی اعتدال کو ترجیح دینا بھی ضروری ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”الاقتصاد فی النفقة نصف المعيشة یعنی خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت ہے (شعب الایمان للبیهقی جلد5 صفحه 254)۔بازار میں شاپنگ نام ہی محض ترجیحات کا ہے۔بازاری قیمت اور اپنی جیب کے درمیان توازن کو قائم رکھتے ہوئے ہر انسان خریداری کرتا ہے۔اس کے علاوہ اپنے ذہنی رجحان اور سرمائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف پیشوں میں سے کسی ایک پیشے کو ترجیح دیتا ہے اور یہ ترجیح بڑی اہم ترجیح ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات ہم پر واضح ہوئی ہے کہ کاروبار ہمیشہ چھوٹے پیمانے پر شروع کرنا چاہئے۔آج لوگوں کو سند اور ڈگری کا غرور یا خاندانی وجاہت چھوٹا کاروبار کرنے سے روک رہی ہے۔نکتے کی بات یہ ہے کہ ہر کاروبار شروع شروع میں

انسان کو امتحان میں ڈال دیتا ہے۔کم بکری اور مارکیٹ مقابلہ اکثر آڑے آتے ہیں۔یہاں پہنچ کر اکثر لوگ بوکھلا جاتے ہیں اور فوراً اپنا کاروبار تبدیل کر دیتے ہیں۔حالانکہ یہی وہ موڑ تھا جس کے بعد کامیابی کے آثار نمایاں ہونے تھے۔کسی دوسرے کاروبار نے بھی اسی موڑ پر پہنچ کر یہی تماشا دکھانا ہوتا ہے۔اس طرح غیر مستقل مزاج اور جلد باز انسان ہر نئے کاروبار کو ترجیح دے کر نقصان پر نقصان اٹھاتا چلا جاتا ہے۔کاروبار کے اندر تبدیلی لانی چاہئے۔مکمل کاروبار ہرگز نہیں بدلنا چاہئے۔خلاصہ یہ ہوا کہ ہمیشہ چھوٹا کاروبار شروع کریں اور پھر اس کاروبار کو کبھی تبدیل نہ کریں۔بالآخر فتح آپ کی ہوگی۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ رُزِقَ بشئٍ فَلْيَلْزَمْهُ یعنی جسے جس چیز سے رزق ملے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھے (الجامع الصغیر حدیث نمبر 8702)۔امیر بن کر بے چین رہنے کی بجائے رزق گزارا حاصل کر کے سکھ کی نیند کو ترجیح دینا سیکھئے، یہی معاشرتی ترقی ہے۔

5) سیاسی ترجیحات

حکمران کا انتخاب بھی محض ایک ترجیح کا نام ہے۔حکمران کا اپنی رعایا سے معاملہ کرنا بھی اس کی سیاسی اور معاملاتی ترجیحات ہیں۔حاکم کی معاشی تدابیر اور سیاسی اصلاحات کی کامیابی کا راز بہتر ترجیحات میں پوشیدہ ہے۔کون سا کام کس شخص کی ذمہ داری ہے؟ کسی بھی قوم کی ترقی میں اس ترجیح کا بہت بڑا دخل ہے۔کسی قوم کی بربادی عین اس وقت شروع ہو جاتی ہے جب نا اہل افراد کو اہم عہدوں پر فائز کر دیا جاتا ہے۔مثلاً عورت سے حکمرانی کرانا، چور کو جج بنانا، جاہل کو وزیر قانون بنا دینا غلط ترجیحات ہیں۔قاعدہ ہے کہ لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ یعنی ہر فن کے لئے خاص ماہرین ہوتے ہیں۔

آج کل ”نوجوان نسل“ کی اصطلاح کافی عروج پر ہے۔نوجوانوں کو آگے لانے اور سامنے لانے کے الفاظ عام طور پر سننے میں آتے ہیں۔ہمارے ذرائع ابلاغ پر اس بات کا پرچار زور وشور سے جاری ہے۔یاد رکھیے یہ بہت بڑی خطا اور سراسر غلط ترجیح ہے۔نوجوان

ناتجربہ کار ہوتا ہے اور وہ آگے لگنے کے قابل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے اپنے بزرگوں کی پیروی اور تجربہ کاروں کے تجربات سے سبق حاصل کرتے رہنا ضروری ہوتا ہے۔

جولوگ چالیس سال کی عمر سے پہلے پہلے لیڈر شپ اختیار کر لیتے ہیں وہ تجربہ کار اور صید آزمودہ نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی خوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی خوار کرتے ہیں۔ بعد میں حق واضح ہو جانے کے بعد انہیں آئے دن پینترے بدلنا پڑتے ہیں اور قلابازیاں کھانا پڑتی ہیں۔ اب وہ بے چارے کسی کو اپنی پریشانی بتا بھی نہیں سکتے۔

اِیَّاکَ وَالْاَمْرُ الَّذِیْ اِنْ تَوَسَّعَتْ

مَوَارِدُہٗ فَضَاقَتْ عَلَیْکَ مَصَادِرُ

ترجمہ: ایسے کام سے بچ جس میں داخل ہونا آسان اور نکلنا مشکل ہو (حماسہ باب الادب)

اُمت کا حکیم بننے کے لئے تجربہ کی ضرورت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا حَلِیْمَ اِلَّا ذُوْعَثْرَۃٍ وَلَا حَکِیْمَ اِلَّا ذُوْتَجْرِبَۃٍ یعنی ٹھوکریں کھائے بغیر حلم نہیں آتا اور تجربہ کے بغیر کوئی حکیم نہیں بن سکتا (ترمذی حدیث نمبر 2033، مسند احمد جلد 3 صفحہ 85)۔

بخدا ہم نے اقتدائے رفتگاں کو ہی محفوظ تر پایا ہے۔ کسی کی جتنی زیادہ عمر ہے ہمارے لئے وہ اتنا ہی قابل احترام ہے اور صحبت میں بیٹھنے کے لائق ہے۔ سیاست کے میدان میں ان تمام ترجیحات کا تعلق تدبیر اور حکمت عملی سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا عَقْلَ کَالتَّدْبِیْرِ یعنی تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں (ابن ماجہ حدیث نمبر 4218، شعب الایمان للبیہقی جلد 5 صفحہ 27)۔

6) روحانی ترجیحات (یعنی مسائل طریقت میں ترجیحات)

اس کا تعلق دین اور دنیا میں ترجیحات، عقل اور نقل میں ترجیحات، سائنس اور مذہب میں ترجیحات وغیرہ سے ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّھَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ کو شہوات کے پیچھے چھپا دیا گیا ہے اور جنت کو مشکلات کے پیچھے چھپا دیا گیا ہے (مسلم حدیث رقم 2843، مسند احمد 8966)۔

اس حدیث شریف میں دنیا کی نعمتوں اور دنیا کی تکالیف کے درمیان استحسان اور ترجیح سمجھائی گئی ہے۔ ان دونوں کا باطن اور انجام ان کے بالکل برعکس ہے۔ دنیا کا ظاہر سانپ کی طرح خوبصورت اور منقش ہے جبکہ اس کا باطن اسی سانپ کی طرح زہریلا ہے۔ مرشد پکڑنے سے پہلے مرشد کامل کے اوصاف کا جاننا ضروری ہے تاکہ کامل کو ناقص پر ترجیح دی جا سکے۔ مرشد میں چار اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے (الف) اس کا عقیدہ صحیح ہو (ب) وہ عالم ہو (ج) وہ باعمل ہو (د) اسے اس کے مرشد نے اجازت دی ہو اور اس کا سلسلہ جڑا ہوا ہو۔ باقی رہے لمبے لمبے چلے، بڑی بڑی تسبیحات اور کرامات تو یہ کسی کے کمال کی حتمی علامت نہیں، راہ قبول کا انحصار اتباع سنت پر ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں کچھ دنوں تک رہا۔ بالآخر اس نے اجازت چاہی، آپ نے پوچھا کس مقصد کے لئے آئے تھے۔ اس نے کہا حضرت! آپ کی بڑی شہرت سنی تھی مگر کئی روز تک آپ کے پاس ٹھہرنے کے باوجود کوئی کرامت دیکھنے میں نہیں آئی، آپ نے فرمایا تم نے میرا کوئی کام خلافِ سنت دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا، یہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم میں سے زیادہ کرامت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ (الحجرات 13:49)۔

بیعت کر لینے کے بعد مرید کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مرشد کو پوری دنیا پر ترجیح دے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنی جانوں سے بھی زیادہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے

تھے۔ارشادخداوندی ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ یعنی نبی مومنوں کی
جانوں سے بھی زیادہ ان پر حق رکھتے ہیں۔(الاحزاب 2:33)۔

اس آیت میں صاف طور پر نبی کریم ﷺ کو مومنوں کی جان پر ترجیح دی گئی ہے۔اولیٰ
بمعنی احق ہو یا بمعنی اقرب بہر حال ترجیح نبی کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا
جب تک میں اسے اس کی اولاد ،ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو
جاؤں(بخاری حدیث نمبر 15، مسلم حدیث 168،نسائی 5014،ابن ماجہ 67)۔اس
حدیث شریف میں بھی دنیا کے تمام افراد پر نبی کریم ﷺ کی ترجیح مذکور ہے۔مرید کیلئے بھی
ضروری ہے کہ اپنے لئے اپنے مرشد سے بڑھ کر کسی کو اپنے زمانے میں فائدہ مند نہ سمجھے۔

زلفاں چھلے چھلے

سارا جگ بہوں سوہنا   میرے ماہیے توں تھلے تھلے

جو مرید اس ترجیح کو اچھی طرح نہیں سمجھا اس کے لئے دیگر مشائخ کی صحبت زہر قاتل
ہے۔اگر اس نے وقت کے غوث کو بھی اپنے مرشد پر ترجیح دے دی تو اس کا فیض رُک
جائے گا۔اس کے بعد مرشد کو دنیا کے مال ومتاع پر بھی ترجیح حاصل ہے۔حضرت خواجہ غلام
فرید علیہ الرحمہ اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ فخر الدین قدس سرہ کے دستِ اقدس پر بیعت
تھے۔والد ماجد کے وصال کے بعد حضرت فخر الدین قدس سرہ نے فرمایا فرید!ادھر آؤ
حضرت والد صاحب کی میراث دونوں بھائی تقسیم کریں۔آپ نے عرض کیا حضور!میں
آپ سے چھوٹا ہوں، شفقت کا یہ تقاضا ہے کہ میراث کے دو حصے بھی میں ہی کروں اور اپنی
پسند کا حصہ بھی مجھے ہی اختیار کرنے دیا جائے۔آپ نے فرمایا چلو ایسے ہی سہی۔حضرت
غلام فرید نے گھر کا سارا سامان، مکان اور زمین ایک طرف کر دیئے اور اپنے بھائی اور مرشد
حضرت خواجہ فخر الدین قدس سرہ کو دوسری طرف کھڑا کر دیا۔عرض کیا، میراث کے یہ دو حصے

ہو گئے ایک طرف میرا مرشد اور دوسری طرف تمام اثاثہ۔پھر آگے بڑھ کر اپنے مرشد کے
گلے میں اپنی باہیں ڈال کر کہنے لگے میرے حصے میں میرا مرشد ہوا کرے۔

چشماں فخر الدین مٹھل دیاں تن من کیتا چُور
گھول گھتاں میں فخر جہاں توں جنت حور قصور

پھر مرید کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے علم اور عقل کے مقابلے میں اپنے مرشد کو
ترجیح دے۔حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کی باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سمجھ میں نہ آ
سکیں پھر آج کے دور کا مرید کس شمار میں ہے۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے دو علم سیکھے ہیں۔ایک علم وہ ہے جسے میں بیان کرتا ہوں اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں
اسے بیان کروں تو لوگ میری گردن کاٹ دیں(بخاری حدیث نمبر 120)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِهٖ عِلْمٌ یعنی تم اس بارے میں
کیوں جھگڑتے ہو جو تمہاری سمجھ سے باہر ہے(آل عمران 66)

ہر سمجھدار کی سمجھ کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔بقول حضرت شیخ اکبر قدس سرہ رُبَّ حَامِلِ
فِقْهِ لَیْسَ بِفَقِیْهٍ بَلْ کَذَّبُوْا مَالَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ یعنی کتنے ہی فقہ کا علم اٹھا کر پھرنے
والے ایسے ہوتے ہیں جو فقیہ نہیں ہوتے بلکہ جو چیز ان کی سمجھ سے باہر ہو اس کا انکار کر دیتے
ہیں(کتاب الفناء صفحہ 4)۔

اللہ والوں پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ ایک ذات خداوندی کے سوا کسی دوسری
طرف متوجہ ہونا گوارا نہیں کرتے۔حتی کہ ان کے خاص الخاص رفقاء اور صدیقین بھی اس
وقت درمیان میں حائل نہیں ہوسکتے۔اسی حال کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر
میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے

لوگوں نے درخواست کی کہ آپ اپنے سفر کی کوئی عجیب وغریب بات سنائیں۔ آپ نے فرمایا سب سے عجیب بات یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی مگر میں نے اسے قبول نہ کیا اور مجھ پر ایسا حال طاری تھا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے سواء کسی اور کی خاطر مدارت میں مشغول ہونے کو طبیعت نہیں مانتی تھی۔ (کشف المحجوب 383) اللہ کریم ہم مسکینوں کو بھی توحید آشنائی کا یہ منظر دیکھنا نصیب کرے۔ آمین۔

تصوف دراصل نام ہے آداب کا۔ ہر حال اور ہر مقام کا ایک الگ ادب مقرر ہے۔ فقیر نے ہر مقام پر اور ہر حال میں اسی مخصوص ادب کو ترجیح دینا ہوتی ہے۔

ابوالعباس بن عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْاَدَبُ الْوُقُوْفُ مَعَ الْمُسْتَحْسَنَاتِ یعنی ادب کا معنی ہے مستحسنات کو اختیار کرنا (کشف المحجوب صفحہ 380)۔

حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اَلنَّاسُ فِیْ الْاَدَبِ عَلٰی ثَلَاثِ طَبَقَاتٍ اَمَّا اَھْلُ الدُّنْیَا فَاَکْثَرُ آدَابِھِمْ فِیْ الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ وَحِفْظِ الْعُلُوْمِ وَاَسْمَارِ الْمُلُوْکِ وَاَشْعَارِ الْعَرَبِ، وَاَمَّا اَھْلُ الدِّیْنِ فَاَکْثَرُ آدَابِھِمْ فِیْ رِیَاضَةِ النَّفْسِ وَتَادِیْبِ الْجَوَارِحِ وَحِفْظِ الْحُدُوْدِ وَتَرْکِ الشَّھْوَاتِ، وَاَمَّا اَھْلُ الْخُصُوْصِیَّةِ فَاَکْثَرُ آدَابِھِمْ فِیْ طَھَارَةِ الْقُلُوْبِ وَمُرَاعَاةِ الْاَسْرَارِ وَالْوَفَاءِ بِالْعُھُوْدِ وَحِفْظِ الْوَقْتِ وَقِلَّةِ الْاِلْتِفَاتِ اِلَی الْخَوَاطِرِ وَحُسْنِ الْاَدَبِ فِیْ مَوَاقِفِ الطَّلَبِ وَاَوْقَاتِ الْحُضُوْرِ وَمَقَامَاتِ الْقُرْبِ

یعنی ادب کے لحاظ سے لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ دنیاداروں کا ہے جو فصاحت وبلاغت، حفظِ علوم اور بادشاہوں کے

قصے اور عرب کے اشعار کو اداب قرار دیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے جنہوں نے ریاضتِ نفس، اپنے اعضاء کو باادب بنانا، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا اور ترکِ شہوات کا نام "ادب" رکھا ہے اور تیسرا طبقہ اہل خصوصیت کا ہے جو دلوں کی طہارت، اللہ کے رازوں کی پاسداری، عہدو پیماں کی وفا، وقت کی حفاظت، پراگندہ خیالات کی طرف قلتِ توجہ اور طلب وحضور وقرب میں حسن ادب کو ملحوظ رکھنے کو ادب کہتے ہیں (کتاب اللمع صفحہ 224-225، کشف المحجوب 381)۔

فقیر کے لئے کشف والہام رحمانی اور شیطانی میں ترجیحات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ جو الہام شریعت کے خلاف ہو وہ شیطانی ہے اور جو شریعت کے مطابق ہو وہ رحمانی ہے۔ نکتے کی بات یہ ہے کہ کشف والہام کا تعلق مباح چیزوں سے ہوا کرتا ہے فرض سے روکنا شیطانی الہام ہے اور فرض کا حکم دینا فاضل الہام ہے۔ اس لئے کہ فرض تو پہلے ہی فرض ہے۔ یہاں سے معلوم ہو جانا چاہئے کہ الہام کو پرکھنے کے لئے شریعت کے احکام اور اوامر ونواہی کو تفصیلات سے جاننا کس قدر ضروری ہے۔

شیطانی الہام میں بڑے بڑے پیچ اور باریکیاں ہوا کرتی ہیں۔ اگر کسی شخص کو الہام ہو کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردے تو یہ شیطانی الہام ہے۔ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے جبکہ دوسروں کا یہ الہام شریعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود وباطل ہے۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میرے مرشد کو یہ الہام ہوا کہ تو مسیح ہے۔ لیکن انہوں نے اس الہام کو شریعت کی روشنی میں پرکھ لیا اور شیطان کی واردات سے بچ گئے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد آج تک نبوت ومسیحیت ومہدیت کا دعویٰ کرنے والے اس

ترجیح کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مار کھا گئے۔ مشائخ علیہم الرضوان نے اس سلسلے میں بہت سے معیار مقرر فرمائے ہیں مثلاً:

(الف) شریعت کے مطابق الہام ہو تو یہ الہام رحمانی ہے ورنہ شیطانی ہے۔

(ب) دائیں کان میں آواز آئے تو رحمانی اور بائیں میں آئے تو شیطانی ہے۔

(ج) سب سے پہلے وارد ہونے والا خیال رحمانی ہے اور بعد میں وارد ہونے والا خیال شیطانی ہے۔

(د) الہام کے ساتھ فرحت اور خوشی محسوس ہو تو یہ شیطانی الہام ہے اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ

(ہ) وہم پر ظن کو ترجیح حاصل ہے اور ظن پر قطعیت کو ترجیح حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دَعْ مَایُرِیْبُکَ اِلیٰ مَالَایُرِیْبُکَ یعنی شک سے بالاتر کو مشکوک پر ترجیح دو (ترمذی حدیث نمبر 2518، نسائی حدیث نمبر 5711، مسند احمد 258، دارمی 2535)۔

فقراء کے اخلاق کا ایک معرکۃ الآراء پہلو، ان کی خاموشی اور گفتار ہے۔ فقیر اپنے نفس کی وجہ سے بولا نہیں کرتا اور اللہ کریم کی طرف سے آنے والی بات کو روکا نہیں کرتا۔ یہ ایک نہایت اہم ترجیح ہے اور جو اس سے ناواقف ہے وہ فقیر نہیں۔

7) طبی ترجیحات

ان ترجیحات کا تعلق مرض کی تشخیص اور دواؤں کے انتخاب سے ہے مثلاً نبض اگر گہری سست اور موٹی ہے تو مرض بلغمی ہوگا۔ اگر نبض تیز، باریک اور لمبی ہے تو مرض سوداوی ہوگا۔ اگر نبض مشرف ہے تو مرض دموی ہوگا اور اگر نبض معتدل ہے تو مرض صفراوی ہوگا۔ مفرد امراض اور مرکب امراض کی صورت میں الگ الگ دواؤں کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ حاد اور مزمن امراض میں بھی مختلف ادویہ کو ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً زکام کا بہترین علاج

جوشاندہ ہے لیکن اگر نزلہ دائمی ہو جائے تو اس کے لئے خمیرہ گاؤزبان یا اطریفل اسطخودوس یا اطریفل زمانی کو ترجیح دی جائے گی اور اگر بلغم میں تعفن پیدا ہو جائے گی تو خشک کی بجائے تر ادویہ مثلاً شربت صدر، خمیرہ خشخاش، خمیرہ بادام وغیرہ کو ترجیح دی جائے گی۔

مرکب علامات کی صورت میں ایک ہی دوا کا انتخاب کر کے اسے ترجیح دی جائے گی۔ جو شخص ان ترجیحات پر دسترس رکھتا ہے وہی بہترین معالج ہے۔ اس کا تعلق تجربے اور مہارت سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَاحَکِیْمَ اِلَّا ذُوْتَجْرُبَۃٍ یعنی حکیم وہی ہے جس کے پاس تجربہ ہو (ترمذی حدیث نمبر 2033، مسند احمد جلد 3 صفحہ 85)۔

8) عصری مسائل کا حل علمِ ترجیحات کی روشنی میں

اس وقت اُمتِ مسلمہ کا اتحاد، بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کا مناسب ترین لائحہ عمل، اندرونی فتنوں سے نمٹنے کا طریقہ، بے بسی کے عالم میں ذمہ دار لوگوں کو اپنے فرض کی ادائیگی کا طریقہ، اہم ترین موضوعات ہیں۔

(الف) مثل مشہور ہے ''کیا کھویا کیا پایا''؟ اس ضرب المثل میں استحسان اور علم ترجیحات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اُمت کے اتحاد کی ایسی کوشش محض بے وقوفی ہے جس سے پانچ فیصد لوگ متحد ہو جائیں اور پچانوے فیصد ناراض ہو کر اس پانچ فیصد کو ایک نیا فرقہ بنا ڈالیں۔ نادان رہنما جتنا فائدہ کرتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ نقصان کر دیتے ہیں۔ اُمت کی اصلاح کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل ترتیب دینا یا کوئی ایسی تحقیق پیش کرنا یا کوئی ایسی نئی بات کرنا کہ اُمت کی اکثریت اس کی مخالفت پر اُتر آئے، یہ اصلاحی کارنامہ نہیں بلکہ کور باطنی اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت ہے۔

(ب) ایک حدیث میں حضور کریم ﷺ نے مبلغین کے تین طبقات بیان فرمائے ہیں فرمایا: مَنْ رَایٰ مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ، فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ، وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ یعنی تم میں سے جو بھی برائی کو دیکھے تو

اسے اپنے ہاتھ سے روکے اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اور اگر زبان سے روکنے کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے، اور یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے (مسلم حدیث نمبر 177، ابوداؤد 1140، ترمذی 2172، نسائی 5008، ابن ماجہ 4013)۔ اس حدیث شریف میں تبلیغی ترجیحات بیان فرمائی گئی ہیں کہ کس قسم کی تبلیغ کون سے آدمی کا فریضہ ہے:

(ج) کسی بھی اہم اور نازک کام کو ہاتھ ڈالنے سے پہلے ماہرین سے مشورہ کر لینا اور مناسب ترین اقدام کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اے محبوب اپنے صحابہ سے مشورہ لیا کریں۔ آگے فرمایا فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ جب عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو (آل عمران 159)۔ یہ عزم اس وقت کیا جاتا ہے جب صورت حال کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ایک فیصلے کو ترجیح دے دی جاتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

برائے جہاں دیدگاں کارکن ۔۔۔ کہ صید آزمود است گرگِ کہن

ترجمہ: جہاں دیدہ لوگوں سے رائے لے کر کام کر اس لئے کہ پرانا بھیڑیا شکار کو آزما چکا ہوتا ہے۔

خوش نصیب ہے وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ نے مشورے کا دروازہ کھول دیا اور وہ اُمت کی اکثریت کے ساتھ چلنے کا خوگر ہوا، ان تمام موضوعات پر نبی کریم ﷺ کی احادیث صریحاً وارد ہیں:

اللہ اللہ حضور کی باتیں ۔۔۔ عین ربِ غفور کی باتیں
چند لفظوں میں بند سمندر ہیں ۔۔۔ میرے آقا حضور کی باتیں

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه ونور عرشه سيدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعين

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
اور
علم حدیث

(اعتراضات واشکالات کا تحقیقی جائزہ)

ڈاکٹر محمد حسین آزاد القادری

(ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کالجز ملتان ڈویژن)

حضرت امام ابوحنیفہ اور علم حدیث

ڈاکٹر محمد حسین آزاد القادری

اسم گرامی نعمان، کنیت ابوحنیفہ، لقب امام اعظم اور نسباً فارسی النسل تھے۔ شجرہ نسب ایران کے بادشاہ نوشیروان سے اس طرح ملتا ہے۔ نعمان بن ثابت بن مرزبان، بن ثابت بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیروان (1) بعض حضرات نے آپ کو بنوتیم کے غلاموں میں شامل کیا ہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں:

> ''نعمان بن ثابت، بنی تیم اللہ بن ثعلبہ بکر بن وائل کے غلام تھے۔'' (2) ابن خلکان، ابن کثیر اور امام ذہبی نے بھی اپ کی نسبت بنوتیم سے جوڑی ہے۔ (۳) خطیب بغدادی نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پوتے اسماعیل بن حمادؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کا تعلق فارس کے آزاد قبیلے سے تھا فرماتے ہیں: ''ہم سے قاضی عبداللہ حسین بن علی صیمریؒ نے بروایت عمر بن ابراہیم مقری، انہوں نے مکرم بن حنبل بن احمد قاضی سے، انہوں نے احمد بن عبداللہ بن شاذان المروزی سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے بیان کیا ہے کہ شاذان المروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن حماد سے سنا ہے کہ ثابت بن نعمان بن مرزبان، ملک فارس کے آزاد مردوں میں سے تھے۔ وہ فرماتے تھے: خدا کی قسم! ہم پر کبھی غلامی کا دور نہیں گزرا۔ میرے دادا (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) 80ء ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حضرت ثابت اوائل عمر میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کی اولاد کے لئے برکت کی دعا فرمائی، ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی ہے، (نعمان بن مرزبان حضرت ثابت کے والد تھے) یہی نعمان ہیں جنہوں نے ''نوروز کے دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا ''نوروزلنا کل یوم'' ہمارے لئے ہر دن نوروز ہے''۔ (4)

ابن خلکان نے اگرچہ آپ کو بنوتیم اللہ ابن ثعلبہ کا مولیٰ لکھا ہے تاہم آپ کے پوتے اسماعیل بن حماد کے مذکورہ بیان کو بحوالہ خطیب بغدادی تحریر کیا ہے اور اس پر تنقید بھی نہیں کی۔ (5) ابن حجر مکی الھیتمیؒ نے اپنی کتاب الخیرات الحسان میں اسی روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ واللہ ماوقع لنارق قط یعنی خدا کی قسم ہم کبھی غلام نہیں تھے۔ (6) امام جلال الدین سیوطی نے صرف آپ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد کی روایت پر ہی اکتفا کیا ہے۔ (7) علامہ شبلی نعمانیؒ نے خطیب بغدادی کی بیان کردہ روایت کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسماعیل بن حماد کی روایت کئی وجوہ سے قابل قبول ہے کیونکہ یہ نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے، قاضی صیمری رحمہ اللہ علیہ جیسے ثقہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ زوطی، بنی تیم اللہ کے حلیف تھے۔ (8) اکثر علماء اور مؤرخین نے آپ کی نسبت بنوتیم سے قائم کی ہے اور اس نسبت سے آپ کو تیمی بھی لکھا ہے۔ ان میں ابن سعد، ابن کثیر، امام ذہبی اور امام

موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ علیہ جیسے متبحر علماء شامل ہیں تاہم خطیب بغدادی کی سند سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ خطیب بغدادی نے جو روایت آپ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت کے حوالے سے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں تحریر کی ہے۔ بلاشبہ اس کی تردید میں معترضین کوئی مستند حوالہ نہیں لا سکے۔ امام موفق رحمہ اللہ علیہ نے حضرت صالح بن احمد عجلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ تیمی تھے اور تیمی خانوادہ حمزہ زیات کی اولاد سے تھا جو ریشم کے تاجر تھے (9) ابو نعیم الفضل فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ زوطی تھے۔ زوطی ان علاقوں میں سے تھے جنہیں مسلمان فاتح مختلف ممالک سے گرفتار کر کے لائے تھے۔ (10) امام موفق رحمہ اللہ علیہ نے آپ کو غلاموں میں شمار کیا ہے لیکن اسے معیوب قرار نہیں دیا بلکہ مستند دلائل سے ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے حسد کی بنا پر آپ کی نسبت کو غلاموں سے جوڑ کر آپ پر تنقید کی جسارت کی ہے (11) علامہ خوارزمی، مولوی فقیر محمد جہلمی اور علامہ شبلی نعمانی جیسے متبحر علماء و محققین نے آپ کے پوتے اسماعیل بن حماد کی روایت کو اہمیت دیتے ہوئے آپ کے دادا کا نام زوطی کی بجائے نعمان لکھا ہے اور پردادا کا نام ماہ کی بجائے مرزبان لکھا ہے۔

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کے حوالے سے اس روایت کو وفیات الاعیان میں تحریر کیا ہے۔ (12) شبلی نعمانی نے اس اختلاف میں تطبیق کی کوشش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اسماعیل بن حماد نے دادا کا نام نعمان اور پردادا کا نام مرزبان لکھا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زوطی جب ایمان لائے تو ان کا اسلامی نام زوطی کی بجائے نعمان رکھا گیا۔ زوطی کے باپ کا نام شاید کچھ اور ہو، ماہ اور مرزبان ان کے القابات ہوں کیونکہ مرزبان فارسی میں رئیسِ خاندان کو کہتے ہیں۔ اس لئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہیں۔ دراصل وہی ''مہ'' ہے جسکے معنی ''بزرگ'' اور سردار کے ہیں مشہور مصرعہ ہے ''نہ کہ رامنزلت مانند مہ را'': عربی لہجہ میں ''مہ'' کو ماہ کر دیا ہے۔ (13) بلاذری کے نزدیک

مرزبان کے معنی والی شہر اور سردار کے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لشکر اسلام نے فارس کے شہر اہواز پر چڑھائی کی۔ وہاں زطّ اور ایرانی اسادرہ کا ایک گروہ تھا، ان سے شدید لڑائی ہوئی۔ ہم نے ان پر غلبہ حاصل کیا اور سب کو غلام بنا لیا۔ اس کے بعد ابوموسیٰ نے سوس کا محاصرہ کیا۔ اہل سوس قلعہ بند ہو گئے۔ اہل سوس کے مرزبان کی درخواست پر ابوموسیٰ نے محاصرہ اٹھا لیا اور مرزبان نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ (14)

بلاذری کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزبان، شہر کے والی یا سردار کو کہتے ہیں۔ گویا امام ابوحنیفہؒ کے پردادا ملک فارس میں کسی شہر کے مرزبان یعنی سردار تھے۔ اپنے نام کی بجائے مرزبان کے لقب سے مشہور تھے لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ فارس کے کس شہر میں رہتے تھے، البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ فاتحین اسلام کی لشکر کشی اور اسلام کی اثر انگیزی کی وجہ سے اہل فارس جوق در جوق اسلام قبول کر رہے تھے۔ انہی دنوں آپ کے جدّ امجد زوطی حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور خاندان والوں کی ناراضگی اور ایذا رسانیوں سے دلبرداشتہ ہو کر فارس کو چھوڑ کر کوفہ میں سکونت اختیار کر لی اور بقول قاضی صیمری رحمہ اللہ بنی تیم اللہ کے حلیف بن گئے۔ (15) زوطی جن کا اسلامی نام نعمان تھا کبھی کبھار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے۔ اسماعیل بن حماد فرماتے ہیں کہ میرے دادا ابوحنیفہ کے والد ثابت کو ان کے والد نعمان (زوطی) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے تھے اور حضرت علی

رضی اللہ عنہ، نے حضرت ثابت بن نعمان رحمہ اللہ کو خیر و برکت کی دعا دی تھی اور انہوں نے تحفۂ فالودہ پیش کیا تھا۔(16)

آپ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد (م212ھ) نے یقین کامل سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی اور میرے دادا ابوحنیفہ کو عالم اسلام میں دوامی شہرت نصیب ہوئی۔ امام جلال الدین سیوطی (م911ھ) نے تبییض الصحیفہ میں اور ابن حجر الھیتمی (م973ھ) نے الخیرات الحسان میں(17) واضح طور پر لکھا ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ "لو کان العلم معلقاً بالثریالتنا ولہ قوم من ابناء فارس" یعنی علم اوج ثریا پر بھی ہو تو ابنائے فارس کی قوم وہاں تک ضرور پہنچے گی، کا مصداق ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ ہیں۔ محدثین کی کثیر تعداد نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری (18) میں، امام مسلم نے صحیح مسلم نے (19) ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء (20) میں امام ابراہیم علی شیرازی نے الالقاب (21) میں اور امام طبرانی نے معجم کبیر (22) میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے حدیث مذکور کی ستر اسانید کی تخریج کی ہے اور ان محدثین کے اسماء گرامی کی فہرست بھی بیان کی ہے جنہوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔(23) لہذا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا فارسی النسل ہونا ثابت ہے۔ خطیب بغدادی نے بحوالہ حصرت عبدالرحمٰن المصری لکھا ہے کہ آپ اہل بابل میں سے تھے۔(24) امام نووی، (25) امام ذہبی (26) امام مزی (27) اور قاضی صیمری (28) کا خیال بھی یہی ہے۔ ان حضرات نے ابوجعفر احمد بن اسحاق بن بہلول کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے والد ثابت رحمہ اللہ علیہ اہل انبار میں سے تھے۔(29) بابل، ترمذ، نساء، کابل اور انبار بھی اس وقت فارس کا حصہ تھے۔ آپ کا وطن بابل ہو یا انبار، کابل ہو یا فارس کا کوئی اور شہر لیکن یہ بات ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ آپ اہل فارس میں سے تھے اور

حضور اکرم ﷺ نے ابنائے فارس میں سے کسی ایک جوان مرد کے لئے ہی فرمایا تھا کہ اگر علم ثریا پر بھی پہنچ جائے تو مردانِ فارس وہاں تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ روایت کیا ہے یہ بھی حقیقتِ ثابتہ ہے کہ معروف اماموں میں فارسی النسل سوائے آپ کے کوئی اور نہیں ہوا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد کے حوالے سے خطیب بغدادی اور قاضی صیمریؒ نے وہ روایت بیان کی ہے کہ جو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ ہم ابنائے فارس سے ہیں اور غلاموں میں سے نہیں ہیں۔(30)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی ذات، شخصیت، تقویٰ و طہارت اور فہم و فراست پر تو بات کرنے کی کسی کو جسارت نہ ہوئی لیکن بعض حاسدین نے حسد کی بنا پر آپ کو صرف اہل الرائے کا درجہ دیا اور اپنی کوتاہ بینی اور بغض و عناد کی بنا پر قلتِ حدیث کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ:

1) آپ کو صرف 17 احادیث یاد تھیں اور اس کی وجہ تھی کہ آپ عربی نہیں جانتے تھے۔
2) آپ حدیث میں یتیم تھے۔
3) آپ نے حدیث کا علم نہیں سیکھا تھا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی سفر کیا تھا آپ کے عہد میں حدیث کی تدوین نہیں ہوئی تھی اس لئے قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے تھے۔
4) آپ ناقص الحافظہ تھے اور حدیث میں قوی نہ تھے۔
5) کسی محدث نے آپ سے حدیث نہیں لی۔
6) امام ابوحنیفہؒ سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔
7) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، سے آپ نے علم حاصل نہیں کیا اگرچہ آپ نے ان کا زمانہ پایا اور وہ محدثین میں سے تھے۔
8) تدوین حدیث تک آپ زندہ رہتے تو قیاس کو چھوڑ دیتے۔

علاوہ ازیں بھی اعتراضات ہوئے لیکن اس مقالے میں صرف علم حدیث کے حوالے سے

ہونے والے اعتراضات واشکالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

قلتِ حدیث

آپ پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ آپ سے بہت کم احادیث مروی ہیں۔ مولانا محمد یوسف جے پوری نے بحوالہ ابن خلدون یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ سے صرف 17 احادیث مروی ہیں۔ **"فابو حنیفه رضی الله عنهٔ یقال بلغت روایةً الی سبعة عشر حدیثًا"۔ (31)**

اس میں شک نہیں ابن خلدون کی اصل عبارت اس طرح ہے:

"ان الائمة المجتهدين تفاوتوا فی الاكثار من هذه الضاعة والاقلال فابو حنيفة رضی الله عنهٔ يقال بلغت روايته الی سبعة عشر حديثًا اونحوها......عن اجتهاد وقدتوسع اصحابه من بعده فی الشروط فكثرت روايتهم.(32)

ترجمہ: بعض ائمہ کرام سے زیادہ روایات منقول ہیں اور بعض بہت کم۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی روایات 17 احادیث تک پہنچتی ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک صرف وہی احادیث صحیح ہیں جو مؤطا میں ہیں اور جو زیادہ سے زیادہ تین سو ہوں گی یا اس کے قریب قریب ہوں گی۔ مسند امام احمد بن حنبل میں پچاس ہزار احادیث ہیں۔

بہر کیف ہر امام نے اپنی استطاعت اور اجتہاد کے مطابق روایات بیان کرنے میں جدوجہد کی ہے۔ بعض متعصبین نے اپنے بغض وحسد کی وجہ سے یہ الزام لگایا ہے کہ بعض ائمہ کرام کے پاس حدیث کا سرمایہ بالکل تھوڑا تھا اور وہ قریب قریب تہی دست تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی روایات بہت کم ہیں۔ ایسے اکابر ائمہ کے متعلق اس قسم کی بدگمانی رکھنا بلا جواز ہے کیونکہ احکام شریعت، قرآن وحدیث سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس

حدیث کا سرمایہ کم ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا سرمایہ بڑھائے اور اس کے لئے بہت زیادہ مشقت سے کام لے تاکہ دین کے احکامات صحیح اصول سے لے سکے اور ان احکامات کو، احکامات والے اصل مبلغ سے سیکھ سکے۔ اگر کسی امام سے کم روایات منقول ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف اتنی ہی روایات جانتا تھا بلکہ اس کا یہ معنی لیا جانا چاہئے کہ اس کے معیار پر صرف اتنی ہی احادیث صحیح تھیں کیونکہ طرقِ حدیث میں مطاعن وعلل کی وجہ سے انہیں احادیث ترک کرنا پڑیں جبکہ اکثر کے نزدیک یہ اصول ایک مانا ہوا مسئلہ ہے کہ جرح، تعدیل پر مقدم ہے۔ کسی امام کا اجتہاد یہی چاہتا ہے کہ جن احادیث میں یا ان کے طرقِ اسانید میں کوئی طعن ہو یا کوئی علت ہو وہ نا قابل قبول ہوتی ہے اور اکثر احادیث میں مطاعن وعلل پائے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کی روایات کم ہوتی ہیں۔ کیونکہ جتنی سخت شرائط ہوں گی اتنی ہی روایات کم ہوں گی۔ اس لئے کہ طعن یا علت سے روایات میں ضعف آجاتا ہے اور وہ قابل ردّ ہو جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں عراقیوں کی نسبت حجازیوں سے روایات زیادہ ہیں۔ کیونکہ دار الہجرت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اماجگاہ تھا۔ جو صحابہ مدینہ سے ہجرت کر کے عراق چلے آئے وہ زیادہ تر جہاد میں مشغول رہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے روایات کم مروی ہیں جس کی وجہ سے حدیث بھی کم منقول ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں کہ آپ نے معاذ اللہ جان بوجھ کر حدیث کی روایات چھوڑ دیں۔ امام ابوحنیفہ علمِ حدیث کے بہت بڑے مجتہد تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ آپ کے مذہب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور کسی بات کو ماننے کے ضمن آپ کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے محدثین کرام نے تحمل حدیث کی شرائط ہلکی کر دیں اس لئے انہیں بہت سی احادیث روایات کرنے کا موقع مل گیا۔ یہ سب اپنے اپنے اجتہاد کے نتائج ہیں۔ خود امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں نے آپ کے بعد جب شرطوں میں تحقیق کی تو ان کی روایات بھی بہت کم ہو گئیں۔ چنانچہ طحاوی کی بہت سی روایات ہیں اور ان کی جلیل القدر مسند بھی ہے۔ اگرچہ وہ بخاری اور مسلم کے

مقابلے کی نہیں۔ کیونکہ جن شرائط پر بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں کو بنیاد بنا رکھی ہے۔ان پر
امت کا اجماع ہے جیسا کہ علماء کا قول ہے.......... ''ائمہ مجتہدین کے بارے میں بدگمانی نہ
کیجئے کیونکہ لوگوں میں یہی وہ طبقہ ہے جو حسن ظن کا زیادہ حق دار ہے۔ اگر ان کی کوئی بات
بظاہر سمجھ میں نہ آئے تو اس کی توجیہ ان کی شان کے لائق کرنی چاہیے۔(33)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ابن خلدون نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے
مقام و مرتبہ کا نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ آپ کو عظیم فقیہ اور کبار ائمہ و مجتہدین و محدثین میں
شمار کیا ہے۔ ابن خلدون مالکی تھے، حنفی نہ تھے لیکن انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے
مقام و مرتبہ کا کھلے الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے انہیں عظیم فقیہ، مجتہد اور محدث کا درجہ دیا
ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی کوتاہ بینی اور بغض و حسد کی بنا پر یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ
رحمۃ اللہ علیہ صرف سترہ احادیث جانتے تھے تو یہ سراسر اس کی علمی بددیانتی ہے مذکورہ اقتباس
میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اگر ایک شخص سے کم احادیث منقول ہوئی ہیں تو اس کا یہ
مطلب نہیں کہ انہوں نے احادیث کا سماع نہیں کیا یا وہ علم حدیث میں ضعیف ہے۔ امام
ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بدگمانی رکھنے والے رجوع کریں۔ ابن خلدون نے یہ
وضاحت کر دی ہے کہ بعض ائمہ نے کثیر روایات بیان کی ہیں اور بعض قلیل الروایات تھے
لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علم حدیث کے عالم نہیں تھے۔ تمام صحابہ کرام حضورِ اکرم ﷺ
کی احادیث کے جاننے والے تھے بعض نے زیادہ روایات بیان کیں اور بعض سے کم
احادیث منقول ہوئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ
عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال حبشی رضی
اللہ عنہ جیسے جمہور جلیل القدر صحابہ قلیل الروایات تھے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اَخذ نہیں کیا جا
سکتا کہ وہ علم حدیث جاننے والے نہیں تھے یقیناً یہ صحابہ کرام سب سے زیادہ حضور
اکرم ﷺ کے قریب تھے لیکن ان سے احادیث بہت کم منقول ہوئیں، اگرچہ یہ تقویٰ و

طہارت، زہد و عبادت اور قرآن و حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ سے کون واقف نہیں ان سے صرف 142 احادیث مروی
ہیں۔(34) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے 146، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے 536،
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے 537، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ 281 اور حضر
ت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے صرف 44 احادیث مروی ہیں جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ
عنہ سے 5374، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے 2630، حضرت انس بن مالک
رضی اللہ عنہ 2286 اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے 2210 احادیث مروی ہیں۔(35)

اُمت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ خلفاء راشدین کا مقام و مرتبہ صحابہ رضوان اللہ
علیہم اجمعین سے بلند ہے اور جملہ صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ علیہم اجمعین افضل
ہیں جبکہ آپ سے بہت کم احادیث مروی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنہیں حضورِ
اکرم ﷺ نے بابِ العلم قرار دیا، ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن
عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بہت کم احادیث
مروی ہیں۔ بلاشبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ قرآن و حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کا
وقت سب سے زیادہ حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں گزرا۔ آپ ﷺ سے سب سے زیادہ
احادیث سنیں لیکن روایات کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہی صورت حال حضرت عثمان رضی اللہ
عنہ اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضورِ
اکرم ﷺ کے جملہ صحابہ علم حدیث کے عالم تھے۔ انہوں نے حضورِ اکرم ﷺ سے سماع
کیا۔ بقول امام ابوزرعہ وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ حیات تھے۔(36)

ان تمام صحابہ سے احادیث منقول ہوئیں۔ کسی سے کم کسی سے زیادہ لیکن قابل غور بات
یہ ہے کہ جملہ صحابہ کرام میں فقیہ اور مجتہد کے مقام پر صرف دس فائز ہوئے۔ ابن سعد نے
اپنی طبقات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد مسروق بن اجدع

(م63ھ) کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے زمانے میں فتویٰ دینے والے حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، اُبی بن کعب اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم تھے۔(37) قاسم بن محمد (م106ھ) سے منقول روایت میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عوف اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کے اسماء بھی شامل ہیں۔(38) یہ حضرات نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین کے عہد میں بھی فقیہ اور مجتہد مانے جاتے تھے۔(39)

ابن حزم (م456ھ) نے سخت محنت اور کاوش کے بعد 130 صحابہ کرام کے اسماء گرامی نقل کئے ہیں جو فتویٰ دیا کرتے تھے۔ان میں سے سب سے زیادہ فتویٰ دینے والے بھی تھے اور کم فتویٰ دینے والے بھی، کثرت سے فتویٰ دینے والے صحابہ میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔(40) دس مجتہدین اور فقہاء میں شامل ہیں۔ کسی کا زیادہ حدیث بیان کرنے والوں میں اور کسی کا کم یا اوسط بیان کرنے والوں میں ہے۔اس علمی جائزے کے بعد کوئی بھی انصاف پسند نہیں کہہ سکتا کہ مجتہد یا فقیہ، محدث نہیں ہوتا یا اسے حدیث کا علم نہیں ہوتا یا ان کے پاس حدیث موجود نہیں ہوتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث کا وسیع ذخیرہ تھا۔ان سے بہت زیادہ احادیث منقول ہیں جبکہ ان کے مقابل میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے کم لیکن یہ چاروں حضرات فقیہ اور مجتہد تھے۔ یہ حضرات حدیث کے بھی عالم تھے اور قرآن کے بھی۔قرآن وحدیث سے استنباط کر کے فتویٰ بھی دیا کرتے تھے لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صرف حدیث روایت کرنے والے تھے۔ایسی ہی کیفیت اور صورت حال ائمہ حضرات کی تھی۔ حضرات امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی حدیث کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔

جیسا کہ ان کے اپنے الفاظ ہیں کہ ان کے پاس احادیث کی روایات کے صندوق بھرے ہوئے تھے لیکن وہ روزمرہ مسائل کے مطابق ان سے احادیث لیتے اور مسائل کا استنباط کر کے فتویٰ دیتے تھے جبکہ محدثین صرف حدیث جمع کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین حدیث کی تفہیم وتفسیر کے لئے فقہاء کے پاس جاتے۔اس بات پر سب علماء متفق ہیں کہ حدیث کے معانی کی تفہیم وتفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مثل کوئی نہ تھا۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، امام اعمش، ابن جریج، مسعر بن کدام، سفیان بن عینیہ، امام اوزاعی، وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، یحییٰ بن معین، ابوعبداللہ المقری، شیخ ابوعاصم جیسے جلیل القدر محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ جیسا نہ کوئی فقیہ تھا اور نہ مجتہد۔امام شافعی علیہ الرحمہ نے یہ کہہ کر بات ہی ختم کر دی کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی عیال ہیں۔(41)

متاخرین میں ابن حجر مکی، امام یافعی، امام قسطلانی، عبدالوہاب شعرانی، امام ذہبی، ابن اثیر، ابن خلکان، ابن کثیر اور ابن خلدون نے بھی آپ کو بے مثل فقیہ اور کبیر مجتہد تسلیم کیا ہے۔اس لئے بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے احادیث کم روایت ہوئی ہیں تو اس کا مطلب نہیں کہ وہ باقی ائمہ کرام یا محدثین سے کم احادیث جاننے والے تھے۔ یہی بات ابن خلدون نے مقدمہ ابن خلدون میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔لہذا جن حضرات نے بھی سیاق وسباق بیان کئے بغیر ابن خلدون کی اس عبارت کو اپنے موقف کی تائید میں بطور حوالہ پیش کیا ہے وہ درست نہیں۔ ابن خلدون نے آپ کو اکابر مجتہدین میں شمار کیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے:

> ”امام ابوحنیفہ کا فقہ میں مقام ومرتبہ انتہائی بلند تھا۔ آپ کے مقام تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ حتیٰ کہ آپ کے ہم مشربوں کو بھی یہ مقام حاصل نہ ہوسکا بالخصوص امام مالک وامام شافعی نے بھی فقہ میں آپ کے بلند

مقام ومرتبہ کا اعتراف کیا ہے۔امام شافعی نے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں سے فقہ سیکھی۔امام احمد بن حنبل جو بہت بڑے محدث تھے انہوں نے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں سے فقہ سیکھی''(42)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اگرچہ احادیث کم روایت ہوئیں لیکن ان کا مقام ومرتبہ ائمہ حضرات اور مجتہدین ومحدثین میں اس طرح ہے جس طرح ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا صحابہ کرام میں ہے۔حافظ ابویحییٰ نیشاپوری (م298ھ) نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے،**عندی صنادیق من الحدیث ماأُخرجت الاالیسیر الذی ینتفع بہ**۔یعنی میرے پاس حدیث کے صندوق بھرے ہوئے موجود ہیں۔میں نے ان سے صرف وہ چند احادیث نکالی ہیں جو مفید ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ صرف کتاب الآثار چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کرکے لکھی گئی۔(43)

ملاعلی قاری نے امام محمد بن سماعۃ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی گئی ہیں اور چالیس ہزار سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا گیا ہے۔(44)

دوسرا اعتراض:

دوسرا اعترض حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جسے مولانا جے پوری نے مقام اللیل کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: **کان أبو حنیفہ یتیماًفی الحدیث (45)**

اس قول کے ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے شاگرد ہونے کے ناطہ سے آپ کی توصیف بیان کی ہے کہ آپ کے عہد میں، حدیث کے میدان میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا۔آپ حدیث میں بے مثل وبینظیر تھے کیونکہ یتیم بے مثل وبے نظیر اور یگانہ ویکتا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ صحاح میں ہے کہ ہر وہ چیز جس

کا کوئی ثانی نہ ہو اسے یتیم کہا جاتا ہے۔اسی بناء پر **درۃ یتیمۃ** کہا جاتا ہے۔اصمعی کے نزدیک ریت کے اکیلے ذرّے کو بھی یتیم کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ہر اکیلی چیز کو یتیم کہتے ہیں۔(46)۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو آپ کی ذات سے تنقیص کے طور پر منسوب کرنا درست نہیں کیونکہ عبداللہ بن مبارک، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔انہوں نے آپ سے حدیث اور فقہ پڑھی۔آپ کے علم ومرتبہ کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ تعریف میں اشعار بھی لکھے۔

وہ امام ابوحنیفہ کی ہر بات کو قرآن وحدیث سے ماخوذ قرار دیتے تھے۔اگر ان کے سامنے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یا ان کے کسی قول پر بحث ہوتی تو وہ فرماتے''یہ نہ کہو کہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے بلکہ یہ کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے''۔(47) حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں یگانہ ویکتا بے مثل وبینظیر تھے۔حفظ،فقہ،صیانت ودیانت اور زہد وورع پر غالب تھے اور زہد وورع میں ہم سب پر غالب تھے۔(48)

بعض اوقات بحث ہو جاتی تو آپ فرماتے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مثل کوئی نہیں، اگر کوئی ہے تو سامنے لے آؤ ورنہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور مجھے تنگ نہ کرو۔سچ بات تو یہ ہے کہ اگر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نہ ملتا تو علم میں مفلس رہتا۔

عبداللہ بن مبارک کے مذکورہ بالا توصیفی اقوال وکلمات کی روشنی میں بڑے وثوق سے کہاسکتا ہے کہ آپ کا یہ قول امام ابوحنیفہ کی توصیف میں ہے نہ کہ تنقیص میں، اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر بھی لیں تو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ آپ کا یہ قول امام ابوحنیفہ سے اکتساب فیض اور علم سیکھنے سے پہلے کا ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری کے ذریعے میری فریادرسی نہ کرتا تو میں عام آدمیوں کی طرح

عام آدمی ہوتا۔(49)

مزید وضاحت وصراحت آپ کے اس قول سے ہو جاتی ہے،آپ فرمایا کرتے کہ حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور حدیث کی تفہیم کیلئے امام ابوحنیفہ کا قول ضروری: لولم لقی بابی حنیفة لکنت من المفالیس فی العلم اگر میں امام ابوحنیفہ سے نہ ملتا تو علم میں مفلس رہتا۔(50)

قارئین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس قسم کا مؤدب اور اپنے استاذ کے علم کا معترف شاگرد یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث میں تہی دست تھے جبکہ وہ خود امام ابوحنیفہ کے علمی مقام کے اعتراف میں رطب اللسان ہیں۔امام ابوجعفر شیزاماری شفیق بلخی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں کے علماء سے سوال کیا کہ تمہارے شہر میں کون بڑا عالم دین ہے؟ سب نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔میں نے پوچھا سب سے زیادہ متقی کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔اس کے بعد پوچھا سب سے زیادہ عابد اور علم سے شغل رکھنے والا کون ہے؟ سب نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔غرض میں نے اخلاقِ حسنہ اور صفات محمودہ میں جس وصف کے بارے سوال کیا سب نے امام صاحب کو افضل و برتر بتایا۔(51) حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ بعض کوتاہ بین اور حاسدین آپ پر طعن کرتے ہیں اور انہوں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دشمنی کو اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا ہے،اگر میں ان بیوقوف لوگوں کی بات پر رہتا تو میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے محروم رہتا۔ان کے علوم معارف سے محروم رہتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ طلبِ علم کی راہ میں میری ساری مشقت اور دولت ضائع جاتی۔

ایک بار آپ درس حدیث دے رہے تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک حدیث بیان فرمائی۔اس پر کسی نے اعتراض کیا۔آپ بہت غصے میں آ گئے اور فرمایا: تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔جس کا مرتبہ اللہ بلند کرے وہی بلند مرتبہ ہوگا اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ کر لیا

ہو وہی برگزیدہ رہے گا۔(52)

حضرت عبدالرزلق،مولف مصنف عبدالزاق فرماتے ہیں کہ میں معمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس عبداللہ بن مبارکؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی ایسا عالمِ دین نہیں دیکھا جو فقہ میں گفتگو کرتا ہو۔(53) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایک فقیہ کب فتویٰ دینے کے لائق ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب وہ حدیث کا عالم ہو جائے ،راویوں کی اسناد سے واقف ہو، قیاس پر مکمل عبور ہو اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات اور اقوال جانتا ہو ،تب وہ فتویٰ دینے کا اہل ہوتا ہے۔(54)۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہفرماتے ہیں کہ جن دنوں محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ خراسان تشریف لائے تو قبیصہ بن ذیب نے اعلان کیا کہ لوگو! تمہارے شہر میں ایک صاحب دعوت وارشاد تشریف لائے ہیں،ان سے استفادہ کرو۔لوگ آئے تو آپ نے فرمایا: اس وقت عالم اسلام میں فقہ میں ایک نوجوان ماہر ہے،جس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے اور وہ کوفہ میں رہتا ہے اہل خراسان کے لئے یہ نیا نام تھا۔انہوں نے پوچھا کہ وہ صرف فقہ کا عالم ہے یا علم حدیث بھی جانتا ہے؟ حضرت محمد بن واسع نے فرمایا: تو تمہارا کیا خیال ہے وہ علم حدیث سے ناواقف ہے،وہ تو علمِ حدیث میں کمال رکھتا ہے۔لوگوں نے پوچھا: کہ وہ خشک کھجوروں کو تر کھجوروں کے عوض بیچنے کو جائز سمجھتا ہے؟ محمد بن واسع نے فرمایا کہ ہاں۔لوگوں نے کہا کہ یہ تو حضرت سعید بن المسیب کی روایتِ حدیث ہے۔ابن مبارک نے فرمایا حدیث سعید تو "شاذ" ہے۔زید ابی عیاش اس کے واحد راوی ہیں اور ان کی روایت متروک سمجھی جاتی ہے۔اب فرمایئے جو شخص احادیث کی جزئیات تک نظر رکھتا ہو وہ علم حدیث سے کیسے بے خبر ہو سکتا ہے۔(55)

ایسا شخص جو آپ کے بارے میں اس قدر حسن ظن رکھتا ہو وہ آپ کے متعلق اس قسم کی

بات کیسے کہہ سکتا ہے کہ آپ علم حدیث نہیں جانتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کا عقیدہ تو آپ کے بارے میں یہ تھا کہ آپ کا کوئی قول قرآن وحدیث سے باہر نہیں ہوتا۔ خطیب بغدادی نے حضرت عبدالرزاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن مبارک کو میں نے یہ کہتے سنا کہ ''کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ میری رائے ہے لیکن ابوحنیفہ کو یہ زیبا ہے کہ وہ فرمائیں کہ یہ میری رائے ہے۔(56)

متذکرہ بالا مستند حوالہ جات اور حضرت عبداللہ بن مبارک کے اقوال سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حسن ظن رکھتے تھے۔ آپ کو عظیم فقیہ، مجتہد اور بے مثل وبے نظیر محدث سمجھتے تھے۔ آپ کا یہ قول بھی آپ کی تعریف وتوصیف میں ہی ہے نہ کہ تنقیص میں۔ آپ کے درج ذیل اشعار سے مزید مؤقف کی تائید ہوجاتی ہے:

رأیت أبا حنیفة حین یؤتی — ویطلب علمه بحراً غزیرا

میں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے کہ جب وہ دینے پر آتے اور کوئی ان سے طلب علم کرتا تو وہ بحر ناپیدا کنار تھے۔(57)

امام سیوطی (م 911ھ) نے سوید بن سعید المروزی کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مبارک کے یہ اشعار تحریر کئے ہیں:

یا ثار وفقه فی حدیث — کاثار الرموز علی الصحیفه

امام المسلمین ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے شہروں اور ان کے رہنے والوں کو بلاشبہ حدیث کے آثار وفقہ سے اس طرح باخبر فرمایا جس طرح قرآن میں رموز وآثار ہیں۔

فمافی المشرقین له نظیر — ولا بالمغربین ولا بکوفه

رأیت القامعین له سفاها — خلاف الحق مع حجج ضعیفة

پس آپ کا مشرق ومغرب میں کوئی مثل نہیں اور نہ ہی کوفہ میں۔ میں نے لوگوں کی

بیوقوفیاں دیکھی ہیں کہ کمزور وضعیف باتوں سے حق کے خلاف کرتے ہیں۔(58) امام موفق بن احمد مکی نے اپنی کتاب مناقب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے کہ ایک مجلس میں عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو ہم شریعت کے مسائل سے ناواقف ہوتے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں یہ اشعار پڑھے:

فهمت مقالکم فاجبت عنه — جوابا فی مدح أبی حنیفه

لان اباحنیفه کان برا — نقیا عابداً لامثل جیفه

روی اثاره فاجاب فیها — کطیران الصقورمن المنیفه

ولم یک بالعراق له نظیر — ولا بالمشرقین ولا بکوفه

ترجمہ: اے دوست میں نے تیری گفتگو سنی۔ یہ گفتگو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں تھی۔ میں اسکے جواب میں یہ اشعار کہہ رہا ہوں۔ امام ابوحنیفہ ہمارے محسن تھے، صاف ستھرے تھے۔ عابد تھے اور بے مثال تھے۔ آپ نے آثار نبوی کی روایت سے مسائل حل کئے۔ آپ کی مثال اس پرندے کی سی ہے جو اپنے گھونسلے کو ہر طرح سے مضبوط بنالیتا ہے۔ عراق میں ان جیسا کوئی عالم دین نہیں۔ مشرقین میں ان کی کوئی مثال نہیں اور نہ ہی کوفہ میں آپ کی مثل کوئی ہے۔(59)

تیسرا اعتراض:

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے علم حدیث نہیں سیکھا اور نہ ہی علم حدیث کے لئے سفر کیا اور نہ ہی صحابہ کو دیکھا اور یہ کہ کوفہ کے علم میں کدورت ہے۔ اس اعتراض کا پہلا حصہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے اَخذ کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنے استاد محترم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی سفر کے بارے میں کہا تھا۔ اس بیان کو خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور امام طحاوی نے طحاوی میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ

کچھ یوں ہے:

''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحصیل علم کا ارادہ کیا تو استفسار کیا کہ مجھے کس علم میں تخصص حاصل کرنا چاہئے؟ کسی نے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا تو کسی نے حدیث کی سماعت کی صلاح دی۔ بعض نے علم نحو اور زبانِ عرب پر عبور حاصل کرنے کو کہا اور بعض نے شعر و سخن میں کمال پیدا کرنے کا مشورہ دیا اور بعض نے علم کلام سیکھنے کو کہا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر میں علم فقہ سیکھ لوں، تو انہوں نے کہا کہ لوگ آپ سے مسئلے پوچھیں گے، فتوے طلب کریں گے، عدل و انصاف چاہیں گے اگرچہ تم جوان ہو۔ میں نے کہا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی علم فائدہ مند نہیں۔ پس میں نے علم فقہ پر استقامت پکڑلی اور اسے سیکھنے لگا۔(60)

خطیب بغدادی نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے یہ بھی اَخذ کیا کہ جب آپ سے کہا گیا کہ قرآن وحدیث کا علم سیکھو تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا **لا حاجة لی فی هذا** یعنی اس کی مجھے ضرورت نہیں۔ حاسدین نے اس سے اخذ کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم فقہ کو قرآن وحدیث پر فوقیت دی اور قرآن حدیث کی تعلیم چھوڑ کر فقہ کا علم سیکھا۔ امام طحاوی نے خطیب بغدادی کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایتِ ملتقط ہے اور روایت ملتقط کو خطیب بغدادی نے بیان کیا ہے۔ (روایت ملتقط کا معنیٰ و مفہوم یہ ہے کہ کسی کا یہ کہنا مناسب نہیں کہ وہ شعر و سخن اور نحو و حساب اور تفسیر میں ہی سارا وقت صرف کرے اور ان میں شہرت حاصل کرے اور اس کو فقہ میں عبور حاصل کرنا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہے فرصت کے مطابق شعر و سخن اور نحو و حساب اور تفسیر کا علم

پڑھے اور فقہ میں تخصص حاصل کرلے۔)۔ امام طحاوی نے خطیب بغدادی کی اس عبارت سے یہ اَخذ کیا ہے کہ قرآن وحدیث و شعر و سخن اور نحو و تفسیر کے بغیر ہی فقہ پر عبور حاصل کرنا چاہئے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ خطیب بغدادی کی اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ضرورت کے مطابق قرآن وحدیث، نحو و ادب، شعر و کلام اور عربیت کو سیکھا اور تخصص علم فقہ میں حاصل کیا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت سے یہ اخذ کیا ہے۔ امام موفق بن احمد مکی نے امام ابو یوسف اور ہیثم بن عدی طائی سے بالاسناد متصل، مناقب امام اعظم ابی حنیفہ میں نقل کیا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ علوم بکثرت اور کئی قسم کے ہیں۔ آپ نے علم فقہ کو خاص طور پر کیوں اختیار کیا؟ آپ نے فرمایا: جب میں نے علم دیکھنے کا ارادہ کیا تو عام علوم کو اپنا نصب العین بنایا۔ ایک ایک فن کو پڑھا۔ ان کے نتیجے اور نفع پر غور کیا۔ آخر میں فقہ پر غور کیا۔ جتنی بار غور کیا اتنی بار اس کی جلالت و فضیلت زیادہ نظر آئی۔(61)

آپ کی یہ بات مبنی بر حقیقت ثابت ہوئی۔ امام ابن حجر مکی نے بھی یہی مفہوم اَخذ کیا ہے۔ ابن حجر مکی نے خطیب بغدادی کے اس انداز پر جرح بھی کی ہے کہ خطیب نے جو یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ مجھے قرآن وحدیث کے علوم سیکھنے کی ضرورت نہیں، انہوں نے یہ بات اس انداز میں کی ہے جس سے حسد کی بُو آتی ہے۔ اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ خطیب بغدادی، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حاسدین میں شمار ہوتے تھے۔ اگر اس عبارت کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے منسوب کر بھی دیں تب بھی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر یہ حرف نہیں آتا کہ علم فقہ کے علاوہ انہیں کوئی علم نہیں آتا تھا۔ بلاشبہ وہ قرآن وحدیث کے بڑے عالم تھے کیونکہ قرآن وحدیث کے علم کے بغیر کوئی

شخص بھی درجہ اجتہاد پر فائز نہیں ہو سکتا۔ فقیہ اور مجتہد ہونے کے لئے قرآن وحدیث کا علم بہت ضروری ہے۔ ابن حجر مکی نے خطیب بغدادی کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''حاشا اللہ وہ شرعی علوم یعنی تفسیر وحدیث اور علوم ادبیہ ومقالیس حکمیہ میں سمندر تھے، جن کی برابری ممکن نہیں۔ وہ ایک ایسے امام تھے جن کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ آپ کے بعض دشمنوں نے جو آپ کے خلاف باتیں کی ہیں وہ محض حسد کی بنا پر کی ہیں۔(62)

امام شعرانی نے اس امر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے: میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شاگردوں کے اقوال پڑھے اور ان پر غور وخوض کیا جب میں نے اپنی کتاب ادلۃ المذاہب لکھی۔ مجھے آپ کے اقوال میں سے کوئی قول ایسا نہ ملا جو کسی قرآنی آیت، حدیث یا صحابہ کے قول کے مطابق نہ ہو یا اس کے مفہوم یا کسی حدیث ضعیف کی طرف جس کی اسناد بکثرت ہوں یا اصل صحیح پر قیاس، صحیح کی طرف مستند نہ ہو۔(63) امام تاج الدّین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں امام ابوحنیفہ کے علوم اور آپ کی مدوّن فقہ کے متعلق لکھا ہے: ''امام ابوحنیفہ کی فقہ کی تفہیم کے لئے علم چاہئے، اسے سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں کیونکہ وہ بہت دقیق ہے۔(64)

اعتراض کا دوسرا حصہ کہ علم حدیث کے لئے سوائے کوفہ کے کوئی سفر نہ کیا اور کوفہ کے علم میں کدورت پائی جاتی ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ علم حدیث کا آغاز آپ نے کوفہ سے کیا۔ کوفہ اس وقت علم وادب کا گہوارہ تھا۔ علم حدیث کے اس وقت چار بڑے مراکز تھے: مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ۔ ابتدا آپ نے کوفہ سے کی۔ اس کے بعد حرمین شریفین اور بصرہ کا سفر کیا لیکن یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ کوفہ اس وقت علم حدیث کا بہت بڑا مرکز تھا۔ کوفہ کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اگرچہ عسکری حوالے سے رکھی تھی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ قرآن وحدیث اور فقہ کا عظیم مرکز بن گیا۔ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتنی بڑی تعداد یہاں آکر

مقیم ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو اہل علم کا مرکز اور سراج کا نام دے دیا۔ کوفہ کی علمی اہمیت کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہاں کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بھی وہاں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنا لیا۔ اس قدر جلیل القدر صحابہ یہاں مقیم ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن ایمان رضی اللہ عنہ جیسے کبار صحابہ اسے اسلام کا دماغ اور قبۃ الاسلام کہہ کر پکارنے لگے۔(65)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی تعداد اس قدر ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو علم سے بھر دیا ہے۔ ان کے شاگرد شہر کوفہ کے چراغ ہیں''۔(66) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد کے بعد کوفہ کو علمی اعتبار سے بہت زیادہ عروج ملا۔ ہزاروں صحابہ کرام کوفہ میں قیام پذیر ہوگئے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (م96ھ) فرماتے ہیں کہ ان صحابہ میں تین سو بیعت رضوان والے اور 70 بدری تھے۔(67)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ (م117ھ) کے مطابق 1050 صحابہ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے جن میں 24 بدری تھے۔ 70 بدری صحابہ کی روایت مستند ہے۔ تاریخ حلب اور تاریخ یعقوبی میں بھی یہی تعداد ہے۔(68) ابن الہمام نے مقیم صحابہ کی تعداد 1500 لکھی ہے۔(69)

تعداد میں کمی بیشی ممکن ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ صحابہ کی کثیر تعداد نے کوفہ کو اپنا مسکن بنایا اور وہاں قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس کا آغاز کر دیا۔ کوفہ عالم اسلام کا سب سے بڑا علمی مرکز بن گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے طلب حدیث میں ملک شام، مصر جزیرہ کا دو بار سفر کیا۔ بصرہ چار بار گیا، چھ سال حرمین شریفین میں گزارے لیکن محدّثین کے ہمراہ کوفہ کا اتنی بار سفر کیا کہ اس کی گنتی ممکن نہیں۔(70) صحاح ستہ کے

جملہ ائمہ احادیث نے کوفہ کو سب سے بڑا علمی مرکز تسلیم کیا۔ ابن سیرین (110ھ) فرماتے ہیں کہ میں بصرہ سے کوفہ آیا تو میں نے دیکھا کہ 4000 طلباء علم حدیث حاصل کر رہے ہیں اور 400 فقیہ موجود ہیں۔(71) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ علم حدیث سیکھنے کے لئے سفر اختیار کرو۔ اہل کوفہ، اہل بصرہ، اہل مدینہ اور اہل مکہ سے سیکھو۔(72)

کوفہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جائے پیدائش، عالم اسلام کا قلعہ، عالم اسلام کا دماغ، ایمان کا خزانہ، اللہ کی تلوار اور اس کا نیزہ تھا۔ دنیا بھر سے علم کے متلاشی کوفہ کا رُخ اختیار کرتے، امام البخاری اور امام احمد بن حنبل جیسے اکابرین نے بھی طلب حدیث کے لئے کوفہ کا سفر اختیار کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ جیسے بڑے علمی مرکز کو چھوڑ کر کس طرف جاتے اور کیوں جاتے؟ سب سے پہلے آپ نے کوفہ میں مقیم بڑے اساتذہ سے علم سیکھا۔ اس کے بعد آپ باہر نکلے۔ علم کے جو بڑے مراکز تھے، وہاں کا سفر دوسرے اکابر محدّثین کی طرح آپ نے بھی کیا۔ حرمین شریفین اور بصرہ گئے۔ دوسرے علوم کے ساتھ علم حدیث بھی دیکھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد بن اَبی بکر، سالم بن عبداللہ بن عمر، طاؤس بن جیسے اکابرین سے علم سیکھا۔(73)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو باقی تمام اَئمہ پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام اور تابعین سے براہِ راست علم حدیث حاصل کیا۔ آپ کے علاوہ اَئمہ ثلاثہ، اَئمہ صحاح ستہ یا کسی اور امام کو یہ شرف حاصل نہیں کہ انہوں نے کسی صحابی کی زیارت کی ہو یا ان سے علم حدیث سیکھا ہو یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس شرف سے محروم رہے۔ بعض حاسدین نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ آپ نے کسی صحابی کی زیارت نہیں کی اور نہ ہی ان سے کوئی حدیث سماعت کی ہے۔ یہ سراسر علمی خیانت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ نے صحابہ کو نہ صرف دیکھا ہے بلکہ ان سے حدیث بھی سماعت کی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف تو خطیب بغدادی نے بھی کیا ہے جنہیں ابن حجر

مکی الہیتمی نے، امام ابوحنیفہ کے حاسدین میں شمار کیا ہے۔(74)

امام جلال الدّین سیوطی نے اس اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن جزء الزبیدی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معقل بن یسار، حضرت واثلہ بن الاسقع، حضرت عائشہ بنت عجر اور حضرت عبداللہ بن رئیس رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور ان سے احادیث بھی روایت فرمائیں۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے حدیث روایت کی۔ اس کے بعد امام جلال الدّین سیوطی نے ان صحابہ سے مروی احادیث کی تحقیق کی ہے اور انہیں صحیح قرار دیا ہے۔ امام دار قطنی نے خطیب بغدادی کے اس اعتراض کو نقل کیا ہے کہ ”حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں کی البتہ ان کے وجود گرامی کو دیکھا ہے، ان سے روایت نہیں کی“۔

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ تابعی ہونے کے لئے صحابی کا دیکھنا کافی ہے تو پھر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے جیسے خطیب بغدادی نے بھی تحریر کیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں یہی سوال حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تو آپ نے فرمایا ”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا ہے کیونکہ وہ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ وہاں حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اس زمانے میں بصرہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ قیام پذیر تھے اور ان کا انتقال 90ھ یا اس کے بعد ہوا۔ ابن سعد نے طبقات میں بڑے وثوق سے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور ان دونوں صحابیوں کے علاوہ بہت سارے صحابہ کو بھی جو دوسرے شہروں میں اس کے بعد تک بقید حیات رہے بعض حضرات نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحابہ کرام سے مرویات کے متعلق رسالے لکھے ہیں۔ لیکن ان کی اسناد ضعف سے خالی نہیں۔ یہ

بات قابل اعتماد ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بعض صحابہ کو پایا اور ان سے ملاقات کی جیسا کہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے الطبقات میں لکھا ہے۔اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ طبقہ تابعین میں سے تھے۔

یہ بات بلاد اسلامیہ کے معاصر کسی اور امام کے لئے ثابت نہیں، خواہ شام کے امام اوزاعی ہوں یا بصرہ کے امامین حمادین (حماد بن سلمہ، حماد بن زید) کوفہ کے امام ثوری ہوں یا مدینہ منورہ کے امام مالک، مکہ مکرمہ کے مسلم بن خالد زنجی ہوں یا مصر کے امام لیث بن سعد"(75) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں "کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت وہ حالتِ قیام میں تھے۔(76) ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے کئی بار حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔(77)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری مقری شافعی کے تالیف کردہ رسالہ سے ان احادیث کو بالا اسناد بروایت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ وہ احادیث نقل کی ہیں جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تین احادیث روایت کی ہیں:

طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم (2) الدالُّ علی الخیر کفاعِله (3) ان اللہ یُحِبُّ اغاثة اللّھفَانِ (78)

ابن سعد، ابن ندیم، امام سمانی، ابن عدالبر، ابن جوزی، ابن خلکان، امام یافعی اور ان کثیر جیسے محققین نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی نہ صرف زیارت کی بلکہ ان سے روایت بھی کی ہے۔اس قدر جمہور علماء کی تصدیق کے بعد معترضین کے اس اعتراض کی بھی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی نہیں تھے۔(79)

اس کے بعد علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ واثلہ بن الاسقع سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

دع مایریبک الی مالایریبک. (2) لاتظھر الشماتة لاخیک فیعافیه اللہ ویبتلیک.(80)

ابومعشر نے بروایت ابوداؤد طیالسی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں 80ھ میں پیدا ہوا اور 94ھ میں کوفہ میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔میں نے ان کی زیارت کی اور ان سے حدیث سماعت کی۔اس وقت میری عمر 14 سال تھی۔میں نے ان سے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حبک الشیئ یعمی و یصم.(81)

ابومعشر فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من بنی للہ مسجد اولو کمفحص قطاة بنی اللہ له بیتاً فی الجنة.(82)

اس کے بعد ابومعشر بالا سناد نقل فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ بنت عجرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اکثر جنداللہ فی الارض الجزاد" ادعلامہ سیوطی نے احادیث کی اسناد پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مذکورہ احادیث ائمہ صحاحِ ستہ کے نزدیک صحیح ہیں۔پہلی حدیث مرتبہ حسن کو پہنچی ہوئی ہے۔دوسری حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔(83)

تیسری حدیث کا متن بھی صحیح ہے اور اس حدیث کو بھی صحابہ کی ایک جماعت نے روایت نہیں کی۔اس کی تصحیح ضیاء القدسی نے اپنی کتاب المختارہ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ

کی خدمت میں کر دی ہے (84) علامہ شبلی نے سیرت النعمان میں جو یہ لکھا ہے کہ آپ نے صحابہ سے روایت نہیں کی، علامہ عینی، شارح ہدایہ سے غلطی ہوئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کوئی روایت نہیں کی۔ اگر ایک بھی روایت کی ہوتی تو آپ کے تلامذہ خاص اس کو شہرت دیتے لیکن قاضی ابو یوسف، امام محمد، حافظ عبدالرزاق، ابن ہمام، ابن مبارک، ابونعیم فضل بن دکین، مکی بن ابراہیم، ابوعاصم النبیل وغیرہ سے ایک روایت بھی منقول نہیں۔ (85)

حقیقت یہ کہ غلطی، علامہ عینی شارح ہدایہ سے نہیں بلکہ علامہ شبلی سے ہوئی ہے کیونکہ تین احادیث تو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں اور یہ احادیث محدثین کے نزدیک صحیح بھی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ امام محمد کی کتاب الآثار بہت معروف ہے۔ جس کی شروح بھی بہت زیادہ لکھی جا چکی ہیں، اس میں امام موصوف سے روایت کردہ سینکڑوں احادیث موجود ہیں جن سے احکامات کا استنباط کیا گیا ہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب لآثار مدون کی جس میں ایسی احادیث موجود ہیں جو آپ نے اپنے شیخ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہیں۔ (86)

اعتراض کا یہ حصہ کہ آپ نے علم حدیث کی سماعت کے لئے سفر نہیں کیا اور نہ اسکی طلب کی کوشش کی ہے، اس اعتراض کا بھی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مستند حوالوں اور قوی دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ نے طلب حدیث کے لئے بہت زیادہ اساتذہ کے سامنے زانوتلمذ تہہ کیا اور کوفہ کے علاوہ دیگر علمی مراکز کا سفر بھی کیا۔ امام ساہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات محدثین میں متواتر چلی آ رہی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چار ہزار مشائخ سے علم سیکھا جن میں صحابہ وتابعین شامل تھے۔ (87) امام محمد بن یوسف الصالحی نے بھی اس تعداد کی تصدیق کی ہے۔ (88)۔ احمد بن حجر مکی (م 973ھ) تحقیق کے بعد یہ لکھا ہے کہ امام اعظم کے بے شمار اساتذہ تھے۔ چار ہزار تابعین تھے جن سے آپ

نے علم سیکھا۔ ان کے علاوہ جو اساتذہ تھے، ان کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ (89)۔

اکابر محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چار ہزار اساتذہ بلاشبہ اکابرین میں سے تھے۔ جس امام کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد اس قدر ہو اور ان کے متعلق یہ کہا جائے کہ انہوں نے علم حدیث کے لئے سفر نہیں کیا یا انہیں صرف سترہ احادیث یاد تھیں، تو اسے حسد یا جہالت کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اگر آپ نے ان اساتذہ سے صرف ایک حدیث بھی سماعت کی ہو تب بھی یہ تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ آپ کے شیوخ اور اساتذہ جن سے آپ نے حدیث کی سماعت کی وہ عوام الناس نہ تھے بلکہ وہ صحابہ اور تابعین میں سے تھے۔ خطیب بغدادی نے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ہونے والا ایک مکالمہ تحریر کیا ہے۔ جس میں ابوجعفر منصور نے پوچھا کہ اے ابوحنیفہ! آپؒ نے کس سے علم حاصل کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں؟ آپ نے جواب دیا "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم ان کے اصحاب سے جنہوں نے ان سے روایت کی۔ اصحابِ علی رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا علم، ان کے اصحاب سے جنہوں نے ان سے احادیث کی روایت کی کم تھا۔ یہ تمام حضرات اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ خلیفہ منصور نے کہا کہ بے شک تو نے نفس کے واسطے بہت پختہ کام کیا ہے۔ (90)

خطیب بغدادی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ابوجعفر منصور سے کہا کہ: حماد اور ابراہیم نخعی کے ذریعے حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا علم حدیث حاصل کیا۔ اس پر ابوجعفر منصور نے کہا کہ بلاشبہ آپ نے ان پاکیزہ ہستیوں سے اپنی خواہش اور استطاعت کے مطابق علم میں ثقاہت اور پختگی حاصل کی۔ (91) مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور میں نے ایک ساتھ علم حدیث پڑھا اور وہ ہم سب پر غالب تھے۔ امام ذہبی نے آپ کو تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ

حدیث میں شامل کیا ہے۔امام ذہبی کے نزدیک حافظ حدیث ایسا شخص نہیں ہو سکتا جسے صرف سترہ احادیث یاد ہوں۔حافظ حدیث صرف اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے ایک لاکھ احادیث مع متن سند یاد ہوں۔اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا علم نہ سیکھا ہوتا یا ان سے صرف سترہ احادیث مروی ہوتیں تو امام ذہبی آپ کو کبھی بھی حافظ حدیث میں نہ لکھتے۔یہی بات ابن خلدون نے بھی تسلیم کی ہے اور آپ کو عظیم مجتہد اور محدثین میں شمار کیا ہے اور ان لوگوں کی مذمت کی ہے جنہوں نے تعصب کی بنا پر آپ پر یہ الزام عائد کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے آپ کے پندرہ اساتذہ کے نام لکھے ہیں جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا۔(92)

امام موفق (م 827ھ) نے 239،امام مزّی نے 75،امام ذہبی (م 748ھ) نے 40،امام سیوطی (م 911ھ) نے 74،امام ابن بزاز کردری (م 827ھ) نے 191 سے علم حدیث حاصل کرنا تسلیم کیا ہے کہ آپ نے علم حدیث کی سماعت میں بہت زیادہ اساتذہ کی خدمت میں حاضری دی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ شیوخ اور اساتذہ میں سے 125 ایسے شیوخ ہیں جن کی روایات صحاحِ ستہ میں موجود ہیں اور تمام کے تمام ثقہ ہیں۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ صحاحِ ستہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی روایات بھی لی گئی ہیں۔اس اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صحاحِ ستہ کے أئمہ حضرات کے شیخ الشیوخ بھی ہیں۔اگر امام بخاری و مسلم اور نسائی و ترمذی یا ابوداؤد نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نہیں لی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ حافظ حدیث نہیں تھے یا آپ نے حدیث کی سماعت نہیں کی تھی۔حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے دو اساتذہ جن سے انہوں نے علم سیکھا وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ان اساتذہ کے اسماءِ گرامی عبداللہ بن مبارک اور حماد بن زید ہیں۔(93) اور یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ امام بخاری نے براہِ راست مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (م 215ھ)

اور امام ابونعیم فضل بن دُکین (م 218ھ) سے علم حدیث سیکھا۔تمام حضرات امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے۔انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی سماعت اور روایت کی۔ان حضرات القدس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی۔گویا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ،امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ الشیوخ ہوئے۔اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک آپ ثقہ نہیں تھے تو وہ غلطی پر ہے کیونکہ امام بخاری نے علم حدیث کا وسیع ذخیرہ کوفہ کے شیوخ سے حاصل کیا اور ان میں کثیر تعداد امام اعظم کے تلامذہ کی تھی۔مولوی فقیر محمد جہلمی (م 1916ء) نے نافع الکبیر کے حوالے سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ تلامذہ کے علاوہ ابراہیم بن طہمان،شعیب بن اسحاق دمشقی،عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی،عبدالرزاق بن ہمام، عبدالعزیز بن ابی روّاد،عبدالوارث بن سعید،علی بن ظبیان الکوفی،ابیض بن الاغر،عامر بن فرات،عبیداللہ بن یزیدی القرشی اور عبیداللہ بن عمرو الرقی کے نام تحریر کئے ہیں۔ان حضرات سے صحاحِ ستہ کے أئمہ نے روایت کی ہے۔(94)

مذکورہ دلائل کے بعد اس اعتراض اور اشکال کی گنجائش قطعی طور پر باقی نہیں رہتی کہ آپ نے طلبِ حدیث میں کاوش نہیں کی یا اس کے لئے سفر نہیں کیا۔آپ کے شیوخ کی تعداد اور تلامذہ کی کثرت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے علم حدیث کے لئے کوفہ کے علاوہ بصرہ،یمن اور حرمین شریفین کا سفر کیا اور یہی اس وقت علم حدیث کے سب سے بڑے مراکز تھے۔علم حدیث میں آپ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ سے مروی احادیث کی سب سے زیادہ مسانید لکھی گئی ہیں۔روایتِ حدیث کو بہت عروج ملا۔صحاح سنن،جوامع،معاجیم،اجزاء طرق اور مسانید جیسے عنوانات قائم ہوئے اور ہر عنوان پر کثیر کتابیں مدوّن ہوئیں لیکن کسی ایک شخص کی روایات کو باقاعدہ مجموعے کی شکل میں مدوّن کرنے کا رواج عام نہ ہو سکا۔محدثین اور حفاظ میں یہ مقام و مرتبہ بھی سب سے

پہلے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملا اور ان سے مروی احادیث کی کثرت سے مسانید لکھی گئیں۔ اگر انہیں علم حدیث سے شغف نہ ہوتا یا وہ علم حدیث میں ضعیف ہوتے یا ان سے صرف سترہ احادیث مروی ہوتیں، تو مسانید کیسے وجود میں آتیں اور پھر قابل غور بات یہ بھی ہے کہ آپ سے مروی احادیث کے ان مجموعوں کو عام اشخاص نے مدوّن نہیں کیا بلکہ وہ اپنے وقت کے امام اور حدیث کے حافظ تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو أئمہ اربعہ، ائمہ صحاح ستہ اور جملہ محدثین میں یہ منفرد اور امتیازی مقام حاصل ہے کہ ان سے مروی احادیث کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے۔ امام موصوف کے بعد یہ مقام امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے کہ ان سے دو واسطوں سے احادیث مروی ہیں۔ ان کے علاوہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ائمہ صحاح ستہ میں سے کوئی بھی ایسا محدث نہیں جن سے مروی احادیث کے درمیان تین واسطے نہ ہوں۔ أئمہ احادیث میں یہ مقام صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے کہ جنہیں صرف ایک واسطے سے حدیث ملی۔ ابن حجر مکی اور امام جلال الدین سیوطی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ان سات احادیث کو جو آپ نے صحابہ کے واسطے سے روایت کی ہیں، بعد از تحقیق اپنی کتب میں صحیح قرار دے کر مع متن واسانید تحریر کیا ہے۔(95)۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واسطے سے روایت ہونے والی احادیث کی تعداد بالاسناد 16 تحریر کی ہے۔(96)۔

امام حسن بن زیاد لولوی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چار ہزار احادیث روایت کیا کرتے تھے۔ دو ہزار حماد سے اور دو ہزار بقیہ شیوخ سے۔(97) امام موصوف کی روایت پر مبنی مسانید کو امام خوارزمی نے ایک جگہ جمع کر کے ''جامع المسانید'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی کتاب بستان المحدّثین میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مسند امام اعظم، قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی کی تالیف ہے، جس میں انہوں نے متقدّمین کی مسانیدِ امام اعظم کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ دو مسانید

بہت زیادہ مشہور ہیں اور اب تک وہ متداول ہیں۔ پہلی مسند حافظ عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی کی ہے اور دوسری حافظ الوقت حسین بن محمد خسرو کی ہے۔ ان دونوں مسانید کی اجازت مجھے بھی اپنے اساتذہ سے ملی ہے۔ مسانید امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر جائزہ لیتے ہیں:

1) مسند ابوعبداللہ حافظ محمد بن مخلد بن حفص دوری (م 331ھ) المعروف عطاء، بغداد کے معروف اور ثقہ محدّثین میں سے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کا ذکر تاریخ بغداد میں اکثر مقامات پر کیا ہے۔ وہ محمد بن الحسن ابن الوازع ابوداؤد الجمال کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: محمد بن مخلد دوری نے اپنی کتاب جمع حدیث أبي حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں روایت کی۔(98)

2) مسند ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید الکوفی المعروف حافظ عصر ابن عقدہ (م 332ھ) بقول ابن الجوزی اکابر حفاظ میں سے تھے۔ انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی احادیث جمع کیں جن کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔(99)

3) مسند عبداللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی، المعروف حافظ ابوالقاسم (م 335ھ) نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لکھی، امام خوارزمی نے جامع المسانید میں اس مسند سے احادیث نقل کی ہیں۔

4) مسند قاضی ابوالحسین عمرو بن الحسن بن علی، المعروف حافظ اشنانی (م 339ھ) جلیل القدر محدث تھے۔ انہوں نے مسند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لکھی، امام خوارزمی نے جامع المسانید میں اس مسند سے احادیث نقل کی ہیں۔

5) مسجد حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی، المعروف بعبد اللہ الاستاذ نے مسند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مرتب کی۔ مسند حارثی سمیت، مسند ابن ابی العوام، مسند ابونعیم اصفہانی اور مسند ابن خسرو کے عکوس مجلس احیاء العارف النعمانیہ حیدر آباد دکن

میں موجود ہیں۔اسی ادارہ نے مسند حارثی کی تخریج کر کے اس کا اردو ترجمہ مسند امام اعظم کے نام سے شائع کیا ہے۔علامہ حصکفی نے اس کا اختصار اور ملا عابد سندھی (م1257ھ) نے ابواب فقہ پر اسے مرتب کیا۔اس کا اردو ترجمہ 1308ھ میں شائع ہوا۔مولانا عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں کہ حیدر آباد دکن کے چاروں نسخے میری نظر سے گزرے ہیں۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری کے بعد شروحِ حدیث میں اس شان کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔
متابعات وشواہد،تخریج احادیث،ایضاح مشکل،رفع مرسل،وصل منقطع،بیان خلافیات غرض یہ کہ ہر موضوع پر اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ شاید کسی اور کتاب میں نہ ہو۔
ان کے بعد مولانا محمد حسن سنبھلی محدث المتوفی 1305ھ نے اس پر ایک جامع اور مبسوط شرح لکھی جو 1309ھ میں لکھنؤ سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔ یہ شرح مؤطا امام مالک کی شرح سے بھی بڑھ کر ہے۔(100)
محدث محمد بن جعفر کتانی مالکی لکھتے ہیں کہ صحاح ستہ،مسند أبی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ،مسند شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، ائمہ اربعہ کی کتابیں ہیں ان کو پہلے کی چھ کتابوں سے ملانے کے بعد یہ کتابیں دس پوری ہو جاتی ہیں جو کہ اسلام کی بنیادی کتابیں ہیں، جن پر دین کا دارومدار ہے۔(101)

6) مسند امام حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد(م380ھ) امام خوارزمی نے حافظ طلحہ کی مسند کا جامع المسانید میں تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ حروف معجم پر مرتب کی گئی ہے۔

7) مسند امام حافظ ابوالحسین محمد بن المظفر ،المعروف ابوالحسین بغدادی (م379ھ) نے مسند ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لکھی جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مرفوع احادیث

درج ہیں۔

8) مسند حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی المعروف حافظ ابن عدی (م365ھ) نے مسند امام ابوحنیفہ لکھی۔

9) مسند ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی الخازن المشہور بابن المقری الاصفہانی (م381ھ) نے مسند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مرتب کی۔امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس مسند کا ذکر کیا ہے۔

10) مسند ابوحفص عمر بن احمد عثمان البغدادی الواعظ المعروف بابن شاہین (م385ھ) نے مسند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لکھی اس مسند کا تذکرہ محدث کوثری نے اپنی کتاب تانیب الخطیب میں کیا ہے۔

11) مسند ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی المعروف حافظ دار قطنی (م385ھ) نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسند لکھی۔ خطیب بغدادی کے پاس اس کا خطی نسخہ موجود تھا۔

12) مسند احمد بن عبداللہ احمد بن اسحاق،المعروف ابونعیم اصفہانی (م430ھ) نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر مسند تحریر کی جو کہ بہت عمدہ تھی۔

13) مسند ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی القدسی المعروف حافظ ابن القیسرانی (م507ھ) ثقہ حافظ حدیث تھے۔انہوں نے اطراف احادیث أبی حنیفہ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی۔

14) مسند ابوعبداللہ حسین بن محمد خسرو بلخی نزیل بغداد المعروف حافظ ابن خسرو (م522ھ) نے مسند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تالیف کی۔ حافظ حسینی نے امام موصوف کی تمام مسانید میں حافظ ابن خسرو کی مسند کو منتخب کیا۔

15) مسند قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی بنی محمد الانصاری الکلبی البزار،المعروف قاضی

الرستان (م535ھ) نے مسند الدنیا کے نام سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کو جمع کیا۔

16) محدث عیسیٰ الجعفری المغربی (م1080ھ) نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسند تالیف کی۔

قاضی القضاۃ محمد ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی (م635ھ) نے اپنی جامع المسانید میں درج ذیل پندرہ مسانید کو جمع کیا ہے:

مسند امام عبداللہ حارثی، مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد، مسند حافظ محمد بن المظفر، مسند امام ابونعیم اصفہانی، مسند امام ابوبکر محمد انصاری، مسند حافظ ابن عدی جرجانی، مسند امام حسن بن زیاد لولوی، مسند حافظ اشنانی، مسند حافظ ابوبکر احمد بن محمد الکلاعی، مسند ابن خسرو بلخی، مسند قاضی ابویوسف، مسند امام حماد، مسند امام محمد بن الحسن شیبانی اور مسند امام حافظ ابوالقاسم عبداللہ ابی العوام سعدی، امام خوارزمی نے کتاب الآثار کی مرویات جو قاضی ابویوسف اور امام محمد نے مرتب کی تھیں، انہیں بھی مسند کا نام دے کر جامع المسانید میں شامل کر لیا ہے۔

کتاب الآثار کا تعارف کچھ اس طرح ہے:

"کتاب الآثار درحقیقت وہ احادیث ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تدوین فقہ کے دوران، فقہ سے متعلقہ احادیث کو منتخب فرما کر ایک جگہ جمع کیا اور پھر اپنے درس میں تلامذہ کو تعلیم کیا۔ قاضی ابویوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، امام زفر بن ہذیل اور امام حسن بن زیاد نے حدّثنا اور اخبرنا کے صیغوں کے تحت انہیں لکھ لیا اور انہیں کتاب الآثار کا نام دیا۔ یہ پہلی کتاب تھی جس کی ترتیب فقہی تھی اور یہی کتاب بعد میں لکھی جانے والی تمام کتابوں کے لئے نمونہ ثابت ہوئی۔ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدوّن کیا اور آپ کی اتباع میں امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے موَطا ترتیب دی۔(102)

کتاب الآثار کے چار نسخے آپ کے ان چاروں تلامذہ کے نام سے منسوب ہو کر معروف ہوئے، اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن شہرت عامہ درج ذیل نسخوں کو ملی:

"کتاب الآثار بروایت امام محمد، کتاب الآثار بروایت امام ابویوسف، کتاب الآثار بروایت امام زفر، کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیادہ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے بقول ان چاروں نسخوں میں سب سے زیادہ شہرت امام محمد بن حسن کے مرتب کردہ نسخے کو ملی۔(103)

ابن حجر عسقلانی نے کتاب الآثار کی جو شرح لکھی ہے وہ دو کتابوں پر مشتمل ہے۔ ابوزہرہ مصری کہتے ہیں کہ کتاب الآثار کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ ان میں مذکور احادیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی گئی ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام موصوف نے استخراجِ مسائل کرتے ہوئے احادیث کو استعمال کیا ان کی مثال اس سے قبل کہیں نہیں ملتی ہے۔(104)

امام ابوبکر زنجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں 70 ہزار احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔(105)

یحییٰ بن نصر فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں داخل ہوا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون سی کتابیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ سب

احادیث ہیں اور میں نے ان میں سے تھوڑی سی احادیث بیان کی ہیں۔(106)

امام شافعی نے فرمایا جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے بے نیاز رہا، اسے علم میں تبحر حاصل نہ ہوگا۔ شیخ الاسلام یزید بن ہارون فرماتے ہیں: اگر تم فقیہ بننا چاہتے ہو تو امام اعظم کی کتابوں کا مطالعہ کرو میں نے کسی بھی فقیہ کو ان سے بے نیاز نہیں دیکھا۔(107)

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اس اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آپ نے علم حدیث سیکھنے کے لئے کاوش نہیں کی یا اس مقصد کے لئے کوئی سفر نہیں کیا۔ علم حدیث میں آپ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ بلاشبہ آپ علم حدیث میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل تھے کیونکہ آپ محض نقل روایت پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں روایات کو جانچتے۔ راویوں کے احوال و مقام کو پرکھتے۔ حدیث کے متن اور سند کو بنظر تحقیق دیکھتے اور تب جا کر اس کو اختیار کرتے، اسی حزم و احتیاط کے ساتھ آپ نے عبادات، معاملات، معاشیات، عمرانیات، قضایا و عقوبات اور مناسک کے بے شمار احکامات بیان کئے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو آپ کے استنباط کردہ احکامات سے رہ گیا ہو۔ لیکن کمال یہ ہے کہ آج تک کوئی محدث و مفسر یا مفتی و فقیہ یہ ثابت نہیں کر سکا کہ آپ کا بیان کردہ کوئی مسئلہ حکم حدیث کے خلاف تھا۔ علم حدیث میں ایسی ثقاہت و فقاہت کی مثال محدثین و فقہا کی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے اس کے باوجود اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کو مناسک و آثار کا علم نہ تھا تو یہ قرین انصاف نہ ہوگا کیونکہ آپ کا بیان کردہ ہر مسئلہ حدیث اور سنت رسول ﷺ کے مطابق ہے۔

اس بات میں بھی کسی کو کلام نہیں کہ علم فقہ جو سرچشمہ قرآن و حدیث کے سوا کچھ نہیں ہے امام ابوحنیفہ اس فقہ کے امام اعظم تھے اور باقی سب ائمہ کرام آپ کے عیال تھے۔ تو اس بات کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن و حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے سب سے زیادہ توجہ علم فقہ پر دی اور قرآن

و حدیث کی روشنی میں روزمرہ مسائل کو نمٹایا۔ اگر کسی درپیش مسئلے کو حل قرآن و حدیث اور صحابہ کے اقوال میں نہ ملا تو اجتہاد سے کام لیا۔ آپ نے ایک مجلس مذاکرہ قائم کی جو چالیس تبحر فقہاء پر مشتمل تھی۔

جس میں مسائل پر بحث ہوتی۔ بعض اوقات ایک مسئلے پر کئی ماہ تک بحث جاری رہتی۔ جب اتفاق ہو جاتا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ "اصول" میں درج کر لیتے۔(108)

آپ نے اس طرح 22 سال کی مدت میں تراسی ہزار مسائل کا حل فرمایا جن میں اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے تھا اور باقی سب مسائل معاملات کے متعلقہ تھے۔(109) علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ امام حنیفہ کا مدوّن کردہ مجموعہ ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے بحوالہ کتاب الصیانۃ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ لاکھ نوے ہزار سے زائد مسائل مدوّن کئے۔ شمس الائمہ کردری کے نزدیک یہ تعداد چھ لاکھ تھی۔ ہوسکتا ہے یہ تعداد نہ ہو مگر ہم اس میں شبہ نہیں کر سکتے کہ یہ تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ اس کی تصدیق آج بھی امام محمد کی کتابوں سے کی جا سکتی ہے۔(110)

مسائل فقہ کی اس قدر کثیر تعداد اس بات کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن و حدیث کے بہت عالم تھے۔ تبھی آپ نے اس قدر کثیر تعداد میں مسائل شرعیہ کا استنباط و استخراج کیا۔ اگر آپ حدیث میں ضعیف ہوتے تو اس قدر مسائل کی تخریج ممکن نہ ہوتی۔ لاکھوں کی تعداد میں مسائل شریعہ کا استخراج اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ آپ قرآن و حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ تدوین فقہ اور مسائل کی کثرت کی وجہ سے اہل الرائے کے نام سے مشہور ہو گئے لیکن یہ مطلب نہیں کہ آپ علم حدیث سے بہرہ ور نہ تھے۔

قلت عربی

حاسدین آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ کو عربی نہیں آتی تھی اور احادیث کا کل سرمایہ عربی زبان میں تھا اور اس وقت ترجمے کا رواج بھی نہ تھا۔ قلت عربی کی وجہ سے آپ

سے بہت کم احادیث مروی ہوئیں۔ابن خلکان نے بحوالہ تاریخ بغداداس اعتراض کوان
الفاظ میں نقل کیا ہے:ولم یکن یعاب بشیء سوی قلة العربیة۔(111)

اس اعتراض کا پس منظر یہ ہے کہ ابوعمرو بن العلاء المقری النحوی نے امام اعظم ابوحنیفہ
رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ: کیا قتل بالمثقل پر قصاص واجب ہے یانہیں؟ آپ نے فرمایا:
نہیں: کماھو قاعدة مذھبه خلافاًللامام الشافعیؒ فقال له أبو عمرو: ولم قتله
بحجر المنجنیق فقال: وله قتله بحجر المنجنیق؟ فقال: ولو قتله بأبا
قبیس ۔معترض کا اعتراض یہ ہے کہ یہاں بأبی قبیس کہنا چاہئے تھا کیونکہ باء حروف جار
رہے، مابعد کو جر دیتا ہے نہ کہ نصب۔اس کے بعد ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ
اللہ علیہ کی طرف سے علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ امام صاحب کی یہ بات ان لوگوں کی
لغت کے مطابق ہے جو کلماتِ ستہ معربہ بالحروف :وھی أبوہ، وأخوہ، وحموہ، وھنوہ، وفوہ،
وذومال أن اعرابھایکون فی الاحوال الثلاث بالألف، وأنشد وافی
ذلک یعنی ان مذکورہ لفظوں کا اعراب تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ آتا ہے اور تائید
میں یہ شعر پڑھتے ہیں:

اِن أبا ھا و أبا أبا ھا قد بلغا فی المجد غا یتا ھا

ترجمہ: بے شک اس کے والد اور دادا دونوں بزرگی کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے۔

وھی لغة الکوفیین اور یہ کوفہ والوں کی لغت ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کوفہ
ان مذکورہ حروف کو یعنی ابوہ۔۔۔ذومال کو، رفع، نصب اور حالت جر یعنی تینوں حالتوں میں
الف سے ہی پڑھتے تھے۔ وأبو حنیفه رحمة الله علیه من اھل الکوفه فھی
لغته۔امام ابوحنیفہؒ اہل کوفہ میں سے تھے اور آپ کی لغت یہی ہے۔(112)

ابن خلکان نے خطیب بغدادی کا یہ اعتراض نقل کرنے کے بعد وضاحت کر دی ہے کہ
خطیب بغدادی کو اتنے بڑے امام جن کا تقویٰ وطہارت، زہد و ورع اور قوت حافظہ شک و

شبہ سے بالاتر ہے، ان کے بارے میں اس قسم کی بات نہیں کرنی چاہئے تھی، اس کے بعد
بڑی وضاحت اور دلیل سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفی
تھے اور انہوں نے کوفہ کی لغت میں جواب دیا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی لغت
بھی یہی تھی۔امام بخاری نے بھی أنت أبا جہل کا استعمال کیا ہے۔ابوعمرو نحوی کی لغت حرف
آخر کی حیثیت نہیں رکھتی۔بلادِ عرب اور قبائلِ عرب کا لہجہ مختلف ہے اور یہ اختلاف باعث
تعجب نہیں۔ایک قبیلہ ایک ہی اسم کو منصرف کہتا ہے تو دوسرا قبیلہ اسی اسم کو غیر منصرف۔دوسرا
یہ کہ کتابت کے اعتبار سے بھی اختلاف موجود ہے۔ابوعمرو الدانی فرماتے ہیں:

"فاماالسکون فعامة أھل بلد ناقد یماو حدیثایجعلون علامة جرة فوق
الحرف": یعنی سکون کے لئے ہمارے قدیم وجدید ہم وطن حضرات نے حرف کے اوپر
علامت جر مقرر کی ہے۔(113)

ابوعمرو الدانی کی تحریر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حالتِ سکون میں جُر اوپر بھی
آسکتی ہے۔ابوالنجم کا یہ شعر کوفہ کی لغت کی تصریح کے لئے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے:

ان أباھاو أباأباھا :قدبلغافی المجد غایتاھا

مذکورہ بالا شعر میں أبا، أبی ھا ہونا چاہئے نہ کہ أبا أبا ھا۔لہذا اسے وضاحت کے خلاف
نہیں لیا جائے گا۔شرح الفیہ میں موجود ہے کہ ایک لغت یہ بھی ہے کہ قصر کر کے أب، أخ، حم
کے آخر میں الف لاتے ہیں۔اس طرح الفاظ معرب بہ حرکات مقدر ہوتے ہیں۔شرح
جامی میں بھی اسماء ستہ مکبرہ اور منادی کی بحث میں اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔کوفہ میں
ہزاروں صحابہ، تابعین اور أئمہ لغت موجود تھے۔یہ لوگ فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل و
بینظیر تھے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان أئمہ لغت سے نحو سیکھی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ
علیہ کی عربی تحریر اور عربی شاعری پر ابوسعید سرافی، ابوعلی قاری اور ابن جہنی جیسے عربی دان
باب الایمان میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر حیران رہ گئے۔آپ

کے اشعار کی شرح پر کتابیں لکھیں۔امام ابوبکر رازی نے آپ کے اشعار دیکھ کر فرمایا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کے مقابلے میں آپ کے اشعار زیادہ فصاحت و بلاغت رکھتے ہیں اور زیادہ لطیف ہیں۔کیا اس قسم کی شاعری عربی پر عبور حاصل کئے بغیر ممکن تھی قطعاً نہیں۔(114)

تضعیف حدیث

آپ پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ حدیث میں ضعیف تھے اور ناقص الحافظ تھے۔معترضین میں امام ذہبی، ابن عبدالبر، ابن عدی، امام نسائی، دار قطنی، ابن حجر، امام بخاری، ابن الجوزی، کے علاوہ بحوالہ تاریخ بغداد امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابن مبارک، امام ابویوسف، امام اوزاعی، سفیان ثوری، ابن عیاش، قاسم بن معین، مسعر بن کدام، علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سمیت 80 متبحر علماء کے اسماء گرامی تحریر کئے ہیں یہاں تک کہ آپ کے تلامذہ کے نام بھی لکھے ہیں۔(115)

حقیقۃ الفقہ کے مؤلف نے پہلا اعتراض یہ کیا ہے:

1) امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ نعمان بن ثابت بن زوطی ابوحنیفہ کوفی قیاس والوں کے امام ہیں۔انہیں نسائی، عدی اور دیگر علماء نے ناقص حافظے کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔(116)

مولانا محمد تقی عثمانی اس الزام کے جواب میں فرماتے ہیں:

1) ''میزان الاعتدال کی یہ عبارت بلاشبہ الحاقی ہے۔یہ الفاظ مصنف کے نہیں بلکہ کاتب نے حاشیہ پر اپنی طرف سے لکھے جو بعد میں متن میں شامل کر دیئے گئے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ذہبی نے اس کتاب کے مقدمہ میں وضاحت کر دی تھی کہ اس کتاب میں ان بڑے بڑے اماموں کا ذکر نہیں کروں گا جن کی شہرت تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، خواہ ان کے متعلق کسی شخص نے کچھ بھی کہا ہو، پھر بڑے اماموں کی مثال میں امام ابوحنیفہ رحمۃ

اللہ علیہ کا اسم گرامی بھی واضح طور پر لکھ دیا ہے۔پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام موصوف نے اس کتاب میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہو۔

2) دوسری دلیل یہ ہے کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جن اکابر ائمہ کا تذکرہ میزان الاعتدال میں نہیں کیا۔ان کا تذکرہ تذکرۃ الحفاظ میں کیا ہے۔امام موصوف کا صرف تذکرہ ہی موجود نہیں بلکہ مصنف نے حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے آپ کی بے حد توصیف بھی بیان کی ہے۔

3) تیسری دلیل یہ کہ ابن حجر نے لسان المیزان کو میزان الاعتدال پر مبنی کرتے ہوئے اس کا خلاصہ تحریر کیا ہے جو میزان الاعتدال میں ہے وہی لسان المیزان میں ہے اور لسان المیزان میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ذہبی نے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اپنی کتاب میزان الاعتدال میں نہیں کیا۔یہ عبارت الحاقی ہے اور اسے بعد میں شامل کیا گیا ہے۔

4) چوتھی دلیل یہ ہے کہ ہمارے شیخ عبدالفتاح ابوغزہ نے الرافع والتکمیل کے حاشیہ کے صفحہ 101 پر تحریر کیا ہے کہ ''میں نے دمشق کے مکتبہ الظاہریہ میں ''میزان الاعتدال'' کا ایک نسخہ الرقم 368 کے تحت دیکھا ہے، جسے امام ذہبی کے ایک شاگرد علامہ شرف الدین الوانی کے قلم سے تحریر کیا گیا ہے۔اس نسخہ میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ میں نے اس نسخے کو تین مرتبہ اپنے استادِ محترم امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پڑھا ہے اور ان کے مسودے سے اس کا موازنہ کیا ہے۔اس نسخہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں تھا۔اسی طرح میں نے مراکش کے دارالحکومت رباط کی معروف لائبریری خزانۃ العامرہ میں 139ق نمبر کے تحت میزان الاعتدال کا ایک قلمی نسخہ دیکھا، جس پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے شاگردوں کے پڑھنے کی تاریخیں موجود ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس نسخے کو امام ذہبی کے ایک شاگرد نے امام ذہبی کے

سامنے، ان کی وفات سے صرف ایک سال قبل پڑھا تھا، اس نسخہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ موجود نہیں۔ یہ نسخہ بھی شاہد ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے۔ امام ذہبی کا دامن، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف وتنقیص سے پاک صاف ہے۔(117)

علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ امام ذہبی نے ہر متکلم فیہ، اگرچہ وہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو؟ کے ذکر میں حافظ ابن عدی کا اتباع کیا ہے تاہم انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا اور اس کی وضاحت میزان الاعتدال کے دیباچہ میں کردی ہے۔ علاوہ ازیں حافظ عراقی نے شرح الفیہ میں اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تدریب الراوی میں اس کی وضاحت کردی ہے کہ امام ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کی وضاحت کتاب کے آغاز میں کردی ہے اور ابن عدی کی موافقت سے براءت کا اظہار بھی کردیا ہے۔ اس طرح اس عبارت کے الحاقی ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ لہذا یہ بھی یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ حافظ ابن عدی کا یہ اعتراض جو میزان اعتدال کی جلد صفحہ 90 پر موجود ہے کہ: اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت کوفی تینوں ضعیف ہیں، یہ عبارت الحاقی ہے کیونکہ امام ذہبی نے اپنی کتاب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کسی مقام پر تذکرہ نہیں کیا۔ اگر کہیں ذکر آیا ہے تو ضمناً آیا ہے، جیسے امام بخاریؒ کا ذکر آیا ہے۔ یہ عبارت بعد میں شامل کی گئی۔ امام ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ضعیف قرار دے دیں اور دوسری کتاب میں انہیں حفاظ حدیث میں شامل کردیا ایسا ممکن نہیں۔ لہذا وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ میزان الاعتدال کی یہ عبارت الحاقی ہے۔ علمی تناظر میں اگر اس بات کا جائزہ لیا جائے تب بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس الزام سے مبرا نظر آتے ہیں کیونکہ جرح وتعدیل کے ضمن میں اگر تعداد مساوی ہوجائے تو قاعدہ یہ ہے کہ تعدیل کو مقدم سمجھا جاتا ہے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل کرنے والے

کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں اور پھر جرح مجمل قابل قبول بھی نہیں ہوتی۔ اگر یہ اصول قائم نہ ہوتا تو شاید ہی کوئی اس سے بچ پاتا۔ امام بخاری کے استاذ علی بن مدائنی کو امام احمد، ابوزرعہ اور ابراہیم حربی نے متروک قرار دیا ہے۔ امام مسلم نے ان سے روایت تک نہیں لی۔ امام شافعی پر ابن معین نے جرح کی ہے امام نووی کے نزدیک کسی کے کہنے سے کوئی غیر معتبر نہیں ہوجاتا۔ انہوں نے شرح مسلم کے مقدمہ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ جرح وہی معتبر ہوتی ہے جو مفسر اور کسی سبب کو بیان کرے۔ علامہ ابن دقیق اور علامہ عبدالعزیز نجاری کا یہی مذہب ہے۔ اس فن کے ائمہ کرام نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل وتوثیق کی ہے۔ امام مزّی فرماتے ہیں کہ کان ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقۃ فی الحدیث یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں ثقہ ہیں۔

امام شعرانی فرماتے ہیں ”جو شخص یہ کہتا ہے کہ امام اعظم کے اقوال ضعیف ہیں وہ غلطی پر ہے۔ میں نے بحمد اللہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے دلائل کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ آپ کے مذہب کی تخریج احادیث کی کتاب جو ہدایہ میں مذکور ہے، جسے علامہ حافظ زیلعی نے تالیف کیا ہے، میں نے اسے بنظیر تحقیق پڑھا ہے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ کی اور آپ کے اصحاب کی رائے یا تو حدیث صحیح سے مستنبط ہے یا حدیث حسن سے یا حدیث ضعیف سے اور طریق حدیث کی روایت تین سے کم نہیں اور زیادتی میں اس طریقوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ علامہ بیہقی نے کتاب ”السنن الکبریٰ“ میں ایسے تمام ائمہ اور ان کے اصحاب کے ایسے دلائل کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب کوئی امام حدیث صحیح یا حسن نہیں پاتا تو وہ حدیث ضعیف سے استدلال کرتا ہے۔ ایسا استدلال صرف امام ابوحنیفہ نے نہیں کیا بلکہ تمام ائمہ نے کیا ہے۔ میں نے اپنی کتاب المنہج المبین فی بیان ادلۃ مذاہب المجتہدین میں بیان کیا ہے۔ جس میں انہوں نے حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح دی ہے۔ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تینوں مسانید کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ جن پر حفاظ حدیث کے دستخط

ہیں، سب سے آخر میں حافظ دمیاطی کے دستخط ہیں۔

غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث اَخذ کرنے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔ انہوں نے صرف ان تابعین سے حدیث لی جو عدالت وثقاہت میں ممتاز تھے اور خیر القرون میں داخل تھے جیسا کہ اسود، علقمہ عکرمہ، مکحول، حسن بصری اور ان کی امثال رضی اللہ عنہم۔ جس قدر راوی حضورِ اکرم ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں، وہ سب کے سب ثقہ، عادل، عالم اور خیار الناس میں سے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سب تقویٰ وطہارت اور زہد وورع رکھنے والے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سب کا احترام کرتے تھے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے سوال کیا کہ اسود، عطاء اور علقمہ میں سے کون زیادہ فضیلت کا حامل ہے؟ آپ نے جواب دیا: قسم ہے پروردگار کی جب ہم ان تینوں کا نام لینے کی بھی قابلیت نہیں رکھتے تو ہم ان کے درمیان فضیلت کا معیار کیسے مقرر کر سکتے ہیں۔ ماسویٰ صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین، تمام تابعین تبع تابعین اور محدثین ومجتہدین پر جرح وتعدیل کی گئی ہے تاہم جمہور کی تعدیل کو ہمیشہ مقدم رکھا گیا ہے۔

بخاری ومسلم نے بھی ایسے بہت سے لوگوں کی احادیث کی تخریج کی ہے جن میں علماء نے کلام کیا ہے تاہم ادلہ شرعیہ کے اثبات کو ان کی نفی پر ترجیح دی ہے تاکہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان سلسلہ روایت صحابہ اور تابعین کا ہے اور وہ سب کے سب جرح وقدح سے سالم ہیں تو پھر کس بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ضعیف کہا گیا ہے؟ اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ جن حفاظِ حدیث نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی تضعیف کی ہے، وہ سب کے سب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد روایت کرنے والے ہیں۔ انہوں نے امام صاحب کے طریق روایت کے برعکس دوسرے طریق کو اختیار

کیا ہے کیونکہ تینوں اَئمہ کی مسانید میں جتنی احادیث ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں، اگر وہ صحیح نہ ہوتے تو وہ حضرات القدس ان سے ہرگز استدلال نہ کرتے اور امام صاحب سے نیچے کے کسی راوی کا کذب سے متہم ہونا کسی قسم کا نقص پیدا نہیں کرتا۔ ہمارے لئے ان اَحادیث کی صحت کی اتنی ہی دلیل کافی ہے کہ مجتہدین نے ان سے استدلال کیا ہے۔ اس باریک بات کو جس کی تنبیہ میں نے کی ہے بغور دیکھو کیونکہ یہ بات کسی اور محدث کے کلام میں نہیں ملے گی۔ تمہیں ہرگز زیب نہیں دیتا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کسی دلیل یا قول کی تضعیف بیان کرو کیونکہ ان کا کوئی راوی کذاب یا دروغ گو نہیں۔ امام اعظم اور ان کے کسی آدمی سے تعصب مت اختیار کرو، اگر تعصب کرنے والوں کی تقلید کرو گے تو خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گی، ان کے اقوال کی اتباع ایسے کرو جیسے ہم نے کی ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ امام اعظم کا مذہب نہایت ہی صحیح ہے۔ جس طرح بقیہ مجتہدین کے مذاہب صحیح ہیں۔ اپنے علم وعمل میں اخلاص پیدا کرو تاکہ تمہیں شریعت کا وہ چشمہ نظر آنے لگے۔ (118)

حافظ ابن عدی کا معاملہ تھوڑا سا مختلف ہے۔ اوائل میں وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف تھے۔ جب امام طحاوی سے شرف تلمذ حاصل ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام ومرتبہ سے آگاہ ہوئے اور رجوع کیا اور پھر ان کی عظمت کے اعتراف میں ''مسند'' بھی مرتب فرمائی۔ لہٰذا ان کے قول کو بطور حجت پیش کرنا مناسب نہیں۔

ناقص الحفظ

مولانا محمد یوسف جے پوری نے یہ اعتراض علامہ ابن عبد البر کے حوالے سے کیا ہے۔ انہوں نے بطور حوالہ ابن عبد البر کا یہ قول نقل کیا ہے: لم یسندہ غیر أبی حنفیہ رحمة اللہ علیہ دھوسئی، اعتراض علامہ ابن عبد البر کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں ہم سب سے پہلے ان کا اپنا مؤقف دیکھ سکتے ہیں۔ ان کے خیالات کا جائزہ لینے کے بعد، معترض کے اعتراض کو اس کے بیان کے تناظر میں دیکھیں گے۔ علامہ ابن عبد البر

اپنی مشہور کتاب جامع بیان العلم وفضلہ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جوانہوں نے ابوعمر کے حوالے سے لکھا ہے:

''ابوعمر کہتے ہیں کہ اصحابِ حدیث نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت میں بڑی بے اعتدالی اور بہت زیادتی کی ہے۔ان لوگوں کا الزام یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آثار میں رائے و قیاس کو داخل کیا ہے لیکن یہ معترضین کی زیادتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اگر بعض اخبارِ احاد کو مسترد کیا ہے تو تاویل سے کام لیا ہے اور یہ کہ کوئی ایسی انوکھی اور مکروہ بات نہیں کی کہ اس طرح طعن وتشنیع کی جائے ،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بہت سے علماء وائمہ یہی کر چکے ہیں۔ان کے زمانے میں بھی اور بعد کے زمانوں میں بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی، جو کچھ کیا ہے اپنے شہر کے اکابرین مثلاً ابراہیم نخعی اور اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پیروی میں کیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب نے واقعات فرض کر کے احکام کا استنباط کیا ہے لیکن یہ بھی ایسی چیز ہے جو میرے خیال میں تمام اہل علم میں پائی جاتی ہے۔ وہ کون سا عالم اور امام ہے جس نے آیات واحادیث سے تاویل نہیں کی۔ ناسخ یا منسوخ کا حکم نہیں لگایا۔لیث بن انس کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سترہ فتوے ایسے شمار کیے ہیں جو سنت نبوی ﷺ کے خلاف ہیں اور امام مالک نے یہ فتوے محض رائے سے دیئے ہیں۔ میں نے انہیں اس بارے میں نصیحت بھی لکھ بھیجی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ پر یہ الزام بھی لگا ہے کہ وہ مرجیہ تھے۔ بہت سارے اہل علم حضرات پر تہمتیں لگتی رہتی ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ ان تہمتوں کو جمع نہیں کیا گیا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کی گئی نکتہ چینی کو جمع کرلیا گیا ہے۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ منصب امامت پر فائز تھے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ کے معاصر ائمہ حضرات آپ سے حسد بھی کرتے تھے۔آپ پر تہمتیں لگایا کرتے تھے۔آپ ان تمام تہمتوں سے ارفع تھے۔(119)

علماء کی ایک بہت بڑی جماعت نے ،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کی ہے اور ان کی عظمت وفضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ یحییٰ بن معین کا پایہ جرح وتعدیل میں بہت بلند ہے اور ان کی کڑی تنقید بھی مشہور ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تک کو نہیں چھوڑا اور وہ ایسی وضاحت کر گئے ہیں جسے اہل علم نے کبھی قبول نہیں کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ روایت حدیث میں کذب کے مرتکب ہوتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تو نام بھی نہ لو، میں ان کا تذکرہ تک پسند نہیں کرتا۔اس قدر متشدد شخص سے یہی سوال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا گیا تو انہوں نے کہا''صدق'' صادق القول اور راست گو ہیں۔ ایک اور موقع پر کہا: ہمارے اصحاب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں بڑی زیادتی کرتے ہیں۔ ان سے پھر سوال کیا گیا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غلط بیانی کرتے تھے؟ جواب دیا: وہ اس عیب سے ارفع واعلیٰ تھے۔

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا حسن ظن تھا۔امام صاحب کی جلالتِ قدر اس سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں نے ان سے روایت کی ہے مثلاً سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہیثم ،وکیع بن الجراح، عباد بن العوام، جعفر بن عون علی بن المدینی نے کہا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں۔ یحییٰ بن سعید القطان

نے کہا کہ ہم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو پسند کرتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ ابو عمر کہتے ہیں، جن بزرگوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث لی، ان کی توثیق کی، ان کی عظمت کا اعتراف کیا، تعداد میں ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہیں جنہوں نے تنقید و تنقیص کی ہے۔ سچ کہا گیا ہے کہ آدمی کا رتبہ اس سے ہی معلوم ہوتا ہے جب لوگ اس کے بارے میں مختلف الخیال ہو جاتے ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ہی دیکھ لو کس طرح دو گروہ ان کے حق میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ ایک محبت میں بے اعتدالی کی وجہ سے اور دوسرا بغض میں اندھا ہونے کی بناء پر۔ یہی حال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ایک گروہ ان کے بغض میں مبتلا ہو گیا مگر اس سے امام کی عظمت گھٹی نہیں بلکہ ثابت ہوئی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اوزاعی کی رائے، مالک کی رائے، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے، سب آراء ہیں اور میری نگاہ میں یکساں ہیں۔(120)

متذکرہ بالا طویل اقتباس پڑھنے کے بعد آسانی سے یہ نتیجہ اَخذ کیا جا سکتا ہے کہ امام حدیث علامہ ابو یوسف عمر بن عبداللہ ابن عبدالبر اندلسی مالکی (م463ھ) نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کی ہے یا تنقیص، اس قسم کا حسن ظن رکھنے والا امام حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ناقص الحفظ کیسے کہہ سکتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں بحوالہ علی بن المدینی لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں۔ امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے اور ان کے بارے میں امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے آپ کو سوائے ان کے کسی کے سامنے کمتر نہیں پایا۔ اس قدر جلیل القدر اور بلند مرتبہ امام جو امام بخاری کے محض استاذ ہی نہیں بلکہ ایسے استاذ ہیں جن پر انہیں فخر ہے، وہ آپ کو ثقہ سمجھتے تھے اور انہوں نے آپ سے حدیث بھی سماعت فرمائی اور زانوئے تلمذ بھی تہہ کیا۔ ابن عبدالبر کے اقتباس سے تو یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امام بخاری

کے نزدیک بھی آپ ثقہ تھے کیونکہ امام بخاری نے امام علی بن المدینی سے روایت لی ہے اور انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے تبھی انہوں نے آپ سے روایت لی اور آپ کو ثقہ لکھا۔ اگر آپ ناقص الحفظ حدیث میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری کے شیخ و استاذ جن پر امام بخاری فخر کرتے تھے، وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی روایت نہ لیتے اور نہ ہی ان کی تعریف کرتے۔ اگر امام بخاری کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ اور ان کے علم پر یقین نہیں تو پھر علی بن المدینی کے حافظہ اور علم پر یقین نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث سماعت فرمائی ہے۔ ابن عبدالبر کی تحریر جرح و تعدیل کے باب میں اگر دونوں مساوی ہوں تو تعدیل کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاملے میں تو تعدیل کرنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ امام ابن عبدالبر کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہ ناقص الحفظ تھے اور نہ ہی ضعیف، ہو سکتا ہے ابتداء میں ابن عبدالبر نے حاسدین کی تحریریں پڑھ کر آپ کے متعلق ایسا گمان کر لیا ہو اور شرح مؤطا کی تمہید میں یہ بات لکھ دی ہو لیکن آپ کے مقام و مرتبہ سے آگہی کے بعد رجوع کر لیا ہو جیسا کہ آپ کی کتاب جامع بیان العلم کی تحریر سے واضح ہے۔ یہ کتاب آپ نے شرح مؤطا کے تمہید لکھنے کے بعد تحریر کی تھی۔ اس اقتباس سے یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے نہ صرف آپ کو ثقہ اور بہت بڑا مجتہد اور امام لکھا ہے بلکہ آپ پر تنقید کرنے والوں کی مذمت بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ ایسا کہنے والے بغض اور حسد کی آگ میں جل رہے ہیں کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان تمام الزامات سے ارفع و مبرا ہیں۔ یحییٰ بن معین (م233ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں اور یحییٰ بن معین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ یحییٰ بن سعید القطانی جو کہ امام بخاری کے راوی ہیں، جنہیں امام بخاری ثقہ سمجھتے تھے، انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ثقہ کہا ہے۔ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر

عسقلانی، علامہ صفی الدین، ابن صلاح، ابن حجر مکی، حافظ عراقی اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔ امام ابن جوزی، دارقطنی، امام نسائی اور خطیب بغدادی بالاتفاق متشدد سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی نہ بات میں اعتدال ہے اور نہ مزاج میں، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ثقہ تھے اور ابن عبدالبر نے آپ کے ثقہ ہونے کی تائید ہی نہیں بلکہ دلائل سے ثابت بھی کیا ہے۔ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ (ابن عبدالبر) فرماتے ہیں: فقہاء امام صاحب پر طعن کرنے والوں کی طرف ہرگز التفات نہیں کرتے اور ان کی طرف سے منسوب کی جانے والی کسی برائی کی تصدیق نہیں کرتے (121)

جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر نے خود فرما دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق وتعریف کرنے والوں کی تعداد طعن وتشنیع کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ثقہ راوی ایوب بن سلیمان ہیں جنہیں علامہ عبدالبر نے ضعیف کہا ہے کہ جبکہ جمہور محدثین نے اسے افراط قرار دیا ہے۔ (122)

اگر امام بخاری کے راویوں پر حافظ ابن عبدالبر کی جرح کو افراط پر محمول کیا جاسکتا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کیوں نہیں جو کہ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں اور بہت بڑے فقیہ اور مجتہد ہیں۔

لیس قویًا فی الحدیث

مولانا جے پوری نے بحوالہ امام نسائی یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لیس بالقوی فی الحدیث...... میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں قوی نہیں ہیں۔ بہت زیادہ غلطی اور خطا کرنے والے ہیں۔ ایسا قلت روایت کی بنا پر ہے۔ (123)

اس اعتراض کے ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ امام نسائی کو بالاتفاق جمہور علماء نے متشدد کہا ہے۔ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ امام نسائی متشدد اور متساہل ہیں۔ اس اعتراض کے ضمن میں ہم مولانا محمد تقی عثمانی کی تحقیق کو بطور حوالہ پیش کرتے ہیں۔ آپ اس اعتراض کا

تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"علماء جرح وتعدیل کے قواعد مقرر کرچکے ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ بصورت دیگر کسی بڑے سے بڑے محدّث کی بھی عدالت وثقاہت کو ثابت کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگا کیونکہ اکابر محدّثین پر کسی نہ کسی نے جرح ضرور کی ہے مثلاً امام شافعی پر یحیٰی بن معین نے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر امام کرابیسی نے، امام بخاری پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام اوزاعی پر امام احمد نے، اگر ان تمام حضرات کی جرح پر اعتبار کرلیا جائے تو ان میں سے کوئی ثقہ قرار نہیں پاتا کیونکہ ابن حزم نے امام ترمذی اور ابن ماجہ کو مجہول تک کہہ دیا ہے۔ امام نسائی پر اس قدر علماء نے طعن وتشنیع اور الزام عائد کئے ہیں کہ وہ مجروح قرار پاتے ہیں۔ جرح وتعدیل کا پہلا اصول یہ ہے کہ جس شخص کی امامت وعدالت متواتر اور حد تواتر کو پہنچتی ہو تو اس پر ایک دو اشخاص کی جرح معتبر نہیں ہوتی۔ چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت اور امامت حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ اکابر ائمہ حدیث نے آپ کے تقویٰ وطہارت اور علمی مرتبہ کا صرف اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ خراج تحسین بھی پیش کیا ہے۔ اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کسی ایک فرد کی جرح معتبر نہیں ہوسکتی۔ موجودہ زمانے کے بعض جہلاء اس قاعدے پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محدّثین نے جرح کو تعدیل پر مقدم کیا ہے۔ چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جرح وتعدیل دونوں منقول ہیں لہٰذا ان پر جرح راجح ہوگی۔ ان کا یہ اعتراض جرح وتعدیل کے قواعد اور اصول کے بالکل برعکس اور الٹ ہے بلکہ جہالت پر مبنی ہے کیونکہ ائمہ احادیث نے اس بات کی واضح طور پر وضاحت کردی ہے کہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کا قاعدہ مطلق نہیں بلکہ کچھ شرائط کے ساتھ مقیّد ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ اگر کسی راوی کے متعلق جرح اور تعدیل کے اقوال متعارف ہوں تو ان کی ترجیح کے درج ذیل دو طریقے ہوں گے:

1) اوّل یہ کہ جرح وتعدیل دوہرے اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ خطیب بغدادی نے

الکفایۃ فی اصول الحدیث ولروایہ میں لکھا ہے کہ اوّلاً یہ دیکھا جائے گا کہ جارحین کی تعداد زیادہ ہے یا تعدیل کرنے والوں کی جن کی تعداد زیادہ ہوگی، اسی کو اختیار کیا جائے گا۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف یہی ہے۔ اگر قاعدہ یہی اختیار کیا جائے تب بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل ثابت ہوتی ہے کیونکہ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کرنے والے چند افراد ہیں مثلاً امام نسائی، امام بخاری، امام دار قطنی اور حافظ ابن عدی (ابن عدی امام طحاوی کے تلمیذ بننے کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مداح بن گئے تھے) جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مداحوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے جن کا شمار ممکن نہیں۔ ان میں چند معروف حضرات درج ذیل ہیں جو علم جرح وتعدیل کے امام ہیں عبداللہ بن مبارک اور امام شعبہ ابن الحجاج، جنہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے، ان کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے۔ امام یحیٰی بن سعید القطان، امام ذہبی اور علامہ ابن عبدالبر کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے۔ امام علی بن المدینی جو کہ امام بخاری کے شیخ اور جرح تعدیل کے بہت بڑے عالم تھے، انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ثقہ کہا ہے۔ علاوہ ازیں یزید بن ہارون، سفیان ثوری، سفیان بن عینیہ، اسرائیل بن یونس، یحیٰی بن آدم، وکیع بن الجراح، فضل بن دکین، امام شافعی اور امام احمد نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔ شامی میں موجود ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں امام تھے کیونکہ حدیث کو چار ہزار مشائخ اور ائمہ تابعین سے اَخذ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی نے آپ کو حفاظ محدّثین میں ذکر کیا ہے۔

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے خیرات الحسان میں لکھا ہے کہ: آپ کی مثل کوئی حافظ ان احادیث کا نہ تھا جس میں فقاہت موجود ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ آپ جیسا کوئی حافظ حدیث اور حدیث کی تفسیر جاننے والا نہ تھا۔ (124)

ائمہ حدیث اور جرح وتعدیل کے علماء کی اتنی بڑی تعداد کی تعریف وتوثیق کے بعد چند افراد کی تنقید کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔

ابن الصلاح، ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن شہروزی (م 643ھ) نے علوم الحدیث المعروف مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح میں لکھا ہے کہ اگر جرح مفسر نہ ہو اور اس میں جرح کی وجہ بیان نہ کی گئی ہو تو تعدیل ہمیشہ راجح رہتی ہے، تعدیل خواہ مفسر ہو یا مبہم۔ اس اصول کے تناظر میں دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جتنی جرح ہوئی ہے، وہ سب مبہم ہے، ایک بھی مفسر نہیں، اس بنا پر اس کا کوئی اعتبار نہیں جبکہ تعدیل معتبر ہے کیونکہ اس میں زہد وورع اور حفظ کا اثبات کیا گیا ہے۔ اگر تعدیل میں جرح کے اسباب کو رد کر دیا گیا ہو تو وہ مقدم ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق ایسی تعدیل موجود ہے جیسا کہ ابن عبدالبر نے الانتقار میں لکھا ہے کہ جرح مقدم علی التعدیل کا قاعدہ اس وقت معتبر ہوتا ہے۔ جب جرح مفسر ہو، اس کا سبب معقول ہو معدلین کی تعداد جرح کرنے والوں سے زائد نہ ہو۔

مولانا محمد اسماعیل سنبھلی نے امام نسائی کے اس اعتراض کا جواب جو انہوں نے کتاب الضعفاء کے ص 34 پر اس طرح دیا ہے کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اس جرح کو حسن بن رشیق نے نقل کیا ہے۔ حسن بن رشیق پر بھی حافظ عبدالغنی اور دار قطنی نے جرح کی ہے۔ اس اصول کے مطابق حسن بن رشیق مجروح ہوئے اور مجروح کی روایت قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ گویا امام نسائی سے روایت کرنے والے احسن بن رشیق جنہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ضعف کی روایت نقل کیا ہے، اس کی روایت سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مجروح ٹھہرانا درست نہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ امام نسائی ان متشدّدین میں سے ہیں جنہوں نے صحیحین کے بہت سے راویوں پر جرح کی ہے۔ تفصیل مقدمہ فتح الباری، امام سیوطی کی زہر الربی علی المجتبیٰ اور ابن حجر کی التہذیب بذیل ترجمہ حارث بن عبداللہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ان تمام حضرات کے نزدیک امام نسائی متشدّدین میں سے ہیں اور انہوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی اور مسلم جیسے ائمہ

کے راویوں سے حدیث نہیں لی اوران پر تنقید کی ہے۔ سنن نسائی میں امام بخاری کی سند سے صرف ایک روایت موجود ہے جبکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔(125) امام قسطلانی کا تو یہ کہنا ہے کہ کوئی روایت بھی انہوں نے امام بخاری سے نہیں لی۔(126)

ایسے شخص کی جرح ایک بہت بڑے امام کے متعلق کیسے معتبر قرار پاسکتی ہے۔ صحیح بخاری جو کتب احادیث میں بہت ہی معتبر کتاب ہے، اس کے راویوں کو مجروح کہا گیا ہے۔ جریر بن حازم اور قبیصہ بن عقبہ کو امام احمد بن حنبل، وضاح بن عبداللہ کو ابوحاتم سلیمان بن حیان کو امام داؤد اور عبدالعزیز بن حجر کو ابوزرعہ نے ناقص الحفظ اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا کہا ہے اوران سب حضرات سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔ اگر ان حضرات کا حافظہ کمزور تھا اور یہ کثیر الغلط تھے تو صحیح بخاری کی صحت بھی مشکوک ہو جائے گی۔ سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام نسائی نے سنن میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لی ہے۔ اگر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ضعیف اور کثیر الخطاء تھے تو انہوں نے آپ سے روایت کیوں لی اور اپنی اسی کتاب المجتبیٰ کو کلیتاً صحیح کیوں کہا؟ اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اوائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایسا گمان کیا ہو اور بعد میں رجوع کرلیا ہو کہ آپ ضعیف نہیں بلکہ ثقہ تھے۔

امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض

امام دار قطنی (385ھ) نے یہ اعتراض کیا ہے کہ: امام ابوحنیفہ اور حسن بن عمار کے سوا کسی نے بھی اس حدیث (من کان له امام فقرائة الامام له قرائة) کو روایت نہیں کیا اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

ابن عبدالبر نے شرح مؤطا کی تمہید میں اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ گزشتہ اوراق میں

اس پر بحث ہو چکی ہے۔ اس حدیث کے حوالے سے امام دار قطنی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ضعف کا الزام عائد کیا ہے۔ اس ضمن مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام دار قطنی کی جرح کا جواب وہی ہے جو امام شافعی کی جرح میں گزر چکا ہے۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مرتبہ کے متعلق ان کے معاصرین کے اقوال کو فوقیت حاصل ہو گی اور انہیں کا مؤقف معتبر ہو گا۔ ان حضرات القدس میں امام شعبہ، یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن معین، سفیان ثوری، وکیع بن الجراح، علی بن المدینی، عبداللہ بن مبارک، مکی بن ابراہیم، اسرائیل بن یونس، یحییٰ بن آدم، جیسے جلیل القدر محدثین کے اقوال ہی معتبر سمجھے جائیں۔

البتہ محدثین نے آپ پر ایسا الزام کیوں لگایا؟ غالب گمان یہ ہے کہ ان حضرات نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر حاسدین کے الزامات اور طعن و تشنیع اور بے سروپا باتیں، جو انہوں نے مشہور کر رکھی تھیں جن میں یہ بات عام تھی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث پر رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ خاص طور پر اس بات کی اتنی تشہیر کی گئی کہ امام اوزاعی اور حافظ ابن عدی جیسے اکابرین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ لیکن جب وہ آپ کے علمی مرتبہ اور آپ کے مسلک سے آگاہ ہوئے تو رجوع کرلیا۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ امام نسائی اور قطنی جیسے ائمہ حدیث نے بھی یہی سنا کہ آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے آپ پر طعن کی۔ جب انہیں آپ کے علمی مقام و مرتبہ سے آگہی حاصل ہوگئی تو انہوں نے رجوع کرلیا جیسا کہ امام اوزاعی نے کیا تھا، جنہیں آگاہی نہ ہوئی وہ اپنے موقف پر قائم رہے، تاہم ان کے موقف کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں دار قطنی کے ان الزامات کو بے بنیاد قرار دیا ہے حالانکہ دار قطنی کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ لکھ دیا ہے جیسا کہ سنن دار قطنی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے برتن میں پانی گرم کیا جاتا تھا اور اس سے غسل کیا کرتے تھے، اس سند کو صحیح لکھا ہے

،حالانکہ اس سند میں علی بن عزام اور ہشام بن سعد مجروح ہیں۔

دار قطنی نے امام بخاری پر بھی یہی الزام عائد کیا ہے یعنی اسحاق بن محمد جو امام بخاری، امام داؤد اور امام نسائی کے راوی ہیں انہیں بھی مجروح کہا ہے۔(127) لیکن عجیب بات یہ ہے کہ فتح المغیث کے صفحہ 44 پر لکھا ہے کہ دار قطنی ،نسائی کو صحیح سمجھتے ہیں گویا دار قطنی کے موقف میں تعارض پایا جاتا ہے کیونکہ امام نسائی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو قبول کیا ہے۔

اعتراض : حدیث میں غلطیاں کرنے والے ہیں۔

علی ابن المدینی (امام بخاری کے شیخ) کے صاحبزادے عبداللہ کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ حدیث میں ضعیف ہیں اور پچاس حدیثوں سے بھولے ہیں۔(127)

دوسرا اعتراض بھی اسی کتاب میں اس طرح ہے: ابوحفص عمر بن علی نے کہا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حافظہ والے نہیں ہیں اور حدیث میں غلطیاں کرنے والے ہیں۔ انہیں حدیث یاد نہیں رہتی۔(128)

تیسرا اعتراض بھی اسی کتاب میں ہے: ابوبکر بن داؤد کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کل 150 احادیث روایت کی ہیں جن میں نصف میں بھولے ہیں یا غلطی کی ہے (129)

پہلا اعتراض درحقیقت ابن جوزی نے المنتظم میں نقل کیا ہے اور ابن جوزی کے بارے میں سب علماء متفق ہیں کہ وہ متشدّد واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے محدثین، فقہاء اور اولیاء پر تنقید کی ہے یہاں تک کہ سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی جو آپ کے معاصر بھی تھے ،ان پر سخت تنقید کی۔ انہوں نے امام بخاری اور امام مسلم کی روایت کردہ احادیث کو بھی موضوعات میں شامل کیا ہے اور ان کے راویوں پر کذب کا الزام عائد کیا ہے

اسی شدت کی وجہ سے جمہور علماء ان کی جرح اور تنقید پر اعتماد نہیں کرتے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ”متقدمین ومتاخرین محدثین نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ الموضوعات میں بہت زیادہ تساہل اور کمزوری پائی جاتی ہے۔ اس میں ان احادیث کو بھی شامل کر دیا گیا ہے جو موضوع نہیں بلکہ ضعیف راویوں سے مروی ہیں۔ ان میں بعض حسن اور صحیح احادیث بھی موجود ہیں بلکہ ایک حدیث مسلم کی اور بقول حافظ ابن حجر اور ایک بخاری کی بھی ہے۔ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن جوزی اور حاکم کے تساہل نے دونوں کی کتابوں کے نفع کو کالعدم کر دیا ہے۔ علامہ سیوطی نے نشر العلمین المنیفین کے ص 17 پر لکھا ہے کہ ابن جوزی کی تنقید اور تسامح پر محدثین نے تنقید کی ہے۔ ان میں ابن حجر، ابن صلاح، حافظ صلاح الدین العلائی، علامہ زرکشی، قاضی ابوالفرج نہروانی، حافظ زین الدّین عراقی (م 804ھ) سراج الدین بلقینی اور قاضی بدرالدین بن جماعہ شامل ہیں۔ ابن جوزی کی جس کتاب سے یہ حوالہ لیا گیا ہے، علماء نے اس کی صحت پر کلام کیا ہے اور اس کی صریح غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ صاحب کشف الظنون نے بحوالہ مولیٰ علی ابن حنائی لکھا ہے کہ اس کتاب میں صریح غلطیاں اور بہت سے اوہام پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔(130)

ابن جوزی پر تو اپنوں نے بھی جرح کی ہے اور ان کی بعض تحریروں کو ردّ بھی کیا گیا ہے۔ سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب مراۃ الزمان میں لکھا ہے کہ خطیب بغدادی پر تعجب نہیں کیونکہ علماء نے انہیں مطعون قرار دیا ہے، افسوس تو نانا جان پر ہے جنہوں نے خطیب کی پیروی کی ہے۔

مذکورہ تصریح کے پیش نظر تو صحیحین اور سننِ اربعہ کے راوی بھی کذاب ٹھہرتے ہیں۔ اس صورت میں بخاری ومسلم بالخصوص بخاری شریف جو اہل حدیث کے نزدیک قرآن کے بعد سب ے زیادہ معتبر اور راصح کتاب ہے، مشکوک ہو جاتی ہے، ثابت ہوا کہ فردِ واحد کی

جرح یا تنقید سے ایک امام حدیث یا مجتہد وفقیہ کی فقاہت واجتہاد میں ضعف واقع نہیں
ہوتا۔لہذا کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قلیل حضرات کی جرح سے ضعیف
قرار نہیں پاتے۔ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بھی کئی
فقہاء کی کنیت ابوحنیفہ تھی۔القاموس میں ان کی تعداد بیس بیان کی گئی ہے۔(131)

عبدالبر اور علی بن المدینی کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے۔انہوں نے
حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، حماد بن ابی حنیفہ، ہیثم، وکیع بن
الجراح، عباد بن العوام اور جعفر بن عون جیسے گیارہ کبار محدثین نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ وہ ثقہ ہیں اور ان سے روایات کرنے میں کسی قسم کا حرج
نہیں۔(132)

دوسرے اعتراض میں جرح مبہم اور تعدیل مفسر ہے، اس لئے مبہم جرح غیر مقبول ہو
گی۔تیسرے اعتراض میں معترض ابوبکر بن ابی داؤد ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ
علیہ پر جرح کی ہے، خود مجروح ہیں۔ان کے والد نے انہیں کذاب کہا ہے۔دار قطنی نے
بھی انہیں کثیر الخطا قرار دیا ہے۔علی بن حسین بن جنید کہتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد سجستانی
(م275ھ) کو یہ کہتے سنا کہ میرا بیٹا کذاب ہے۔(133)

اس لئے ابوبکر بن داؤد کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف 150 احادیث
روایت کی ہیں، درست نہیں کیونکہ آپ کی مطبوعہ مسانید میں کئی ہزار احادیث موجود ہیں۔
علاوہ ازیں کتاب الآثار، کتاب الخراج، فقہ اکبر اور فقہ کی دوسری کتب جن میں فقاہت والی
احادیث موجود ہیں جن سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے، وہ ہزاروں میں پائی جاتی ہیں۔ان
متداولہ کتب اور مطبوعہ مسانید کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ ابوبکر بن داؤد کا یہ اعتراض
بلکہ الزام سراسر بہتان کے مترادف ہے۔جبکہ ان کے مقابلہ میں علی بن المدینی، یحیٰی بن
معین، امام شعبہ، سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک جیسے امیر المومنین فی الحدیث نے انہیں

ثقہ اور حافظ حدیث قرار دیتے ہوئے ان کی تعدیل وتوثیق فرمائی ہے۔پس ابوبکر داؤد جیسے
فرد واحد کی جرح قابل اعتبار نہ ہوگی۔اگر کہیں امام موصوف سے سہو یا خطا ہو بھی گئی ہو تو اس
کی بناء پر انہیں ناقص الحافظہ یا غیر قوی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ جرح وتعدیل کے اصول کے
برعکس ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تو حافظِ حدیث تھے اور انہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں
احادیث یاد تھیں۔لہذا انہیں غیر ثقہ یا ناقص الحافظہ کہنا علمی خیانت کے سوا کچھ نہیں۔باقی رہا
یہ اعتراض کہ ان سے صرف 150 حدیثیں مروی ہیں اور وہ ان میں بھی نصف میں بھولے
ہیں یا ان سے خطا ہوئی ہے یا وہ حدیث میں بھولنے والے ہیں، تو یہ اعتراض اہل علم کے
لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس قسم کا اعتراض کسی متبحر عالم دین پر کرنا چاہئے کیونکہ
آخر وہ بھی انسان ہیں اور غلطی انسان کا خاصہ ہے۔ایسی غلطیاں ہر امام اور ہر مجتہد سے ہوئی
ہیں۔ائمہ ثلاثہ سے بھی ہوئی ہیں۔امام بخاری (م256ھ) کے شیوخ سے بھی احادیث
میں بھول ہوئی ہے، اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہیں خطا ہوگئی ہے تو وہ بھی آخر
انسان ہیں۔اگر دوسرے شیوخ اور محدثین سے درگزر کیا جا سکتا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ
علیہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔محمد بن یوسف فریابی جو کہ مشائخ کبار میں سے تھے اور بقول
ابن حجر، امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے۔(134)

امام عجلی کے نزدیک وہ ثقہ ہیں لیکن ان سے 150 احادیث میں غلطی ہوئی ہے۔یحیٰی
بن معین کے سامنے جب یہ احادیث بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ باطل ہیں۔امام
بخاری کے شیخ کبیر اگر 150 احادیث میں غلطی کریں تو کوئی بات نہیں، اگر امام ابوحنیفہؒ سے
پچاس یا کم وبیش احادیث میں غلطی ہو جائے (اگرچہ یہ درست نہیں) تو انہیں غیر ثقہ، ناقص
الحافظہ اور ضعیف قرار دے دیا جائے، یہ قرین انصاف نہیں۔امام بخاری نے اپنے شیخ کبیر کو
جن سے 150 حدیثوں میں غلطی ہوئی، انہیں نہ غیر ثقہ کہا اور نہ ہی ان کے بارے میں
سکتوا عن الحدیث لکھا اور نہ ہی صحیح بخاری کی صحت سے، جس میں ان کے استاذ محمد بن یوسف

فریابی سے مروی احادیث موجود ہیں، کسی نے انکار کیا۔خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ مجھے ابن اَبی داؤد نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دو قسم کے لوگ موجود ہیں پہلی قسم جہلاء کی ہے اور دوسری قسم حاسدین کی یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لوگ حاسد اور جاہل ہیں اور میرے نزدیک وہ لوگ اچھے ہیں جو ان کے حالات سے ناواقف ہیں۔(135)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ ابوعبداللہ، بشیر بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن داؤد کو یہ فرماتے سنا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کوئی بدگوئی نہیں کر سکتا، بجزان دوشخصوں کے کہ یا تو وہ ان کے علم سے حسد کرنے والے ہوں یا وہ ان کے علم سے جاہل ہوں اور ان کے تبحر علمی سے ناواقف ہوں۔(136)

اعتراض: امام بخاری کے حوالے سے یہ اعتراض کہ انہوں نے آپ سے روایت نہیں کی اس لئے کہ انہیں آثارِ مناسک کا علم نہ تھا۔

امام بخاری نے بحوالہ حمیدی تاریخ صغیر میں یہ اعتراض کیا ہے ”حمیدی کہتے ہیں جس آدمی کے پاس رسول ﷺ کی احادیث اور صحابہ کے آثار مناسک وغیرہ نہ ہوں ایسے کی بات خدا کے احکام میں مثل میراث زکوٰۃ اور نماز وغیرہ امور اسلام میں کیونکر قبول کیا جائے“۔(137)

امام بخاری اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ معاصر نہیں بلکہ ان کے درمیان ایک صدی کی دوری موجود ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں۔انہوں نے صحابہ اور تابعین کا زمانہ پایا اور ان سے حدیث اخذ کی۔گزشتہ اوراق میں قوی دلائل اور مستند حوالہ جات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام اعظم محض فقیہ اور مجتہد ہی نہیں بلکہ محدثین کے بھی امام تھے۔فن رجال کے ائمہ اور محدثین نے آپ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حاسدین اور خارجیوں کے الزامات کی بناء پر امام بخاری علیہ الرحمہ نے

آپ کو مرجیہ گمان کرتے ہوئے روایت اَخذ نہیں کی، اس بناء پر نہیں کہ آپ حدیث میں ضعیف تھے حالانکہ آپ مرجیہ بھی نہ تھے۔یہ الزامات آپ پر معتزلہ اور خارجیوں نے لگایا تھا کیونکہ آپ خارجیوں کی طرح گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں سمجھتے تھے۔خارجیوں کے اس الزام کی تردید، آپ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں خود کی ہے۔علامہ مرغینانی آپ کا قول نقل کرکے مناظرے میں جیت جاتا تھا۔(138) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے روایت کیوں نہیں لی؟ اس کا جائزہ بعد میں لیں گے۔پہلے اس اعتراض کی طرف آتے ہیں جو امام حمیدی نے کیا ہے۔امام حمیدی کا اعتراض نہ عقلاً درست اور نہ ہی تاریخی اعتبار سے اسے صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔جو شخص فقہ کا امام ہو اور باقی سب فقیہ اس کی عیال ہوں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں 55 حج کیئے ہوں اور صحابہ کرام سے ملاقات بھی کی ہو اور براہِ راست ان سے حدیث کا سماع بھی کیا ہو تو کیا وہ مناسک سے لاعلم ہوگا؟ ایسا ہرگز نہیں۔ آپ نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں احادیث سے فقہ کے مسائل کا استنباط کیا ہے اور فقاہت والی احادیث سب سے زیادہ آپ کو ہی یاد تھیں، اس کی سب سے بڑی دلیل اور ٹھوس ثبوت یہ ہے کہ امام المحدثین امام اعمش (م148ھ) جیسے شیخ الشیوخ نے آپ سے مناسک حج سیکھنے کی درخواست کی تھی۔علامہ ابن حجر مکی الھیتمی الشافعی اپنی کتاب الخیرات الحسان میں لکھتے ہیں: ”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین کے زمانے میں اجتہاد کیا اور فتویٰ بھی دیا بلکہ جب امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ (م148ھ) نے حج کا ارادہ کیا تو امام صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ میرے لئے مناسک کی کوئی کتاب تحریر فرمائیں۔امام اعمش فرمایا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مناسک لکھ لو۔میں مناسک کے فرائض ونوافل کا عالم، ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتا پس آپ کے حق میں اعمشؒ جیسے امام کی شہادت کافی ہے(139)

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراف جو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے علمی مقام ومرتبہ کے پیش نظر کیا ہے اور وہ بھی خاص طور پر مناسک کے باب میں، معترضین کیلئے قابل غور ہے۔

اس لئے کہ امام اعمشؒ نے براہِ راست صحابی رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث اَخذ کی ہے انہوں نے آپ کے ساتھ حج کے موقع پر ایک مکالمہ کیا جس کا موضوع روایتِ حدیث اور مناسکِ حج تھا۔ اس مکالمہ کو امام موفق نے المناقب میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

''ایک دن امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ سوال کرتے جاتے تھے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کو جواب دیتے جاتے تھے۔ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا: آپ نے اس قدر علم کہاں سے سیکھا! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ آپ نے ہی تو مجھے ابراہیم سے بیان کیا تھا، انہوں نے امام شعبی سے اور انہوں نے فلاں سے۔ امام اعمش نے فرمایا: اے ابوحنیفہ تم طبیب ہو اور ہم آپ کے سامنے دوا فروش ہیں''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک دن ہم امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف سوالات کر رہے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر سوال کا جواب دے رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا اس کا جواب آپ نے کہاں سے لیا؟ فرمایا: ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ سے، انہوں نے عبداللہ سے اور انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے۔ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سارے سوال پوچھے اور آپ نے جوابات میں وہ تمام احادیث سند کے ساتھ انہیں بتا دیں۔ یہ تمام احادیث اور ان کی اسناد سننے کے بعد امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بس بس! میں نے جو احادیث سو دنوں میں بیان کی تھیں، وہ آپ نے ایک ہی

نشست میں بیان کر دی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان پر عمل کریں گے۔ اس کے بعد امام اعمشؒ نے فرمایا: اے فقہاء اسلام! آپ لوگ عطار ہیں اور ہم دوا فروش، لیکن اے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تم تو جامع الطرفین ہو۔ (140)

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ اے ابوحنیفہ! تم نے تو حدیث وفقہ کے کنارے لے لئے۔ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام المحدثین کے اس اعتراف کے بعد مذکورہ بالا اعتراض کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس اعتراض کا تحقیقی جائزہ بھی ضروری ہے کہ آخر انہوں نے کس بنا پر امام حمیدی کی اس روایت کو صحیح بخاری میں بیان کیا ہے جبکہ ان کے شیخ الشیوخ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جنہیں وہ خود امیر المؤمنین فی الحدیث تسلیم کرتے ہیں اور ان سے حدیث اَخذ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں، انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت وثقاہت کا اعتراف کیا ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک نے نہ صرف خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث سماعت کی بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی مشورہ دیا کہ تم پر لازم ہے کہ اثر کا علم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھو کیونکہ انہیں سے حدیث کے معنی اور اس کی تفسیر وتاویل مل سکتی ہے۔ (141)

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اَخذ حدیث کا مشورہ دیا اس لئے کہ ان کی نظر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ علم حدیث جاننے والا اور پھر ان کے معنی ومفہوم سمجھنے والا اس عہد میں اور کوئی نہ تھا۔ آپ کی فقاہت وثقاہت کا جب جملہ ائمہ نے اعتراف کیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث نہیں لی؟ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ امام بخاری، امام اعظم سے حدیث نہ لینے کا سبب ان کا غیر ثقہ، ضعیف یا قلیل الحدیث

ہونا نہیں بلکہ ایک علمی اختلاف ہے جس پر دونوں امام بے لچک تھے ان دونوں حضرات القدس کے درمیان علمی اختلاف ''ایمان'' کی تعریف پر تھا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تصدیق قلبی اور زبانی اقرار کو ایمان کا نام دیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے ''وھو قول و فعل'' ایمان قول وفعل کا نام ہے۔ (142) دوسرے مقام پر فرمایا ''وھو قول و عمل'' ایمان قول وعمل کا نام ہے۔(143)

ان دونوں اقوال کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقط زبان سے اقرار کرنا ایمان نہیں بلکہ ایمان اس پر عمل کرنے سے مکمل ہوگا۔ یعنی اسلام قبول کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اعمال شریعت نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر بھی عمل کرے تبھی ہی وہ مسلمان کہلائے گا جبکہ امام اعظم کا موقف ہے:

زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔(144)

ان دونوں ائمہ میں بنیادی نکتہ ''عمل'' ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عمل کو ایمان کا حصہ قرار دیتے ہیں جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عمل کو ایمان کے اکمل اور اتم ہونے میں ممد و معاون سمجھتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے عقیدے کے خلاف کسی سے روایت قبول نہیں کی۔ میں نے ایک ہزار سے زائد سے علماء سے حدیث لکھی ہے جنہوں نے کہا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور ان سے حدیث نہیں لی جنہوں نے کہا کہ ایمان صرف قول کا نام ہے۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ میں نے بذاتِ خود ایک ہزار تیس اشخاص سے حدیث نقل کی ہے۔ ان میں ہے ہر ایک محدث تھا، میں نے حدیث کو صرف اس محدث سے نقل کیا جس نے کہا کہ بے شک ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔

مذکورہ تصریحات سے مستنبط ہوتا ہے آپ کو لاکھوں احادیث یاد تھیں اور لاکھوں احادیث کا ذخیرہ آپ کے پاس موجود تھا۔ تبھی آپ لاکھوں مسائل کا استنباط ان احادیث سے فرماتے۔ اگر آپ کو احادیث یاد نہ تھیں یا صرف 150.50,17 یاد تھیں تو آپ نے

لاکھوں مسائلِ فقہ کا استنباط کیسے کیا؟ بقول ملا علی قاری آپ نے 70 ہزار سے زائد احادیث بیان فرمائیں اور اپنی کتاب آثار کو 40 ہزار احادیث سے منتخب فرمایا۔ بقول ابن حجر مکی 4 ہزار جلیل القدر محدثین اور ائمہ تابعین سے روایت کی اور مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اپنے عہد میں سب سے زیادہ حدیث کے عالم تھے۔ بقول عبداللہ بن مبارک سب سے زیادہ متقی اور عبادت گزار تھے اور قرآن کے عالم تھے۔ ایک رات میں دو بار قرآن ختم کرتے۔ اپنی زندگی میں 55 حج ادا کیے۔ جہاں مدفون ہوئے وہاں 7 ہزار بار قرآن ختم کیا۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انہیں مناسک کا علم نہ ہو اور وہ حدیث میں ضعیف ہوں۔ عباسی دور میں حاسدین علماء کی کمی نہ تھی بلکہ محدثین کی ایک کثیر تعداد آپ سے حسد کرتی تھی۔ مامون الرشید کے ہر وقت کان بھرتے رہتے تھے۔ ایک بار مامون الرشید نے انہیں یہ کہہ کر خاموش اور لاجواب کر دیا کہ اگر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کتاب اللہ اور رسول ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہوتے تو ہم ان پر عمل ہرگز نہ کرتے۔(145)

گویا امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اور ان کا قیاس قرآن وحدیث سے مستنبط و متخرج تھا کیونکہ بقول امام محمد، فقہ کے بغیر حدیث کی تفہیم مشکل ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس اعتراض کے جواب میں امام بدرالدین عینی کی تحقیق اور موقف کے خلاف بطور دلیل پیش کر کے اس بحث کو اس طرح سمیٹتے ہیں:

> ''یحییٰ بن معین کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں اہل صدق میں سے ہیں ان پر کذاب کی تہمت نہیں وہ اللہ کے دین کے امین اور حدیث میں سچے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک، سفیان ثوری، امام اعمش، سفیان القطان، عبدالرزاق، حماد بن زیدا ور وکیع بن الجراح، کبار ائمہ اور امام مالک، شافعی اور امام احمد بن حنبل نے آپ کی تعریف و توثیق کی ہے۔ اس کے باوجود جو امام اعظم کو ضعیف کہے

وہ خود اس تضعیف کا مستحق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب لوگ امام
ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کو نہ پہنچ سکے تو آپ کے دشمن ہو گئے۔
ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث صحیح حدیث ہے۔ ائمہ ثلاثہ ثقہ ہیں۔
موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی ثقہ اور صحیحین کے راویوں میں سے ہیں اور
عبداللہ بن شداد تابعین اور ثقات میں سے ہیں۔(146)

اعتراض: امام جعفر صادق علیہ الرحمہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث تھے لیکن امام
ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے علم حاصل نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ آپ
فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ حسن
بن زیاد لولوئی فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک
بار ابوجعفر منصور نے مجھے کہا کہ چالیس مشکل ترین سوالات تیار کرو تا کہ ان کا جواب امام
جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے طلب کیا جا سکے۔ میں نے تلاش بسیار کے بعد چالیس
سوالات تیار کئے اور ذہن نشین کر لئے۔ ابوجعفر منصور نے مجھے دربار میں بلالیا۔ جب
میں وہاں پہنچا تو حضرت امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے۔ ابوجعفر سے
کوئی خوف نہ تھا لیکن امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی میں مرعوب ہو گیا۔ میں نے سلام کیا
اور بیٹھ گیا۔ ابوجعفر منصور رحمۃ اللہ علیہ سے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کیا یہی
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہاں۔ پھر مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ امام جعفر
صادق رحمۃ اللہ علیہ سے سوالات پوچھو۔ میں نے سوال کرنا شروع کئے۔ امام جعفر صادق
رحمۃ اللہ علیہ نے ہر سوال کا جواب دینا شروع کر دیا۔ آپ سوال کا جواب دیتے اور ساتھ ہی
فرماتے کہ اس سوال کے ضمن میں اہل مدینہ کا موقف یہ ہے اور کوفہ والوں کا یہ ہے اور بعض
دفعہ فرماتے کہ اس میں متفق ہیں۔ آپ بعض میں اہل مدینہ کو ترجیح دیتے اور بعض میں اہل

کوفہ کو۔ یہاں تک چالیس سوالات ختم ہو گئے اور انہوں نے ہر سوال کا جواب اور اسی پر
وارد اعتراضات کھول کھول کر بیان کر دیئے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت امام جعفر صادق
رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر اس وقت روئے زمین پر کوئی فقیہ موجود نہیں۔(147)

شیخ ابوزہر مصری لکھتے ہیں کہ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت میں سے زید بن علی
زین العابدین، امام جعفر صادق اور عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن بن علی سے بھی استفادہ
کیا۔(148)

شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ اور امام
جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت اخذ کی(149)۔ امام ابویوسف نے کتاب الآثار
میں لکھا ہے:

"امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور امام
محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اور محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ
رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رات کے
نوافل کی آٹھ رکعتیں یعنی نماز تہجد اور تین وتر پڑھا کرتے تھے اور نماز
فجر کی دو رکعت ادا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام
محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں روایت منقطع بیان کرتے ہیں
اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت "کتاب
الآثار" میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے مناسک کے بارے
میں بیان کی ہے کہ "ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں
حاضر ہوا اور یہ سوال کیا کہ میں نے حج کے تمام مناسک ادا کر لئے
ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے میں نے اپنی بیوی سے
صحبت کر لی ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اب جو کچھ باقی

ہے "مناسک" رہ گئے، انہیں پورا کرو اور اس غلطی کے کفارہ میں
ایک جانور کی قربانی دے دو۔ آئندہ سال دوبارہ حج کرنا۔ وہ سائل
واپس آیا اور عرض کی کہ میں بہت دور سے آیا ہوں مگر حضرت عبداللہ
بن عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ وہی جواب دیا۔(150)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ میں آیا، وہاں میری ملاقات امام محمد الباقرؒ سے ہوئی۔ میں ان کی مجلس میں بیٹھ گیا اگرچہ کوفی ہونے کی وجہ سے انہوں نے مجھے بیٹھنے سے منع بھی فرمایا لیکن میں بیٹھ گیا اور عرض کی اللہ تعالیٰ آپ کی عظمت میں اضافہ کرے، مجھے یہ بتائیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے۔ اس پر امام ابوحنیفہؒ نے عرض کی عراقی تو سمجھتے ہیں کہ آپ ان سے ناراض ہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی اُم کلثوم کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کیا تھا، کیا تم جانتے ہو کہ اُم کلثوم کون تھیں؟ اُم کلثوم وہ خاتون تھیں جس کی نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ ان کے نانا خاتم النبیین ﷺ تھے۔ سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا ان کی والدہ تھیں، جنہیں اسلام میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نکاح کے اہل نہ ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی بھی اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے نہ کرتے۔ یہ سن کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی کہ کتنا اچھا ہوگا اگر آپ اہل کوفہ کو اپنی طرف سے ایک خط کے ذریعے اپنے عقائد سے آگاہ کردیں۔ امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اہل کوفہ خطوط کو کب تسلیم کرتے ہیں۔ تم اپنی طرف ہی دیکھ لو، میں نے تمہیں مجلس میں بیٹھنے سے منع کیا لیکن تم پھر بھی بیٹھ گئے، باقی اہل کوفہ سے کیا توقع کی جاسکتی ہے جو ہمارے خطوط پر عمل کریں۔ مذکورہ اقتباسات سے واضح ہوجاتا ہے کہ آپ نے نہ صرف امام جعفر صادق سے استفادہ کیا بلکہ

آپ کے والد امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ معترض کا اعتراف بے بنیاد ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ اور امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا ہے اور ان سے فقہ و حدیث کے بارے میں بہت نادر باتیں حاصل کی ہیں۔ علامہ شبلی بحوالہ عقود الجمان لکھتے ہیں "امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب دوسری بار مدینہ منورہ گئے تو امام محمد الباقرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا: تم وہی ہو جو قیاس کی بنیاد پر ہمارے نانا کی حدیثوں کی مخالفت کرتے ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ادب سے عرض کیا معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے؟ آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں۔ اس کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی: مرد ضعیف ہے یا عورت؟ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عورت۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی: مرد کا حصہ وراثت میں زیادہ ہے یا عورت کا؟ فرمایا: مرد کا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت کو زیادہ حصہ دیتا اس لئے کہ عورت کمزور ہے اور کمزور کو ظاہر قیاس کی بنیاد پر زیادہ حصہ ملنا چاہئے۔ پھر پوچھا: نماز افضل ہے یا روزہ؟ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نماز۔ عرض کی: اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا لازم ہونی چاہئے نہ کہ روزہ کی جبکہ میں روزہ کی قضا کا ہی فتویٰ دیتا ہوں۔ حضرت امام باقرؒ آپ کی گفتگو سن کر اُٹھے، امام ابوحنیفہ کو گلے سے لگاا اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔(151)

امام موفق نے بھی اس مکالمے کو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ اس میں تیسرا سوال جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا تھا، وہ یہ تھا کہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا مادہ تولید؟ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پیشاب۔ اس پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی: اگر میں قیاس سے دین میں رائے زنی کرتا تو فتویٰ دیتا کہ پیشاب کرنے پر غسل

کرنا چاہیئے اور منی خارج ہونے پر وضو۔ کیونکہ پیشاب منی سے زیادہ پلید ہے لیکن معاذ اللہ میں نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی میں نے بذریعہ قیاس آپ کے نانا کے دین کو تبدیل کیا۔ یہ سن کر امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقام سے اُٹھے، آپ کو گلے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور آپ کی تعظیم وتکریم کی۔(152)

ابوحمزہ ثمالی (م148ھ) فرماتے ہیں کہ ہم امام ابوجعفر محمد بن علی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفی آئے اور آپ سے چند سوالات پوچھے۔ امام ابوجعفر محمد نے جواب دیا۔ جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے تو امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس شخص کی ہدایت کتنی اچھی ہے اور اس کا مذہب کتنا نمایاں ہے اور اسے دین کا کس قدر ادراک ہے۔(153)

امام کردری لکھتے ہیں کہ ایک بار مکہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی فرمایا: میں نگاہ بصیرت سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ میرے جد امجد کی مٹی ہوئی سنت کو زندہ کریں گے اور ہر دکھی شخص کے معین و مددگار اور مصیبت زدہ کے غمگسار و فریاد رس ہوں گے۔ مضطرب و پریشان لوگوں کو جب راہِ نجات نظر نہیں آئے گی تو آپ کے وسیلے سے راہِ ہدایت پائیں گے۔ آپ گمراہ لوگوں کو صحیح رستے پر چلائیں گے۔ آپ کو اللہ کی طرف سے خاص نصرت و مدد اور توفیق حاصل ہوگی، یہاں تک کہ آپ طریقت کی راہ میں اللہ والوں کے شریک کار ہو جائیں گے۔(154)

امام موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ نے امام جعفر صادق سے حدیث اَخذ کی ہے۔(155) امام مزی نے تہذیب الکمال 5:76 اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر اعلام النبلاء 6:256 میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق حدیث وفقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق

سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ امام اعظم نے دو سال تک اُن سے کسب فیض کیا۔ قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بار بیت اللہ شریف میں بیٹھے فتویٰ دے رہے تھے کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور لوگوں میں کھڑے ہو گئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور عرض کی: اے ابن رسول! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ یہاں تشریف فرما ہیں تو میں ہرگز نہ بیٹھتا۔ فرمایا: آپ بیٹھ جائیں اور لوگوں کو فتویٰ دیں کیونکہ میں نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقے پر پایا ہے(156)۔ علامہ شبلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے ایک مدت تک امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ میں رہ کر استفادہ کیا۔ فقہ وحدیث سیکھی، شیعہ وسنی کا اس پر اعتماد ہے کہ آپ نے علم کا وسیع ذخیرہ حضرت امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا۔ امام موصوف نے حضرت امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے بھی بہت زیادہ استفادہ کیا جس کا ذکر تواریخ میں موجود ہے۔ ابن تیمیہ اگرچہ اس کے انکاری ہیں لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی وخیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے مجتہد اور فقیہ اعظم ہی سہی لیکن امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کرنا ثابت ہے۔ امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اہل بیت سے ہے اور فقہ حدیث بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں۔(157)

علامہ شبلی نے وضاحت سے بیان کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے، امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔ ابن تیمیہ نے بھی مذکورہ بالا واقعہ کو اعلام الموقعین میں ابن شبرمہ کے حوالے سے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے۔ انہوں نے فرمایا: کہ تو ہی نعمان ہے جو دین میں اپنی رائے سے قیاس کرتا ہے؟ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ پس اللہ سے ڈر اور دین میں قیاس نہ کر۔ اس کے بعد سوال کیا۔ اچھا

یہ بتاؤ کہ وہ کیا ہے جس کا اول شرک اور آخری حصہ ایمان ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس کا مجھے علم نہیں۔ امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے۔ اگر کسی نے لا الہ کہا اور الا اللہ نہ کہا تو وہ مشرک ہے۔ پس یہ کلمہ توحید ہے جس کا اول حصہ شرک اور آخری حصہ ایمان ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک قتل بڑا گناہ ہے یا زنا؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ناحق قتل بڑا گناہ ہے۔ امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قتل کے دو گواہ کافی ہیں جبکہ زنا کے چار گواہ درکار ہوتے ہیں۔ تیسرا سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک روزہ اہم ہے یا نماز؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نماز۔ فرمایا: کہ پھر کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت روزوں کی قضا تو کرتی ہے لیکن نماز کی نہیں۔ اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر اور قیاس نہ کر۔ (158) ابن قیم کے مذکورہ بیان سے بھی اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا ہے۔ امام ابن حاتم نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ امام ابوجعفر محمد بن علی سے روایت کی ہے۔ (159)۔

مذکورہ قوی دلائل اور مستند روایات کے بعد ابن تیمیہ یا کسی اور معترض کے اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اور ثابت ہو جاتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث سیکھا بلکہ ان کے والد محترم امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ سے بھی روایت اَخذ کی لہذا یہ اعتراض سراسر بے بنیاد ہے۔

یہ اعتراض کہ تدوین حدیث تک آپ زندہ رہتے تو قیاس چھوڑ جاتے۔ یہ اعتراض کسی اعتبار سے درست نہیں، نہ تاریخی اعتبار سے اور نہ ہی علمی اعتبار سے کیونکہ ابتدا میں حدیث کے لکھنے کا رواج نہ تھا اور صحابہ و تابعین کتابت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ فتح المغیث یہ لکھا ہے ”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خوش قسمتی ہے کہ ان کے تحصیل علم الحدیث کے آغاز میں ہی تدوین حدیث کا رواج ہو چکا تھا۔ حضرت

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے 101ھ میں اہل مدینہ کو یہ خط لکھا کہ اے اہل مدینہ! انظروا! دیکھو جس قدر رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھ لو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ضائع ہو جائیں۔ اس مضمون کے خطوط دوسرے شہروں میں بھی بھیجے چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جس کی نقول تمام اسلامی ممالک میں ارسال کی گئیں اور شائع کرائی گئیں۔ اس کے بعد تدوین کا رواج عام ہو گیا اور جہاں جہاں محدثین موجود تھے حدیث لکھنے لگے۔ مام شعبی (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ) اگرچہ زبانی حدیث کے حق میں تھے تاہم انہوں نے کتابت شروع کر دی تھی اور وہ احادیث کا تحریر شدہ مجموعہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ مجموعہ احادیث شیخ کے ہاتھ میں ہوتا مسند پر بیٹھ کر پڑھاتے اور تلامذہ قلم و دوات لے کر احادیث قلمبند کرتے جاتے اگر تعداد زیادہ ہوتی تو ایک قوی الحافظہ ان احادیث کو اونچی آواز سے پڑھ کر سناتا۔ امام شعبی کے علاوہ امام مالک کے درس میں ابن علیہ اور امام شعبہ کی مجلس درس میں آدم بن ابی ایاس اس خدمت پر مامور تھے۔ (160)

امام ترمذی نے کتاب العلل میں ابن سیرینؒ سے روایت کی ہے کہ وہ پہلے زمانے کے لوگ استاد کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے تھے جب فتنہ پیدا ہوا تو استاد کی پوچھ گچھ شروع ہوئی تاکہ اہل سنت کی روایت کردہ احادیث لی جائیں اور اہل بدعت کی ترک کر دی جائیں اموی دور میں حدیث کی ترویج و اشاعت زور شور سے شروع ہوئی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد جس قدر کم ہوتی گئی اسی قدر صحابہ سے التفات بڑھتا گیا۔ گھر گھر حدیث کا چرچہ ہونے لگا۔ ارباب روایت کا دائرہ کار بھی وسیع ہوتا گیا۔ لاکھوں حدیثیں بھی وضع کر لی گئیں۔ ان میں موضوع احادیث کا یہ عالم تھا کہ امام مالک کے شیخ امام زہری بھی حدیث کا درس دیتے وقت بعض الفاظ چھوڑ دیا کرتے۔ وکیع بن الجراح کا بھی یہی حال تھا وہ اکثر احادیث کے درمیان ”یعنی“ کہہ کر مطلب بیان کرتے تھے اور اکثر یعنی کا لفظ چھوڑ دیتے تھے۔ حدیث میں سب سے بڑی آفت تدلیس کی تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے

تک ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں موضوع احادیث کے دفتر بھر چکے تھے۔آپ نے سب سے پہلے روایت کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور حدیث کے اصول وضوابط مقرر کئے۔ان کا قائم کردہ معیار تنقید حدیث میں اہم ہے۔ابراہیم نخعی جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیک واسطے شاگرد اور امام ابوحنیفہؒ کے استاذ تھے۔ان کا بھی یہی حال تھا لیکن انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا تھا۔حدیث کی تدوین کی طرح فقہ کی تدوین کی طرف بھی سب سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ کی۔ عام محدثین حدیث وروایت میں درایت سے کام نہیں لیتے تھے۔آپ نے ان کے برعکس سب سے پہلے فقہ کے اصول و قواعد منضبط کئے اور بعض احادیث اسی بناء پر چھوڑیں کیونکہ وہ اصول درایت پر پوری نہ اترتی تھیں اسی وجہ سے آپ کو اہل الرائے کہا جانے لگا۔حالانکہ سچ یہ ہے کہ آپ اپنے عہد کے سب سے بڑے محدث اور فقیہ تھے۔آپ نے 20 برس کی عمر میں حدیث سیکھنا شروع کی کوفہ کے جملہ شیوخ سے حدیث اُخذ کی۔حرمین شریفین کے نامور محدثین سے سماعت کی۔

امام باقر، امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ، عطاء بن ابی رباح، نافع بن عمر، ابن دینار، ابن دثار، امام اعمش، علقمہ، مکحل، امام زہری، سلیمان بن یسار اور ہشام بن عروہ جیسے فن روایت کے ائمہ سے حدیث سماعت کی۔ایسے شخص کا حدیث میں کیا رتبہ ہوگا جن کے تلامذہ میں یحییٰ بن سعید القطان فن جرح التعدیل کے امام، عبدالرزاق بن ہمام جن کی جامع کبیر ہے۔امام احمد بن حنبل ہوں، عبداللہ بن مبارک جو فن حدیث میں امیر المؤمنین ہوں اور یحییٰ بن زکریا جیسے ائمہ مجتہدین شامل ہوں اور جنہیں امام بغوی، امام نووی اور امام رافعی جیسے جلیل القدر ائمہ نے مجتہدین مطلق قرار دیا ہوں اور امام ذہبی جیسے محدثین کے امام وپیشوا نے اپنی کتاب تذکرۃ الحافظ میں امام موصوف کو حفاظ حدیث میں شامل کیا ہو تو ان کے امام حدیث ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے۔امام نووی نے لکھا ہے کہ مجتہد اسے کہتے ہیں جو قرآن و حدیث، مذاہب سلف، لغت اور قیاس پر دسترس رکھتا ہو۔یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس

قدر قرآن میں آیات ہیں جو حدیث نبوی سے ثابت ہیں، جس قدر علم لغت درکار ہے اگر ان میں ذرا بھی کمی ہو تو وہ مجتہد نہیں ہوسکتا اس پر تقلید واجب ہے۔(161) ابن خلدون نے آپ کو مجتہد مطلق لکھا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ آپ علم حدیث میں کم مایہ تھے وہ محض حاسد ہے یا آپ کے علمی مقام ومرتبہ سے لاعلم ہے ابن خلدون نے تو یہ لکھا ہے کہ آپ فن حدیث میں کبار مجتہدین میں سے تھے۔ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"اس کتاب میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جن کے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف، تصحیح میں رجوع کیا جاتا ہے۔کسی ایسے شخص کا اس کتاب میں تذکرہ نہیں جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہیں۔چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت کا تذکرہ میں نے اس کتاب میں اس لئے نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے۔(162)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے محدث ہونے کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ امام ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور حافظ حدیث صرف وہی ہوسکتا ہے جسے ایک لاکھ حدیث یاد ہو۔حافظ ابوالمحاسن دمشقی نے اپنی کتاب عقود الجمان میں ایک خاص باب باندھا ہے جس میں تحریر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کثیر الحدیث اور عیان الحافظہ تھے۔قاضی ابویوسف جنہیں یحییٰ بن معین صاحب الحدیث کہا کرتے تھے۔امام ذہبی نے انہیں حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں مسائل پر بحث کرکے جب رائے قائم ہو جاتی ہے تو میں لکھ لیتا اور پھر کوفہ کے محدثین سے حدیثیں دریافت کرتا۔پھر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور وہ احادیث آپ کو سناتا۔آپ کچھ قبول کرتے اور کچھ نہ کرتے اور فرماتے یہ صحیح نہیں میں پوچھتا آپ کو کیسے معلوم ہوا، آپ فرماتے کہ جو علم کوفہ میں موجود ہے میں اس کا عالم ہوں۔ان تمام دلائل سے

ثابت ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے مجتہد، فقیہ اور حافظ الحدیث تھے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ "حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں نے آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہیں بنایا، اگر آپ حافظ الحدیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر آپ کے شیوخ کئی سو تھے تو بعض ائمہ سلف کے کئی ہزار تھے۔ اگر آپ نے حرمین شریفین میں رہ کر حدیث کی سماعت فرمائی تو اوروں کو بھی یہ شرف حاصل ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو برتری اور فوقیت اپنے معاصرین پر حاصل ہے اور جس خوبی نے آپ کو دوسروں سے ممتاز کیا ہے، وہ احادیث کی تنقید بلحاظ ثبوت احکام، ان کے مراتب کی تفریق ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کام کی ابتداء کی اور آپ کی وفات کے بعد اس علم کو بہت ترقی ہوئی۔ غیر مرتب اور منتشر احادیث کو یکجا کیا گیا۔ صحاح کا التزام کیا گیا اور اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا جس پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔ باریک بینی اور دقت آفرینی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ اور دقت نظر نے سینکڑوں نئے نکتے ایجاد کر لئے ہیں لیکن تنقید حدیث، اصول درایت، امتیاز مراتب، میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔(163)

علامہ عبدالحکیم جندی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تشکیل کردہ حدیث کے اصول و ضوابط کو الفجار قنبلہ کا نام دیا ہے۔ جب آپ کے قائم کردہ ان اصول وضوابط کو اصحاب حدیث نے دیکھا تو ان کی اتباع کی۔ امام مالک جیسے محدث نے اپنی موطا اسی طرز پر ترتیب دی۔ علامہ جندی نے ان اصول وضوابط پر بطل الحریہ کے نام سے کتاب لکھی، اس کتاب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اصول وضوابط بیان کئے ہیں۔

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث کا علم نہیں تھا کیونکہ اس وقت تدوین حدیث نہیں ہوئی تھی، اگر آج کے دور میں ہوتے تو قیاس چھوڑ کر حدیث اختیار کرتے، تو یہ سراسر علمی خیانت ہوگی، جہالت ہوگی یہ الزام مبنی بر حسد ہو گا، اس کے علاوہ کچھ نہ ہوگا کیونکہ علامہ شبلی نعمانی جیسے غیر جانبدار محقق نے دلائل سے ثابت

کر دیا ہے کہ آپ فن حدیث کے امام تدوین فقہ اور تدوین حدیث کے بانی، بہت بڑے فقیہ اور مجتہد مطلق کے مقام ارفع پر فائز تھے۔ بقول علامہ سیوطی سب سے پہلے علم شریعت کو مدون کرنے والے تھے ان کی طرز پر امام مالک نے موطا مرتب کیا۔(164)

تنقید کرنے والا نیکیاں مٹاتا ہے۔(165) ابن داؤد کی زبان میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت جاہل کر سکتا ہے یا حاسد۔ ان کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔(166) خطیب بغدادی نے احمد بن عبد قاضی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن ابی عائشہ اپنی مجلس میں فرما رہے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت صرف وہی کرتا ہے جو ان کے علم سے لاعلم ہے۔ جو ان سے ملاقات کر لیتا ہے تو وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ میں ان کا مد مقابل نہ تمہیں سمجھتا ہوں اور نہ کسی اور کو سمجھتا ہوں۔(167) خطیب بغدادی کے اس قول پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت صرف جاہل کر سکتا ہے یا حاسد ان دو کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ بقول فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ وہ مرد فقیہ، معروف بالفقہ اور مشہور بالورع تھے خاموش طبع اور کم گو تھے شب و روز تعلیم و تدریس میں مشغول رہنے والے اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے اور بادشاہ کے تحائف سے گریز کرنے والے تھے۔ جب ان کے سامنے حدیث بیان کر دی جاتی تو وہ اس کا اتباع کرتے خواہ وہ حدیث صحابہ کے وساطت سے ہوتی یا تابعین، ورنہ قیاس واجتہاد فرماتے اور خوب اجتہاد فرماتے۔(168)

اعتراض

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہ شخص ہیں جن سے کبار محدثین مثل امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام داؤد، ابن ماجہ اور دارمی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے ایک حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہیں کی۔(169)

جواب

شاہ والی اللہ دہلوی ایک تبحر عالم دین ہونے کے ناطے کسی عالم دین پر جرح کر سکتے ہیں لیکن انہوں نے آج تک ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تنقیص نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ معترض نے سیاق وسباق چھوڑ کر شاہ صاحب کی تحریر کردہ عبارت بطور الزام پیش کر دی ہے مکمل عبارت اس طرح ہے:

بالجملہ ایں جبار اماماں کہ عالم راعلم ایشاں احاطہ کردہ است، امام ابوحنیفہ و امام مالک، امام شافعی، امام احمد۔ ایں دوامام متاخر شاگرد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و مالک بودند ومستمندان از علم او عصر تبع تابعین نبودند، مگر ابوحنیفہ وامام مالک آں یک شخصے کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری ومسلم ترمذی و داؤد ونسائی وابن مارجہ و دارمی یک حدیث از وے در کتاب ہائے خود روایت نہ کردہ اند رسم روایت حدیث از وے بطریق ثقات جاری نہ شدو آں دیگر شخصے ہست کہ اہل نقل اتفاق دارند ہر آنکہ چوں حدیث روایت اوثابت شدہ بہ مرتبہ اعلیٰ صحت رسید"۔(170)

ترجمہ: مختصر یہ کہ جلیل القدر امام جن کے علم نے عالم کو گھیر لیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل، متاخرین دواماموں (امام شافعی، امام احمد بن حنبل) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک کے شاگرد اوران کے علوم سے بہرہ ور ہونے والوں میں سے ہیں۔ تبع تابعین کے عہد کے صرف امام ابوحنیفہ اور امام مالک ہیں۔ وہ امام جن سے رؤس محدثین مثلاً احمد و بخاری ومسلم وترمذی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ اور دارمی نے اپنی کتاب میں ایک روایت بھی نقل نہیں کی اور ثقات کی طرح روایت حدیث کا سلسلہ ان سے جاری نہ ہوا اور

دوسرے امام وہ ہیں جن پر اہل نقل متفق ہیں کہ جو حدیث ان سے ثابت ہے وہ صحت کے اعلیٰ وارفع مقام تک پہنچی ہوئی ہے۔

مذکورہ اقتباس کا بغور مطالعہ کریں بلکہ بار بار مطالعہ کریں تب بھی آپ اس نتیجہ پر نہیں پہنچیں گے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں ضعیف تھے۔ اگر کوئی جلیل القدر محدث یاامام حدیث کسی دوسرے سے حدیث یاروایت نہیں لیتا تواس سے اس تبحر عالم کے علم میں کمی واقع نہیں ہوجاتی اور نہ ہی اس سے یہ نتیجہ اَخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسے اس کا علم نہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر یہ لکھ دیا ہے کہ بڑے بڑے محدثین میں ضعیف تھے اس لئے اکابر محدثین نے ان سے روایت نہیں کی۔ بے شمار حافظ الحدیث ہوگزرے ہیں جن سے کسی نے روایت اَخذ نہیں کی اور گزشتہ اوراق میں خلفائے راشدین نے بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال دی جاچکی ہے کہ ان سے سلسلہ روایت بہت کم جاری ہوا۔ ان سے صرف سترہ احادیث مروی ہیں اور بقول علامہ شبلی ان میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں جبکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ قربت کسی اور صحابی کو حاصل نہ تھی۔ جلوت وخلوت میں آپ ساتھ رہے۔ حضور اکرم ﷺ کے قول وافعال آپ سے زیادہ جاننے والا کون ہوسکتا ہے لیکن بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتب احایث میں آپ سے مروی احادیث کی تعداد صرف پچاس ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال ہے، جب کہ ان کے مقابلے میں حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کی تعداد ہزاروں میں ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ حضرات خلفائے اربعہ سے زیادہ قرآن وحدیث کے عالم تھے یاان سے زیادہ قوی الحافظہ تھے۔ امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ خلفائے راشدین قرآن حدیث کے زیادہ عالم حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کوزیادہ جاننے والے تھے۔ یہی صورتِ حال ائمہ اربعہ میں

حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔اگر کسی محدث نے ان سے روایت اخذ نہیں کی تو اس
سے ان کی تبحر علمی میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔شاہ ولی اللہ دہلوی نے صرف یہ لکھا ہے کہ
رؤس محدثین نے ان سے روایت نہیں لی۔ مبارک، ابن ہمام، ابن حجر مکی، امام بغوی، امام
نودی، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابرین نے آپ کو حافظ الحدیث، مجتہد مطلق اور
فقیہِ اعظم تسلیم کیا ہے۔ کیا کوئی ایسا شخص مجتہد یا حافظِ حدیث ہوسکتا ہے جو حدیث کا علم نہ
جانتا ہو۔شاہ ولی اللہ آپ کو مجتہد مطلق اور فقیہِ اعظم تسلیم کرتے ہیں اور انہوں نے فقہ حنفی کی
تعریف وتوثیق کی ہے۔ عقید الجید میں انہوں نے لکھا ہے کہ مجتہد وہی ہوسکتا ہے جو قرآن و
حدیث، مذاہب سلف، لغت وحساب میں مہارت تامہ رکھتا ہو اور اس میں ذرا سی بھی کمی ہو تو
مجتہد نہیں ہوسکتا اس پر تقلید لازم ہے۔(171)

شاہ ولی اللہ دہلوی جنہیں مجتہد اور مطلق تسلیم کرتے ہوں، ان کی تنقیص کب کرسکتے
ہیں۔ مذکورہ محدثین جن کا معترض نے حوالہ دیا ہے ان کی جمع کردہ کتب احادیث سنن و
معاجیم اور مسانید میں ضعیف احادیث موجود ہیں جیسا کہ مؤطا میں کئی احادیث ضعیف
ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نشاندہی کرتے ہوئے ان احادیث کو ایک رسالہ میں جمع
کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو امام مالک کے شاگرد تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ
"قرآن کے بعد روئے زمین پر مؤطا سے صحیح کوئی کتاب نہیں حالانکہ اس میں کئی احادیث
ضعیف پائی جاتی ہیں۔محدثین نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جب مؤطا مرتب
کی تو ابتدا میں دس ہزار احادیث تھیں لیکن جو اصول روایت کے معیار پر پوری اتریں وہ صر
ف چھ سات سو تھیں مگر کسی نے جرح کرتے ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ضعیف نہیں کہا۔
معترض کا یہ الزام بھی درست نہیں کہ ائمہ صحاح ستہ میں سے کسی نے آپ سے روایت نہیں
کی۔ گزشتہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ائمہ صحاحِ ستہ کے شیخ
الشیوخ ہیں۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ سے حدیث اُخذ کی ہے اگر امام اعظم

رحمۃ اللہ علیہ قلیل الحدیث یا حدیث میں ضعیف تھے تو ان کے شاگردوں نے حدیث کہاں
سے سماعت کی اور انہیں صاحب الحدیث اور حافظ حدیث کیوں کہا؟ امام ابو یوسف و امام محمد
اپنے عہد کے حافظ حدیث تھے۔ ائمہ صحاح ستہ نے ان سے روایت اخذ کی ہے۔حضرت
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد کی مرتب کردہ کتاب الآ ثار سے امام شافعی نے علم
حاصل کیا۔امام شافعی خود فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد سے ایک بار ستر علوم حاصل
کئے۔(172) یحیٰی بن سعید القطان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، ان سے یحیٰی
بن سعید القطان (م198ھ) نے علم کہاں سے سیکھا؟ فن رجال اور حدیث کے یہ تبحر
عالم، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔

امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی امیر المؤمنین فی الحدیث جیسے
امام، یحیٰی بن سعید القطان کے درس میں مؤدبانہ کھڑے رہتے۔ نماز عصر سے نماز مغرب تک
کھڑے ہو کر حدیث کی سماعت کرتے اور ضبط تحریر میں لے آتے۔ امام احمد بن حنبل فرمایا
کرتے کہ یحیٰی بن سعید جس حدیث کو چھوڑ دیں گے ہم بھی اس حدیث کو نہیں لیں گے اور
اکثر فرمایا کرتے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یحیٰی بن سعید القطان کی مثل نہیں دیکھا اور یہی
یحیٰی بن سعید القطان، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شامل ہوتے اور ان کی شاگردی
پر فخر کیا کرتے تھے اور آپ کے قول پر ہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔(173)

عبداللہ بن مبارک (م181ھ) کو امام بخاری و امام احمد بن حنبل امیر المؤمنین فی
الحدیث کہا کرتے تھے اور ان کا قول ہے کہ ان سے بڑھ کر حدیث جاننے والا کوئی نہ تھا۔ یہ
جلیل القدر محدث، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ ان سے علی بن المدینی نے
حدیث سیکھی اور ان سے امام بخاری نے سماع کیا۔ یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدہ (م182ھ)
حافظ حدیث تھے۔ امام ذہبی نے ان کا تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے۔ ائمہ صحاح ستہ نے ان
سے روایت لی ہے۔امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی فرمایا کرتے تھے کہ یحیٰی کے زمانے

میں یحییٰ پر علم ختم ہوگیا۔(174) آپ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ بقول امام طحاوی تیس برس تک آپ کی خدمت میں رہ کر علم سیکھا اور تدوین فقہ میں شریک کار ہے۔(175) وکیع بن الجراح (م206ھ) امام اعظم کے شاگرد خاص تھے اور آپ سے بہت سی احادیث اخذ کی تھیں۔ ان سے بخاری و مسلم نے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد تھے۔ یحییٰ بن معین ان کے شاگرد اور یہ دونوں ائمہ احادیث ان کی شاگردی پر نازاں تھے اور فخر سے کہا کرتے تھے کہ ان جیسا کوئی نہیں، کون ہے جسے وکیع پر ترجیح دی جائے۔(186) امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے ان کی روایات سے حدیث بیان کی ہے۔ یزید بن ہارون (م206ھ) فن حدیث میں شہرت رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین اور ابن ابی شیبہ نے ان سے حدیث کی سماعت کی۔ امام نووی کے بقول ان کے بے شمار تلامذہ تھے اور وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے 20 ہزار احادیث یاد ہیں۔ علی ابن المدینی کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ یہ بھی فن حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے راویوں میں ان کا نام بھی لکھا ہے۔ بقول امام مزی ایک عرصہ تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور فرمایا کرتے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔

حفص بن غیاث (م196ھ) بہت بڑے محدث اور کثیر الحدیث تھے۔ امام ذہبی نے انہیں حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام علی بن المدینی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ یہ محدث کبیر، بقول خطیب بغدادی، امام اعظم کے مشہور شاگردوں میں سے تھے۔ امام ذہبی کے بقول انہیں چالیس ہزار احادیث یاد تھیں۔(177)

ابوعاصم النبیل المعروف ضحاک بن مخلد (م212ھ) مشہور محدث ہوگزرے ہیں۔ امام بخاری و مسلم نے آپ سے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں، بقول امام ذہبی ثقہ تھے۔

حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔(178)

ابن عیینہ، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور امام احمد بن حنبل ان کے شاگرد تھے۔ امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں نے ان کی کتاب سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، یہ محدث کبیر بھی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔(179)

مکی بن ابراہیم بلخی (م215ھ) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ ہیں۔ اس طرح محمد بن عبداللہ انصاری (م215ھ) ابوعبدالرحمٰن المقری (213ھ) ابومحمد عبداللہ موسیٰ کوفی (م213ھ) ابونعیم فضل بن دکین (م215ھ) جیسے محدثین، فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے۔

متذکرہ بالا حضرات تو ایسے ہیں جو براہِ راست امام بخاری کے استاذ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے ائمہ حدیث کی بھی کثیر تعداد ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور امام بخاری کے استاذ ہیں اور ان سے امام بخاری نے احادیث روایت کی ہیں جیسا کہ یحییٰ بن معین جنہوں نے عبداللہ بن مبارک سے حدیث سماعت کی اور عبداللہ بن مبارک نے امام اعظم سے۔ گویا یحییٰ بن معین امام بخاری کے استاذ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ اس طرح ابراہیم بن موسیٰ یزید بن زریع کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ ہیں۔ امام عمر بن زرارہ، ہیثم بن بشیر کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ، امام عباد بن یعقوب اسدی، عباد بن العوام کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ ہیں اور یہ سب حضرات امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فن حدیث میں شاگرد تھے۔ امام بخاری کے 22 ثلاثیات کے راوی بھی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ ہیں اس کی تفصیل ڈاکٹر طاہر القادری کی تالیف امام ابوحنیفہ، امام الائمہ فی الحدیث کے صفحہ 652-659 مع متن احادیث ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

یہ توامام بخاری کی روایات حدیث کا معاملہ ہے۔جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں بھی تفصیلاً کیا جاچکا ہے۔اس قدر مستند دلائل کے بعد معترض کے اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

مذکورہ کتاب کے تیرہویں باب کے صفحہ 718-655 قوی دلائل اور مستند حوالاجات کے ساتھ مؤلف نے متن اور اسانید سے ثابت کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ائمہ صحاح ستہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے فن حدیث میں استاذ ہیں مثلاً درج ذیل اکابر محدثین نے براہ راست امام اعظم سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے روایت کی اور ان اکابر محدثین کی وساطت سے ائمہ صحاح ستہ تک حدیث پہنچی۔ائمہ صحاح ستہ اور سنن اربعہ کے جو حدیث میں شیوخ تھے ان میں اکثریت ان کی ہے جو یا تو براہ راست امام اعظم کے تلامذہ ہیں جیسا کہ امام محمد جن سے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے حدیث روایت کی یا عبداللہ بن مبارک جن سے ایک واسطے سے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی چند محدثین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں جو فن حدیث میں امام اعظم کے شاگرد ہیں مثلاً عبداللہ بن مبارک کی وساطت سے ائمہ صحاح ستہ اور امام ترمذی ونسائی کے راوی ہیں۔

یعنی امام اعظم سے ابن مبارک ان سے یحییٰ بن معین ان سے بخاری ومسلم اور ابوداؤد نے اور پھر ابوداؤد سے امام نسائی نے اور امام بخاری ومسلم سے امام ترمذی نے روایت کی ہے اس طرح امام اعظم کے شاگرد یزید بن زریع سے امام ابراہیم بن موسیٰ، ان سے بخاری و مسلم اور ابوداؤد وابن ماجہ نے روایت کی اور پھر بخاری ومسلم سے امام ترمذی نے روایت کی اور امام ابوداؤد وابن ماجہ سے امام نسائی نے۔

امام ہیثم بن بشیر (م238ھ) تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ سے امام عمر بن زرارہ اور ان سے امام بخاری ومسلم اور امام نسائی نے روایت کی۔

عباد بن العوام (م185ھ) ان سے عباد بن یعقوب اسدی، ان سے امام بخاری امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی۔

وکیع بن الجراح (م196ھ) ان سے یحییٰ بن معین، ان سے امام بخاری ومسلم اور امام ابوداؤد نے اور امام بخاری ومسلم سے امام ترمذی اور امام داؤد سے امام نسائی نے روایت کی۔

یزید بن ہارون (م206ھ) سے امام یعقوب بن ابراہیم اور ان سے ائمہ صحاح ستہ نے روایت کی۔

امام عبدالرزاق بن ہمام (م211ھ) سے امام محمود بن غیلان مروزی نے اور ان سے ائمہ صحاح ستہ نے۔

امام مکی بن ابراہیم (م218ھ) سے امام محمد بن مثنیٰ نے اور ان سے ائمہ صحاح ستہ نے۔

امام فضل بن دکین (م218ھ) سے امام ہارون بن عبداللہ بزاز نے اور ان سے امام مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے۔

مذکورہ بالا شیوخ امام اعظم کے فن حدیث میں شاگرد ہیں۔آپ کے صاحب الحدیث تلامذہ سے ائمہ صحاح ستہ امام بخاری ومسلم، امام ترمذی وامام نسائی، امام ابوداؤد وابن ماجہ اور امام شافعی وامام احمد بن حنبل کا روایت کرنا ثابت ہوچکا ہے۔امام شافعی (م204ھ) امام محمد کے شاگرد تھے اور امام محمد، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص اور کتاب الآثار کے مرتب تھے۔امام محمد نے امام شافعی سے حدیث روایت کی ہے۔اس طرح امام مسلم بن خالد زنجی (م180ھ) امام علی بن ظبیان (م192ھ) اور امام عبدالمجید بن عبدالعزیز (م206ھ) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں۔امام محمد (م189ھ) امام ابویوسف (م182ھ) امام ہیثم بن بشیر (م183ھ) امام عباد بن العوام (م185ھ)، امام اسحاق بن یوسف ازرق (م195ھ) وکیع بن الجراح (م196ھ)، امام علی بن عاصم واسطی (م201ھ)، امام جعفر بن عون (م206ھ)، امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے

مذکورہ تصریح اور مستند حوالوں کے بعد بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام حدیث کے ذہن یا وہم گمان میں بھی ایسا نہ ہوگا کہ وہ قیاس کریں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حدیث میں ضعیف تھے،اس لئے بڑے بڑے محدثین اور ائمہ صحاح ستہ نے ان سے حدیث روایت نہیں کی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عبارت الحاقی ہو کیونکہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو ادھورا چھوڑ کر وفات پا گئے تھے۔آپ کی وفات کے بعد مولانا محمد عاشق نے اسے مرتب کیا تھا۔شاہ ولی اللہ دہلوی کے سامنے یہ مرتب نہیں ہوئی تھی،قرین قیاس یہی ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے اور شاہ صاحب کی وفات کے بعد شامل کی گئی ہے کیونکہ وہ محدث دہلوی فقہ حنفی کے مداح تھے اور فیوض الحرمین میں فقہ حنفی کی تعریف و توثیق بیان کی ہے فرماتے ہیں:

مجھے رسول ﷺ نے بتایا ہے کہ حنفی مذہب ہی ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروف کے عین موافق ہے، مجھ پر منکشف ہوا کہ مجھے سنت اور فقہ حنفی میں تطبیق دینے کی کیفیت معلوم ہوئی اور وہ اس طرح کہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد میں سے جس کے قول کو سنت کے زیادہ قریب پاؤں، اسے اختیار کرلوں، جن امور کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے ان کی تخصیص کردوں۔ مسائل فقہ کو مرتب کرنے میں جو مقاصد ان بزرگوں کے پیش نظر تھے ان کا ادراک کروں۔ سنت اور فقہ حنفی میں باہم تطبیق کا یہ کام ایسا ہے کہ اگر اللہ اس طریقے کو مکمل کردے تو یہ دین کے حق میں کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہے۔(180)

اسی کتاب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں ''(حنفی مذہب میں ایک عمیق راز ہے۔ چنانچہ میں اس عمیق راز پر برابر غور کرتا رہا ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فقہی مذہب کے حق ہونے کا جو دقیق پہلو ہے اس اعتبار سے عصر حاضر میں، حنفی مذہب باقی تمام مذاہب سے برتر ہے اور اسے ترجیح حاصل ہے۔ میں نے اس ضمن مشاہدہ کیا ہے کہ عصر حاضر میں حنفی مذہب کا یہی وہ عمیق راز ہے جس کا ایک صاحب کشف بسا اوقات کسی حد تک ادراک کرتا

ہے۔ کبھی کبھی الہام بھی ہوتا ہے کہ وہ مذہب حنفی کا سختی سے پابند ہو اور کبھی یہ صاحب کشف رویاء میں دیکھتا ہے جو اسے مذہب حنفی اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تم اس حقیقت کو مضبوطی سے پکڑو اور اس پر خوب غور کرو۔(181) جس شخص کے ائمہ احناف اور فقہ حنفی کے بارے میں ایسے خیالات ہوں اور وہ بذات خود فقیہ بھی ہو، محدث بھی ہو، مفسر بھی ہو، علم نحو کا سب سے بڑا عالم بھی ہو اور خود درجہ اجتہاد پر فائز ہو وہ کسی ایسے شخص کی تعریف و توثیق کر سکتا ہے، جو ناقص الحافظہ اور حدیث میں ضعیف ہو اور نہ ہی وہ کسی ایسے شخص کی مدون کردہ فقہ کا مداح ہو سکتا ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسے متبحر عالم دین کی نہیں۔ کیونکہ امام حدیث ہونے کے ناطے وہ جانتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ، مجتہد اور محدث تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ ''اگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ائمہ صحاح ستہ نے روایت نہیں کی تو کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کوئی حدیث روایت نہیں کی جبکہ امام شافعی سے بڑے بڑے محدثین نے روایت لی ہے اور انہیں حدیث و روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے جبکہ امام بخاری و مسلم نے ان سے ایک روایت بھی نہیں لی۔ صرف صحیحین کی بات نہیں کی بلکہ سنن ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی میں بھی بہت کم حدیث پائی جاتی ہیں جس کا سلسلہ روایت امام شافعی تک پہنچتا ہے۔ امام بخاری نے اگرچہ امام شافعی سے روایت نہیں کی لیکن انہیں ضعیف قرار نہیں دیا اور نہ ہی سنن اربعہ کے ائمہ نے ان کی تضعیف کی ہے۔ اگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی محدث نے روایت نہیں کی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ انہیں ضعیف سمجھتے تھے۔ اگر روایت اَخذ نہ کرنے سے یہی مراد لیا جاتا تو پھر امام شافعی سمیت بڑے بڑے محدثین ضعیف قرار پاتے لیکن ایسا ہرگز نہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ مجتہد مطلق، حافظ الحدیث اور بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کے تلامذہ صاحب الحدیث،

امیر المومنین فی الحدیث مجتہد بہت بڑے فقیہ تھے اور امام شافعی، امام احمد بن حنبل جسے ائمہ حدیث کے استاذ تھے۔ ایسے علمی مرتبے کے حامل لوگ خود حدیث و روایت کے پیشوا امام تھے کسی ایسے شخص کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر سکتے تھے جن کے استاذ کو حدیث کا علم نہ ہو۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہونا اس قدر مسلمہ ہے کہ بارہ صدیاں بیت جان کے بعد آج تک شاید کسی ایک آدھ شخص نے ہی انکار کیا ہو۔

امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ لوگ جو اکابر دین کو اصحاب رائے سمجھتا ہے اگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے سے عمل کرتے تھے اور کتاب و سنت کی پیروی نہیں کرتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق مسلمانوں کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہوگی بلکہ اہل اسلام کے گروہ سے خارج ہوگی۔ ایسا عقیدہ تو ایک جاہل کا ہو سکتا ہے، جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا ایسا زندیق جس کا مقصد نصف دین کو باطل کرنا ہے۔ بعض ناقص العلم چند احادیث یاد کر کے احکام شریعت کو انہی پر منحصر کرتے ہیں اور اپنے علم کے علاوہ باقی سب کی نفی کرتے ہیں جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوتا ہے اس کی زمین و آسمان بس وہی ہوتا ہے۔(183)

☆☆☆

حوالا جات

1) جہلمی، مولوی فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، مطبوعہ بختاور پرنٹرز لاہور طبع سوم 1906ء ص 42

2) ابن سعد، طبقات بن سعد 6:390 اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی 1986ء

3) ابن خلکان (م 681ھ) وفیات الأعیان (حققہ الدکتور احسان عباس) 5:405، دار احیاء التراث العربی بیروت

ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع اول 545:10,1988

امام ذہبی شمس الدین محمد بن احمد، (م 748ھ)، تذکرۃ الحفاظ 1:47 اردو ترمہ حافظ محمد اسحاق اسلامک پبلشنگ ہاؤس 1999ء

4) خطیب بغدادی الجامع لأ خلاق الراوی وآداب السامع 13: 326,328، مطبع ریاض، سعودی عرب

5) ابن خلکان (م 681ھ) وفیات الاعیان 5:405 بحوالہ تاریخ بغداد 13:328

6) ابن حجر مکی الہیتمی (م 973ھ)، الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم أبی حنیفہ النعمان 24 دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 1983ھ

7) سیوطی، امام جلال الدین (م 911ھ) تبییض الصحیفہ اردو ترجمہ مناقب امام ابوحنیفہ مترجم مفتی معین الدین نعیمی ص 83 مکتبہ فیض عالم لاہور 2007ء

8) نعمانی، علامہ شبلی سیرت النعمان 16 ناشر مکتبہ رحمانیہ، مطبع الطل سٹار پرنٹرز اردو بازار لاہور

9) امام الموفق بن احمد المکی (م 568ھ) مناقب امام اعظم 46 اردو ترجمہ فیض احمد اویسی مطبوعہ قومی پریس لاہور، 1999ء

10) امام الموفق بن احمد المکی (م 568ھ)، مناقب امام اعظم 46

11) امام موفق بن احمد مکی، (م 568ھ) مناقب امام اعظم 48

12) ابن خلکان، (م681ھ) وفیات الاعیان5:405

13) شبلی نعمانی، سیرت النعمان، 17

14) بلاذری، فتوح البلدان اردو ترجمہ سیّد ابوالخیر مودودی، 2:546 نفیس اکیڈمی کراچی 1962ء

15) سیرۃ النعمان، ص18 مطبوعہ رحمانیہ لاہور

16) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد13:326 مطبوعہ دارلکتاب العربی بیروت لبنان

17) ابن حجر مکی الہیتمی (م973ھ) الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، 24، دارلکتاب العلمیہ بیروت لبنان، 1983ء

18) امام بخاری (م256ھ) صحیح بخاری، کتاب الصغیر2:727 مطبع نور محمد اصح المطابع، کراچی

19) امام مسلم (صحیح مسلم، کتاب الفضائل2:312 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

20) ابونعیم، حافظ احمد بن عبداللہ اصبہانی (م530ھ) حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء 6:64 دارالکتاب العربی بیروت لبنان

21) الشیرازی، ابوبکر احمد بن عبدالرحمٰن (م407ھ) الالقاب

22) امام طبرانی معجم کبیر8:353، رقم الحدیث901 مطبع داراحیاء التراث العربی، البیروت

23) ڈاکٹر طاہرالقادری، امام اعظم ابوحنیفہ، امام الائمہ فی الحدیث، 259-181 منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور

24) خطیب بغدادی الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع13:327 مطبع ریاض۔ سعودی عرب

25) امام نووی، ابوزکریا یحیٰ (م677ھ) تہذیب الاسماء واللغات2:502 دارالکتاب العلمیہ بیروت لبنان

26) امام ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، (م748ھ) سیراعلام النبلاء6:394 بیروت لبنان1413ھ

27) امام مزی، ابوالحجاج یوسف بن زکی عبدالرحمٰن (م742ھ) تہذیب الکمال، 29:422 بیروت لبنان1980ء

28) صیمری، ابوعبدالرحمٰن حسین بن علی (م436ھ) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص2، مطبوعہ حیدرآباد، المعارف اشرفیہ1974ء

29) تاریخ بغداد13:327 تہذیب الاسماء واللغات2:502، ذہبی سیراعلام النبلاء 6:395 تہذیب الکمال29:423

30) تاریخ بغداد13:327

31) جے پوری، مولانا محمد یوسف، حقیقۃ الفقہ ص150 مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد2003ء بحوالہ مقدمہ ابن خلدون1:371

32) مقدمہ ابن خلدون1:371

33) مقدمہ ابن خلدون2:34,339 (اردو ترجمہ مولانا راغب رحمانی نفیس اکیڈمی 1986ء)

34) ابن حزم اندلسی (م456ھ) اسماء الصحابۃ الرواۃ ص47-40

35) ابن حزم اندلسی (م456ھ) اسماء الصحابۃ الراوۃ ص37

36) خطیب بغدادی الجامع لأاخلاق الراوی وآداب السامع2:293 مطبع ریاض۔ سعودی عرب

37) ابن سعد (م230ھ) طبقات الکبریٰ2:351 دارصادر بیروت

38) ابن سعد، طبقات الکبریٰ2:335

39) امام ذہبی (م748ھ) تذکرۃ الحفاظ1:24 دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان

40) ابن حزم (م456ھ) احکام فی اصول الاحکام 87:5) دار الحدیث مصر 1404ء

41) تاریخ بغداد 346:13

42) مقدمہ ابن خلدون 343,342:2

43) امام الموفق بن احمد المکی (م568ھ) مناقب الامام الاعظم اَبی حنیفہ واکرم ومناقب الاعظم لکردی مطبع حیدر آباد، دکن بھارت 95:1

44) ملا علی قاری (م1014ھ)، مناقب الامام الاعظم ذیل الجواہر المضیئۃ 474:2

45) جے پوری، مولانا محمد یوسف، حقیقۃ الفقہ 150 بحوالہ قیام اللیل از محمد بن نصر المروزی حدیث اکادمی فیصل آباد

46) صحاح 349:2

47) امام الموفق بن احمد المکی (م568ھ) مناقب الاماالاعظم اَبی حنیفہ واکرم ومناقب الاعظم لکردری مطبع حیدر آباد، دکن بھارت، 51:2

48) مناقب کردی 229:1

49) خطیب بغدادی، تاریخ بغدادی 337:13 دار الکتاب العربی بیروت لبنانی

50) امام موفق، (م568ھ) مناقب امام اعظم اردو ترجمہ 327

51) عبد الوہاب شعرانی، میزان شعرانی اردو ترجمہ 213:1

52) امام الموفق بن احمد المکی (م568ھ) مناقب الامام الاعظم اَبی حنیفہ واکرم ومناقب الاعظم 51:2

53) امام موفق (م568ھ) مناقب امام اعظمؒ، اردو ترجمہ ص100

54) امام موفق (م568ھ) مناقب امام اعظمؒ، اردو ترجمہ ص100

55) امام موفق (م568ھ) مناقب امام اعظمؒ، اردو ترجمہ ص101

56) تاریخ بغداد 343:13 دار الکتاب بیروت لبنان

57) تاریخ بغداد 356:13 دار الکتاب العربی بیروت لبنان

58) صیمری، ابوعبدالرحم حسین بن علی (م436ھ) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ 90، مناقب امام ابوحنیفہ 72

59) امام موفق، مناقب امام اعظم اردو ترجمہ مولانا محمد فیض اویسی، مکتبہ نبوی گنج بخش روڈ لاہور 1999ء ص440

60) تاریخ بغداد 13:332-331، امام طحاوی، طحطاوی مطبوع کلکتہ 35:1

61) امام الموفق بن احمد المکی (م568ھ) مناقب الامام الاعظم اَبی حنیفہ واکرم ومناقب الاعظم لکردری مطبع حیدر آباد، دکن بھارت 57:1

62) ابن حجر مکی الہیتمی (م973ھ) الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ دار الکتاب العلمیہ بیروت لبنان ص

63) عبد الوہاب شعرانی کتاب المیزان مطبع مصر 55:1

64) طبقات الشافعیہ الکبریٰ 174:2

65) ابن جریر طبری تاریخ الامم والملوک 487:2، ابن سعد طبقات الکبریٰ 6:6، یاقوت الحموی معجم البلدان 492:4، ابن ابی شیبۃ المصنف 407:6

66) ابن سعد (م230ھ) الطبقات الکبریٰ 9:6

67) ابن سعد (م230ھ) الطبقات الکبریٰ 9:6

68) یعقوبی، تاریخ الیعقوبی 188:2، تاریخ حلب 312:1

69) ابن الہمام: فتح القدیر شرح الہدایۃ 104:1 طبع نولکشور لکھنؤ

70) ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری 47:8، طبع مصر

71) امام مزی: تہذیب الکمال 439:12

72) خطیب بغدادی 88:1، امام سیوطی: تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی 143:2

73) حصفکی ، مسند الامام الاعظم ص 189

74) ابن حجر مکی، الخیرت الحسان ص 27

75) امام موفق، مناقب امام اعظمؒ مکتبہ فیض علم ص 28-27

76) ابو نعیم اصفہانی مسند الامام أبی حنیفہ ص 176

77) امام ذہبی، تذکرۃ الحفاظ :168

78) سیوطی، امام جلال الدین (م 911ھ) تمبیض الصحیفہ فی مناقب الامام أبی حنیفہ 28

79) ابن ندیمؒ، الفہرست ص 255، سماعنی: الانساب 3:37، ابن جوزی: المنتظم 8:129

ابن عبدالبر، جامع بیان العلم والفضلۃ 1:101

ابن خلکان: وفیات الاعیان 5 : 406، یافعیؒ مراۃ الجنان 1 : 310، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ 10:107

80) سیوطی، امام جلال الدین (م 911ھ) تمبیض الصحیفہ فی مناقب الامام أبی حنیفہ 30

81) سیوطی، امام جلال الدین (م 911ھ) تمبیض الصحیفہ فی مناقب الامام أبی حنیفہ 31

82) سیوطی، امام جلال الدین (م 911ھ) تمبیض الصحیفہ فی مناقب الامام أبی حنیفہ 31

83) صحیح مسلم، کتاب الامارہ 20:137 مطبوعہ کراچی

84) سیوطی ۔ مناقب امام ابوحنیفہ مکتبہ فیض عالم ص 31-28

85) سیرت النعمان ص 22 مکتبہ رحمانیہ

86) امام سیوطی، مناقب امام ابوحنیفہ 29

87) علامہ خوارزمی جامع المسانید 1:32

88) صالحی، عقود الجمان 63

89) ابن حجر مکی: الخیرات الحسان 36

90) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 13:334

91) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 13:335

92) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 13:325

93) ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب 1:240، بخاری، التاریخ الکبیر 1:342

94) جہلمی، مولوی فقیر محمد (م 1916ء) حدائق الحنفیہ ص 53

95) سیوطی، مناقب ابوحنیفہؒ اردو ترجمہ ص 31-28

96) امام ابوحنیفہؒ امام الائمہ فی الاحادیث ص 786 منہاج القرآن پبلی کیشنز مطبوعہ لاہور 2007ء

97) امام الموفق بن احمد المکی (م 568ھ) مناقب الامام الاعظم أبی حنیفہ واکرم ومناقب الاعظم لکردری، 1:96 مطبع حیدرآباد دکن، بھارت

98) تاریخ بغداد 2:188 طبع مصر

99) محدث محمد زاہد الکوثری، تانیب الخطیب 256 طبع مصر 1361ھ

100) مسند امام اعظم اردو ترجمہ مولانا عبدالرشید نعمانی، اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور، 1423ھ، ص 32

101) نعمانی، عبدالرشید، مسند امام اعظمؒ اردو ترجمہ 32 بحوالہ الرسالہ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنہ المشرفہ اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور

102) سیوطی، تبیض الصحیفہ ص 63

103) ابن حجر عسقلانی تعجیل المنفعہ برحال الائمۃ الاربعہ ص 4

104) ابوزہرہ مصری امام ابوحنیفہؒ کی حیات وافکار کا تحقیقی مطالعاتی جائزہ اردو ترجمہ علامہ وارث علی، 200 نعیمی شبیر برادر لاہور، 2007ء

105) مناقب علی قاری بذیل الجواہر ص 2:474

106) علامہ سیّد محمد مرتضیٰ (م 1205ھ) عقود الجواہر المنیفہ 1:23 مطبوعہ قسطنطیہ

107) تاریخ بغداد 342:13

108) امام الموفق بن احمد المکی (م568ھ) مناقب الامام الاعظم اَبی حنیفہ، 133:2

109) الامام ذیل الجواہر المضیۃ 272:2

110) نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النعمان ص153

111) ابن خلکان (م681ھ) وفیات الاعیان 413:5

112) ایضاً

113) الحکم مطبوعہ دمشق ص51

114) مناقب کردری 9:1

115) جے پوری، مولانا محمد یوسف، حقیقۃ الفقہ ص166-163

116) امام ذہبی، میزان الاعتدال 265:4، رقم 9092

117) عثمانی، علامہ ظفر احمد، مقدمہ اعلاء السنن

118) شعرانی، عبدالوہاب، میزان شعرانی، اردو ترجمہ مولانا محمد حیات سنبھلی ادارہ اسلامیات کراچی لاہور ص210-204

119) تمہید شرح موطا 272:3 بحوالہ حقیقۃ الفقہ ص163

120) جامع بیان العلم وفضلہ اردو ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی ص240-238 ادارہ اسلامیات انارکلی مطبوعہ العربیہ 1979ء

121) الخیرات الحسان ص36

122) مقدم فتح الباری ص468

123) امام نسائی الضعفاء والمتروکین، مطبوعہ انوار احمدی ص35 بحوالہ حقیقۃ الفقہ 164

124) حدائق الحنفیہ ص52

125) قسطلانی، امام شہاب الدین احمد بن محمد (م) ارشاد الساری بشرح صحیح

البخاری، 33:1 دار الفکر بیروت لبنان 1304ء

126) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ص415

127) تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر، مطبوع فاروقی حاشیہ ص83 بحوالہ حقیقۃ الفقہ 164

128) تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر، مطبوع فاروقی حاشیہ ص83 بحوالہ حقیقۃ الفقہ 164

129) تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر، مطبوع فاروقی حاشیہ ص83 بحوالہ حقیقۃ الفقہ 164

130) حاجی خلیفہ، کشف الظنون 536:2

131) فیروز آبادی، علامہ محی الدین، القاموس ص159

132) ابن عبدالبر، العلم والعلماء اردو ترجمہ جامع بیان العلم وفضلہ مترجم عبدالرزاق ملیح آبادی، ادارہ اسلامیات لاہور ص240

133) امام ذہبی، میزان الاعتدال 39:3

134) مقدمہ فتح الباری ص519

135) تاریخ بغداد 367:13

136) سیوطی: مناقب امام ابوحنیفہ ص55

137) تاریخ صغیر 43:2 بحوالہ حقیقۃ الفقہ ص165

138) کشف الاسرار بحوالہ مناقب امام اعظم 9:1

139) ابن حجر مکی الہیتمی (م973ھ) الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ 32

140) امام موفق بن احمد مکی، مناقب امام اعظم اردو ترجمہ ص123

141) امام الموفق بن احمد المکی (م568ھ) مناقب الامام الاعظم اَبی حنیفہ واکرم ومناقب 307

142) بخاری الصحیح کتاب الایمان 11:1

143) عسقلانی: ھدی الساری مقدمہ فتح الباری 419

144) امام ابوحنیفہ، الفقہ الاکبر مع الشرح الملا علی قار 141

145) امام موفق، مناقب امام اعظم اردو ترجمہ 2:55

146) العینی، بدرالدین محمود بن احمد، شرح ہدایہ المکتبہ الامدادیہ مکۃ المکرمہ 1:709

147) امام موفق: مناقب امام اعظم اردو ترجمہ 1:133

148) ابوزہرہ مصری امام ابوحنیفہؒ کی حیات وافکار کا تحقیقی مطالعاتی جائزہ 46

149) ابوزہرہ مصری امام ابوحنیفہؒ کی حیات وافکار کا تحقیقی مطالعاتی جائزہ 283

150) ابوزہرہ مصری امام ابوحنیفہؒ کی حیات وافکار کا تحقیقی مطالعاتی جائزہ 283

151) شبلی، سیرت النعمان 37

152) امام کردری محمد بن محمد بن بزار (م 827ھ) مناقب الامام الاعظم 1:126 مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ 1407ھ

153) ابن حجر مکی الہیتمی (م973ھ) الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ 1:42

154) امام کردری محمد بن محمد بن بزار (م827ھ) مناقب الامام الاعظم 1:31

155) امام الموفق بن احمد المکی (568ھ) مناقب الامام الاعظم أبی حنیفہ واکرم و مناقب 1:42

156) محمود آلوسی۔ مختصر التحفہ الاثنی عشریہ 8 بحوالہ امام ابوحنیفہ امام الائمہ فی الحدیث 451

157) شبلی نعمانی، سیرت النعمان 37

158) ابن قیم الجوزی شمس الدین، ابوعبداللہ۔ اعلام الموقعین اردو ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی مکتبہ قدوسیہ لاہور ص 194

159) ابن أبی حاتم (م 327ھ) الجرح والتعدیل 8:449، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1271ھ

160) مقدمہ قسطلانی، شرح بخاری مطبوع لکھنؤ ص 126

161) شبلی نعمانی، سیرت النعمان 110

162) شبلی نعمانی، سیرت النعمان ص 111-110

163) شبلی نعمانی، سیرت النعمان ص 112-111

164) سیوطی، امام جلال الدین (م 911ھ) تبییض الصحیفہ ص 36

165) سیوطی، امام جلال الدین (م 911ھ) مناقب امام ابوحنیفہ اردو ترجمہ 57

166) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد 13:367

167) خطیب بغدادی، تاریخ بغدادی 13:368

168) سیوطی، امام جلال الدین (م 911ھ) اردو ترجمہ 53

169) شاہ ولی اللہ دہلوی، شرح مؤطا بحوالہ حقیقۃ الفقہ 126

170) مصفیٰ شرح مؤطا ص 1:6

171) شبلی نعمانی، سیرت النعمان ص 212

172) شبلی نعمانی، سیرت النعمان ص 212

173) عسقلانی، ابن حجر شہاب الدین بن علی، تہذیب التہذیب، ترجمہ امام حنیفہ ص 12

174) ذہبی، میزان الاعتدال ص 121

175) شبلی نعمانی، سیرت النعمان ص 216

176) علامہ نووی تہذیب الاسماء واللغات، ترجمہ وکیع بن الجراح ص 12

177) امام ذہبی، میزان الاعتدال ترمہ حفص ص 12

178) القرشی، حافظ عبدالقادر (م775ھ)، الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ ترجمہ ابوعاصم ص12

179) شبلی نعمانی، سیرت النعمان ص219

180) شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور مطبوعہ ایچ وائی پرنٹرز، سندھ ساگر اکادمی لاہور 1996ء، ص197

181) شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین ص285

182) سیرت النعمان 110-109

183) امام ربانی، مکتوبات دفتر دوم حصہ ہفتم ص55

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ
اور
اصول حدیث

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اصول حدیث

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

حدیث مصطفوی، شریعت اسلامی کا بنیادی ماخذ تو ہے ہی اسلامی تہذیب کی اساس واکائی بھی ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات نہ صرف قرآن فہمی کی بنیاد فراہم کرتے ہیں بلکہ قرآن کی روح کو معاشرہ میں جاری رکھنے کا ذریعہ بھی ہیں۔ مسلم معاشرہ ہمیشہ انسانی رویوں کی تشکیل وتعمیر میں آپ ﷺ کی ذات اقدس سے رہنمائی لیتا ہے اور یہی چیز مصطفوی معاشرہ کو دنیا کے دوسرے معاشروں سے ممتاز کرتی ہے۔ معاشرہ میں جب بھی انحرافی رویوں نے جنم لیا اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ بعض لوگوں نے قرآن صامت پر عمل کی آڑ میں قرآن ناطق کو چھوڑنے کا اعلان کیا۔ ایسا کرنے والے جدید وقدیم معتزلہ کو مسلم معاشرہ نے یکسر نظر انداز کر دیا یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مسلم معاشرہ کی وحدت وعظمت کا راز ذاتِ رسالت مآب ﷺ ہے۔

علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لئے دو طرح سے کوششیں سامنے آتی ہیں ایک جو محدثین نے کیں اور دوسری جو فقہاء نے کیں۔ سند ومتن کی حفاظت وصیانت کے لئے محدثین نے شب وروز وقف کر دیئے تو فقہاء نے ان احادیث کے معانی ومطالب اور ان سے اخذ واستنباطِ مسائل کے لئے اپنی توانائیاں صرف کیں۔ دونوں نے خدمتِ دین کے لازوال کارنامے سرانجام دیئے اور امت ان کے احسانات سے کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو

سکتی۔ دونوں کے کام میں ایک لطیف فرق ضرور رہا کہ اول الذکر کا کام علمی نوعیت اور ثانی الذکر کے کام پر عملیت کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الفقہاء اَعلمُ بمعانی الحدیث

فقہاء بہتر جانتے ہیں کہ حدیث کا معنی کیا ہے ثانی الذکر گروہ کے کام کی تحسین امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی معرفۃُ الحدیثِ والفِقہ فیہِ اَحب اِلَیَّ مِن حفظہٖ(1)

حدیث کی معرفت اور اس کی فقہ میرے نزدیک اسے یاد کرنے سے بہتر ہے۔ امام ابن ابی حاتم رازی فقہاء کی روایات کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کانَ حدیث الفقھآءِ اَحبَّ اِلیھم من حدیث المشیخۃ معروف تابعی اعمش نے فقہاء میں متداول حدیث کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا:

حدیث یتداوَلہ الفقھاء خیر من حدیث یتداولُہ الشیوخ (2) یعنی جو حدیث فقہاء میں متداول ہو وہ اس حدیث سے بہتر ہے جو محدثین میں متداول ہو۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی کے پیش نظر ایسی ہی تصریحات تھیں جن کی وجہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔

الفقیہُ اَولیٰ بِانْ یُؤخَذمنہ الحدیث (3) فقیہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حدیث اخذ کی جائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو بایں الفاظ بیان فرمایا ”حدیث درست نہیں رہتی مگر فقہ کے ساتھ۔ اور فقہ درست نہیں رہتی مگر حدیث کے ساتھ یہاں تک کہ جو دونوں میں سے ایک میں لائق ہو اور دوسری میں نہ ہو وہ منصب قضاء وفتویٰ کے لائق نہیں کیونکہ محدث جو فقیہ نہ ہو اکثر غلطی کرتا ہے“۔(4)

علمائے اُمت کی ان آراء کی روشنی میں اگر ہم فقہاء کی خدمت حدیث کا جائزہ لیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اساسی وکلیدی نظر آئیں گی۔ علامہ سیوطی نے شمس الدین محمد بن یوسف الصالحی مؤلف السیرۃ الشامیۃ کا قول عقود الجمان سے نقل کیا ہے کہ امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ محدثین کے اعیان حفاظ میں سے تھے۔امام ذہبی نے اپنی کتاب المعجم اور "طبقات الحفاظ المحدثین" میں حضرت امام کاذکر کیا ہے اور خوب کیا ہے اور کہا ہے اگر حضرت امام ابوحنیفہ نعمان کا حدیث سے زیادہ تعلق نہ ہوتا وہ مسائل فقیہ کا استنباط نہ کر سکتے کیونکہ آپ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ادلہ سے استنباط کیا۔(5)

احادیث پر آپ کی گہری نظر اور ان سے استخراجِ مسائل کے بارے میں امام شعرانی ان الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں: "میں نے بحمداللہ امام ابوحنیفہ کے اقوال اور آپ کے اصحاب کے اقوال کا مطالعہ کیا جب میں نے کتاب ادِلَّۃُ المذاھب تالیف کی پس میں نے آپ کے اقوال یا آپ کے اتباع کے اقوال میں سے کوئی ایسا قول نہ پایا جو کسی آیت یا حدیث یا اثر یا اس کے مفہوم یا حدیث ضعیف کثیر الطرق یا قیاس صحیح کی طرف مستند نہ ہو۔(6)

مرتضی زبیدی (م:1205ھ) نے "عقود الجواہر المُنیفة فی اَدلّة ابی حنیفة" میں احکام سے متعلق 555وہ احادیث درج کی ہیں جن کی روایت امام ابوحنیفہ اپنی سند سے کرتے ہیں اور یہ وہ روایات ہیں جو ائمہ ستہ کی بیان کردہ روایات کے موافق ہیں۔ اگر علامہ زبیدی وہ روایات بھی درج کرتے جن کی دیگر ائمہ نے بھی تخریج کی ہے تو امام صاحب کی مرویات اس کتاب میں بہت زیادہ ہوتیں کیونکہ یحیٰی بن نَصر نے آپ کے گھر احادیث کی کثیر کتب کا مشاہدہ کیا اور اُن میں سے کچھ املاء کیں۔ان قرائن کی بناء پر ذہبی نے آپ کا ذکر تذکرۃ الحفاظ میں کیا اور کہا کہ امام ابوحنیفہ نے عطاء، نافع، عبدالرحمٰن بن ہرمز، اعرج، عدی بن ثابت، سلمہ بن کہیل، ابوجعفر محمد ابن علی، قتادہ، عمرو بن دینار اور ابوالحسن وغیرہ کی ایک بڑی جماعت سے احادیث اخذ کیں۔(7) "تاریخ التشریع الاسلامی" کے مصنف لکھتے ہیں کہ "یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آپ علم حدیث کے ایک بہت بڑے امام تھے اور ان سے ایک ہزار سے زیادہ راویوں نے مؤطا وغیرہ کے علاوہ

ہزاروں احادیث اخذ کر کے روایات کی ہیں"(8)

ان تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام اعظم سیدالفقہاء ہی نہیں امام المحدثین بھی ہیں۔

قبول حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں علوم وفنون باقاعدہ مدوّن نہ ہوئے تھے بعد والے لوگوں نے متقدمین کے اخذ واستنباط کے اسلوب ومنہج کی روشنی میں علم الاصول کی تدوین کی اور اصول حدیث تو اصول فقہ سے بھی بعد میں وجود میں آیا اور اصول حدیث پر اصول فقہ کے اثرات بالکل نمایاں اور واضح ہیں۔

جب اصول حدیث کی تدوین اصول فقہ سے بعد کی ہے تو یقیناً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مدون صورت میں سارے اصولی مباحث نہیں مل سکتے البتہ اصولوں کو مرتب کرنے کی بنیادیں اور اشارے ضرور دستیاب ہیں جن کو اصول فقہ پر لکھی گئیں کتب میں مختلف مباحث میں دیکھا جاسکتا ہے یا اصول حدیث کی کتابوں میں امام صاحب کے اقوال مختلف مقامات پر نظر آئیں گے اسی طرح اسماء الرجال پر لکھی گئی کتب میں بھی اشارات پائے جاتے ہیں گویا امام صاحب کے احادیث سے اخذ واستنباط کے اصول، بنیادی طور پر تین طرح کی کتب میں مل سکتے ہیں:

(الف) کتب اصول فقہ (ب) کتب اصول حدیث، شروح حدیث

(ج) کتب اسماء الرجال

یہ بات طے ہے کہ آپ کے ہاں اصول وضوابط کا معیار انتہائی سخت تھا۔وکیع کہتے ہیں:

لَقَدْ وُجِدَ الْوَرَعُ عن ابی حنیفة فی الحدیثِ مَالَمْ یُوجَدْ عن غیرہٖ(9)

اسی طرح عبدالرحمٰن مبارک پوری بھی اس معاملہ میں آپ کی سختی واحتیاط کے قائل ہیں۔ (10)امام صاحب میں حدیث کے بارے میں وہ احتیاط پائی گئی جو دوسروں میں نہ پائی گئی۔

اس غایت درجہ احتیاط کی وجہ بیان کرتے ہوئے پروفیسر عبدالقیوم لکھتے ہیں ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ احادیث کے بارے میں بڑے محتاط تھے اور صرف وہی احادیث قبول کرتے جو مستند اور پختہ ذرائع سے پہنچتی ہوں۔ آپ کے احتیاط کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ جس دور میں گذرے ہیں وہ دور سیاسی فتنوں اور سازشوں کا دور تھا۔ اس گڑبڑ اور انتشار کے زمانے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی احتیاط سے کام لیا، لیکن اس کے باوجود آپ کے رفقا اور تلامذہ نے آپ کے ایسے پندرہ سولہ مجموعے روایت کیئے ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ان مجموعوں کو قاضی القضاۃ ابوالمؤید خوارزمی (م:655) نے جامع المسانید میں جمع کردیا ہے''۔(11)

(i) حدیث ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت سے:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شریعت اسلامی کا بنیادی اور اہم رکن حدیث نبوی ہے۔ اس حقیقت کو امام صاحب نے واضح طور پر بیان کردیا۔ یہ بیان اس فکر کی نفی کردے گا کہ امام صاحب احادیث کو نظرانداز کر کے قیاس پر عمل کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

آخذ بِكتاب الله فان لَّمْ اَجِدْ فَبِسُنَّةِ رَسولِ الله فانْ لَّمْ اَجِدْ فبِقَولِ الصَّحابةِ آخذ بقَولِ مَنْ شِئتُ مِنهُمْ ولااخرُجُ عن قَولِهم اِلٰى قَولِ غَيرهم فَاِذَاانْتهٰى الْاَمْرُاِلٰى ابراهيم والشَّعْبى وابنِ سيرين وعطاء فقَوم اِجْتَهَدُوا فَاَجْتَهِدُ كَمَااُجْتَهَدُوا(12)

میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہیں پاتا تو رسول اللہ کی سنت کو لیتا ہوں، اگر سنت میں نہیں پاتا تو قول صحابہ کو لیتا ہوں، ان میں سے جس کا قول چاہوں اور ان کا قول چھوڑ کر غیر کا قول نہیں لیتا۔ لیکن جب نوبت ابراہیم، شعبی، ابن سیرین وعطاء تک پہنچتی ہے

تو وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اجتہاد کیا پس میں اجتہاد کرتا ہوں جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا۔

آپ سنت پر سختی سے عمل کی بناء پر حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح دیتے ''علامہ ابن حزم اندلسی ظاہری لکھتے ہیں:

قال ابوحنيفة: الخَبَرُ الضَّعِيفُ عن رسولِ الله ﷺ اَولٰى منَ القِياس ولايَحِلُ القياسُ مع وُجودِهٖ(13)

کہ ابوحنیفہ کے ہاں خبر ضعیف قیاس سے اولی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے قیاس نہیں ہوسکتا۔

علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ''ابوحنیفہ یقدم الحدیث'' کے زیر عنوان لکھا:

''اصحاب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ضعیف حدیث بہتر ہے قیاس اور رائے سے لہذا انہوں نے ضعیف حدیث کی وجہ سے سفر میں کھجور کی نبیذ سے وضو کرنے کو قیاس اور رائے پر مقدم رکھا ہے اور ایک ضعیف حدیث کی بنا پر دس درہم سے کم چوری میں ہاتھ کاٹنے سے روکا ہے اور ایک حدیث کی وجہ سے باوجود اینکہ اس میں ضعف ہے اکثر حیض دس دن قرار دیا ہے اور جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لئے مصر (شہر) کی شرط اسی طرح کی حدیث سے رکھی ہے اور کنویں کے مسائل میں آثار غیر مرفوعہ کی وجہ سے قیاس محض کو چھوڑ دیا...... اور سلف کے نزدیک حدیث ضعیف کی وہ اصطلاح نہیں ہے جو متاخرین کی ہے بلکہ جس کو متاخرین حسن کہتے ہیں سلف اس کو ضعیف کہہ جاتے ہیں''۔(14)

حدیث سے اسی اخذ واستفادہ کی وجہ سے ابن حجر الہیتمی نے لکھا:

فَتَاَمَّلْ هٰذَاالْاِ عْتِنَاءَ بالاَحادِيْثِ وعَظِيمَ جَلالَتِها ومَوقعها عنده(15)

نوٹ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث، سنت اور خبر میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھا۔

امامِ جرح وتعدیل:

راویوں کے احوال کے حوالے سے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو اہم حیثیت حاصل ہے۔آپ کی رائے کو ائمہ جرح وتعدیل نے اہم جانا اور اسے دیگر ائمہ کے اقوال کے ساتھ پیش کیا اس حوالہ سے امام سخاوی (531-902ھ) کے یہ الفاظ امام اعظم کی اس میدان میں جلالت شان کے آئینہ دار ہیں وہ لکھتے ہیں''جب متوسط تابعین ختم ہوئے اور تبع کا دور آیا یعنی 150ھ کے آس پاس، تو بہت سے اماموں نے توثیق اور تجریح کی بات شروع کردی چنانچہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے جابر الجعفی سے بڑھ کر جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا'' (16) امام سخاوی کے اس قول سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جابر جعفی پر جرح میں امام اعظم کا صرف ایک قول پیش نہیں کیا بلکہ حتمی رائے کے طور پر امام صاحب کی جرح کو قبول کیا ہے۔اس بات کو امام ترمذی رحمہ اللہ (209-279ھ) زیادہ عمدہ پیرائے میں بیان کیا:

حدثنا محمودُ بنُ غَیلان حدثنا ابویحییٰ الحمانی قال سمعت ابا حنیفہ قول: مارایت احدا اکذب من جابرِ الجُعفِی ولا اَفضلَ من عطاء بن ابی رباح(17)

یہاں امام ترمذی نے جرح کے لئے استعمال ہونے والے لفظ اکذب اور تعدیل کے لئے افضل دونوں استعمال کئے۔

آپ سے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ ثقہ ہیں لیکن ان کی وہ حدیثیں نہ لکھو جو بحوالہ ابواسحاق از حارث ہیں۔(18)

یہ اقتباس بھی امام صاحب کی اصول حدیث کے فن میں دلچسپی اور نظر پر دلالت کرتا ہے۔اسی طرح حافظ ذہبی نے ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان کی تعدیل کرتے ہوئے دیگر ائمہ کے کلمات تعدیل کے ساتھ امام صاحب کے کلمات کو بایں الفاظ نقل کیا۔

رَایتُ رَبِیعَۃ وَاَباالزِّنَادِ وَاَبُو الزنَّادِ اَفْقَہُ(19)

میں نے ربیعہ اور ابوالزناد دونوں کو دیکھا لیکن ابوالزناد زیادہ فقیہ ہیں، اسی طرح امام جعفر صادق کے بارے میں فرمایا:

عن ابی حنیفہ مارایت افقہ من جعفر بن محمد(20)

ترجمہ: میں نے جعفر بن محمد سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

امام صاحب نے اس فن کو احادیث سے مسائل اخذ کرتے ہوئے کس عمدگی اور گہرائی سے استعمال کیا اس کا اندازہ امام ابن الہمام کے نقل کردہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے: ''امام اعظم بغداد تشریف لائے وہاں کے ارباب روایت نے اس مسئلہ میں کہ چھوہارے کی بیع کھجور سے جائز ہے یہ کہہ کر امام صاحب کے خلاف آواز اٹھائی کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے ارباب روایت نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ بتائیے آپ کھجور کی بیع چھوہارے سے کیسے جائز بتاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ بیع دو حال سے خالی نہیں کہ چھوہارے، کھجور ہیں یا نہیں اگر ہیں تو بیع جائز ہے۔ التَّمرُ بالتمرِ حدیث میں اس کی اجازت ہے اور اگر کھجور نہیں تو پھر بھی اس کی بیع جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے اِذَا اختَلَفَ النَّوعَانِ فَبِیعُوا کَیفَ شِئتُم لوگوں نے جواباً حدیث سعد پیش کی جس میں اس بیع سے منع کیا گیا ہے امام اعظم نے فرمایا: اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے اور اس کی حدیث قابل پذیرائی نہیں''۔(21)

زید بن عیاش کو امام ابوحنیفہ نے مجہول کہا ہے۔(22)

چند مزید راویوں کے بارے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) طلق بن حبیب کانَ یرَی القَدرَ

(ب) لعن اللّٰہُ عَمرَ وبنَ صَفوانِ، فَاِنَّہُ فَتَحَ لِلنَّاسِ بَاباً اِلَی عِلمِ الکلام.

(ج) قَاتَلَ اللّٰہُ جهم بنَ صَفوانِ، ومَقاتِلَ بنَ سُلیمانَ، هذَاافرَطَ فِی

النَّفیِ، وھذاالَافرَطَ فِی التَّشبیه.

(د) اِنّی اَاعلَمُ النَّاسِ بحدیثِ عمرِ و بنِ دینارٍ، فَاجتَمَعُو اعلَیَّ، فَحَدَّ ثتُھم (23)

امام صاحب کے اس فن کے امام ہونے کی بات کو ان جملوں پر ختم کرتا ہوں:

اَعْلَمُ الامامَ ابَاحنِیفَه قدقِیلَ قولُه فِی الْجَرْحِ والتعدیل وتَلقَّوہ عنه علماءُ ھذاالفَنِّ وعَمِلُوابِه(24)

ناسخ ومنسوخ کے عارف

ناسخ ومنسوخ کی معرفت احادیث احکام میں اہم اور بنیادی ہے کیونکہ اگر دو ایک جیسی نصوص (احادیث) آجائیں اور ان میں جمع وتطبیق اور ترجیح نہ دی جاسکے تو یقیناً ایک منسوخ ہوگئی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک مجتہد تھے اس لئے احادیث میں ناسخ ومنسوخ کی پہچان بدرجہ کمال آپ کو حاصل تھی۔ علامہ صالح دمشقی لکھتے ہیں:

روی القاضی ابوعبدالله الصیمری عن الحسن بن صالح قال کان الامام ابوحنیفة رضی الله عنه شدید الفحص عن الناسخ من الحدیث والمنسوخ فعمل به اذاثبت عندہٗ عن النبی ﷺ وکان عارفا بحدیث اھل الکوفة شدید الاتباع لما کان علیه الناس ببلدہ وکان حافظا لفعل رسول الله ﷺ الاخیر الذی قبض علیه مما وصل الی اھل بلدہ(25)

قاضی ابوعبداللہ صیمری نے حسن بن صالح سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ احادیث میں ناسخ ومنسوخ کی سخت تفتیش کرتے تھے پس جب کسی حدیث کا نبی اقدس ﷺ سے ہونا

ثابت ہوجاتا (اور وہ ناسخ ہوتی) تو آپ اس پر عمل کرتے اور آپ اہل کوفہ کی احادیث کو پہچانتے تھے اور آپ کے شہر کے لوگ جن احادیث پر عمل پیرا ہوتے آپ ان احادیث کی شدت سے اتباع کرتے اور آپ نبی اکرم ﷺ کے آخری افعال جن پر آپ کی وفات ہوئی اور وہ افعال اہل کوفہ تک پہنچے تھے ان کے حافظ تھے۔

نوٹ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں ترک رفع الیدین والی روایات کو اسی قاعدہ کی بناء پر اختیار کیا۔

مجہول راویوں کی روایت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں راویوں پر عدالت کا غلبہ تھا۔ اس لئے آپ نے بعض ایسے راویوں کی روایات کو بھی قبول کیا جو مجہول تھے۔ چونکہ راویوں کی تضعیف وتوثیق اجتہادی معاملہ ہے اس لئے امام صاحب خَیرُ القُرونِ قَرنِی ثُمَّ الذین یلُونَھم ثم الذین یلونھم کے تحت ایسے راویوں کی روایات کو قبول کیا۔ امام صاحب خود امام جرح وتعدیل ہیں تو آپ نے جب ان کی روایت کو قبول کیا تو جہالت ختم ہوگئی۔ محمد بن ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں(26)

امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ روایت مجہول بھی قابل قبول ہے اور یہ صرف امام اعظم کا نہیں بلکہ اور بھی بہت سے اکابر کا مسلک ہے۔

محمد بن ابراہیم الوزیر نے یہ وضاحت کی کہ ایسی روایات بطور شواہد وتوابع لی گئی ہیں۔ اس طرح کے راویوں سے بخاری ومسلم میں بھی روایات لی گئی ہیں اور یہ امام اعظم کے امام فن ہونے کی دلیل ہے۔(27)

فقیہ راوی کی روایت کو ترجیح

امام اعظم روایات میں ترجیح کے لئے راوی کی فقاہت کو پیش نظر رکھتے۔ اگر دو روایات صحیح ہوں تو امام صاحب اس روایت کو ترجیح دیں گے جس کے راوی فقیہ ہوں گے امام اعظم اور امام اوزاعی دارُ الحنَاطِین (گندم کی منڈی) میں جمع ہوئے تو اس میں امام اوزاعی نے اپنی روایت کی وجہِ ترجیح سند عالی بتائی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

كَانَ حَمَّادُ بنُ اَبِی سُلَیمَانَ اَفْقَهَ مِنَ الزُّهرِی و كَانَ ابراهیمُ اَفْقَهَ مِنْ سَالِم(28)

گویا امام اعظم کے نزدیک راویوں میں ترجیح کا معیار فقاہت ہے۔

یعنی عدم رفع کی روایت کے راوی فقاہت کی وجہ سے رفع یدین کے راویوں پر برتری رکھتے ہیں جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعی کو جواب دیا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز ترجیح کا اندازہ امام محمد کے اس بیان سے بھی لگایا جا سکتا ہے: ''اہل مدینہ کا مسلک یہ ہے کہ عیدین کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں رکعتوں میں کل نو تکبیریں ہیں، پانچ پہلی میں اور چار دوسری میں، جن میں تکبیر تحریمہ اور رکوع کی دو تکبیریں بھی شامل ہیں پھر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی وہی مسلک ہے جو اہل مدینہ کا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اہل مدینہ نے ان کے علاوہ کسی اور سے روایت کی ہو۔ جو رائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کے قول کو قبول کیا جائے'' (29)

روایت بالمعنیٰ کا جائز نہ ہونا

روایت بالمعنی سے مراد ہے کہ راوی روایت کے اصل الفاظ کی بجائے معانی کو اپنے

الفاظ میں بیان کردے۔(30)

محدثین اصولیین کے روایت بالمعنی کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، علامہ آمدی لکھتے ہیں:

والذی علیه اِتِّفَاقُ الشَّافِعِی ومَالِكٍ وابی حنیفة واحمد بن حنبل والحسن البصری واكثر الائمة انه یُحرَمُ علی النَّاقِلِ اذا كانَ غیرَ عارفٍ بِدلالاتِ الالفاظ واختلافِ مواقعها(31)

جس رائے پر شافعی، مالک، ابوحنیفہ، احمد بن حنبل، حسن بصری اور اکثر ائمہ کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ ناقل اگر الفاظ کے مدلولات اور مواقع کے اختلاف کی معرفت نہیں رکھتا تو اس کے لئے روایت بالمعنی حرام ہے۔

مگر ملا علی قاری نے امام صاحب کا جو اصول بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت بالمعنی کسی صورت جائز نہیں۔

قال ابوحنیفة: لاینبَغِی لِلرَّجُلِ ان یحدث مِنَ الحدیث اِلَّا مَایحفظُهُ مِن یوم سَمْعِهِ اِلٰی یَومِ یُحَدِّثُ به، حَاصِلُه اَنَّ لَم یَجُزِ الرِّوَایَةُ بِالمَعنٰی، ولو كانَ مرادِفًا للمبنی خِلافًا لِلجُمهُورِ مِنَ المحدثین(32)

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: کسی راوی کے لئے حدیث کا بیان کرنا مناسب نہیں جب تک اسے سماع کے دن سے روایت کے دن تک مسلسل وہ حدیث یاد نہ ہو (اس سے ملا علی قاری نتیجہ نکالتے ہیں کہ) پس روایت بالمعنی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جائز نہیں کہتے چاہے وہ مترادف الفاظ ہی کیوں نہ ہوں اور یہ جمہور محدثین کی رائے کے

برعکس ہے۔

مرسل روایت کی قبولیت

مرسل کے بارے میں اہل علم کا اختلاف معروف و معلوم ہے۔ مراسیل کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قبول کرتے تھے۔(33) لیکن ابوزہرہ نے قبولیت مراسیل کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھا کہ آپ صرف ان لوگوں کی مراسیل قبول کرتے تھے جن سے آشنا ہوتے تھے جن کے طریقہ سے متاثر تھے جو آپ کے ہاں قابل اعتماد تھے اور ان کی رایات میں شبہ کی کوئی مجال نہیں تھی۔ ابراہیم نخعی کو دیکھئے آپ کے استاذ الاستاذ ہیں آپ ان کے طرز فکر و نظر سے متاثر ہیں ان کے فقہ کے راوی اور ان کی مخالف و موافق روایات پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔ حسن بصری عراق کے مشہور واعظ تھے اور ابراہیم کی طرح قابل اعتماد! الغرض وہ تمام راویان حدیث جن کی مراسیل آپ کے یہاں قابل قبول تھیں سب اسی پایہ کے بزرگ تھے...... لہذا یہ امر آپ کے پیش نظر رہا ہوگا کہ وہ تابعین یا تبع تابعین خود بھی قابل اعتماد ہوں اور ضعیف اور نا قابل اعتماد راویوں سے روایت نہ کرتے ہوں"۔ گویا امام ابوزہرہ کی تحقیق کے مطابق آپ علی الاطلاق مراسیل سے احتجاج کے قائل نہ تھے (34)

امام ابوزہرہ کی رائے وقیع معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپ کے شاگرد رشید امام محمد بھی مرسل کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں ایسی ہی ہے۔ ڈاکٹر محمد الدسوقی لکھتے ہیں: "خلاصہ یہ ہے کہ مرسل امام محمد کے نزدیک قبولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ بشرطیکہ اس کا راوی ثقہ ہو اور یہ حدیث کتاب اللہ، حدیث مشہور، متواتر یا عام تشریعی قاعدے کے خلاف نہ ہو"۔(35)

امام ابوحنیفہ اور خبر واحد:

خبر واحد کے قبول ورد پر اصولیین کے ہاں طویل بحثیں ہیں ذیل میں امام ابوحنیفہ کی فکر کو امام ابوزہرہ کی کتاب کے مختلف حصوں سے پیش کیا جارہا ہے۔ امام ابوحنیفہ اولین فقیہ تھے

جنہوں نے اخبار آحاد کو لائق احتجاج قرار دیا۔ اگر اپنی رائے کو مخالف حدیث پایا تو اس کو احادیث آحاد کے تقاضوں کے مطابق کرلیا راقم کے سامنے امام ابو یوسف اور امام محمد کی دونوں کتابیں الآثار موجود ہیں ان پر طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ کو اخبار آحاد سے کتنی وابستگی تھی اور کس طرح آپ اپنی فقہ کو ان پر مبنی قرار دیتے تھے۔ ان کی نصوص کو اخذ کرتے اور ان سے **عِلَلُ الاحکام** کا استخراج کرتے پھر ان پر اپنا قیاس استوار فرماتے جس میں مصلحت عامہ ہمیشہ ملحوظ رہتی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے تلامذہ کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے جس کو انہوں نے بھی قبول کیا۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں: اکثر اہل حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مورد طعن بناتے ہیں کہ آپ ثقہ راویوں کی اخبار آحاد کو ترک کردیتے تھے دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اخبار آحاد کو اپنے یہاں جمع کردہ احادیث اور معانی قرآن پر پیش کرتے تھے ان احادیث کو جو اپنے معنی میں منفرد ہوتی اسے ترک کردیتے اور اس کا نام شاذ رکھتے۔(36)

اس مسئلہ میں علامہ زاہد الکوثری نے امام اعظم کے اصول وقواعد سے جو نکات اخذ کئے، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1) اخبار آحاد کو کتاب اللہ کے عمومات پر پیش کیا جائے گا، اگر خبر واحد کتاب اللہ کے عموم یا ظاہر کے مخالف ہے تو اس کو ترک کرکے کتاب اللہ کے عموم وظاہر پر عمل کیا جائے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو دلیلیں ہوں تو ان میں سے قوی دلیل کو لیا جاتا ہے۔ کتاب اللہ **قطعی الثبوت** ہے اور اس کا عموم وظاہر **قطعی الدلالۃ** ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ خبر واحد کے مقابلہ میں زیادہ قوی دلیل ہے۔

2) ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ خبر واحد کسی سنت مشہورہ کے معارض نہ ہو، یہ سنت مشہورہ قولی ہو یا فعلی۔ یہاں بھی مخالفت وتعارض کی صورت میں اقویٰ دلیل کو اختیار کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ خبر واحد کے مقابلہ میں سنت مشہورہ ثبوت کے اعتبار سے

زیادہ قوی ہے۔

3) خبر واحد اپنی ہی طرح کی کسی خبر واحد کے معارض نہ ہو اس صورت میں ایک کو راجح قرار دیا جائے گا۔

4) خبر واحد کا راوی اپنی ہی روایت کے خلاف فتویٰ نہ دے اگر ایسا ہو تو روایت کو ترک کر کے فتویٰ پر عمل کیا جائے گا۔

5) حدود وعقوبات کے سلسلہ میں اخبار آحاد آپس میں متعارض ہوں تو اخف کو اختیار کیا جائے گا۔

6) اس خبر واحد کو اختیار کیا جائے گا جس کی جانب آثار زیادہ ہوں۔

7) خبر واحد پر عمل کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ صحابہ اور تابعین کے عمل متواتر کے خلاف نہ ہو۔

8) خبر واحد کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ سلف میں سے اس پر کسی کا طعن منقول نہ ہو(37)

یہ نکات علامہ کوثری نے علامہ محمد بن یوسف الصالحی کی عقود الجمان سے لئے ہیں۔ اس کے بعد علامہ کوثری لکھتے ہیں: ان قواعد کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ نے بہت سی اخبار آحاد پر عمل نہیں کیا۔ اس کا سبب مخالفت حدیث نہیں بلکہ اجتہاد ہے۔

طرق تحمل روایت

سماع اور قراءت محدثین کے ہاں دونوں جائز ہیں۔ اس میں ترجیح کس کو حاصل ہے؟ مکی بن ابراہیم کہتے ہیں:

كان ابن جُرَيجٍ وعُثمانُ بنُ الاسوَدِ وحَنظَلَةُ بنُ اَبی سُفیان ومالک و سفیانُ الثّوری وابُوحنیفة وهِشَامُ وغیرُ هم یقولون: قرَاءتُکَ عَلَی العَالِم خیرٌ مِن قِرَاءَةِ العَالِم عَلیکَ(38)

یعنی عالم کے سامنے روایات کا پڑھنا، عالم کی قراءت سے بہتر ہے۔

اسی طرح ابن الصلاح کا کہنا ہے:

فَنُقِلَ عن ابِی حَنیفة وابنِ ابی ذِئبٍ وغیرِهماتَرجِیحُ القِراءَةِ علیٰ الشَّیخِ علیٰ السّماعِ من لفظِهِ(39)

امام ابوحنیفہ اور ابن ابی ذئب اور دیگر نے قراءۃ علی الشیخ کو سماع پر ترجیح دی ہے۔

اسی طرح مناولہ کے بارے میں آپ کی رائے اس طرح بیان کی گئی:

وهٰذهِ المُناوَلَةُ کالسّماع فِی القُوّةِ عِندَالزُّهرِی والشَّعبِی وابراهیم وربیعة وعلقمة ومالک والصَّحِیحُ اَنّهَامُنحطّة عن السّماعِ والقِراءَة وهُوقولُ الثّورِی وابی حنیفة والشافعی(40)

یعنی امام زہری، شعبی، ابراہیم، ربیعہ، علقمہ اور مالک کی رائے یہ ہے کہ مناولہ قوت میں سماع کے برابر ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس کا مقام کم تر ہے اور یہ رائے ثوری، ابوحنیفہ اور امام شافعی کی ہے۔

درایت الحدیث

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی سند کے اصول وضوابط پر ہی اپنی آراء وافکار پیش نہیں کئے بلکہ درایت الحدیث کی فن کی بنیاد بھی رکھی مولانا شبلی نعمانی کے بقول: ”فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا کہ روایت کے اصول وضع کئے اور ان کو احادیث کی تحقیق وتنقید میں برتا۔ یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام ونشان بھی نہ تھا اس وقت ان کی نگاہ باریک نکتوں تک پہنچی۔ بے شبہ صحابہ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیلئے دلیل راہ بنے“۔(41)

حوالہ جات، حواشی

1) منہاج السنۃ النبویۃ جلد4، ص:114

2) تدریب الراوی ص:8

3) الرفع والتکمیل ص:70

4) نسفی، عبداللہ بن احمد، کشف الاسرار شرح منارالانوار مصر، جلداول، ص:5

5) سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ از شاہ ابوالحسن زید فاروقی، فاروقی، شاہ ابوالحسن زید، سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ، شرقپور شریف1994ء ایضاً ص367

6) شعرانی، عبدالوہاب، المیزان، جلداوّل ص:55

7) معلومات کیلئے ملاحظہ فرمائیں الطباخ، علامہ راغب، تواریخ افکار وعلوم اسلامی، مترجم: مولانا افتخار احمد بلخی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، 1989ء، جلد2، ص:47-50

8) ایضاً ص53

9) الموفق بن احمد المکی، مناقب الامام الاعظم، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، 1407ھ جلد اول، ص197، امام ابن حجر نے بھی امام موصوف کی کڑی شرطوں کا ذکر کیا (لسان المیزان جلد جلد5، ص31)

10) تحفۃ الاحوذی جلد2، ص15

11) عبدالقیوم، پروفیسر مقالات پروفیسر عبدالقیوم، مرتبین: ڈاکٹر محمود الحسن عارف، میجر زبیر قیوم، المکتبہ السّلفیہ، لاہور، 1997، ص:187۔

12) تہذیب التہذیب، جلد10، ص451

13) ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، 1345، جلد4 ص540

14) اعلام الموقعین جلداول، ص77

15) الہیتمی، ابن حجر، الخیرات الحسان، مکتبہ الخیریہ، 1304ھ ص87

16) السخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، الاعلان بالتوبیخ، مترجم: ڈاکٹر سیّد محمد یوسف، مرکزی اردو بورڈ لاہور، 1968، ص351

17) ترمذی، ابوعیسیٰ، جامع الترمذی، بیت الافکار الدولیۃ الریاض، کتاب العلل، ص609

18) الجواہر المضیئۃ جلداول ص، 30

19) تذکرۃ الحفاظ

20) تذکرۃ الحفاظ جلداول ص166

21) فتح القدیر151

22) تہذیب التہذیب جلد3، ص423

23) الداری، تقی الدین بن عبدالقادر، الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیۃ، تحقیق دکتور عبدالفتاح محمد الحلو، دارالرفاعی للنشر والطباعۃ والتوزیع 1983، جلداول ص97

24) القرشی، عبدالقادر، جواہر المضیئہ، جلداول ص30

25) عقود الجمان ص176

26) الروض الباسم جلداول ص158

27) ایضاً ص169

28) مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ للموفق جلداول ص131

29) الدسوقی، ڈاکٹر محمد، امام محمد بن حسن شیبانی اوران کی فقہی خدمات، مترجمین: حافظ شبیر احمد جامعی، ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی۔

30) الصغانی، محمد بن اسماعیل، توضیح الافکار، داراحیاء التراث العربی، بیروت1366، جلد2 ص392

31) الامدی، علی بن محمد السالم، الاحکام فی اصول الاحکام، مکتبہ صبیح، 1387ھ، جلد2 ص86

32) ملاعلی قاری، شرح الملاعلی القاری علی مسند الامام الاعظم (تحقیق مشتاق احمد حنفی، قدیمی کتب خانہ کراچی ص 7)

33) تقریب الراوی ص 103، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص:343، التمہید جلد اول ص 40

34) ابوزہرہ حیات امام ابوحنیفہ، مترجم، غلام احمد حریری، ملک سنز فیصل آباد ص 523

35) امام احمد بن حسن شیبانی اور ان کی فقہی خدمات ص 278

36) حیات ابوحنیفہ ص:476-518 ملاحظہ فرمائیں۔

37) الکوثری، زاہد، تانیب الخطیب، المکتبۃ الازہریہ للتراث القاہرہ، 1998 ص:242

38) تدریب الراوی ص 244

39) مقدمہ ص 52

40) تدریب الراوی ص 270-271

41) شبلی نعمانی، مولانا، سیرۃ النعمان اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور ص 181-182

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کی قرآن فہمی کے چند نظائر

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ کراچی

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن فہمی کے چند نظائر

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

فقہ حنفی کا اصلاً اور بیشتر انحصار قرآن حکیم پر ہے گو ثانیاً اس کے ماخذ میں احادیث بھی شامل ہیں مگر اس وصف کے ساتھ کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قبولیت حدیث میں اتنی سخت شروط کے قائل و عامل تھے کہ اس خصوصیت میں ان کا ثانی' ان کے عہد سے آج تک کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ صحت و اصابت حدیث میں زمرہ محدثین میں گو شیخین (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ) کو عالمی شہرت و امتیاز حاصل ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ امام صاحب کی شروط کے مقابل' شیخین کا نام بھی ان کے بعد ہی لیا جا سکتا ہے۔

درج ذیل مضمون میں فقہ حنفی کے بانی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 180ھ) کی قرآن فہمی کے تعلق سے چند نظائر پیش خدمت ہیں یہ وہ نظائر ہیں جو بلاشبہ کسی بڑے اور مبسوط کام کے لئے مہمیز بن سکتے ہیں مزید یہ کہ تنقیح و تحقیق کے حوالے سے اس طرح کے علمی و فکری کاموں کو نہ صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بلکہ دیگر ائمہ کی قرآن فہمی تک بھی پھیلایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ تمام ائمہ کے ہاں' اسلامی قانون کی تدوین و تشکیل نیز استنباط و استخراج مسائل و احکام میں اصولی طور پر قرآن مجید ہی سرفہرست یا ماخذ اولین کی حیثیت کا حامل رہا ہے مگر صورت واقع یہ ہے کہ اس فکر و عمل میں اشتراک کے باوصف' ان کے مابین کہیں خفیف اور کہیں شدید اختلاف بھی پایا جاتا ہے جو یقیناً ان کے فہم و فراست اور ذوق فکری و فقہی میں فکری و اکتسابی نیز تجرباتی و مشاہداتی فرق کے باعث رونما

ہوا ہے اور احادیث کی صحت و عدم صحت کا اختلاف بھی مع اصول و دلائل کے خصوصیت کے ساتھ اس کا محرک بنا ہے مگر فی زمانہ چونکہ تمام ائمہ مجتہدین کا کام بحیثیت مجموعی' ارباب علم و دانش کے سامنے آ چکا ہے اس لئے اس ذخیرہ علمی کو کسی نئے پیراڈائم میں شفٹ کرنے کا کام نہ صرف ممکن ہو گیا ہے بلکہ بہت آسان بھی ہو گیا ہے۔ میری مراد یہاں فکری و فقہی ہر دو اجتہاد سے ہے اہل علم کو چاہیے کہ وہ اپنی اپنی صلاحیتوں اور اپنے اپنے میدان ہائے ذوق کے مطابق قرآن مجید کی رہنمائی میں ممکنہ حد تک تمام علمی سرمائے کا جائزہ لیتے اور اسے معاصرین کے سامنے پیش کرتے رہیں تا کہ نقد و نظر کے بعد وہ سرمایہ علمی' دیانتداری کے ساتھ' اخلاف کو منتقل ہو جائے جسے بعد کے علماء تنقیح مزید کے مراحل سے گزار کر اپنے مابعد کو منتقل کر سکیں اور اس طرح بہتر سے بہترین صورت گری وقوع پذیر ہو سکے اور علمائے امت کے علمی سرمائے پر قرآن فہمی کا اطلاق ادا کر کے امت مسلمہ کے قلوب و اذہان پر پوری طرح مسلط ہو جائے تا کہ اقامت دین کا خواب جو ہمارے اسلاف نے دیکھا تھا شرمندہ تعبیر ہو سکے۔

اس مختصر تمہید کے بعد امام ابوحنیفہ کی قرآن فہمی کے چند نظائر ملاحظہ کیجئے۔

(1) کتب فقہ میں مسئلہ قصاص میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ ثلاثہ کے مابین اختلاف باہمی پایا جاتا ہے یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں اور کسی آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔(1)

ان ائمہ نے اپنے مسلک و موقف کی بنیاد ان بعض روایات پر رکھی ہے جو کتب احادیث میں وارد ہوئی ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاتل خواہ کوئی ہو ارتکاب قتل کے باعث وہ خود موجب قتل ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال قرآن مجید سے ہے۔

یایها الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی
الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثی (البقرہ/۱۲۹)

اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ فرض ہے (قاتل) آزاد ہو تو آزاد (ہی مارا جائے) اور غلام ہو تو غلام اور عورت ہو تو عورت۔

چونکہ آیت میں قصاص کے باب میں مساوات کا لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے حرمت جان کا قانون سب کیلئے یکساں ہے ایسا نہیں ہے کہ کسی صاحب حیثیت شخص کی جان، کسی بے حیثیت آدمی کے مقابلے میں کمتر ہے۔ اس آیت کی ضرورت واہمیت کا اندازہ لگانے کیلئے مناسب ہوگا کہ عرب جاہلیت کا دستور بھی جان لیا جائے کہ جسکی رو سے آزاد قاتل کو کسی غلام مقتول کے عوض، قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بلکہ غلام مقتول کا قصاص کسی بے قصور غلام سے لیا جاتا تھا۔ دنیا کے دیگر علاقوں میں بھی کم وبیش ایسا ہی ظالمانہ نظام قصاص رائج تھا۔ عصر حاضر میں بھی یہ سفاکانہ نظام، امریکہ کے حوالے سے قابل فہم ہے۔ امریکیوں نے خود ہی قانون بنا رکھا ہے کہ اس کے فوجی، جنگی جرائم کے مقدمات سے ماوراء ہیں جنیوا کنونشن ہو یا بین الاقوامی عدالت کوئی کسی امریکی سے باز پرس نہیں کرسکتا(2) اور ماضی قریب میں خود امریکہ میں کسی گورے کا خون کسی کالے (Negro) کے خون کے برابر نہیں تھا اور آج بھی مستبد حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے بدلے میں قاتل قوم کے کئی افراد کی جانیں لئے بغیر سکون سے نہیں بیٹھتیں، کشتوں کے پشتے لگادیتی ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ کہ خود کو تہذیب کا خوگر بھی قرار دیتی ہیں اس المناک اور شرمناک صورتحال میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کی قوت اور خوبی بہت آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ جسے شدومد سے پھیلانے اور عالمی فورم پر اس کے ابلاغ کی اشد ضرورت ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال، عدل اجتماعی کا ضامن وداعی ہے اسی استدلال میں تکریم انسانیت اور اس کے مابین مساوات کا

پہلو بھی ملحوظ ہے۔ برخلاف دیگر ائمہ کے۔

استدلال کا ایک ضمنی پہلو یہ بھی ہے کہ قانون قصاص خون بہا میں بھی مساوات نسل انسانی کا متقاضی ہے وگرنہ انسانی جان کی مساوات کا قرآنی نظریہ، خود آپ اپنی تردید کردے گا۔ اس لئے دیت کے باب میں بھی ہم اسی مساوات کے قائل ہیں اور ویسے یہ اصول خود قرآن سے بھی براہ راست مستنبط ہے۔ جیسا کہ مولانا جلیل احسن ندوی نے لکھا ہے کہ قصاص باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے معنی برابری اور مساوات کے ہیں اور اس کا استعمال زیادہ تر مالی مساوات کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ المصباح المنیر اور دیگر لغت کی کتابوں میں مذکور ہے(3) واضح رہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں بھی فقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی مسلمان اور ذمی کے خون میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کا خون برابر ہے جیسا کہ قرآن میں آتا ہے۔

وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص (المائدہ ۴۵)

ترجمہ: اور ہم نے ان پر (تورات میں) یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور (تمام) زخموں میں (اسی جیسا) بدلہ ہے۔

آیت میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔ اور اس میں مسلمان یا کافر کی کوئی قید نہیں لگائی ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مطلقاً ہے، فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی کوئی قید نہیں لگائی اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یقیناً مبنی بر قرآن ہے اور یہ ان کے استدلال کی صحت

صداقت پر بہت بڑی شہادت ہے ان کا منہج استدلال اس مثال سے خوب واضح ہے جیسا کہ آیت کے عموم واطلاق سے بھی واضح ہوا ہے واضح رہے کہ اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ کی مستدل احادیث (4) کا جواب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ان احادیث میں کافر سے مراد کفار حربی ہیں یعنی کافر حربی کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس احسن تاویل سے قرآن مجید اور احادیث کے مابین نہ صرف تعارض رفع ہو جاتا ہے بلکہ قرآن کے عموم کو مقید کرنے کی بجائے احادیث کو مقید کر کے اسے قرآن کے تابع کرنے کا ایک حنفی اصول بھی مدون ہوتا ہے جو یقیناً اس لائق ہے کہ ارباب عقل کو قرآن فہمی کی مستقل بنیاد فراہم کرے۔

مولانا امین احسن اصلاحی بلاشبہ درست فرماتے ہیں:

> ہمارے فقہاء نے متن حدیث پر غور کرنے کیلئے اصول وضع کئے اور اس کا نام درایت رکھا اس خدمت خاص میں سب سے بڑا حصہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے یہ خدمت انجام دے کر انہوں نے صرف فقہ ہی پر احسان نہیں کیا ہے بلکہ فن حدیث کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے اگر ہمارے علماء ان اصولوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق پاتے تو حدیث کے خلاف وہ فتنہ ہرگز نہ اٹھ سکتا جو فتنہ پروازوں نے اٹھا دیا اور جس نے گمراہ فرقوں کیلئے دین میں دراندازی کی بہت سی راہیں کھول دیں۔(5)

مولانا غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصول یہ ہے کہ قرآن مجید کے عموم کو حدیث صحیح سے بھی مقید نہیں کیا جاسکتا۔(6) اور پیر محمد کرم شاہ الازہری ارقم فرماتے ہیں:

احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو وہ قرآن کریم کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہوسکتیں نہ انکی وجہ

سے قرآن کریم کی نصوص میں تغیر وتبدل کیا جاسکتا ہے۔(7)

الغرض علمائے تفسیر نے تفہیم حدیث کے باب میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ لائق التفات ہی نہیں لائق اطلاق وانطباق بھی ہے قرآن فہمی کی راہ میں ہدایت کے یہ وہ چراغ ہیں جنکی روشنی ہماری عقل کو ٹھوکر کھانے سے بچاتی ہے کوئی ہے جو سمجھے؟

(2) زرعی پیداوار کے نصاب (عشر وزکوٰۃ) میں ائمہ ثلاثہ غلے اور پھلوں کے لئے کم سے کم پانچ وسق (بتیس من) کو نصاب قرار دتے ہیں ان کا موقف دلیلوں پر قائم ہے۔

قدرے وضاحت یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے کھیتوں یا باغات سے پانچ وسق یا اس سے زائد پیداوار حاصل ہو تو اس پر اس نصاب کا اطلاق واجب ہوگا۔ اور اس سے کم پر واجب نہ ہوگا اس کے برخلاف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کیلئے کوئی نصاب مقرر ومعین نہیں ہے۔ پیداواری قدر سے عشر یا اس کا نصف مقرر کیا جاسکتا ہے اب پیداوار خواہ ایک وسق ہو یا پانچ وسق یا اس سے بھی زائد اس طرح امام ابوحنیفہ نے زرعی پیداوار کو مقررہ نصاب سے نکال کر اسے معاشرتی ضرورت سے وابستہ کر دیا ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

> یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض (البقرہ/۲۶۷)
>
> اے ایمان والو! اپنی حاصل کردہ پاک کمائی سے خرچ کرو اور جو کچھ زمین سے ہم نے تمہارے لئے نکالا ہے اس میں سے بھی (خرچ کرو)

دراصل امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ آیت میں چونکہ ما آیا ہے جو الذی کا معنی دے کر تعمیم کا فائدہ دے رہا ہے اور اس امر کا متقاضی ہے کہ جو کچھ بھی اللہ نے ہمارے لئے

زمین سے نکالا ہے (یعنی زرعی پیداوار) اس میں سے انفاق کرو اور چونکہ پانچ وسق والی روایت خبر واحد ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک' خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ خبر واحد اپنے حکم واثر میں ظنی ہوتی ہے جبکہ قرآن مجید کا عموم قطعی ہوتا ہے۔ پس دلیل ظنی سے دلیل قطعی کو مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے اہل علم جانتے ہیں کہ خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہ کرنا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قاعدہ ہے اس کے مطابق قرآن مجید سے ثابت شدہ کسی بھی حکم کو روایت سے ثابت شدہ ہر حکم پر ہمیشہ ترجیح حاصل رہے گی واضح رہے کہ دیگر ائمہ اس اصول کو ملحوظ نہیں رکھتے اس لئے قرآن مجید کے عموم قطعی کو روایات سے مخصوص کر کے آیات کو تابع روایات کر دیتے ہیں۔

(یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جس طرح مما اخرجنا لکم من الارض میں ما عام ہے اس طرح من طیبات ما کسبتم میں بھی ما عام ہے جسکا لازمی اور منطقی نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اموال تجارت نقد مال اور سونے چاندی کے انفاق میں بھی نصاب کی تخصیص کو معین نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ تمام اشیاء خواہ قلیل ہوں یا کثیر سب کی سب من طیبات ما کسبتم کے عموم میں داخل ہیں لہذا زرعی پیداوار کی طرح یہ سب بھی معاشرے کی عام ضرورت بلکہ معاشرے کی غربت کے تناسب سے مقدر و معین ہو کر انفاق کے عمل سے گزرنی چاہئیں ہمارے نزدیک یہی طرز فکر قرآن سے مستخرج و مستفاد معلوم ہوتی ہے برخلاف دیگر ائمہ کے)۔

(احناف کی مجموعی روش سے استخراج مطابقت نہیں رکھتا ان کے ہاں تخصیص کی بعض

صورتیں موجود ہیں)

یہاں میں اپنے ایک مضمون کا کچھ حصہ نقل کرنا مناسب سمجھوں گا جو روزنامہ ایکسپریس (کراچی) میں بعنوان ''اقتصادیات کی تشکیل جدید ایک عالمی مسئلہ'' شائع ہوا تھا۔ چونکہ وہ حصہ مذکورہ بالا بحث میں مفید مطلب ہے اس لئے قارئین پر گراں بار نہ ہوگا میں نے لکھا تھا ''پاکستان کے ایک معاصر انگریزی اخبار (ڈان) میں 16 جون 2008ء کو ایک فتویٰ بصورت خبر شائع ہوا ہے کہ حکومت عصر کو چاہیے کہ وہ اپنے تیل' گیس و دیگر معدنیاتی وسائل سے حاصل ہونے والی قومی دولت کا بیس فیصد حصہ صرف غرباء کیلئے مختص کرے جو اشیائے ضرورت کو مہنگی ہونے کے سبب بہ مشکل خرید پا رہے ہیں یہ فتویٰ الازہر یونیورسٹی (قاہرہ) کے ایک استاد جناب رفعت عثمان کی جانب سے جاری کیا گیا ہے فتویٰ کی بنیاد اس حدیث پر رکھی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ تمام دھاتوں اور معدنیات خواہ وہ ٹھوس ہوں یا مائع' ان سب پر بیس فیصد زکوۃ عائد ہوتی ہے۔

جامعہ ازہر کے فتوے نے مستحقین کی معاشی مدد کیلئے ایک حدیث رسول کو بنیاد بنایا ہے مگر راقم الحروف کا خیال ہے کہ اقتصادی مسائل کے حل کی بنیادی روح خود قرآن کریم کے اندر موجود ہے اور حدیث مذکورہ و دیگر احادیث اسی بنیاد کی خوب صورت اور قابل عمل تعبیریں ہیں دراصل زمانہ نبوی کی اقتصادیات کی تشکیل جدید' انہی خطوط پر استوار ہوئی تھی۔

''واضح رہے کہ قومی آمدن کا بیس فیصد حصہ غرباء کے لئے مختص ہونا' خالصتاً ایک معروضی معاملہ ہے نہ کہ موضوعی گویا یہ ایک اطلاقی وانطباقی صورت ہے۔ مطلب یہ کہ یہ پرسنٹیج مستحقین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر مزید بڑھائی جا سکتی ہے۔ بالعموم شرح فیصد کا تعلق معروضی صورتحال سے وابستہ ہوتا ہے جن ملکوں میں جیسی غربت ہے وہاں اسی مناسبت سے پرسنٹیج مقرر کی جا سکتی ہے۔ (30 جون 2008ء)

(3) زوجین کے باہمی عقد میں ولی کی شرعی حیثیت کا مسئلہ بھی احناف اور اہلحدیث حضرات کے درمیان شروع سے حسب عنوان رہا ہے' اہلحدیث کا مستدل مشہور حدیث ہے لا نکاح الا بولی (8) یعنی بغیر اذن ولی کے نکاح جائز نہیں ہے۔ مگر سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک' بغیر اذن ولی کے بھی نکاح صحیح منعقد ہوجاتا ہے اور ان کا مستدل قرآن کریم کی متعدد آیات ہیں جن میں فقط ایک پیش کررہا ہوں (تفصیل کے طالبین میرا ایک مستقل مضمون ملاحظہ فرمائیں)(9)

فان طلقها لا فلاتحل له من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیره (البقره /۲۳۰)

پھر اگر وہ (شوہر) عورت کو (تیسری مرتبہ) طلاق دے دے تو بعد از طلاق وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں' یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔

اس طرح سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۶_۲۳۴_۲۴۰_النساء آیت ۱۹ میں بھی عورت کے حق نکاح کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے الغرض آیت مذکورہ بالا میں تنکح واحد مونث غائبہ کا صیغہ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ فاعل نکاح مرد نہیں بلکہ (مطلقہ) عورت ہے یہ لفظ عورت کے حق نکاح کو قانونی وشرعی جواز مہیا کررہا ہے۔ مگر واضح رہے کہ ان تمام آیات میں نکاح کرنے کی نسبت براہ راست ان عورتوں کی طرف کی گئی ہے جو پہلے نکاح شدہ ہیں مطلب یہ کہ یا تو وہ مطلقہ ہیں یا بیوہ ہیں البتہ باکرہ یعنی کنواریوں کی طرف یہ نسبت پورے قرآن مجید میں کہیں نہیں ملتی۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں خود کو مجبور پاتے ہیں کہ کنواریوں کے حق نکاح کو اجتہاداً تسلیم کیا جائے گا نہ کہ نصاً بہرحال اس مسئلے میں بھی امام ابوحنیفہ کی قرآن فہمی لائق داد وتحسین ہے۔

(4) ہم جنس پرستی کی سزا کے حد یا تعزیر ہونے پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ودیگر فقہا کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہم جنس پرستوں کی سزا تعزیر

بتاتے ہیں جبکہ دیگر فقہاء کے نزدیک ان کی سزا بھی زنا کی مانند حد ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو اس قدر سختی ہے کہ ان کے قول کے مطابق یہ فعل کرنے والا خواہ شادی شدہ ہو یا کنوارہ' اس کو سنگسار کردیا جائے گا۔ (10) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ودیگر فقہاء کا بھی یہی قول ہے (11) جبکہ قرآن کریم میں ہم جنس پرستی کی یہ سزا کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ اس لئے سزائے مذکورہ کے ساتھ اس جرم کو حد کے ذیل میں لانا قرآن کے ہی خلاف ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حد اور تعزیر میں فرق کو بیان کردیا جائے، از روئے لغت' حد کے اصلی معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں (محیط) اور العزر کے مادہ سے لفظ تعزیر کے بنیادی معنی بھی کسی کو روکنے اور منع کرنے کے ہیں بایں طور دونوں لفظوں میں معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے مگر اصطلاحاً دونوں میں بڑا فرق ہے تعزیر' غیر معین سزا کو کہتے ہیں جو مجرم کے ذاتی حالات اور قوم کے سیاسی واخلاقی حالات کے مطابق' عدالت یا حکومت کی طرف سے مقرر کی جاتی ہے جبکہ حد وہ سزا ہے جو شریعت میں معین ومقرر ہے اور اس میں کمی وبیشی نہیں ہوسکتی۔ بالفاظ دیگر تعزیری سزا خالصتاً اجتہادی معاملے سے طے پاتی ہے جبکہ حد کی سزا میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ تعزیر میں سفارش بھی کی جاسکتی ہے اور سزا میں تخفیف بھی کی جاسکتی ہے جبکہ حد میں ایسا نہیں ہوسکتا۔

بہرحال ہم جنس پرستی کی سزا معروف فقہی ذخیرے میں چونکہ از روئے قرآن معین ومقرر نہیں مانی جاتی اس لئے از روئے فقہ حنفی اس پر حد کا اطلاق نہیں ہوتا بنابریں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک تعزیر ہی ہے اور اس سے ان کی (اپنے عہد میں) قرآن فہمی یا ان کے منہج استدلال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے مگر یورپ وامریکہ میں بڑھتی ہوئی ہم جنس پرستی کے پیش نظر' بعض مسلمانوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اگر اسلامی شریعت' قیامت تک کے لئے ہے تو اس میں سحاقت وسدومیت کا بھی کوئی علاج ہونا چاہیے مگر روایتی

طور پر منتقل ہونے والے فقہی ذخیرے میں ہمیں اس کا ایسا جواب نہیں ملتا جسکا سرا قرآن کریم سے جاملتا ہو البتہ بنظر تعمق وتدبر دیکھا جائے تو قرآن کریم میں نہ صرف اس جرم کا ذکر ملتا ہے بلکہ اس کی سزا بھی موجود ہے ثبوت کے طور پر سورۃ النساء کی آیت نمبر 15' 16 دیکھی جاسکتی ہیں۔

والتی یاتین الفاحشة من نسآئکم فاستشھدوا علیھن اربعة منکم ج فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفھن الموت اویجعل اللہ لھن سبیلاO والذان یاتینھا منکم فاٰذوھما ج فان تابا واصلحا فاعرضوا عنھما ط ان اللہ کان توابا رحیماO (النساء /15'16)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی (سحاقت یعنی ہم جنس پرستی) کا ارتکاب کریں تو اپنوں میں سے کوئی چار گواہ ان کے خلاف پیش کرو پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں (یا جیلوں) میں بند کردو یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راہ نکال دے اور جو کوئی دو (مرد) تم میں سے اس کا (سدومیت یعنی ہم جنس پرستی کا) ارتکاب کریں تو ان کو اذیت دو پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنے آپ کو سنوار لیں تو ان سے اعراض کرو (یعنی معاف کردو) بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

عام طور پر ہمارے مترجمین ومفسرین نے ان دونوں آیتوں کو زنا کی آیات قرار دے کر منسوخ مانا ہے بعض نے آیت نمبر 15 میں موجود الفاحشہ کے لفظ کو مبادی زنا کے معنی میں لیکر تفسیر کی ہے اور آیت کو نسخ سے بچایا ہے لیکن ابو مسلم اصفہانی نے یہاں الفاحشہ سے مراد سحاقت (یعنی عورت کا عورت سے چپٹی کھیلنا) اور الذان سے مراد سدومیت (یعنی مرد کا مرد

سے اغلام بازی کرنا) کو مراد لیا ہے۔(12)

عصر حاضر کے تناظر میں اس مفہوم کے ساتھ یہ دونوں آیتیں بالکل برمحل اور تروتازہ معلوم ہوتی ہے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ قرآن سے استدلال کرنا ہی اصل میں امام ابوحنیفہ کا اولین طریق استدلال رہا ہے۔ اس لئے ان آیات کو از سر نو زیر غور لانے کی ضرورت ہے تاکہ ہر پہلو سے قرآن کا حسن جامعیت واضح اور نمایاں ہوسکے۔

(5) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وراثت کے احکام میں ذوی الفروض اور عصبات کو شامل کیا گیا ہے مگر ذوی الارحام کو یکسر نظر انداز کردیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں نانا اور بھانجے وغیرہ کسی حال میں بھی ورثہ نہیں پاسکتے کیونکہ ان ائمہ نے ذوی الارحام کو منسوخ سمجھ لیا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فہم قرآن کی روشنی میں یہ تینوں مراتب الگ الگ قائم رکھے ہیں یعنی ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام' کیونکہ ان تینوں کی تصریح قرآن مجید میں الگ الگ موجود ہے۔ مگر یہاں چونکہ زیر بحث مسئلہ میں ذوی الارحام کی میراث کا ذکر کرنا مقصود کلام ہے اس لئے فقط اسی موضوع کے حوالے آیت کریمہ پیش کی جاتی ہے۔

واولوالارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ (الانفال /۷۵)

اور قانون خداوندی کی رو سے رحمی رشتے ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔

واضح رہے کہ زروئے فقہ حنفی' اصحاب الفروض سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے حصص' قرآن مجید میں بیان کردیئے گئے ہیں اصحاب الفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد اگر ترکہ بچ رہے یا اصحاب الفرائض نہ ہوں تو پھر میت کا ترکہ عصبات کو چلا جاتا ہے (باپ کی طرف سے قریب ترین رشتہ داروں کو عصبات کہا جاتا ہے) اور عصبات نہ ہونے کی صورت میں ترکہ دوبارہ ذوی الفروض میں تقسیم کردیا جاتا ہے اور اگر ذوی الفروض اور عصبات دونوں نہ

ہوں تو پھر تمام ترکہ ذوی الاحارم میں تقسیم ہو جاتا ہے (ذوی الاحارم وہ ہیں جو ماں کی طرف سے میت کے قریب ترین رشتہ دار ہوں) جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ حکم غیر منسوخ ہے۔ بلکہ النساء آیت: ۳۲ کے مطابق ”**والذین عقدت ایمانکم**“ کو بھی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وراثت میں شامل کر رکھا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے متوفی کا کوئی عہد و پیان ہو چکا ہو البتہ عصبات اور ذوی الارحام ایسے لوگوں پر لازماً مقدم ہوں گے جن سے عہد و پیان ہوا ہے ہاں اگر عصبات وذوی الارحام نہ ہوں تو ”**والذین عقدت ایمانکم**“ کو متوفی کی وراثت ملے گی یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اسمیں دیگر ائمہ کے مقابلے میں زیادہ توسع پایا جاتا ہے اور کسی آیت کا نسخ بھی نہیں ہوتا اس لئے اس ضمن میں تعبیراتی اور تفسیراتی نیز اطلاقی وانطباقی اختلافات کے باوجود، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اقرب الی القرآن معلوم ہوتے ہیں یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ”**والذین عقدت ایمانکم**“ اور اوصیاء کو ایک نہ سمجھا جائے یہ دونوں الگ الگ افراد ہیں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اولوالقربیٰ، دور کے رشتہ داروں کو جبکہ اقربون، قریب ترین رشتہ داروں کو کہتے ہیں میراث کے احکام میں اس امر کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

6) امام ابوحنیفہ کے نزدیک پانی کی عدم دستیابی یا حالت سفری و بیماری میں، تیمم بجائے خود، وضو اور غسل، دونوں کے قائم مقام ہو جاتا ہے کیونکہ یہی حکم قرآنی ہے البتہ امام ابوحنیفہ کے مسلک میں ایک تیمم سے کئی وقت کی نمازیں اسی طرح پڑھی جاسکتی ہیں جس طرح وضو میں پڑھی جاتی ہیں ان کا استدلال ہے کہ وضو اور تیمم دونوں اپنے حکم و اثر میں یکساں ہیں جس طرح ہر نماز کے لئے کسی تازہ وضو کی ضرورت، فرض نہیں ہے اسی طرح تازہ تیمم کی بھی ضرورت نہیں ہے برخلاف امام مالک وامام شافعی کے۔۔۔ ان ہر دو اصحاب کے نزدیک، ہر نماز کے لئے تیمم کا اعادہ ضروری ہے (تاہم یہ ذہن نشین رہے کہ جن لوگوں کے مذہب میں، ایک وضو سے کئی نمازیں ادا نہیں ہوسکتیں وہ

تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں) مگر چونکہ امام مالک وشافعی کا مذہب یہ نہیں ہے وہ وضو کے ساتھ متعدد نمازوں کے قائل ہیں مگر تیمم کے ساتھ قائل نہیں ہیں وضو اور تیمم کے درمیان یہ تفریق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

بہر حال اس کی تفصیل، سورۃ النساء آیت 43 اور سورۃ المائدہ آیت 6 میں دیکھی جاسکتی ہے اور اس کی روشنی میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول مختار سے ان کی قرآن فہمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ذیل میں ان آیات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جن سے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کی قوت کا پتہ چلتا ہے۔

اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ، یہاں تک کہ تم وہ بات سمجھنے لگو، جو کہتے ہو، اور نہ حالت جنابت میں (نماز کے قریب جاؤ) تا آنکہ تم غسل کرلو، سوائے اس کے کہ تم سفر میں راستہ طے کر رہے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے لوٹے یا تم نے (اپنی) عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تم پانی نہ پا سکو تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، بس اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کرلیا کرو (النساء 43)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لو۔ اپنے سروں کا مسح کرو (پھر) اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (نہا کر) خوب پاک ہو جاؤ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت سے (فارغ ہو کر) آیا ہو یا تم نے عورتوں سے قربت (مجامعت) کی ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو (اندریں صورت) پاک مٹی سے تیمم کرلیا کرو پس (تیمم یہ ہے کہ) اس (پاک مٹی) سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو۔ (المائدہ 6)

ان دونوں آیات میں وضو و تیمم کو یکساں مطہر قرار دیا گیا ہے بس ان کے حکم واثر کو الگ کرنا، قرآن کے مطابق نہیں ہے اسی لئے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں کو یکساں قرار دیتے ہیں اور یہی موقف درست ہے۔

7) حالت جنگ وقتال میں نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بالفعل قتال کے وقت بھی نماز ادا کرنے کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک' عین حالت جنگ میں نماز ادا نہیں کی جائے گی اور یہی بات قرآن کریم سے بھی مستنبط ہے واضح رہے کہ کسی کا عین حالت جنگ میں ہونا اور میدان جنگ میں ہونا' دو الگ الگ صورتیں ہیں عین حالت جنگ' بالفعل قتال کی صورت ہے اس موقع پر نماز کی ادائیگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ بہت آسانی سے آپ کا صفایا کر دیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا' پاگل پن کے سوا کچھ نہیں اور یہ صورت عقلاً کسی بھی مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ وہ حالت ہے جس میں جماعت کا قیام ممکن نہیں ہوسکتا اور خدانخواستہ اگر یہ ممکن واقع ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ جماعت میں شامل افراد کے لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ اپنی ظاہری سچائی کے ساتھ عمل کی صورت اختیار کرلے گا یعنی پھر:

ع نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

البتہ میدان جنگ میں' حالت احصاری میں نماز پڑھنی ممکن ہے کیونکہ ابھی قتال شروع نہیں ہوا اس لئے اس نماز کی ترکیب وتفصیل' النساء آیت 102 میں آگئی ہے اور یہ وہ نماز ہے جو غزوہ ذات الرقاع میں آنحضرت ﷺ سے بھی ثابت ہے یہ نماز قرآن کی اس آیت کے مطابق ادا کی گئی۔

واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوۃ فلتقم طآئفۃ منھم معک ولیاخذوآ اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورآئکم ولتات طآئفۃ اخری لم یصلوا فلیصلوا معک

ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم ج ودالذین کفروالو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ ط (النساء 102)

اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور آپ (میدان جنگ میں) نماز کے لئے کھڑے ہوں تو مسلمانوں کا ایک گروہ (لشکر) آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو اور یہ لوگ اپنے ہتھیاروں سے مسلح رہیں اور جب وہ سجدہ کرلیں تو پیچھے چلے جائیں اور مسلمانوں کا دوسرا گروہ (لشکر) جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی وہ آپ کے ساتھ (دوسری رکعت) نماز پڑھے اور وہ لوگ بھی مسلح رہیں کافر یہ چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے اسلحے اور ساز وسامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ یکبارگی ٹوٹ کر تم پر حملہ کردیں۔

اسلحہ سے غفلت کو یہاں کفار کے حملے کا سبب قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں میدان جنگ کی نماز کا بیان ہے نہ کہ حالت جنگ کی نماز کا بیان۔۔۔ اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جو اس آیت کے عین مطابق ہے اس مسئلہ میں امام صاحب کی قرآن فہمی بالکل واضح ہے۔

8) سورۃ المائدہ آیت 106 کے حوالے سے ہمارے مفسرین نے بالعموم یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ بوقت موت اگر' آدمی حالت مسافرت میں ہو تو وہ اپنے مال متروکہ کی وصیت کا گواہ' غیر مسلموں کو بھی بنا سکتا ہے جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

"اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور سفر میں ہی اس کو موت کا مرحلہ پیش آجاتا ہے اور گواہ بنانے کے لئے اسے دو مسلمان نہیں مل رہے ہیں تو بدرجہ مجبوری' غیر مسلموں ہی میں دو آدمیوں کو

گواہ بنا سکتا ہے(13) جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے برعکس ہے یعنی وہ غیر مسلمانوں کو گواہ بنانے کے قائل نہیں۔اس آیت کریمہ کو بنظر غائر دیکھنے کے بعد ہمیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن فہمی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جن مفسرین نے مسلمانوں کی حالت سفری میں کی گئی وصیت کے لئے غیر مسلمانوں کو بطور گواہ کے مانا ہے اسے ہم ان کے اجتہادی استدلال پر محمول کرسکتے ہیں بہرحال اس مسئلہ میں ابوحنیفہ کے فہم قرآن کو سمجھنے کے لئے آیت کا سمجھنا بہت ضروری ہے تاکہ حقیقت کا ادراک ہو سکے ذیل میں ہم آیت پیش کر رہے ہیں:

یآیھاالذین امنوا شھادۃ بینکم اذاحضراحدکم الموت
حین الوصیۃ اثنٰن ذواعدل منکم اواخران من غیرکم ان
انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت ط
تحبسونھما من بعدالصلوۃ فیقسمن باللہ ان ارتبتم
لانشتری بہ ثمناولوکان ذاقربیٰ لا ولانکتم شھادۃ اللہ
انااذالمن الاثمین(المائدہ106)

اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخصوں کا گواہ ہونا ضروری ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ انصاف پسند ہوں خواہ تم میں سے کوئی ہوں یا تمہارے غیر ہوں اگر تم کسی سفر میں ہو اور وقت اجل آن پہنچے پھر (اے فیصلہ کرنے والو!) اگر تمہیں شک ہو تو ان دونوں (گواہوں) کو نماز کے بعد روک لو تاآنکہ وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے اگرچہ کوئی قرابت دار بھی ہو اور یہ کہ ہم حق (یعنی وصیت کو) ہرگز نہ چھپائیں

گے ورنہ ہم گنہگاروں میں ہونگے۔

اس آیت میں وجہ اختلاف یہ ہے کہ آیت میں منکم کے مقابلے میں غیرکم سے مراد، غیر مسلموں کو لے لیا گیا ہے اس تعبیری اختلاف کے باعث' یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہو گیا ہے بظاہر یہ تعبیر' بین المذاہب تناظر میں انتہائی خوش کن اور روشن خیالی کی نمائندہ معلوم ہوتی ہے مگر آیت کا مکمل متن' سامنے رکھا جائے تو استدلال کی کمزوری بھی واضح ہو جاتی ہے نظم عبارت اور تعریف آیات کے اصول پر جو امور قابل توجہ ہیں وہ یہ ہیں۔

i) تمہارے غیر' سے مراد موصی (وصیت کرنے والے) کے غیر مذہب لوگ کیسے فرض کئے جا سکتے ہیں؟ کیا قرآن مجید میں مسلمان فاسقوں کی گواہی کو قبول کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے؟ سورۃ النور آیت 4)

ii) کیا ذواعدل کی قید نے خود مسلمانوں میں بھی تخصیص نہیں پیدا کردی ہے؟

اس لئے تمہارے غیر سے مراد' بجائے غیر مسلموں کے موصی کے غیر قرابت دار بھی ہو سکتے ہیں جن کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے نہ صرف مسلمان بلکہ معتبر' سچا اور انصاف پسند ہونا بھی ضروری ہے وگرنہ مسلمان فاسقوں' کی گواہی میں کیا عیب تھا کہ جن کی گواہی کو قبول کرنے سے روکا گیا ہے الا یہ کہ وہ توبہ اور اصلاح عمل سے گزر جائیں (سورۃ نور آیت 5)

iii) مزید یہ کہ اخران من غیرکم (تمہارے غیر) سے مراد اگر غیر مسلم ہوتے تو آیت میں آگے چل کر من بعد الصلوۃ کے الفاظ کیوں لائے جاتے؟ یعنی ان گواہوں کو نماز کے بعد روکنے کی ہدایت کیوں ہوتی؟ نماز کے بعد روکنے کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہے کہ وہ گواہان نماز میں شامل ہیں جبھی تو انہیں روکنے کا حکم دیا گیا ہے اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو انہیں بلانے یا بلوانے کا حکم دیا جاتا نہ کہ روکنے کا۔

اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ مسئلہ زیر بحث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف' قرآن کریم

کے مقصود ومنشاء کو بہ تمام وکمال پورا کر رہا ہے۔۔۔۔واضح رہے کہ دوسرے مالی معاملات کی طرح وصیت میں بھی دو گواہ ضروری ہیں ایک گواہ کافی نہیں ہے جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک گواہ بھی کافی ہے ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں "ایک ہو' تب بھی مضائقہ نہیں" حالانکہ یہ نص کے ہی خلاف ہے۔۔۔ان کے قول کی تائید قرآنی الفاظ سے نہیں ہوتی آیت میں "اثنان" موجود ہے جو فقط ایک گواہ کی قبولیت کے لئے کفایت نہیں کرتا۔

9) **قـــراءة خلف الامام'** احناف اور اہلحدیث کے مابین ایک ایسا مابہ النزاع امر ہے جو شروع سے چلا آرہا ہے اہلحدیث اپنے حق میں حدیثی دلائل رکھتے ہیں جبکہ احناف کے پاس بنیادی طور پر قرآن مجید کی دلیل ہے جسے وہ حدیث کے مقابلے پر شدومد سے پیش کرتے ہیں ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کے درمیان جب بھی تعارض ہوگا تو ہر مسلمان' قرآن کو ہی ترجیح دے گا، اہلحدیث کا کہنا ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا **لاصلوة لمن لم یقرء بفاتحه الکتاب** (بخاری ومسلم) اس شخص کی نماز نہیں' جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔ ہمیں اس حدیث کی قبولیت پر کلام نہیں۔ مگر ہماری تطبیق رائے یہ ہے کہ یہ اس نماز کے لئے ہے جو انفرادی طور پر ادا کی جائے نہ کہ جماعت کے ساتھ' وگرنہ قرآن کا تخالف لازم آئے گا جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔

واذا قرى القرآن فاستمعو الـه وانصتوا لعكم ترحمون (الاعراف. 204)

جب قرآن پڑھا جائے تو نہایت توجہ سے سنو اور خاموشی اختیار کئے رکھو۔ اس امید پر کہ تم پر رحم کیا جائے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب' اس قرآنی حکم کو عموم میں داخل کرتے ہیں اور یہ

مفہوم اخذ کرنے میں بجا طور پر' حق بجانب نظر آتے ہیں کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے گا خواہ نماز میں یا غیر نماز میں۔۔۔ ہر دو صورتوں میں اسے توجہ سے سنا اور خاموش رہا جائے گا مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ تعمیل ارشاد کے لئے قرآن کا با آواز بلند پڑھا جانا بھی تو ضروری ہے تا کہ قرائت' جہری کی سماعت ہمہ تن گوش ممکن ہو سکے البتہ قرائت سری میں امام کی قرائت کو' مقتدی کی قرائت قرار دینا' اور مقتدی کا جماعت میں شمولیت کے وقت خود کچھ نہ پڑھنا' کم از کم' اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ (اس لئے ہم امام ابن تیمیہ ؒ کے اس فتویٰ سے متفق ہیں کہ اگر مقتدی' امام کی قرائت سن رہا ہو (یعنی آواز اس تک پہنچ رہی ہو) تو وہ خود کوئی قرائت نہ کرے' تا کہ قرآن کا تخالف لازم نہ آئے اور اگر نہ سن رہا ہو تو ضرور پڑھے)۔(14)

بعض علماء نے قرات جہری کی طرح' قرآن کی سماعت اور انصات کو' امام کی قرائت سری پر بھی محمول کیا ہے' اور اس کے حق میں یہ دلیل دی ہے کہ قرآن مجید میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے 1۔ سننے کا 2۔ خاموش رہنے کا' پس جب امام با آواز قرائت نہ کرے یعنی مقتدی کے لئے اس کا سننا' ممکن نہ ہو تو اس کے لئے خاموش رہنا البتہ ممکن ہے اس لئے وہ خاموش رہے (15) مگر یہ استدلال اس وقت قابل قبول ہو سکتا تھا جب آیت کریمہ یوں ہوتی **اذا قری القرآن فی الصلوة فاستمعو اله وانصتو**۔۔۔۔قرآن کے عموم کو اس طرح مخصوص کرنا' صحیح استدلال نہیں ہے اس لئے فقط قرآن کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کی اصابت' جہاں تک قابل قبول اور لائق شمول ہو سکتی تھی اسے ہم نے نہ صرف قبول کیا ہے بلکہ اسے ان کی قرآن فہمی کی دلیل بھی سمجھا ہے۔

10) عورت کے چہرے کا پردہ' آج کے مذہبی لوگوں میں نہایت شدت سے رائج ہے ان کی شدت بتاتی ہے کہ وہ اسے عین اسلام سمجھتے ہیں متعدد (تفسیروں میں) یہ مسئلہ اسی طرح مرقوم ہے مثلاً مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے حوالے سے **ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا** کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔

''ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ ماظھر کے معنی' مایظھر عربی کے کس قاعدے سے ہو سکتے ہیں ظاہر ہونے' اور ظاہر کرنے میں کھلا ہوا فرق ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن صریح طور پر ظاہر کرنے' سے روک کر ظاہر ہونے' کے معاملے میں رخصت دے رہا ہے۔
اس رخصت کو ظاہر کرنے' کی حد تک وسیع کرنا قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان روایات کے بھی خلاف' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں حکم حجاب آجانے کے بعد عورتیں کھلے منہ نہیں پھرتی تھیں اور حکم حجاب میں منہ کا پردہ شامل تھا اور احرام کے سوا' دوسری تمام حالتوں میں نقاب کو عورتوں کے لباس کا ایک جز بنا دیا گیا تھا پھر اس سے بھی زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ اس رخصت کے حق میں دلیل کے طور پر یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ منہ اور ہاتھ' عورت کے ستر میں داخل نہیں ہیں حالانکہ ستر اور حجاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے(16)
اس تفسیر سے ظاہر کیا گیا ہے کہ عورت کا چہرہ اور اس کے ہاتھ پاؤں' اس حکم میں نہیں آتے لہذا اسے چھپانا ضروری ہے گو وہ ستر میں شامل تو نہیں' مگر حجاب میں ضرور داخل ہیں' کچھ اس طرح کی تفسیر' مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ نے بھی کی ہے۔

''زینت کے معنی' آرائش اور زیبائش کے ہیں خواہ وہ خلقی اور قدرتی ہو' جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھوں اور ہتھیلیاں یا مصنوعی اور اختیاری ہو' جیسے پوشاک اور زیور' یہ سب چیزیں زینت ظاہرہ یعنی الاما ظھر منھا میں داخل ہیں جن کا اظہار سوائے محارم کے کسی کے سامنے جائز نہیں ہے۔(17)

آپ نے اوپر دو تفسیروں کے اقتباسات ملاحظہ کیجئے' ان تفسیروں کی رو سے ثابت کیا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کو' غیر محرموں کے سامنے' چہرہ اور ہاتھ پاؤں کھولنے کی اجازت نہیں ہے اور بالفرض وہ اگر کھول بھی لے تو ان اعضاء کی طرف سے مردوں کا دیکھنا بہر حال حرام ہی ہے۔۔۔ جبکہ اماا عظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا قول' ان تفسیری

مفاہیم کے برعکس ہے ان کا کہنا ہے کہ الاماظھر منھا سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں کیونکہ سرمہ' چہرے کی اور خضاب اور انگوٹھی' ہتھیلیوں کی زینت ہیں (احکام القرآن) اور ہمیں یہی تفسیر' خود آیت کے سیاق و سباق اور تعریف آیات کی رو سے درست معلوم ہوتی ہے اس کے حق میں دلائل جاننے کے بعد ہی' آپ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن فہمی کا اندازہ ہو سکے گا اس سلسلے میں راقم الحروف اپنے ایک مضمون سے چند قرآنی دلائل درج کر رہا ہے ملاحظہ کیجئے۔

پہلی دلیل:

قل للمومنین یغضو امن ابصارھم و یحفظوا فروجھم. (النور30)

آپ مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ (نامحرم عورتوں کی طرف) دیکھنے میں کچھ کمی کریں۔ (یعنی اپنی نگاہوں میں حیا اور ادب پیدا کریں) اور ان مقامات کی حفاظت کریں جو محل خطرات ہیں۔

اس آیت میں مردوں کو غض بصر کا حکم دیا گیا یہ حکم اس وقت قابل فہم ہو سکتا ہے کہ جب عورتوں کے چہرے کھلے ہوں اگر چہرے ملفوف ہوں تو مردوں کو غض بصر کا حکم دینا بے معنی ہوگا۔

دوسری دلیل:

قل للمومنت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن(النور31)

آپ مومن عورتوں سے فرما دیجئے (کہ نامحرم مردوں کی طرف) دیکھنے میں کچھ کمی کریں (یعنی اپنی نگاہوں میں حیاء اور ادب پیدا کریں) اور ان جگہوں کی حفاظت کریں جو محل خطرات ہیں۔

اس آیت میں عورتوں کو بھی وہی حکم دیا گیا ہے کہ جو اوپر کی آیت میں مردوں کو دیا گیا

ہے گویا غض ابصار اور حفظ فروج کا حکم دوطرفہ ہے یکطرفہ نہیں ہے اس لئے ان قرآنی فقرات سے فقط عورت کے چہرے کا پردہ کسی صورت بھی مستنبط نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ پردے کا حکم دوطرفہ ہو یعنی مرد حضرات بھی اپنے چہروں کو چھپائیں اور یہ محال ہے۔

تیسری دلیل:

ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا (النور 31)

اور (عورتوں کو چاہئے کہ وہ) اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے، جو آپ سے آپ ظاہر ہو۔

یہاں زینت کا مفہوم سوائے عورتوں کی آرائش وزیبائش کے کچھ اور نہیں ہوسکتا ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس فقرہ کا ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے "اور اپنی آرائش وزیبائش کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے (اسی حصے) کے جو اس میں سے خود ظاہر ہوتا ہے" تفسیر روح المعانی میں الا ماظھر منھا کے تحت لکھا گیا ہے۔

ای الا ماجرت العادة والجبلة على ظهوره والاصل فيه الظهور كالخاتم والفتخة والكحل والخضاب فلامواخذة فى ابدائه للاجانب وانما المواخذة فى ابداء ماخفى من الزينة كا سوار والخلخال والا ملج والقلادة والا كليل والو شاح والقرط (18)

یعنی سوائے اس کے جو عادۃً وطبعاً کھلا رہتا ہے اور کھلا رہنا بھی اس کی اصل ہے جیسے انگوٹھی، چھلا، سرمہ اور مہندی، جیسے نامحرموں کے سامنے ظاہر کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں، البتہ چھپائی جانے والی زینتوں کے ظاہر کرنے پر مواخذہ ہے مثلاً کڑے اور جھانجھر، بازو، گلوبند، ہار، مرصع پٹکا یا مالا اور بالیاں وغیرہ۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں **ماظھر منھا** کے معنی قفال سے یہی نقل کئے ہیں **الا ما یظھر الانسان فی العادة الجاریة** یعنی جسے انسان عادۃً اور طبعاً ظاہر کرتا ہے (یعنی چہرہ ہاتھ اور پاؤں) اور کشاف میں بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے اس مفہوم کے پیش نظر اس بات پر اجماع ہوا ہے کہ ہر نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کے وقت ستر عورت کرے، اور عورت کے لئے ضروری ہے کہ اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھے، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا چہرہ ستر عورت میں شامل نہیں۔ اور جو چیز ستر عورت میں شامل نہیں اسے ظاہر کرنے میں کیا اعتراض کیا جاسکتا ہے؟

چوتھی دلیل:

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن (النور 31)

اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ (اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے) دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر (بھی) ڈال لیں۔

اگر اسلام میں چہرہ کا پردہ ہوتا تو فقرہ یوں ہوتا۔ **ولیضربن بخمرھن علی وجوھھن** یعنی بجائے **جیوبھن** کے **وجوھھن** ہوتا جس سے بات بالکل واضح ہوجاتی کہ چہرہ بھی چھپانا ہے مگر اس فقرہ نے بات بالکل صاف کردی کہ اسلام عورتوں کے سینوں کو چھپا ہوا دیکھنا چاہتا ہے نہ کہ ان کے چہرے کو۔

پانچویں دلیل:

یایھا النبی قل لازواجک وبنتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلا بیبھن ذلک ادنیٰ ان یعرفن فلایو ذین (الاحزاب۔59)

اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ (گھر سے باہر نکلتے وقت) اپنی چادروں کا ایک حصہ

اپنے سروں پر بھی لے لیا کریں اور یہ چادر لینا اس امر کے قریب ہے
کہ اس طرح ان کی پہچان ہو جائے گی اور وہ (عدم معرفت کی)
اذیت سے بچ جائیں گی اور وہ ایذاء نہیں دی جائیں گی۔

اس آیت سے چہرے کے پردے کے حق میں استدلال کیا جاتا ہے مگر آیت میں اس کے برعکس استدلال کا لوازمہ موجود ہے یدنین علیھن میں چادروں کا سروں سے اوپر لینے کا حکم اس امر کو مستلزم ہے کہ اس سے چہرہ بھی چھپایا جائے گا جبکہ ذلک ادنیٰ ان یعرفن کے فقرہ میں عورت کی شناخت کا قرینہ واضح طور پر موجود ہے اور کسی عورت کی پہچان اور معرفت، چہرے کو چھپا کر کیسے ممکن ہو؟

بعض علماء نے من جلابیبھن میں من کو تبعیضیۃ قرار دیکر گھونگھٹ نکالنے کا مفہوم اخذ کیا ہے ہمارے نزدیک یہ مفہوم تعریف آیات کے اصول کے تحت، خلاف واقعہ ہے اگر من تبعیضیۃ سے چہرہ ڈھانپنا مراد لیا جائے تو ان یعرفن کا لفظ بے محل ہو جائے گا اور ویسے بھی قرآن کی دیگر آیات سے بالعموم چہرے کے کھلے ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

طوالت سے بچنے کے لئے فقط انہی پانچ دلائل پر اکتفاء ہے تفصیل کے طالبین راقم کا مضمون مطالعہ فرمائیں (19)

ان آیات کی روشنی میں، ہمیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مطابق قرآن اور عین حق وصواب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قرآنی بصیرت کا بھی خوب خوب اندازہ ہوتا ہے۔

11) قرآن مجید کا زبرالاولین یعنی گذشتہ صحیفوں میں مذکور ہونا (خواہ عقائد کے پہلو سے یا بعض احکام کے پہلو سے یا حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی پیش گوئی کے پہلو سے) خود قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔

وانہ لفی زبرالاولین (الشعراء 196)

"بے شک قرآن، اولین کتابوں میں مذکور ہے"

حالانکہ قرآن ان اگلی کتابوں میں بعینہ عربی زبان میں نہیں تھا اس لئے کم از کم لفظی طور پر، قرآن کا اطلاق، غیر عربی قرآن پر بھی اس آیت کی رو سے صحیح وصادق آئے گا البتہ یہ اطلاق حقیقتاً نہیں، مجازاً تسلیم کیا جائے گا اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں فارسی ترجمہ قرآن کو خود قرآن کا قائم مقام (یعنی مجازاً قرآن) قرار دیا تھا لیکن محققین کے بیان کے مطابق، بعد میں امام صاحب نے رجوع کر لیا تھا (تفسیر روح المعانی وتفسیرات احمدی، بحوالہ تفسیر ماجدی) بحیثیت مجموعی آیت کا مفاد، قرآن مجید کے مضامین عقائد اور بعض مضامین احکام وغیرہ، انبیاء ماسبق کے صحیفوں میں مذکور ہونے پر مشتمل ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی لغت کو دیگر لغات پر، مثلاً فارسی، ترکی اور ہندی وغیرہ پر بھی لفظاً قرآن کا اطلاق کیا تھا اور بہ زبان فارسی، نماز پڑھنے کا جواز پیش کیا تھا گو جس سے بعد میں، انتشار امت کے خوف سے، رجوع بھی کر لیا تھا۔

اس بحث میں اگر درج ذیل آیت بھی پیش نظر رہے تو نفس مسئلہ زیادہ واضح ہو جائے گا۔

ولو جعلناہ قرآناً اعجمیا لقالوا لولا فصلت ایتہ (حم السجدہ 44)

مولانا غلام رسول سعیدی کے بقول "یہ آیت اس معنی کو مستلزم ہے کہ اگر یہ قرآن عجمی زبان میں ہوتا، تب بھی اس کا نام قرآن ہی ہوتا" (20)

یہیں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہمیں قرآن اور القرآن میں فرق کرنا پڑے گا لفظ قرآن، نکرہ ہے جبکہ القرآن معرفہ اس لئے قرآن عربی، جس کے الفاظ منزل من اللہ ہیں اس پر القرآن کا اطلاق ہوگا اور وہ اپنی اس خصوصیت میں ہمیشہ ممتاز اور منفرد رہے گا جبکہ کسی بھی زبان میں، ترجمہ قرآن، چونکہ منزل من اللہ نہیں ہوتا اس لئے اس پر الف لام تعریفی کے بغیر فقط لفظاً قرآن کا اطلاق تو ہو سکتا ہے اور وہ بھی بطور مجاز نہ کہ بطور حقیقت، شاید اسی لئے امام

اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کو کسی بھی لغت میں بالخصوص فارسی میں نماز پڑھنے کو (ابتداء) جائز قرار دیا تھا اور یہ جواز یقیناً اس بنیاد پر تھا کہ اس طرح قرآن کو سمجھا جا سکے گا کیونکہ نماز صرف پڑھنے والی چیز نہیں بلکہ قائم کرنے والی چیز ہے اور اس لئے پورے قرآن میں کہیں بھی اقراو الصلوۃ کے الفاظ نہیں آتے یعنی نماز پڑھو بلکہ اقیمو الصلوۃ کے الفاظ آتے ہیں یعنی نماز قائم کرو کسی بھی پڑھی لکھی چیز کو قائم کرنے کے لئے اس کا سمجھنا کتنا ضروری ہے آج دوران ایام نے اس مسئلہ کی شدت اور ضرورت کو روز روشن کی طرح نمایاں کردیا ہے اس لئے ہم اس رجوع مسئلہ کو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن فہمی، قرآن مجید سے ان کی گہری وابستگی اور ان کی نیک نیتی پر محمول کرتے ہیں ان کی فکر کی صحت و اصابت کو درج ذیل، آیت کریمہ کی رو سے باوجود ان کی رجعت کے آج بھی صحیح سمجھتے ہیں۔

یایھا الذین امنوا لاتقربو االصلوۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ماتقولون (النساء 43)

''اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ جو کچھ (پڑھتے ہو) اسے سمجھنے لگو۔

حتیٰ تعلموا ماتقولون' سے حکم نماز کی علت غائی کا پتہ چلتا ہے کہ نماز، صرف الفاظ قرآن کے پڑھنے سے عبارت نہیں ہے جب تک کہ اپنے پڑھے لکھے کو سمجھا نہ جائے اور یہ جو خالص حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے اس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہوتی ہے کہ نماز میں قرآن کا سمجھنا کتنا ضروری ہے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو نماز کے دوران پڑھی جانے والی آیات اور سورتوں کے معنیٰ و مفہوم، یقینی طور پر معلوم ہونے چاہئیں۔۔۔ جو لوگ بغیر معنی و مفہوم کے نمازیں پڑھتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح حتی تعلمو اما تقولون کے زمرے میں ہی آتے ہیں یہی تھی وہ بات جس کی وجہ سے

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی اور دیگر لغات میں قرآن پڑھنے بالخصوص نماز میں پڑھنے کا جواز پیش کیا تھا۔۔۔ آخر ایسی صلوٰۃ سے امت مسلمہ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا جسے وہ سمجھنے سے قاصر ہو گو ابوحنیفہؒ نے عموم بلویٰ کے پیش نظر اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا مگر آج وقت اور تاریخ نے بتادیا ہے کہ دنیا کی اکثر زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم، امام ابوحنیفہ کے اس قول رجوع کی صحت و اصابت کی، صدائے بازگشت ہیں۔۔۔۔ چلو نماز میں نہ سہی خارج از نماز ہی سہی، بہرحال لوگوں کو اپنی اپنی لغات میں قرآن کو پڑھتے رہنا چاہئے تاکہ القرآن کو سمجھا جا سکے کیونکہ اب روئے زمین پر یہ واحد کتاب ہے جسے قیامت تک مکمل کتاب ہدایت ہونے کا شرف و اعزاز حاصل ہے۔

12) گواہان نکاح کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قدرے توسع پایا جاتا ہے برخلاف دیگر ائمہ کے، بالخصوص امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ان حضرات کے نزدیک، نکاح کے گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں، ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں بھی گواہ ہوسکتی ہیں (مگر راقم کے نزدیک فقط دو عورتیں بھی گواہی کے لئے کافی ہیں (اگرچہ ان کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو، یہ مقالہ نگار کا ذاتی خیال ہے احناف کے نقطہ نظر کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے) اور اس کی دلیل یہ آیت گرامی ہے۔

فاذا بلغن اجلھن فامسکو ھن، بمعروف اوفارقوھن بمعروف واشھدو ذوی عدل منکم (الطلاق/2)

پس جب وہ اپنے مقررہ وقت کو پہنچنے لگیں تو انہیں دل پسند طریقے سے روک لو یا اچھے طریقے سے الگ کردو (ہاں! اپنے رجوع کے اس عمل میں) دو صاحب عدل افراد کو گواہ کرلو۔

اس آیت میں طلاق اور مراجعت ہر دو کی شہادت کا ذکر ہے، اسلوب آیت، اس قدر جامع

ہے کہ وہ طلاق و مراجعت دونوں پر بیک وقت حاوی ہے کیونکہ یہاں دونوں کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے اس لئے اس حکم کو صرف مراجعت یا صرف طلاق پر محمول کرنا درست نہیں ہے یہ بیک وقت دونوں پر محمول ہوگا۔۔۔آیت میں موجود صیغہ تذکیر سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ صیغہ بالعموم علیٰ سبیل التغلیب استعمال ہوتا ہے اور مراد مرد و عورت دونوں ہوتے ہیں ذوی عدل منکم' سے کوئی بھی دو صاحب اعتبار مسلمان مراد ہو سکتے ہیں جس میں مرد و عورت کی کوئی تفریق نہیں ہے البتہ یہ پہلو پیش نظر رہے کہ مردوں کا گواہ بننا فقط ہمارا عرف ہے نہ کہ شریعت۔

بہرحال اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بمقابلہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقرب الی القرآن معلوم ہوتے ہیں تنقیح بیان کے طور پر مزید عرض ہے کہ مراجعت پر دو گواہوں کا بیان' اس امر کو مستلزم ہے کہ اصلاً نکاح میں بھی دو گواہوں کا ہونا' اس طرح ضروری ہے ورنہ مراجعت پر گواہی کی کیا ضرورت تھی؟ جسے اتنے اہتمام سے بیان کیا گیا۔۔۔ سچ کہا ہے کسی نے۔

جمیع العلم فی القرآن لکن　　تقاصر عنه افهام الرجال

''تمام علوم قرآن میں موجود ہیں مگر لوگ اس کے فہم سے قاصر ہیں اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سچ کہا ہے''۔

نگاہ تیری فرد و مایہ ہاتھ ہے کوتاہ
ترا گناہ کہ نخیل بلند کا ہے گناہ

اختتام مضمون میں اس امر کا اظہار کرنا چاہوں گا کہ پوری فقہ اسلامی کو اپنی فکری اور فقہی اساس کے ساتھ از سر نو تشکیل دینا وقت کی اہم اور شدید ضرورت ہے کیونکہ بدقسمتی سے مادہ پرستی کے غلبہ نے لوگوں میں شریعت کی بجائے تشرع (قانون کی لفظی پیروی) کا نقطہ نگاہ پیدا کر دیا ہے جس کے سبب علم فقہ روایتی طور پر قرآن مجید کا بدل بنکر رہ گیا ہے اور روح

قرآنی کے فقدان سے اب ایسے مسائل حیات نے جنم لے لیا ہے جس کا جواب میرے خیال میں اب فقہی اجتہاد سے بھی ممکن نہیں رہا اس کے لئے ارباب علم و دانش کو پہلے فکری اجتہاد کرنا پڑے گا بعد میں فقہی میرے نزدیک سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید' جمود سے نہیں تحرک سے عبارت ہے اور یہ تحریک ہی فکری و فقہی ہر دو اجتہاد کی بنیاد بنے گا۔

یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لاالہ الا اللہ

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)



حواشی وحوالہ جات

1) الجامع لاحکام القرآن' جلد دوم ص 246 ' المغنی جلد ہشتم ص 214 ' بحوالہ تبیان القرآن جلد اول ص 685 ' مولانا غلام رسول سعیدی' ناشر فرید بک اسٹال اردو بازار لاہور طبع سوم 1999ء

2) عرفان صدیقی، نقش خیال بعنوان تہران' روزنامہ جنگ کراچی 31 مئی 2009ء

3) تدبر قرآن پر ایک نظر' ص 59 ' دار التذکیر' رحمٰن مارکیٹ' اردو بازار لاہور 2007ء

4) یہ احادیث درج ذیل کتب میں وارد ہوئی ہیں صحیح بخاری' جلد اول' رقم الحدیث 111 ' جلد چہارم' رقم الحدیث' 3047 ' جلد ہشتم رقم الحدیث 6903 ' سنن ترمذی' جلد سوم' رقم الحدیث 1417 ' سنن نسائی' رقم الحدیث 5758 ' سنن ابن ماجہ' جلد دوم رقم الحدیث 2658 ' مسند احمد جلد اول رقم الحدیث 993 ' 991 (بحوالہ تبیان القرآن)

5) تدبر قرآن' جلد ہفتم' ص 501 ' فاران فاونڈیشن لاہور 1988ء

6) شرح صحیح مسلم' جلد چہارم ص 677 فرید بک اسٹال اردو بازار لاہور 1998ء

7) ضیاء القرآن جلد چہارم ص 55 ضیاء القرآن پبلی کیشنز' گنج بخش روڈ لاہور 1399ء

8) جامع الترمذی' کتاب النکاح' باب ماجاء لانکاح الا بولی

9) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور مئی 1997ء بعنوان ولی نکاح کی شرعی حیثیت

10) کتاب الام' جلد ہفتم ص 83 تبیان القرآن جلد دوم ص 609

11) بحوالہ ایضاً جلد دوم

12) ان دونوں آیات کے باب میں علامہ رحمت اللہ طارق نے اپنی مبسوط وکتاب' تفسیر منسوخ القرآن میں صفحہ نمبر 328 تا 349 نہایت عالمانہ شرح لکھی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے ناشر! دوست ایسوسی ایٹس' الکریم مارکیٹ' اردو بازار لاہور' سنہ اشاعت 1999ء' نیز عبداللہ یوسف علی نے اپنی تفسیر میں ابو مسلم اصفہانی کی تفسیر کو ہی

قبول کیا ہے۔

13) تدبر قرآن' جلد دوم' ص 604 ' فاران فاؤنڈیشن لاہور 1983ء

14) ابن تیمیہ' جلد 23 ' ص 265 ' بحوالہ احسن التفاسیر' صلاح الدین یوسف' شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس سعودی عرب

15) تبیان القرآن' جلد اول' ص 236

16) تفہیم القرآن' جلد سوم سورہ نور' حاشیہ نمبر 36 ص 386 ' مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور طبع ہفتم 1974ء

17) معارف القرآن جلد پنجم' ص 421 ' مکتبہ عثمانیہ' بیت الحمد' مہران بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن لاہور' طبع دوم' 1422ھ

18) تفسیر روح المعانی الجزء الثامن عشر' ص 140 ' مکتبہ امدادیہ' ملتان' سن اشاعت درج نہیں۔

19) سہ ماہی التفسیر' کراچی' جلد 3 ' مسلسل شمارہ نمبر 9 (جنوری تا مارچ 2007ء ' مجلس التفسیر کراچی' پوسٹ بکس نمبر 8413 ' یونیورسٹی آف کراچی

20) تبیان القرآن' جلد ہشتم سورۃ الشعراء تفسیر زیر آیت' فرید بک سٹال لاہور 2004ء

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کشف المحجوب کی روشنی میں

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

ڈائریکٹر مذہبی امور محکمہ اوقاف، پنجاب

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کشف المحجوب کی روشنی میں

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کے وہ بطل جلیل اور رجل عظیم ہیں جن کی ذات اقدس سے دنیا کو ہمیشہ روشنی اور راہنمائی میسر آتی رہے گی حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''کشف المحجوب'' میں آپ کو امام طریقت امام الائمہ' مقتداء اہلسنت' شرف فقہاء اور عزّ العلماء جیسے گرانقدر القابات سے یاد کیا ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عبادات ومجاہدات اور طریقت کے اصول میں عظیم الشان مرتبے پر فائز تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ مشائخ میں بہت سے حضرات کے جن میں ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ' فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ' داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ اور بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں پیشوا اور استاذ تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''ومنھم امام جھان' ومقتدای خلقان' شرف فقھا وعز علماء' ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الخزاز' رضی اللہ عنہ' وی را اندر عبادت و مجاھدات قدمی درست بودہ است' و اندر اصول این طریقت' شانی عظیم داشت''(1)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اوائل دور میں ترک دنیا اور گوشہ نشینی کو اختیار فرمایا تاکہ لوگوں میں عزت و

حشمت پانے سے دل کو پاک وصاف رکھیں اور دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف منہمک رہیں مگر ایک رات آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے استخوان مبارک کو جمع کر رہے ہیں اور بعض کو بعض سے الگ کر رہے ہیں اس خواب سے آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت پریشان ہوئے اور حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور خواب کی تعبیر کے ماہر تھے) کے ایک مصاحب سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی انہوں نے جواب دیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ (امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) رسول اکرم ﷺ کے علم مبارک اور آپ ﷺ کی سنت کی حفاظت میں ایسے بلند مقام پر فائز ہونگے کہ گویا آپ رحمۃ اللہ علیہ ان میں تصرف کر کے صحیح اور سقیم کو جدا جدا کریں گے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو دوسری مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''کہ اے ابوحنیفہ! عزلت مت اختیار کرو کیونکہ تجھے میری سنت زندہ کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے''

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''واندر ابتدای احوال' قصد عزلت کرد' وازجملة خلق تبرا کرد' وخواست که از میان خلق بیرون شود' که دل از ریاست و جاه خلق پاکیزه کرده بود' ومهذب' حق را ایستاده' تاشبی در خواب دید که استخوان های پیغمبر. ﷺ' ازلحد او گردمی کرد' او بعضی را از بعضی اختیار می کند' ازنهیب آن از خواب در آمد' ازیکی از اصحاب محمد بن سیرین بپرسید' او گفت'' تو اندر علم' پیغمبر' ﷺ' و حفظ سنت وی (به درجه ای) بزرگ رسی' چنان که اندر

آن متصرف شوی و صحیح از سقیم جدا کنی' و دیگر بار پیغامبر را. ﷺ به خواب دید که وی را گفت'' یا ابا حنیفة! ترا سبب زنده گردانیدن سنت من کرده اند' قصد عزلت مکن''(2)

پہلی صدی ہجری میں اسلامی سلطنت جوں جوں وسعت اختیار کرتی گئی اسی طرح علمی مراکز بھی پھیلتے اور بڑھتے چلے گئے چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک مجموعہ ہائے احادیث صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین کی وساطت سے اسلامی سلطنت کے ایک ایک گوشے تک پہنچ چکے تھے اور ان احادیث مبارکہ پر عمل بھی جاری تھا۔

آغاز میں صرف مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تلامذہ کے لئے حدیث کی روایت بیان کرنے اور قبول کرنے کا رواج تھا لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ آباد کیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک عظیم جماعت کوفہ میں آ گئی جس کے سالار حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں پر علمی حلقہ قائم کیا یہ حلقے حدیث کی روایت کو فروغ دیتے رہے یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حکومت سنبھالی۔ یہ وہ دور تھا جب خلفاء راشدین کے قائم کردہ ادارے درہم برہم ہو چکے تھے چنانچہ ان حالات میں مشہور محدث محمد بن مسلم بن شہاب زہری ؒ کو متفرق و منتشر احادیث مبارکہ کو جمع کرنے کا فریضہ سونپا گیا امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کام بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے کیا یہاں تک کہ 101 ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا جس کے سبب حدیث جمع کئے جانے کا یہ عظیم منصوبہ متاثر ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا تاہم امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ نے بڑی بھرپور مساعی سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اب ضرورت اس امر کی

تھی کہ ان روایات میں جو اختلافات ہیں انہیں دور کیا جائے جس کے لئے ایک ایسی ہمہ گیر
شخصیت کی ضرورت تھی جو ایک طرف تو علم روایت کی امین ہو اور دوسری طرف درایت میں
بھی اسے بلند مرتبہ حاصل ہو چنانچہ اس دور میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس
عظیم کام کے لئے منتخب فرمایا اس نازک مرحلے پر روایات سے استنباط و استخراج اور
استدلال کا عظیم کام آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مدنظر تھا لیکن استنباط و استخراج سے پہلے ان
روایات کے اخذ و قبول کا مرحلہ اس سے بھی زیادہ اہم تھا جس کے لئے امام اعظم رحمۃ اللہ
علیہ نے وہ بنیادی اصول وضع کئے جو روایت حدیث کے حوالے سے اساسی اور بنیادی
حیثیت اختیار کر گئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ اسلامی علوم کے عظیم مرکز کوفہ میں نشوونما پائی تھی جہاں
ائمہ حدیث وفقہ کے علاوہ ائمہ لغت عربیہ اور ماہرین صرف ونحو کی کثرت تھی امام صاحب
رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کو قبول کرنے اور روایت کرنے کے جو اصول وضع کئے وہ بعد کے
محدثین کے لئے چراغ راہ ٹھہرے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی جانچ پرکھ میں جن
قواعد وضوابط سے کام لیا وہ امت کے لئے روشنی کا مینارہ ثابت ہوئے امام ابو یوسف رحمۃ
اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"میں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر جاننے والا
اور اس کے فقہی نکات پہچاننے والا نہیں دیکھا میں نے جب کبھی کسی
بات میں ان کی مخالفت کی اور اس پر غور کیا تو انہی کے مذہب کو
آخرت کے لحاظ سے زیادہ نجات دینے والا پایا۔ اکثر اوقات میں
حدیث کی طرف مائل ہوتا تو وہ مجھ سے زیادہ صحیح حدیث کو جاننے
والے ہوتے۔ جب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی قول پر جم جاتے تو
میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر معلوم

کرنے کے لئے کوفہ کے مشائخ کے پاس جاتا۔ بسا اوقات دو دو یا
تین تین احادیث لیکر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوتا تو ان
میں سے کسی کے بارے میں فرما دیتے کہ یہ صحیح نہیں ہے یا غیر
معروف ہے میں دریافت کرتا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کیسے معلوم ہوا؟
حالانکہ یہ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے فرماتے میں
اہل کوفہ کے تمام علم کا عالم ہوں۔(3)

علامہ احمد بن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"خبردار! کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ کے علاوہ
دیگر علوم پر دسترس حاصل نہ تھی' ایسا ہرگز نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ علوم شرعیہ' تفسیر' حدیث اور
علوم ادب وحکمت میں بحر ناپیدا کنار تھے اور ان میں سے ہر فن کے امام تھے"(4)

موفق مکی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ
اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا:

"ابوحنیفہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میرے دادا علیہ الصلوۃ والسلام کی
سنت کا احیاء کرو گے حالانکہ اس وقت اسلامی معاشرہ اس سے
مطابقت کا خواہاں نہ ہوگا تمہارے پاس پریشان حال لوگ اور مسائل
سے ناواقف علماء آیا کریں گے' تم ان کی فریاد رسی کرو گے' حیران و
پریشان لوگ تم سے آسانیاں لیں گے"(5)

حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ نے جب پہلی مرتبہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو
فرمایا کیا تم ہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہو؟ عرض کی جی ہاں۔ لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے
کیسے پہچانا؟

امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

سیماهم فی وجوههم من اثر السجود(6)

''ان کی پہچان ان کے چہروں میں ہے، سجدوں کے نشان سے''

اسی آیت کی روشنی میں میں نے آپ کو پہچان لیا(7)

برصغیر میں قافلہ طریقت و شریعت کے سرخیل حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ اپنی آغوش مبارک میں ایک سفید ریش بزرگ کو بچے کی طرح اٹھائے ہوئے چل رہے ہیں میں حیرت میں ڈوبا ہوا تھا کہ آقا ومولا ﷺ نے فرمایا، علی! یہ تیرا اور تیرے دیار کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ اس مشاہدہ کی تعبیر میرے باطن سے یہ ابھری کہ ابوحنیفہ جادہ فقاہت میں اپنے قدموں سے نہیں آپ ﷺ کے قدموں سے چل رہے ہیں ان کا تفقہ حضور ﷺ کا عطیہ ہے۔ وہ اپنے علم اور عمل دونوں میں فنافی الرسول کی منزل پر فائز ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں نقل فرماتے ہیں:

''ومن كه. علی بن عثمان الجلابی ام. وفقنی الله. بشام بودم، برسر خاک بلال موذن رسول. ﷺ. خفته خود را به مکه دیدم، اندر خواب، که پیغمبر ﷺ ازباب بنی شیبه اندر آمدی، و پیری را اندر کنار گرفته، چنان که اطفال را گیرند به شفقت، من پیش دویدم و بر دست و پایش، بوسه دادم، و اندر تعجب آن بودم تا آن کیست؟ وآن حالت چیست؟ وے بحکم اعجاز بر باطن و اندیشه من مشرف شد، مراگفت، '' این امام تو واهل دیار تو است'' ومرا بدان امیدی بزرگ است بااهل شهر خود، و

درست گشت از این خواب باقی، وبدأن قایم، چنان که برنده وی پیغمبر بود. ﷺ، اگر او خود رفتی باقی الصفة بودی، و باقی الصفة یا مخطی بود یا مصیب، چون برنذه وی پیغمبر بود، ﷺ فانی الصفة باشد به بقای صفت پیغمبر. ﷺ، وچون بر پیغمبر. ﷺ. خطا صورت نگیرد، برآن که بدو قایم بود نیز صورت نگیرد، و این رمزی لطیف است''(8)

''میں جو کہ علی بن عثمان الجلابی ہوں (اللہ مجھے نیک توفیق دے) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر شام میں رات کے وقت سو رہا تھا کہ میں نے خود کو خواب میں مکہ معظمہ میں دیکھا اور دیکھا کہ باب بنی شیبہ سے حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور ایک بوڑھے کو شفقت سے اس طرح گود میں لئے ہوئے ہیں جیسے کہ بچوں کو لیا جاتا ہے میں دوڑتا ہوا آگے بڑھا اور آپ ﷺ کے دست مبارک اور پائے مبارک کو بوسہ دیا لیکن میں سخت تعجب میں تھا کہ یہ کون آدمی ہے اور اس حالت میں آپ ﷺ اسے کیوں لئے ہوئے ہیں؟ بطور معجزہ حضور ﷺ میرے باطن اور میرے خیال سے مطلع ہو گئے' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''یہ تیرا اور تیرے علاقے کے لوگوں کا امام ہے'' مجھے اس خواب سے اس علاقہ کے لوگوں کے بارے میں اچھی امیدیں ہو گئی ہیں (کہ وہ لوگ راہ راست پر ہیں) اور اس خواب سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے ذاتی اوصاف سے فانی ہو جاتے ہیں اور شرع کے احکام کے ساتھ باقی رہتے ہیں اس طرح کہ ان کے اٹھانے والے خود پیغمبر ﷺ تھے اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود چلتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ اپنی صفات کے ساتھ باقی ہیں اور جو شخص اپنی صفات کے ساتھ باقی ہوتا ہے وہ یا غلطی کرتا ہے یا پھر صحیح فیصلہ کرتا ہے اور چونکہ ان کے لے جانے والے پیغمبر علیہ

اسلام تھے اس لئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فانی الصفت ہیں اور صفت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ باقی ہیں اور چونکہ پیغمبر علیہ السلام سے خطا کا صدور نہیں ہو سکتا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو پیغمبر علیہ السلام کی صفت کے ساتھ باقی ہیں ان سے بھی (استنباط مسائل میں) خطا صادر نہیں ہو سکتی۔ یہ بڑا لطیف اشارہ ہے۔"

بلاشبہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عظیم المرتبت شخصیت تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجتہاد کے ذریعے دین اسلام کی جو گرانقدر خدمت کی، تاریخ اسلام میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے بلاشبہ امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ آپؒ کا مقلد و معتقد ہے تاہم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خواب کی توجیہ بیان فرماتے ہوئے جو عجیب و لطیف نکتہ ارشاد فرمایا ہے اس پر معروف کتاب "سید ہجویر" کے مصنف کا تبصرہ بڑا جامع ہے۔

"امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا فانی الصفت پیغمبر علیہ السلام ہونا ہے یعنی نبی اکرم ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی اتباع میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر مستغرق ہوئے کہ انہوں نے اپنی صفات کو صفات رسالت میں فنا کر دیا جو شے اپنے وجود کو کسی دوسرے وجود میں فنا کرتی ہے اسی وجود کے ساتھ باقی رہتی ہے مثلاً ایک قطرہ جب تک دریا سے الگ ہے ایک حقیر قطرہ ہے لیکن جب وہی قطرہ سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے اور اپنا وجود سمندر کے وجود میں فنا کر دیتا ہے تو وہ سمندر کے ساتھ باقی رہتا ہے غالب نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے:

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

یا یہ کہ:

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے

اسی سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی اقوال و آراء کی ثقاہت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے خواب کے بموجب وہ تو اپنے قدموں پر چل ہی نہیں رہے ہیں نبوت ان کو اٹھائے ہوئے طی منازل کرا رہی ہے طی منازل سے مراد اس مقام پر مادی سفر طے کرنا نہیں ہے بلکہ مراد علمی و فقہی سفر بصورت اجتہاد و استنباط مسائل ہے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خواب جہاں ان کے لئے باعث طمانینت تھا وہاں ان لوگوں کے لئے بھی باعث صد طمانینت ہے جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔"(9)

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کو (روز قیامت) کہاں تلاش کروں؟ فرمایا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں (یا) ان کے جھنڈے کے پاس۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"ویحییٰ بن معاذ الرازی، رضی اللہ عنہ، گوید، پیغمبر را. ﷺ. بخواب دیدم، گفتمش، این اطلبک؟ قال " عندعلم ابی حنیفة " گفت " مرا به نزد علم ابی حنیفة جوی. رضی اللہ عنه."(10)

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم المرتبت شاگرد ہونے کے ساتھ خود بھی ایک جلیل القدر مجتہد تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اپنے استاذ گرامی کے عطا کردہ علوم و معارف کے چشموں سے دنیا کو سیراب کرتے۔۔۔۔۔اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے جاتے۔

"او دنیا والو! یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے اور جس نے خدا کے ساتھ اپنا رشتہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی راہ میں جوڑ لیا، اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا۔"

بلاشبہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علم اور تفقہ ان کے اپنے ذہن کی تخلیق نہیں بلکہ براہ راست نبی اکرم ﷺ کا عطیہ ہے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مشاہدات سے بھی امت کو ایسی ہی رہنمائی میسر آتی ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد کمالات نبوت کی نسبت لئے ہوئے ہے۔ طریقت و شریعت کے امام عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ”اہل کشف نے دیکھا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مذہب تدوین میں سب سے پہلا اور ختم ہونے میں سب سے آخری۔ اس کی تائید حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکاشفہ سے یوں ہوتی ہے۔

”حضرت عیسیٰ علیہ اسلام جب زمین پر اتریں گے اور دنیا میں اسلام غالب کردیں گے تو شریعت کا جو نظام وہ کائنات میں لاگو کریں گے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی تعبیر اس سے مطابقت رکھتی ہے“(11)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مذہب اپنے اندر لاتعداد رحمتیں اور برکتیں سمیٹے ہوئے ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔۔۔۔ کہ صاحب کشف المحجوب کی روایت کے مطابق خود نبی اکرم ﷺ نے دین کا صحیح فہم لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض فرمائی یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہر عہد میں مسلمانوں کی ایک غالب اکثریت کو فقہ حنفی سے وابستہ رکھا جو کہ نبی اکرم ﷺ کے فیضان کرم کا ایک کرشمہ ہے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے ایک بزرگ، فقیہ اور محدث حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں ”کہ جب کسی معاملہ میں کوئی حدیث نبوی میسر نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کا قول وہاں کلام ماثور کا پرتو محسوس ہوتا ہے“۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے امام حنیفہ کو طریقت کا بھی امام قرار دیا ہے آپ

فرماتے ہیں۔

”وی را اندر عبادت و مجاهدات قدمی درست بوده است، و اندر اصول این طریقت، شانی عظیم داشت“(12)

یعنی آپ رحمۃ اللہ علیہ عبادت و مجاہدات اور طریقت کی دنیا میں عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہیں بلاشبہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت فقہ کے میدان میں اوج کمال کی حامل ہوئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا یہ پہلو اس قدر غالب ہوگیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے دیگر محاسن جن کی طرف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے امت کی توجہ مبذول کروائی ہے سے کما حقہ، استفادہ ممکن نہ ہوسکا۔

قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مردوں میں میانہ قد تھے نہ پست قامت نہ دراز قد، گفتگو کرتے تو دل میں اتر جاتی زبان میں شیرینی اور زبان میں حلاوت ہوتی (13)

خطیب بغدادی نے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ ”امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ خوبصورت، کپڑے اچھے خوشبو اچھی اور مجلس اچھی ہوتی آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت کرم کرنیوالے اور رفیقوں کے غم خوار تھے (14)“۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ میں کمال شہرت حاصل کی تھی پرہیز گاری میں کمال حاصل کیا کثیر الافضال اور اعمال تھے جو بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا بڑے تحمل سے اس کی بات سنتے، رات کو اللہ کے حضور سجدہ ریز رہتے، زیادہ تر خاموش رہتے حتی کہ حلال و حرام کا مسئلہ آتا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت متانت سے رہنمائی کرتے اور اچھے دلائل دیتے، وہ بادشاہ کے مال و انعامات سے دور رہتے تھے (15)

امام زفر فرماتے ہیں کہ مجھے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیس سال سے زائد عرصہ گزارنے کا موقع ملا ہے میں نے آپ سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ، ہمدرد اور شفقت کرنے والا نہیں دیکھا آپ رحمۃ اللہ علیہ علم کو دل و جان سے چاہتے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شب و روز اللہ کی یاد میں وقف تھے سارا دن تعلیم و تدریس میں گزرتا، باہر سے آنیوالے مسائل کا جواب لکھتے، بالمشافہ مسائل پوچھنے والوں کی رہنمائی فرماتے، مجلس میں بیٹھتے تو درس و تدریس کی محفل ہوتی، باہر نکلتے تو مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت، فقراء و مساکین کی خدمت، رشتے داروں کی خبر گیری اور آنے والوں کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے رات بھر عبادت کرتے، قرآن مجید کی تلاوت بہترین انداز میں کرتے یہی معمولات زندگی بھر رہے حتیٰ کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا (16)

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بیس سال تک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا اس دوران میں نے انہیں خلوت اور جلوت میں ننگے سر اور پاؤں پھیلائے نہیں دیکھا ایک دفعہ میں نے ان سے عرض کیا استاذ گرامی! اگر آپ خلوت میں پاؤں دراز کر لیا کریں تو اس میں کیا حرج ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خلوت میں ادب ملحوظ رکھنا جلوت کی نسبت زیادہ بہتر، اولیٰ اور افضل ہے۔(17)

معافی بن عمران الموصلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں دس صفات ایسی تھیں کہ اگر کسی شخص میں ان میں سے ایک بھی ہو تو وہ قوم کا سردار بن جاتا ہے پرہیز گاری، سخاوت، سچائی، فقہی مہارت، عوام کی خاطر و مدارات، پر خلوص ہمدردی، لوگوں کو نفع پہنچانے میں سبقت، طویل خاموشی، گفتگو میں حق بات کہنا اور مظلوم کی مدد کرنا خواہ وہ دوست ہو یا دشمن (18)۔

بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کردار کی عظمت اور گفتار کی وسعت رحمت و ہدایت کا ایک وسیع جہاں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جس طرح

علم و عمل کے حوالے سے بلند مقام کے حامل تھے اسی طرح حسن اخلاق اور سیرت و کردار میں بھی بینظیر تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے حوالے سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول یقیناً جامع حیثیت کا حامل ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو علم و عمل، سخاوت و ایثار اور دیگر قرآنی اخلاق سے مزین کر دیا تھا'' (19)

بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ عالم اسلام کی ہمہ گیر اور عظیم المرتبت شخصیت ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ جامع الکمالات تھے بیک وقت عظیم محدث، بے مثال فقیہ، عدیم النظیر متقن اور عابد بدل تھے قدرت نے آپ کو بے مثال قوت حافظہ اور قوت استدلال عطا فرمائی تھی جس سے کام لے کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فہم قرآن و حدیث اور ان سے مسائل کے استنباط و استخراج میں ایک نیا منہج پیش کیا اور مذہب حنفی کے بانی ٹھہرے اہل اسلام میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروؤں کی تعداد سب ائمہ سے زیادہ ہے کوفہ کے مکتب رائے و قیاس کی قیادت و سیادت آپ پر ہی ختم ہو گئی دور و نزدیک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل کے چرچے ہوئے بصرہ، مکہ اور مدینہ کے مشہور علماء آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ملے اور آپ کے علم و فضل سے مستفید ہوئے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم محدث، قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ، زفر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ جیسے قابل قدر فقہاء اور فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جیسے قابل فخر عباد و زھاد آپ کے فیض صحبت سے مستنیر ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و روحانی مجلس امانت و دیانت کا مرقع اور اس میں حاضری دینے والے عبادت و ریاضت میں کوشاں، معاملات میں صائب، دنیاوی مال و زر سے بے نیاز اور اسلام اور اہل اسلام کے سچے خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور خیالات و افکار کو دنیا میں جو پذیرائی میسر آئی وہ

شاید کسی اور کے حصے میں نہ آسکے اس کا بنیادی اور اہم سبب علم اور عمل کا وہ حسین امتزاج ہے جو آپ کی شخصیت کا سب سے نمایاں وصف ہے صاحب کشف المحجوب اپنی معرکۃ الآراء تصنیف میں لکھتے ہیں کہ:

"وگویند چون داؤد طائی، رحمة الله علیه، علم حاصل کرد، ومصدر و مقتداشد، به نزدیک ابوحنیفة، رضی الله عنه. آمدو گفت اکنون چه کنم؟ گفت، علیک بالعمل فان العلم بلاعمل کا لجسد بلا روح" بر تو بادا به کار بستن علم، به جهت آن که هر علمی که آن را کار بند نباشند، چون تنی باشد که وی را جان نباشد، اما " فدیتک " تا علم به عمل مقرون نگردد، صافی نشود و روزگار مخلص نه، وهر که بعلم مجرد قناعت کند، وی عالم نباشد، که عالم را به مجرد علم قناعت نبود، از آنچه عین علم، متقاضی عمل باشد، چنان که عین هدایت، مجاهدت تقاضا کند، و چنان که مشاهده بی مجاهده نباشد، علم بی عمل نباشد، از آنچه علم مواریث عمل باشد، وتخریج و کشایش علم بامنفعت، ببرکات عمل بود، وبه هیچ معنی عمل ازعلم جدا نتوان کرد، چنان که نور آفتاب ازعین آن.(20)

یعنی حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جب حصول علم سے فارغ ہو گئے اور ان کا شہرہ آفاق میں پھیل گیا اور یگانہ روزگا عالم تسلیم کر لئے گئے تب وہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اکتساب فیض کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب کیا کروں؟ امام اعظم

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اب تمہیں اپنے علم پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ بلا عمل کے علم ایسا ہے جیسے بلا روح کے جسم ہوتا ہے" عالم جب تک باعمل نہیں ہوتا اسے صفائے قلب اور اخلاص حاصل نہیں ہوتا جو شخص محض علم پر ہی اکتفاء کر لے وہ عالم نہیں ہے عالم کے لئے لازم ہے کہ وہ محض علم پر قناعت نہ کرے کیونکہ عین علم کا اقتضاء یہی ہے کہ باعمل بن جائے جس طرح کہ عین ہدایت، مجاہدے کی متقاضی ہے اور جس طرح مشاہدہ بغیرہ مجاہدے کے حاصل نہیں ہوتا اسی طرح علم بغیر عمل کے سودمند نہیں ہوتا کیونکہ علم عمل کی میراث ہے علم میں نور و وسعت اور اس کی منفعت عمل ہی کی برکت کا ثمرہ ہوتا ہے کسی صورت میں بھی علم، عمل سے جدا نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ آپ آفتاب کا نور کہ وہ عین آفتاب سے ہے اس سے جدا نہیں ہو سکتا یہی حال علم وعمل کے مابین ہے۔

یقیناً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بہت عظیم ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ علم وعمل کی طرح حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار کے لحاظ سے بھی یگانہ روزگار تھے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اسوہ شریفہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



حوالہ جات

1) ابوالحسن سید علی بن عثمان الہجویری، کشف المحجوب (فارسی، تحقیق ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان) طبع 1416ھ، ص 125

2) ابوالحسن سید علی بن عثمان الہجویری، کشف المحجوب (فارسی، تحقیق ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان) طبع 1416ھ، ص 125

3) یوسف صالحی، محمد بن یوسف، الدمشقی، الشافعی (م 942ھ) عقود الجمان، مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد، کراتشی 1394ھ/1974ء، ص 321

4) ابن حجر ہیتمی المکی، شہاب الدین احمد (973ھ)، الخیرات الحسان، ایچ ایم سعید کمپنی کراتشی، 1414ھ، ص 64

5) ابن البزاز کردری، محمد بن محمد بن شہاب ابن البزاز، حافظ الدین (م 827ھ) مناقب الامام الاعظم، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، 1407ھ، ج 1، ص 31

6) القرآن المجید: الفتح: 28

7) موفق بن احمد المکی (م 578ھ) مناقب الامام اعظم ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ، کوئٹہ 1407، ج 1 ص 267

8) ابوالحسن سید علی بن عثمان الہجویری، کشف المحجوب (فارسی، تحقیق ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان) طبع 1416ھ، ص 129

9) سید متین ہاشمی، سید ہجویر، علماء اکیڈمی اوقاف لاہور، ص 140

10) ابوالحسن سید علی بن عثمان الہجویری، کشف المحجوب (فارسی، تحقیق ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان) طبع 1416ھ، ص 129

11) شاہ تراب الحق قادری، امام اعظم ابوحنیفہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، فروری 2004ء، ص 31

12) ابوالحسن سید علی بن عثمان الہجویری، کشف المحجوب (فارسی، تحقیق ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان) طبع 1416ھ، ص 125

13) یوسف صالحی، محمد بن یوسف، الدمشقی، الشافعی (م 942ھ) عقود الجمان، مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد، کراتشی 1394ھ/1974ء، ص 42

14) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، دار الکتاب العربی، بیروت، ج 13، ص 330

15) ابن البزاز کردری، محمد بن شہاب ابن البزاز، حافظ الدین (م 827ھ) مناقب الامام اعظم، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ 1407ھ، ج 1، ص 143

16) موفق بن احمد المکی (م 578ھ) مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ، کوئٹہ 1407، ج 2 ص 152

17) فقیر محمد جہلمی (م 1334ھ) حدائق الحنفیہ، "المیزان" ناشران وتاجران کتب لاہور، 2005ء، ص 72

18) موفق بن احمد المکی (م 578ھ) مناقب الامام اعظم ابی حنیفہؒ مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ، کوئٹہ 1407، ج 1 ص 210

19) ابن حجر ہیتمی المکی، شہاب الدین احمد (973ھ) الخیرات الحسان، ایچ ایم سعید کمپنی، کراتشی، 1414ھ، ص 95

20) ابوالحسن سید علی بن عثمان الہجویری، کشف المحجوب (فارسی، تحقیق ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان) طبع 1416ھ، ص 130

فقہ حنفی کے اصول، تدوین
اور استنباطِ مسائل کا طریق کار

ڈاکٹر خضر نوشاہی

(دار الفقراء نوشاہیہ ساہن پال شریف، ضلع منڈی بہاؤ الدین)

فقہ حنفی کے اصول، تدوین اور استنباطِ مسائل کا طریق کار

ڈاکٹر خضر نوشاہی

تمہید

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ بابرکات کسی تعارف کی محتاج نہیں، انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اگر کسی انسان نے عالمِ انسانیت کو بالعموم اور اہلِ اسلام کو بالخصوص اپنی علمی اور فکری روشنی سے منور کیا ہے اور لوحِ کائنات پر زریں و حسین نقوش مزین کئے ہیں، تو وہ آپ ہی کی ذاتِ ستودہ صفات ہے اور:

این سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کا سب سے عظیم کارنامہ، جس نے انہیں لازوال عظمت، عزت اور شہرت عطا کی، وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی خداداد ذہنی، علمی، فکری اور بے مثال قوتِ فیصلہ سے وہ خلا پُر کیا، جو خلفائے راشدین کے بعد اسلام کے قانونی نظام میں پیدا ہو چکا تھا۔

آپ کے عہدِ حیات میں اسلامی ممالک کی حدود کافی پھیل چکی تھیں، جس کے باعث متعدد اقوام اور قبائل کے باہمی اختلاط، میل جول کے باعث ان کے طرزِ معاشرت اور آدابِ زندگی کے اختلاف کی وجہ سے بے شمار قانونی مسائل پیدا ہو چکے تھے، جن میں زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، مالیات، دیوانی و فوجداری قوانین، اقوامِ عالم سے

تعلقات، صلح و جنگ کے مسائل، سفارت کاری، مضاربہ، بحری و بری اسفار اور اسی طرح کے دیگر کئی معاشرتی وسماجی اور سیاسی مسائل اور ان کے قواعد وضوابط کے لئے آئینی اور قانونی پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں، جن کا حل ضروری تھا۔ مسلمان چونکہ الگ اپنا ایک مستقل نظریۂ حیات اور بنیادی قانون رکھتے ہیں، اس لئے اس کی روشنی میں درپیش مسائل کا حل اس وقت کی اہم ترین ضرورت تھی، لیکن حالت یہ تھی کہ اس دور میں کوئی مسلمہ آئینی ادارہ یا قانون ساز مجلس نہیں تھی، جس میں ان مسائل کو حل کیا جاتا، چنانچہ ایسی صورت حال میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حکومتِ وقت سے بے نیاز ہو کر خود ایک غیر سرکاری قانون ساز ادارہ قائم کیا، جس کے وضع کردہ اور مرتب کردہ قوانین سے نہ صرف اس دور کی حکومت نے استفادہ کیا بلکہ مابعد ہر بڑی سلطنت نے ان کے مدوّنہ قوانین کو اپنے ممالک میں رائج کیا، چنانچہ خواہ سلطنتِ عباسیہ ہو یا عثمانیہ یا ہندوستان کی مغل حکومت، سب نے فقہِ حنفی ہی کا اتباع کیا، بلکہ یہ کہنا زیادہ پُر حقیقت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت افروز اور چشم کشا فقہِ حنفی پر عالمِ اسلام کے 80 فیصد مسلمان مقلد اور عمل پیرا ہیں۔

آیئے.....! اب دیکھتے ہیں کہ فقہِ حنفی کی تدوین اور استنباطِ مسائل کا طریقۂ کار کیا تھا اور ان کی اس مجلس مشاورت کے اراکین کیسے تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ استخراجِ مسائل

خلیفہ ابوجعفر المنصور عباسی نے حضرتِ امام کو ایک خط لکھا جس میں کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں، اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ:

"اے امیر المؤمنین! میں اوّل تو کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنتِ رسول ﷺ پر، پھر حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کے

فیصلوں پر، پھر باقی صحابہ کرام کے فیصلوں پر، پھر اس کے بعد جب ان میں اختلاف پاتا ہوں تو قیاس کرتا ہوں"۔ (تبییض الصحیفہ اردو ص ۴۹) بحوالہ ماہنامہ نورِ اسلام

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں کہ:

میں کتاب اللہ کو دیکھتا ہوں، اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہیں پاتا تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو لیتا ہوں، اگر سنت میں نہیں پاتا تو قولِ صحابہ کو لیتا ہوں، ان میں سے جس کا قول چاہوں، لوں اور میں ان کا قول چھوڑ کر غیر کا قول نہیں لیتا، لیکن جب نوبت ابراہیم وشعبی وابن سیرین وعطاء علیہم الرحمہ تک پہنچ جاتی ہے، تو وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اجتہاد کیا، پس میں اجتہاد کرتا ہوں جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا۔ (اقوال صحیحہ ص ۱۱۲) بحوالہ نور اسلام (ماہنامہ)

ابو مطیع کہتے ہیں کہ:

ایک روز میں کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، پس سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن مسلمہ اور جعفر صادق رضی اللہ عنہم وغیرہم فقہاء آپ کے پاس آئے اور آپ سے ہمکلام ہوئے اور کہا کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ تم دین میں قیاس زیادہ کرتے ہو، ہمیں اس سے تجھ پر ڈر ہے کیونکہ پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا، پس امام صاحب نے جمعہ کے دن کی صبح سے زوال تک ان سے مناظرہ کیا اور ان پر اپنا مذہب پیش کیا اور فرمایا کہ میں قرآن پر عمل کرنے کو مقدم رکھتا ہوں، پھر حدیث پر، پھر صحابہ کے فیصلوں پر متفق علیہ کو مختلف فیہ پر مقدم کر کے، پھر اس کے بعد قیاس کرتا ہوں، اس پر

سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور امام صاحب کے زانو اور ہاتھ کو بوسہ دے کر کہنے لگے آپ سیّد العلماء ہیں۔ (کتاب المیزان أز عبدالوہاب شعرانی بحوالہ اقوال صحیحہ ص ۹۰ بحوالہ ماہنامہ نورِ اسلام)

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب کی اصل واساس قرآن وسنت کے بعد حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتاویٰ اور قضایا تھے، انہوں نے بہ توفیق الٰہی انہی میں سے فقہی مسائل اَخذ کیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث فرماتے ہیں:

''حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تخریجاتِ مسائل کی وجوہات پر نہایت دقیق وعمیق نظر رکھتے تھے اور فروعات پر پوری پوری نظر اور کامل توجہ تھی''۔

اور پھر اپنے اس بیان کی تائید وتصدیق کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اگر تم ہمارے اس بیان کی تصدیق چاہتے ہو تو امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق، مصنف ابی بکر ابن شیبہ کا مطالعہ کرو اور ان میں حضرت ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے اقوال کا تفحص کرو پھر ان کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر منطبق کرو، ٹھیک ٹھیک تم اپنے اساتذہ کی روش اور طریقہ کار کا پیرو پاؤ گے''۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۸۷)

امام ابویوسف کی کتاب ''الرد علی سیر الاوزاعی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ابوزہرہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے طریق استنباط اور فقہی مہارت کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

''کتاب ہذا میں امام ابوحنیفہ کے دلائل، طرق استنباط اور مسالک

استدلال کی اصلی صورت دیکھی جاسکتی ہے اس کے پہلو بہ پہلو یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آپ فقہی قیاسات میں کس درجہ مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور نصوصِ کتاب وسنت کی تشریح وتوضیح کرتے وقت آپ کی عقل دقیقہ رس ان کے غایات اور بواعث وعلل تک پہنچ جاتی تھی''۔

امامِ اعظم کی مجلس فقہ اور مدّونہ قوانین

امامِ اعظم کی مجلس وضعِ قانون کے شرکاء امام صاحب کے اپنے شاگرد ہی تھے جن کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل پر غور وفکر کرنے، سوچنے، علمی طرز پر تحقیقات کرنے اور دلائل سے نتائج اَخذ کرنے کی خصوصی تربیت دی تھی، یہ اراکین مجلس مختلف علوم کے خصوصی ماہر تھے، مثلاً اگر ایک حدیث وتفسیر میں مہارت رکھتا ہے، تو دوسرا اصحابہ کے فتاویٰ اور قضاۃ کے نظائر کا عالم ہے، اسی طرح دیگر اراکین تاریخ وسیر، ادب ولغت، قانون اور قیاس ورائے کے علوم میں درجۂ اختصاص کے حامل تھے۔

اس مجلس کے ۳۶ اراکین تھے، ان میں ۲۸ قاضی، ۶ مفتی اور ۲ ایسے تھے جو مفتی اور قاضی تیار کرسکتے تھے۔

اس مجلس کا طریقۂ کار یہ تھا کہ ایک مسئلہ پیش ہوتا جس پر تمام اراکین باری باری اپنی بھرپور علمی استعداد کے مطابق اظہارِ خیال کرتے، سنتے، حتیٰ کہ بعض اوقات ایک مسئلہ پر بہت زیادہ وقت بھی لگ جاتا، آخر میں جب متفقہ رائے قرار پاتی تو قاضی اوّل امام ابویوسف کتبِ اصول میں اسے درج فرمالیتے (المکی، ج ۲، ص ۱۲۲، بحوالہ ماہنامہ نورِ اسلام)

صاحبِ فتاویٰ بزازیہ کا بیان ہے کہ:

''تمام شاگرد دل کھول کر بحث کرتے، امام اعظم توجہ سے ہر رکن کی تقریر سنتے، آخر میں زیر بحث مسئلے پر جب آپ تقریر فرماتے تو مجلس

میں ایسا سکوت ہوتا کہ جیسے ان کے سوا کوئی موجود نہ ہو، آزادیٔ رائے کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات فیصلہ امام صاحب کی رائے کے خلاف ہوتا ،لیکن درج ہوتا اور اکثر مسائل پر فتویٰ آپ کے شاگردوں کے قول پر دیا جاتا، یہی فقہ حنیفة ہے۔ظاہر ہے کہ فقہِ حنفی امام اعظم کی ذاتی معلومات اور فتاویٰ کا نام نہیں بلکہ دینِ حنیف کے قواعد وضوابط کا نام ہے۔ (المکی، ج۲،ص۵۴، بحوالہ ماہنامہ نور اسلام)

اس مجلس کے جملہ اخراجات امام ابوحنیفہ خود برداشت کیا کرتے تھے، صاحبِ قلائد عقود العقیان نے لکھا ہے کہ اس مجلس میں جو مجموعہ مرتب کیا گیا وہ انتہائی ضخیم تھا اس میں ۱۲ لاکھ ۹۰ ہزار مسائل مدون تھے، شاید دنیا کی تمام کتبِ قوانین اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں، ملتِ اسلامیہ آپ کے احسان کو فراموش نہیں کرسکتی، آپ بجا طور پر ''محسن'' ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

لا یضیع اجر المحسنین

☆☆☆

مآخذ:

اس مقالے کی تیاری میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا:

1) الخیرات الحسان أز علامہ شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی (م۹۸۳ھ)

اردو ترجمہ بعنوان جواہر البیان از علامہ ظفر الدین رضوی بہاری مطبوعہ مکتبہ الحقیقیة ، استانبول،۱۹۹۴ء

2) حدائق الحنفیہ از مولانا فقیر محمد جہلمی ، مرتبہ خورشید احمد خان، لاہور

3) مناقب ابی حنیفہ از المکی

4) ابوحنیفہ از محمد ابوزہرہ، مطبوعہ قاہرہ،۱۹۴۰ء

5) حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ محدث دھلوی

6) ماہنامہ نور اسلام، (امام اعظم نمبر) شرقپور بابت ماہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۵ء

استحسان کا دائرۂ کار
ضرورت اور حدود

بشیر احمد رضوی
لیکچرار گورنمنٹ ڈگری کالج پنڈی گھیپ

استحسان کا دائرہ کار، ضرورت اور حدود

بشیر احمد رضوی

اصول فقہِ اسلامی میں استحسان وہ اصل ہے جس سے اس قدر استفادہ کیا گیا ہے کہ اسے اُمت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان کہنا چاہئے جو بواسطۂ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہوا۔

بلاشبہ امام الائمہ رحمۃ اللہ علیہ نے استحسان کو کثرت سے اختیار فرمایا اور اس کی وجہ سے آپ کی ذات والاصفات جو سراپا تقویٰ ودیانت تھی تنقید وطعن کے بے رحم تیروں کا نشانہ بھی بنی لیکن حقیقت یہ ہے کہ پوری اُمت نے کتنے ہی مسائل میں استحسان کو قیاس پر ترجیح دی ہے اور اس سے مستنبط وماخوذ مسائل کو اپنایا ہے جیسا کہ ڈاکٹر زکی الدین شعبان نے لکھا ہے:

المشهور فی کتب الاصول والجاری علی بعض الالسنة والاقلام ان الاستحسان اصل من اصول الحنفية وانهم هم الذين ياخذون به وان غيرهم من الفقهاء لم ياخذوا به، ولم يعتدوا به فی استنباط الاحکام، وهذا مخالف للواقع، لان الاستحسان معتبر عند جميع الائمة ومن يتتبع الکتب الفقهية فی المذاهب المختلفة يجدها مشحونة بالا حکام المبنية

علی الاستحسان(۱)

(کتب اصول میں، عام زبانوں پر اور تحریوں میں یہی بات ملتی ہے کہ استحسان فقط فقہ حنفی ہی میں ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے غیر فقہ حنفی فقہاء نے استنباطِ احکام میں اس سے کام نہیں لیا۔ لیکن یہ بات خلافِ واقعہ ہے کیونکہ استحسان تمام ائمہ کرام کے نزدیک معتبر ہے اور مختلف مذاہب کی کتب پڑھنے والا انہیں استحسان پر مبنی مسائل سے بھرپور پاتا ہے)۔

اس کے باوجود بعض حضرات سے ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں نازیبا کلمات صادر ہوئے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ناقدین کا یہ رویہ یا تو تعصب کی وجہ سے ہے یا استحسان کی حقیقت سے لاعلمی کی بنیاد پر لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ استحسان کے دائرہ کار، ضرورت اور حدود کے بیان سے پہلے اس کی حقیقت کو اہل علم کی آراء کی روشنی میں واضح کیا جائے۔

استحسان کا معنی ومفہوم:

استحسان کا لفظ ''حسن'' سے باب استفعال کا مصدر ہے جس کا لغوی معنی ہے کسی شے کو اچھا سمجھنا اور ترجیح دینا۔ اہل علم کے ہاں لفظ استحسان کے استعمال کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں تاہم اس کے حجت شرعیہ ہونے میں اور اس کی تعریف میں اختلاف موجود ہے۔ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ حجت شرعیہ ہے۔ جبکہ شافعیہ، ظاہریہ اور معتزلہ اسے حجت شرعیہ تسلیم نہیں کرتے استحسان کی تعریف میں علمائے احناف کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور احناف کا دیگر مذاہب کے اہل علم کے ساتھ بھی اختلاف ہے۔ علامہ آمدی نے الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھا ہے۔

☆ قداختلف اصحاب ابی حنفیه فی تعریفه بحده منهم من قال انه عبارة عن العدول عن موجب قیاس الی قیاس اقویٰ منه.

☆ ومنهم من قال انه عبارة عن تخصیص قیاس بدلیل هواقویٰ منه.

☆ وقال الکرخی: الاستحسان هوالعدول فی مسئلة عن مثل ماحکم به فی نظائر هاالی خلافه لوجه اقویٰ منه.

☆ استحسان کی تعریف میں اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک قیاس کے تقاضے کے خلاف قوی تر قیاس پر عمل کرنا استحسان ہے۔

☆ بعض کہتے ہیں استحسان سے مراد قیاس کو اس سے قوی تر دلیل کی بناء پر خاص کرنا ہے۔

☆ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کسی مسئلہ کے نظائر میں لگائے گئے حکم کو کسی زیادہ قوی وجہ کی بناء پر ترک کر کے اس کے خلاف حکم لگانا استحسان ہے۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ المبسوط میں لکھتے ہیں: **الاستحسان ترک القیاس والاخذبما هو اوفق للناس(۳)** استحسان قیاس کو ترک کر کے اس شے کو لینا جو لوگوں کے لئے زیادہ موافق ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے استحسان کی تعریف یوں کی ہے: **الاستحسان: هوالعمل باقویٰ الدلیلین اوالاخذبمصلحة جزئیة فی مقابلة دلیل کلی(۴)** دو دلیلوں میں سے اقویٰ دلیل کو اختیار کرنا یا جزوی مصلحت کو دلیل کلی پر ترجیح دینا استحسان ہے۔

علامہ زحیلی نے استحسان کی تعریف میں پائے جانے والے اختلاف کو محض لفظی قرار دیا ہے: **والحقیقة انی لااجدخلافاجوهریابین العلماء فی الاستحسان وانما الخلاف لفظی کماقال جماعة من المحققین کابن الحاجب والآمدی وابن السبکی والاسنوی والشوکانی(۵)** حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے استحسان کی تعریف میں اہل علم میں حقیقی اختلاف نظر نہیں آتا بلکہ اختلاف محض لفظی ہے جیسا کہ ابن حاجب آمدی، ابن سبکی، اسنوی اور شوکانی جیسے محققین کی رائے ہے۔

استحسان کی مذکورہ بالا تعریفات کا خلاصہ یہ ہے:

1) قیاس خفی کو قیاس جلی پر بربنائے دلیل ترجیح دینا۔

2) قیاس کلی سے مسئلہ جزئیہ کا استثناء کرنا کسی ایسی دلیل کی بناء پر جو مسئلہ جزئیہ کی تخصیص کا تقاضا کرتی ہو۔

انواع استحسان:

علمائے احناف قیاس ترک کر کے استحسان سے اس صورت میں کام لیتے ہیں جب قیاس پر عمل کرنے سے نص یا اجماع کے تقاضے پورے نہ ہوتے ہوں اور اس سے دین میں دشواری اور تنگی پیدا ہوتی ہو۔ استحسان نص، اجماع، ضرورت اور قیاس خفی کی بناء پر ہوتا ہے۔

استحسان بالنص:

اگر نص قرآنی یا حدیثی کا کوئی حکم خلاف قیاس ہو یا وہ نص اس جزوی مسئلہ کو عمومی حکم سے خاص کرتی ہو تو اس پر عمل استحسان بالنص کہلاتا ہے۔

استحسان بالقرآن:

مثال1: دربارۂ وصیت قیاس عدم جواز کا مقتضی ہے کیونکہ تملیک مال زوال ملک ہی کی صورت میں متصور ہوتی ہے اور یہاں زوال ملک موت سے وقوع پذیر ہوتا ہے سوائے اس کے کہ وصیت کو اس عمومی قاعدے سے مستثنیٰ کر لیا جائے کیونکہ قرآن مقدس میں ہے۔

من بعد وصية يوصى بها(٦) بعد اس وصیت کے جو کر گیا۔ پس وصیت استحساناً صحیح ہوئی۔

مثال2: قول قائل "علىّ صدقة" کے معاملے میں قیاس کا تقاضا ہے کہ کل مال صدقہ شمار ہو کیونکہ مال مطلق ہے لیکن نص قرآنی کے مطابق مال سے استحساناً صرف مال

زکوٰۃ ہی مراد لیا جائے گا۔ **خذ من اموالهم صدقة**(٧) وصول کروان کے اموال سے زکوٰۃ۔

استحسان بالسنۃ

مثال1: بیع سلم بیع کا ایسا معاہدہ ہے جس میں مبیع موجود نہیں ہوتا لیکن اس کا ثمن وصول کر لیا جاتا ہے اس بیع کو بمطابق ارشادِ نبوی ﷺ ناجائز ہونا چاہئے: **لا تبع ماليس عندك** (٨) نہ بیچ جو شے تیرے پاس نہ ہو۔

لیکن بیع سلم کا اس عمومی حکم سے استثناء حدیث شریف سے ثابت ہے۔

من اسلف فی شئ ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم(٩) جو بیع سلم کرے تو چاہئے کہ معین ناپ، معین تول اور معین مدت کے لئے کرے۔

لہٰذا بیع سلم کے جزوی مسئلہ کو عمومی قاعدہ سے مستثنیٰ کر لیا گیا ہے۔

مثال2: اگر کوئی صائم بھول کر کھا پی لے تو قیاس چاہتا ہے کہ فسادِ صوم کا حکم لگایا جائے کیونکہ کھانا، پینا روزے کے منافی ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے بھول کر کھانے، پینے والے کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

اذا نسی فاکل وشرب فلیتم صومه فانما اطعمه الله وسقاه(١٠) جب صائم بھول کر کھا پی لے تو اپنا روزہ پورا کر لے کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔

اس حدیث شریف کی بناء پر خلافِ قیاس عدم فسادِ صوم کا حکم استحسان بالسنۃ ہے۔

استحسان بالاجماع:

مجتہدین کا کسی مسئلہ میں اس مسئلے کے نظائر کے حکم کے خلاف فتویٰ دینا یا لوگوں کے کسی عمل کی مخالفت نہ کرنا استحسان بالاجماع کہلاتا ہے۔

مثال1: استحسان بالاجماع کی مثالوں میں سے استصناع ہے استصناع کا مطلب ہے کسی

کاریگر سے آرڈر پر کوئی شے ثمن ادا کر کے بنوانا قیاس کی رو سے استصناع باطل ہے کیونکہ یہ معدوم شے کی بیع ہے جو ناجائز ہے لیکن اس کو استحسانا جائز رکھا گیا ہے کیونکہ اس پر ہر زمانے میں تعامل رہا ہے اور اہل علم نے اس کی مخالفت نہیں کی لہذا اجماع کی بناء پر قیاس کو ترک کیا گیا ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہے۔

مثال 2: حمام میں اُجرت ادا کر کے غسل کرنا ہر جگہ رائج ہے قیاس اس اجارے کی عدم صحت کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اس میں غسل کے پانی، صابن اور وقت میں سے کچھ بھی معین نہیں ہوتا لیکن استحسانا اسے جائز مانا گیا ہے کیونکہ علماء اور عوام اس کو اپنائے ہوئے ہیں پس یہاں قیاس کو ترک کر کے اجماع سے ثابت خلاف قیاس عمل کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

استحسان بالضرورۃ

مثال 1: اگر کنواں ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کے لئے ناپاک کرنے والی شے نکال کر اس کی مناسبت سے مقررہ مقدار میں پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے ساتھ ہی کنویں کی دیواریں، ڈول رسی وغیرہ متعلقہ اشیاء بھی پاک ہو جاتی ہیں ۔قیاس تو یہ ہے کہ پلید پانی کے لگنے سے یہ اشیاء پلید ہوئیں اب پاک پانی سے دھونا ضروری ہو لیکن لوگوں کو اس دشواری سے نکالنے کے لئے ان اشیاء کی پاکی کا حکم دیا گیا ہے یہ استحسان بالضرورۃ ہے۔

مثال 2: کیلی اور وزنی اشیاء جب قرض دی جائیں یا اپنی جنس کے بدلے بیچی جائیں تو ناپ تول میں برابری ضروری ہے ورنہ ناپ تول کا فرق سود شمار ہو گا لیکن روٹی اس عموم سے خارج ہے کیونکہ لوگ ایسی اشیاء میں لین دین گنتی سے کرتے ہیں وزن سے نہیں لہذا وزن میں فرق ممکن ہے جو سود ہونے کی بناء پر حرام ہے لیکن اہل علم نے اسے جائز رکھا ہے کیونکہ ایسا لین دین بکثرت ہوتا ہے اور اس پر ناپ تول میں

برابری کی پابندی لگانا دشواری کا باعث ہے۔

استحسان بالعرف:

لوگوں کی عادت اور عرف کی بناء پر فقہا نے کتنے ہی خلاف قیاس مسائل کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ ان کا مقصد عوام الناس کو مشقت اور دشواری سے بچانا ہے یہ استحسان بالعرف ہے۔

مثال 1: کسی نے قسم اُٹھائی کہ گوشت نہ کھائے گا پھر مچھلی کھائی تو فتویٰ یہ ہے کہ وہ حانث (قسم توڑنے والا) نہ ہوا۔ حالانکہ قیاس کا اقتضاء ہے کہ حانث ہو جائے کیونکہ مچھلی بھی گوشت ہی ہے لیکن جب گوشت بولتے ہیں تو اس میں مچھلی کو شمار نہیں کرتے لہذا عرف کی بناء پر قیاس کو ترک کر کے استحسانا عدم حنث (قسم نہ ٹوٹنے) کا حکم لگایا گیا ہے۔

مثال 2: اگر کوئی قسم کھائے کہ کلام نہ کرے گا پھر قرآن پڑھا یا تسبیح وتہلیل کی تو حانث نہ ہو گا حالانکہ حقیقتاً وشرعاً یہ بھی کلام ہے قیاس کا تقاضا حنث کا ہے لیکن استحسانا حانث نہیں کیونکہ عرف عام میں کلام کرنے میں تلاوت قرآن اور تسبیح وتہلیل داخل نہیں۔

الاستحسان بالقیاس الخفی

قیاس کا لغوی معنی ہے اندازہ کرنا جب کہ اصطلاح اصول فقہ میں اس سے مراد ہے کسی امر منصوص یا مجمع علیہ کا حکم کسی امر غیر منصوص یا غیر مجمع علیہ پر بربنائے علت مشترکہ لگانا۔

مثال 1: ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ **کل خمر سکرو کل مکر حرام** (۱) ہر نشہ آور شے خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔

☆ حرمت خمر کی علت نشہ ہے اب جس شے میں یہ علت ہوگی وہ شے حرام ہوگی جیسے ہیروئین۔ یعنی ہیروئین کو خمر پر قیاس کیا جائے گا حالانکہ شارع علیہ السلام نے اس

کا نام لے کر حرمت بیان نہیں فرمائی۔

قیاس دو طرح کا ہوتا ہے قیاس جلی، قیاس خفی۔ قیاس جلی سے مراد وہ قیاس ہے جس کی طرف ذہن فوراً متوجہ ہو اور اس کو سمجھنے کے لئے زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہ ہو جبکہ قیاس خفی وہ قیاس ہوتا ہے جو بہت غور وفکر کے بعد ذہن میں آتا ہے۔ جب کسی مسئلے میں قیاس جلی اور قیاس خفی دونوں موجود ہوں اور باہم معارض ہوں تو جو قوی الاثر ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا اگر قیاس خفی زیادہ قوی ہو اور اس پر عمل میں عوام الناس کا فائدہ ہو تو اسے اختیار کرنا اور قیاس جلی کو ترک کرنا استحسان بالقیاس الخفی کہلاتا ہے فقہاء قیاس خفی کو استحسان کا نام دیتے ہیں۔

مثال 1: شکاری پرندوں کے جوٹھے کی طہارت کا مسئلہ استحسان بالقیاس الخفی کی مثال ہے اس مسئلہ میں قیاس جلی اس کی نجاست کا مقتضی ہے کیونکہ شکاری پرندے کا گوشت حرام ہے اور جوٹھا اسی سے نکلنے والے لعاب کا اثر لے لیتا ہے جیسے درندوں کا جوٹھا لیکن استحساناً شکاری پرندوں کے جوٹھے کی طہارت کا حکم ہے یہاں قیاس خفی سے کام لیا گیا ہے وہ یہ کہ پرندہ چونچ سے پیتا ہے جو محض ہڈی ہونے کی وجہ سے پاک ہے۔ (اور ہڈی تو زندہ، مردہ دونوں کی پاک ہوتی ہے) بخلاف درندوں کے کہ وہ لبوں اور زبان سے پانی پیتے ہیں اس لئے ان کا لعاب پانی میں مل کر پانی کو نجس کر دیتا ہے کیونکہ لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور ان کا گوشت حرام ہے پس اس حوالے سے پرندوں کا الحاق درندوں سے نہیں ہو سکتا۔

مثال 2: وقف اور بیع میں قدر مشترک ملکیت سے خارج ہونا ہے یعنی وقف میں شے واقف کی ملکیت سے اسی طرح خارج ہو جاتی ہے جیسے بیع میں بائع کی ملکیت سے۔

اگر کسی نے کھیت وقف کیا تو پانی اور پانی کی نالی جس سے آبپاشی کرتے ہیں اور وہ راستہ جس سے کھیت میں جاتے ہیں یہ سب وقف میں داخل ہیں اگرچہ واقف نے اس کی صراحت نہ کی ہو۔ قیاس جلی کا تقاضا ہے کہ یہ چیزیں وقف میں داخل نہ ہوں کیونکہ قیاس جلی

وقف کو بیع سے ملحق قرار دیتا ہے لہذا جس طرح بیع میں بغیر صراحت کوئی شے شامل نہیں ہوتی ایسے ہی بغیر صراحت مذکور اشیاء وقف میں شامل نہ ہوں لیکن قیاس خفی وقف کا الحاق اجارے سے چاہتا ہے کیونکہ وقف واجارہ میں قدر مشترک انتفاع اور عدم ملکیت ہے چونکہ ان اشیاء کے بغیر وقف سے انتفاع ممکن نہیں وقف کو بیع سے نہیں بلکہ زیادہ قوی الاثر قیاس، قیاس خفی کے مقتضٰی کے مطابق اجارہ سے ملحق کیا جائے گا اور پانی، پانی کی نالی اور کھیت کا راستہ استحساناً وقف میں شامل ہوں گے۔

استحسان کا دائرہ کار:

اصول شرع چار ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔ ان میں کتاب وسنت کی حیثیت اساسی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام یا تو قرآن میں بیان فرمائے ہیں یا اپنے حبیب ﷺ کو تعلیم فرمائے ہیں لہذا کتاب وسنت دونوں کے احکام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں جو احکام کتاب وسنت سے معلوم نہ ہو سکیں اجماع سے حاصل ہوتے ہیں لیکن اجماع کتاب وسنت کے تابع ہے ایسا اجماع قطعاً معتبر نہیں جو قرآن وسنت کے منافی ہو ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم کو بدل نہیں سکتے لہذا کتاب و سنت کے بعد ہی اجماع کا عمل شروع ہوتا ہے۔

پس اصول دین میں کتاب وسنت کے بعد اجماع کا درجہ ہے اس کے بعد قیاس کا دائرہ کار شروع ہوتا ہے کیونکہ جس مسئلے کا حکم کتاب وسنت میں مذکور نہ ہو اور نہ ہی اجماع سے اس کا ثبوت ہو اس کا حکم ادلہ ثلاثہ (کتاب، سنت، اجماع) میں بیان کئے گئے نظائر کی روشنی میں ہی معلوم کیا جا سکتا ہے لہذا یہاں سے اجتہاد کا عمل شروع ہوتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا بم تقضی؟ (تم کس طرح فیصلے کرو گے) عرض کیا کتاب اللہ سے۔ فرمایا، اگر کتاب اللہ سے حکم نہ ملا پھر؟ عرض کیا سنت مبارکہ سے فیصلہ

کروں گا۔فرمایا،اگر سنت سے بھی حل نہ ملا تو؟ عرض کیا اجتہد برائی (میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: الحمد لله الذی وفق رسول رسوله بما یرضی به رسوله(۱۲) حمد اللہ کے لئے جس نے اپنے رسول ﷺ کے نمائندے کو اس شے کی توفیق دی جو اس کے رسول ﷺ کو پسند ہے۔

مجتہدین ادلہ ثلاثہ سے مسائل کا استنباط کرنے لئے قیاس سے کام لیتے ہیں قیاس جلی ہو کہ خفی کتب اصول میں قیاس جلی قیاس خفی یعنی استحسان کو بیان کیا جاتا ہے لیکن مجتہدین کے نزدیک ان کی باہمی تقدیم وتاخیر لازمی نہیں بلکہ ترجیح کے اعتبار سے ہر ایک کا اپنا محل ہے ضابطہ اس کا یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے میں قیاس خفی (استحسان) قوی الاثر ہو تو قیاس جلی پر راجح ہوگا کیونکہ حکم کا مدار قوت تاثیر پر ہے نہ کہ ظہور وخفا پر مثلاً دنیا ظاہر ہے اور عقبیٰ باطن ہے لیکن عقبیٰ کو دائمی ہونے کی وجہ سے عارضی دنیا پر ترجیح حاصل ہے لیکن اس قیاس کو جس کا باطن صحیح ہو اس استحسان پر ترجیح ہوگی جس کا باطن فاسد ہو خواہ اثر ظاہر ہی کیوں نہ ہو۔

مثال: اگر کسی نے آیت سجدہ نماز میں پڑھی تو قیاساً رکوع کر لینا کافی ہے لیکن استحساناً کافی نہیں بلکہ سجدہ کرنا ضروری ہے اصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر قاری آیت سجدہ پڑھے تو سجدہ کرے پھر قیام میں آکر باقی قرائت کرکے رکوع میں جائے جب رکوع کا موقع ہو اگر آیت سجدہ پڑھ کر نماز کے رکوع میں چلا جائے تو قیاساً جائز ہے استحساناً نہیں۔قیاساً جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رکوع اور سجود دونوں خضوع (عاجزی) میں متشابہ ہیں اس لئے قرآن کریم میں سجدہ پر رکوع کا اطلاق ہوا ہے۔

وخر راکعا واناب (۱۳) اور (داؤد علیہ السلام) سجدے میں گر گیا اور رجوع لایا۔

وجہ استحسان یہ ہے کہ ہمیں سجدے کا حکم دیا گیا ہے اور سجدہ تعظیم کا انتہائی درجہ ہے جب کہ رکوع درجے میں اس سے کم ہے پس جس طرح نماز میں رکوع سجدے کا نائب نہیں اسی

طرح سجدۂ تلاوت میں بھی نہیں ہو سکتا۔اس استحسان کا اثر ظاہر جب کہ فساد پوشیدہ ہے کیونکہ تلاوت عبادت مقصودہ نہیں بلکہ تواضع (عاجزی،فروتنی) ہے۔اور نماز کے اندر رکوع سے تواضع ہو جاتی ہے نماز سے باہر نہیں (یعنی خارج نماز آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ ہی کرنا ضروری ہوتا ہے، رکوع اس کے لئے کافی نہیں ہوتا)

یہاں استحسان پر عمل نہیں کیا گیا بلکہ اس قیاس کو ترجیح دی گئی ہے جس کی صحت خفا میں تھی۔جب قیاس جلی کو ترک کر دیا جائے تو اس پر عمل جائز نہیں ہوتا بلکہ عمل کے لئے استحسان مخصوص ہو جاتا ہے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ظن بعض المتاخرین من اصحابنا ان العمل بالاستحسان اولی مع جواز العمل بالقیاس فی موضع الاستحسان وهذاوهم عندی فان اللفظ المذکورفی الکتب فی اکثر المسائل تر کناهذاالقیاس والمتروک لایجوزالعمل به فعرفنا ان الصحیح ترک القیاس اصلافی الموضع الذی ناخذ بالا استحسان(۱۴)

(ہمارے اصحاب میں سے بعض متاخرین کا خیال ہے کہ استحسان کے مقام پر قیاس پر بھی عمل جائز ہے گرچہ استحسان پر عمل اولیٰ ہوتا ہے میرے خیال میں تو یہ وہم ہے کیونکہ کتب میں اکثر مسائل میں لکھا ہے ''ہم نے قیاس کو ترک کر دیا'' اور متروک پر عمل جائز نہیں پس معلوم ہوا کہ جہاں استحسان کو لیا جائے وہاں قیاس کو ترک کرنا ہی صحیح ہوتا ہے۔

اس بحث سے جہاں استحسان کا دائرہ کار واضح ہو گیا وہاں یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اصول اربعہ کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے اور نہ ہی اپنے من کی خواہش سے شریعت گھڑنے کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ آپ اپنے اجتہاد سے مدعائے شریعت کو صرف بیان فرماتے ہیں فجزاه الله عنا احسن الجزاء.

استحسان کی ضرورت

شریعتِ اسلامی دائمی شریعت ہے کیونکہ شارع علیہ السلام جو کہ آخری نبی ﷺ ہیں دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں اور نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اب صبح قیامت تک آپ ﷺ کی شریعت ہی نافذ رہے گی لہذا ضروری تھا کہ یہ شریعت ایسی ہو کہ زمانے کے بدلتے حالات سے جنم لینے والے نت نئے مسائل کا صحیح حل پیش کر سکے اور ہر ملک وقوم کے لوگوں کو ہر معاملے میں کامل رہنمائی دے سکے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن مقدس کی حفاظت کا ذمہ خود اُٹھایا اور فرمایا: **انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون(۱۵)** یہ ذکر ہمیں نے نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔

اور سنت مبارکہ کو خاصان اُمت کے ذریعے محفوظ کروایا وہاں بعض افراد اُمت کو یہ توفیق بھی عطا فرمائی کہ ہر روز کے نو پید مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل کر سکیں لہذا ان نفوس قدسیہ جنہیں ہم فقہاء مجتہدین کے محترم ناموں سے یاد کرتے ہیں، نے اپنی خداداد بصیرت فقاہت اور قوت استنباط سے کام لے کر اصول فقہ بھی وضع فرمائے، اپنے اجتہاد سے لاکھوں مسائل بھی استنباط فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ قیامت تک ظاہر ہونے والے مسائل کے حل کا اسلوب بھی اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا۔ مجتہدین کی کاوشوں سے استفادہ کرتے ہوئے ان گنت مسائل کو قیاس یا کلی وعمومی اصولوں کی روشنی میں حل کیا گیا لیکن کتنے ہی مسائل ہیں جن کا حل ان کلی وعمومی اصولوں کی روشنی میں ممکن نہیں ہوتا یا مفید نہیں ہوتا، بلکہ عوام الناس کے لئے دشواریاں پیدا کر دیتا ہے کتنے ہی امور ہیں جو لوگوں میں صدیوں سے رائج ہیں جیسے بیع سلم اور استصناع۔ اگر ان کو بربنائے قیاس ناجائز قرار دیا جائے تو لوگوں کے معاملات میں بہت حرج واقع ہو اور دشواری پیدا ہو جائے حالانکہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا منشا بندگانِ خدا کے لئے آسانیاں پیدا کرنا ہے نہ کہ دشواریاں۔ اللہ فرماتا ہے:

یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر(۱۶) اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

اور فرمایا ہے "**مایرید اللہ أن یجعل علیکم من حرج(17)**

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **یسروا ولا تعسروا(18)**

آسانی پیدا کرو اور دشواری پیدا نہ کرو۔

لہذا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشا پوری کرنے کے لئے استحسان سے کام انتہائی ضروری ہے کیونکہ استحسان ہی وہ اصول ہے جو قیاس اور کلی حکم سے پیدا ہونے والی دشواریوں سے چھٹکارا بھی دلاتا ہے اور حدودِ شریعت سے باہر بھی نہیں نکالتا۔ اس لئے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے استنباط مسائل میں اس سے کثرت سے کام لیا ہے جب کہ بعض مسائل میں شافعیہ نے بھی استحسان کا سہارا لیا ہے جیسے:

☆ شفع کرنے والے کے لئے ثبوتِ شفعہ کی مدت تین دن مقرر کرنا۔

☆ مہر مقرر نہ ہونے اور رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں برتنے کو تیس درہم عورت کا حق ٹھہرانا۔

☆ چور حد کے وقت بایاں ہاتھ آگے کر کے کٹوا لے تو دائیں کو نہ کاٹنے کا حکم دینا۔

☆ حمام میں مروجہ اصولوں کے تحت غسل کو جائز قرار دینا۔

احناف نے استحسان کو سب ائمہ سے زیادہ استعمال کیا ہے اور یہ اصطلاح بھی انہی کی وضع کردہ ہے انہوں نے استحسان کی ضرورت واہمیت اور حجیت کو قرآن، سنت اور اجماع اُمت سے ثابت فرمایا ہے ان کے بعض دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

قرآن مقدس سے استدلال:

قرآن مقدس "احسن" کو اپنانے کا حکم دیتا ہے اور استحسان کا اصول بھی یہی ہے جو

ذیل میں درج آیات سے ماخوذ ہے:

1) وامر قومک یأخذوا باحسنها(۱۹) اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کریں۔

2) فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه(۲۰) تو خوشخبری سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پہلو کی پیروی کریں۔

3) واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم(۲۱) اور پیروی کرو اس کے بہتر پہلو کی جو تمہاری طرف اُتارا گیا تمہارے رب کی طرف سے۔

قرآن کریم بندوں کے لئے آسانی چاہتا ہے اور دشواری کو دور کرتا ہے استحسان میں بھی یہی اصول کارفرما ہے جو قرآن مقدس سے ہی مستنبط ہے، فرمایا گیا:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر(۲۲) اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

سنت مبارکہ سے استدلال:

یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا وتطاوعا(۲۳) آسانی پیدا کرنا اور سختی نہ کرنا اور خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا، شوق دلانا۔

اجماع اُمت سے استدلال:

افراد اُمت نے ہر زمانے میں کتنے ہی مسائل میں قیاس کو ترک کر کے استحسان پر عمل کیا ہے اور امامانِ شریعت نے اس کی مخالفت نہیں فرمائی جیسے بیع سلم، استصناع، برتنوں کو دھونے سے طہارت، مقررہ اجرت پر صابن کا پانی کا حساب رکھے بغیر حمام میں غسل کرنا، کیلی و وزنی اشیاء اپنی ہی جنس کے ساتھ گن کر لین دین کرنا وغیرہ پس حجت شرعیہ ہونے کی بناء پر استحسان کی ضرورت واہمیت ثابت ہوگئی ہے اور سلطانِ عقل کا فیصلہ بھی استحسان کے

حق میں ہے۔

استحسان کی حدود:

گذشتہ ابحاث سے ثابت ہو چکا کہ استحسان حجت شرعیہ ہے اور اس سے امامانِ دین وشریعت نے بہت سارے مسائل استنباط فرمائے ہیں اور یہ کہ اجتہادی مصادر شرعیہ میں اس کی بڑی اہمیت ہے استحسان ہی کی بدولت دنیا نے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ (دین آسانی ہے) کی بہاریں دیکھی ہیں اور استحسان ہی نے قیاس اور کلی قواعد سے پیدا ہونے والی دشواریوں سے اور پیچیدگیوں سے نجات دلائی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر مسئلے میں استحسان کو ڈھال بنا کر من پسند حکم جاری کیا جائے یا لوگوں میں رائج خلافِ نصوص امور کو جائز قرار دیا جائے جیسا کہ آج کے جدت پسند مفکرین و محققین کا طریقہ ہے جو کہ نصوص سے عدم واقفیت کی بناء پر یا جان بوجھ کو نصوص کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے رہے ہیں مثلاً غیر طبعی موت کے اسباب جاننے کے لئے پوسٹ مارٹم ٹیسٹ یعنی فوت شدہ کی کھوپڑی کو توڑنا اور اس کے بدن کو چیرنا پھاڑنا، حالانکہ یہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد:

کسر عظم المیت ککسره حیا(۲۴) مردہ کی ہڈیوں کو توڑنا ایسے ہے جیسے زندہ کی ہڈیوں کو توڑنا) کے خلاف ہے۔

☆ انسانی اعضاء کی خرید وفروخت بطور عطیہ دینا اور پیوند کاری کرنا حالانکہ یہ بھی شرعی اصولوں کی روشنی میں جائز نہیں کیونکہ بندہ اپنے جسم کا مالک نہیں کہ اس کے ٹکڑے بیچتا پھرے یا کسی کو تحفے میں دیتا رہے۔

☆ اسقاط حمل کو جائز قرار دینا حالانکہ یہ کسی انسان کو قتل کرنے سے کم نہیں۔

☆ حصول علم کی خاطر حرام جانوروں کی چیر پھاڑ کرنا حالانکہ بے ضرر مخلوق کو مارنا شرعاً صحیح نہیں۔

☆ سفر کی سہولتوں کی وجہ سے نماز میں قصر نہ کرنا حالانکہ سفر میں قصر کا حکم مطلق ہے سفر سواری پر ہو یا پیدل ہو اس میں فاصلے کا حساب رکھا گیا ہے نہ کہ سفر کی سہولت یا دشواری کا۔

☆ جرائم کی تحقیق میں ملزموں پر پولیس کا تشدد کرنا حالانکہ جرم کے ثبوت سے پہلے کسی انسان کو سزا دینے کا کوئی شرعی جواز موجود نہیں۔

استحسان کی جو بھی حیثیت تسلیم کی جائے یہ اجتہادی اصول نصوص کو معطل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا مقصد جہاں افرادِ اُمت کو سہولتیں فراہم کرنا اور دشواریوں سے بچانا ہے وہاں اس کی غرض احکام شریعت کی پاسداری بھی ہے اس لئے علماء اصول استحسان کو ادلہ اربعہ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) کے بعد بیان کرتے ہیں اور ہر حال میں اسے قیاس پر ترجیح نہیں دیتے بلکہ استحسان سے وہاں کام لیتے ہیں جہاں قیاس مشقت اور دشواریوں میں ڈالتا ہو اور مزاجِ شریعت کے خلاف مسائل استنباط ہوتے ہوں لہذا علمائے اصول نے استحسان کی قیاس پر ترجیح کا جامع اصول دیا ہے۔ (جیسا کہ استحسان کے دائرہ کار کے عنوان کے تحت بیان ہو چکا) کہ استحسان کو قیاس پر ترجیح اسی صورت میں ہوگی جب قیاس خفی بمقابلہ قیاس جلی قوی تر اور صحیح ہوگا۔

اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ فقہ حنفی اُمت محمدیہ ﷺ کی مقبول ترین فقہ ہے کیونکہ یہ قرآن وسنت کی روح کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ عقلی اور معاشرتی تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہے یہ مسلمانوں کی دینی و دنیاوی زندگی میں کامل رہنمائی فراہم کرتی ہے اسی وجہ سے مختلف ادوار میں مختلف خطوں میں ریاستی مذہب کے طور پر نافذ رہی ہے اس وقت بھی دنیا کی مسلمان آبادی کا دوتہائی حصہ اسی فقہ کا مقلد ہے اور اس فقہ کے علماء کرام ومفتیان عظام اپنے عالی مرتبت امام رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع کرتے ہوئے آج کے ہر مسئلے کا حل پیش کر سکتے ہیں اور استحسان جیسے اصولوں کی روشنی میں اُمت کو دین حق پر قائم رکھے ہوئے دیگر

اقوام کے ساتھ معاشی، سماجی، سیاسی وغیرہ امور میں مناسب تعلق رکھنے کے اصول وضوابط عطا فرما سکتے ہیں۔

یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلامی نظام کو فرسودہ اور آج کے دور کیلئے ناکافی کہنے والے کور باطنوں کے اوہام اصلاً کوئی وُقعت نہیں رکھتے اسلام کا نظام ہر دور کیلئے کافی ووافی ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات

1) اصول الفقہ الاسلامی، ڈاکٹر زکی الدین شعبان
2) الاحکام فی اصول الاحکام، علامہ سیف الدین آمدی
3) المبوط۔ لامام ابی بکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسیؒ ج:10
4) مالک، حیاته و عصره، و آراء ه، وفقهه ،محمد ابوزهره
5) اصول الفقہ الاسلامی، ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی
6) سورۃ النساء، رقم الآیہ 12
7) سورۃ التوبہ، رقم الایۃ 103
8) سنن الترمذی، لامام ابی عیسٰی الترمذیؒ، عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ
9) صحیح البخاری کتاب السلم ، لامام محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ تعالٰی
10) صحیح البخاری، کتاب الصیام عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ
11) سنن ابی داوٗد، امام سلیمان بن اشعث السجستانی، باب ماجاء فی السکر
12) سنن الترمذی، ابواب الاحکام، لابی عیسی محمد بن عیسی الترمذیؒ
13) سورۃ ص رقم الایۃ 24
14) اصول السرخسی لامام ابی بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسیؒ (ج 2)
15) سورۃ الحجر رقم الایۃ 9
16) سورۃ البقرہ رقم الایۃ 185
17) سورۃ الحج: رقم الایۃ 78
18) صحیح البخاری، امام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الاداب
19) سورۃ اعراف: رقم الایۃ 140
20) سورۃ الزمر، رقم الایۃ 17-18

21) سورۃ الزمر 55
22) سورۃ البقرۃ، رقم الایۃ 185
23) صحیح البخاری، امام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الاداب
24) المصنف ،عبدالرزاقؒ، ج:3

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
اور نظریہ استحسان

ڈاکٹر افتخار احمد خان

(شعبہ عربی جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور نظریہ استحسان

ڈاکٹر افتخار احمد خان

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سیّدالانبیاء والمرسلین وعلی اٰلہ واصحابہ أجمعین أمابعد!

فأعوذباللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یُرِیدُ اللّٰہُ بکم الیُسرَ ولایُرِیدُ بکم العسر(1)

"اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا"

مقالہ کا موضوع ہے:

"امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور نظریہ استحسان"

زیرنظر مقالہ چار حصوں میں منقسم ہے:

1) استحسان کا مفہوم
2) قیاس اور استحسان میں فرق
3) استحسان کے جواز اور رد میں دلائل کا جائزہ
4) استحسان کی فقہ میں ضرورت واہمیت اور عصر حاضر کا تقاضا

اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں علم وعمل کی تمام خوبیاں جمع کر دی

تھیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ میدان عمل میں تحقیق وتدقیق کے شہسوار، اخلاق وعادات میں لائق تقلید اور عبادت وریاضت میں یگانہ روزگار تھے۔ مسائل فقہیہ میں ان کی سطوت اور اجتہاد میں ان کا سکہ تو ہر ایک نے مانا ہے، البتہ بعض اہل علم نظریہ استحسان کے حوالہ سے آپ کی فقہی بصیرت پر نکتہ چینی واعتراض کرتے ہیں کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بکثرت استحسان فرمایا کرتے تھے جس کی ایک مثال پیش خدمت ہے جس کا ذکر امام زہرہ نے اپنی کتاب ''امام اعظم ابوحنیفہ'' میں صاحب کشف الأسرار فخر الاسلام بزدوی کے تحریر کردہ باب الاستحسان کے حواشی کے حوالہ سے کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''بعض معترضین امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے استحسان کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا تھا وہ کہتے ہیں...... اُدلہ شرعیہ تو صرف کتاب وسنت اور اجماع وقیاس ہیں لیکن استحسان ایک نئی قسم کی دلیل ہے جس کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کے علاوہ کسی نے شرعی دلیل میں شمار نہیں کیا اور وہ کسی دلیل پر مبنی بھی نہیں ہے بلکہ یوں کہیے کہ وہ ایک من مانی دلیل ہے اس کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ خواہش نفسانی کے پیش نظر شرعی دلیل کو خیر باد کہہ دیا جائے۔(2)

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ استحسان کے باعث آپ کس قدر ہدف طعن قرار پائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو استحسان اس قدر موضوع وسبب اختلاف بنا رہا وہ دراصل ہے کیا چیز؟ استحسان باب استفعال سے مصدر ہے جس کا مادہ (بنیادی حروف) ''ح س ن'' ہے امام اللغۃ ابن فارس اپنی مشہور ومعروف معجم مقاییس اللغۃ میں رقم طراز ہیں:

مادة الحاء والسين والنون أصل واحد تدلّ على ضدّ القبيح

مادہ ''ح س ن'' کی اصل ایک ہے جو کہ قبیح کی ضد (یعنی اچھا

ہونے) پر دلالت کرتی ہے۔

اس سے پتا چلا کہ لغوی طور پر استحسان کسی چیز یا امر کو اچھا لگنا یا اچھا سمجھنا کو کہتے ہیں۔ جبکہ اصطلاحی طور پر استحسان اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح جسے مذہب حنفی میں بمقابلہ قیاس جلی قیاس خفی پر محمول کیا جاتا ہے اور جس کی حیثیت ایک ایسی دلیل کی ہے جو مجتہد کے دل پر تو نقش ہوتی ہے لیکن وہ لفظوں میں اسے ظاہر نہیں کرسکتا لہٰذا امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

الاستحسان:

هو ترك القياس والاخذ بما هو اوفق للناس(3)

یعنی قیاس کی جگہ کوئی ایسی بات اختیار کرنا جو انسانوں کے لئے زیادہ نفع بخش (سودمند) ہو۔

ڈاکٹر زیدان نے الوجیز میں مختلف ائمہ کی تعریفات ذکر کی ہیں وہ کہتے ہیں:

فخر الاسلام البزدوی کے نزدیک:

"الاستحسان: هو العدول من موجب القياس الى قياس اقوى منه او هو تخصيص قياس بدليل اقوى منه(4)

''استحسان سے مراد، قیاس جس حکم کا متقاضی ہو، ترک کرکے اس سے زیادہ قوی قیاس پر عمل کرنا یا قوی دلیل کی بنا پر کسی قیاس کی تخصیص کرنا''۔

جبکہ حنفی عالم امام کرخی کے نزدیک استحسان سے مراد ہے:

"الاستحسان هو ان يعدل الانسان عن ان يحكم فى المسالة بمثل ماحكم به فى نظائرها الى خلافه، لوجه يقتضى العدول عن الاوّل"(5)

"استحسان اس چیز کا نام ہے کہ مجتہد ایک مسئلہ میں اس کے نظائر وامثال کے مطابق حکم نہ لگائے بلکہ قوی تر دلیل کی جانب رجوع کرے جو اشباہ ونظائر سے عول کا تقاضا کرتی ہو، شیخ ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ استحسان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الاستحسان: هوا ایثار ترک مقتضی الدلیل عن طریق الاستثناء والترخص المعارضة مایعارضه فی بعض مقتضیاته(6)

"بعض مقتضیات میں معارضہ کی بنا پر تخصیص اور استثناء کے طریقہ کو چھوڑ کر ترک دلیل کے طریقہ کو ترجیح دینے کا نام استحسان ہے"۔

فقہائے حنفیہ نے امام ابوحنیفہ سے منقول استحسان کی وضاحت کی ہے اور اسی طرح قیاس اور استحسان میں فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک استحسان اور قیاس میں فرق ہے تو یہ کہ قیاس سے مقصود ہے روکنا اور استحسان سے اجازت۔ لہذا استحسان ایک ایسی دلیل شرعی ہے جسے ویسی ہی کسی دوسری دلیل شرعی کے مقابلے میں ترجیح دی جائے۔ استحسان گویا قیاس خفی ہے۔ بمقابلہ قیاس جلی۔ قیاس جلی کی علت تو ظاہر ہے اس لئے کہ ہمارے سامنے ہوتی ہے اور قیاس خفی کی پوشیدہ بقول امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ:

"الاستحسان فی الحقیقة قیاسان: أُحدهما جلی، ضعیف أثره فسمی قیاسا والآخر خفی، قوی أثره فسمی استحسانا أی قیاسا مستحسناً"

استحسان دراصل دو قیاس جمع ہوتے ہیں ایک جلی اور واضح، مگر ضعیف الأثر، یہ استحسان یعنی قیاس مستحسن کہلاتا ہے پس وجہ ترجیح تاثیر کی بنا پر ہے وضوح اور خفاء پر نہیں، بعض فصول میں قیاس کا اثر قوی ہوتا ہے لہذا اسے اختیار کرلیا جاتا ہے۔

بہت سے علماء وفقہاء نے استحسان کو لیا اور اسے أدلہ احکام میں سے ایک دلیل تسلیم کیا

ہے اور بعض نے اس کا انکار کیا جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔ استحسان کے جواز کے قائل فقہاء کرام قرآن واحادیث سے استدلال کرتے ہوئے اس کی تائید کرتے ہیں خاص طور پر ایسی آیات واحادیث سے جن میں انسانیت کی فلاح اور سہولت کے پیش نظر احسن کام کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وأمر قومک یأخذوا بأحسنها(8)

"اپنی قوم (یعنی اُمت) کو حکم دو کہ وہ اس کی احسن وبہترین باتیں اختیار کریں"

اسی طرح درج ذیل اور ان سے ملتی جلتی دیگر آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں:

یریدالله بکم الیسر ولایریدبکم العسر(9)

"اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا"

لایکلف الله نفسا الا وسعها(10)

"اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

فبشر عباد ی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه(11)

"آپ خوشخبری سنا دیں میرے بندوں کو، جو غور سے بات سنتے ہیں پھر اس کے بہتر کی پیروی کرتے ہیں"۔

اسی طرح بہت سی احادیث مبارکہ ایسی ہیں جو نفس مضمون پر دلالت کرتی ہیں مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

یسرا ولاتعسرا، قوبا ولاتنفرا(12)

"آسانی پیدا کریں اور مشکل نہ بنائیں، لوگوں کو قریب لائیں متنفر نہ کریں"۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سے مروی حدیث مبارک:

خیر دینکم أیسره(13)

"تمہارا بہترین دین اس کی آسان تعلیمات ہیں"۔

ماراٰہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن(14)

مسلمان جس کام کو اچھا تصور کریں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہی ہوتا ہے۔

یہ ہیں وہ دلائل وشواہد جن سے فقہاء حنفیہ استدلال کرتے ہوئے جواز پیش کرتے ہیں اسی طرح معترضین کی بھی ایک طویل فہرست ہے جو استحسان کے رد کے قائل ہیں ان میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بڑے واضح الفاظ میں استحسان کا رد کرتے ہیں جس کا مفہوم ان کلمات میں پیش کیا جاتا ہے۔

"من استحسن فقد شرّع أی وضع شرعاجدیداً"(15)

جس نے استحسان کیا اس نے شریعت بنائی یعنی نئی شریعت وضع کی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الأم میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "کتاب ابطال الاستحسان" اور استحسان کے رد اور بطلان ثابت کرنے کے لئے دلائل دیے ہیں، فرماتے ہیں:(16)

"فتویٰ یا تو براہ راست نص سے ہونا چاہئے یا نص پر محمول ہونا چاہئے۔ اجتہاد بالرائے قیاس کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ قیاس نام ہے حمل علی النص کا۔ استحسان باطل ہے کیونکہ اسمیں ان دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی۔ نہ یہ أخذ بالنصوص ہے اور نہ حمل علی النصوص"۔

علامہ ابن حزم ظاہری نے استحسان کا رد ان الفاظ میں کیا ہے:

"الحق حق و ان استقبحہ الناس، والباطل باطل وان استحسنہ الناس، فصح أن الاستحسان شھوۃ و اتباع للھوی وضلال، باللہ تعالیٰ نعوذ من الخذلان"(17)

"حق حق ہے چاہے لوگ اسے برا سمجھیں اور باطل باطل ہے چاہے لوگ اسے اچھا سمجھیں تو صحیح بات یہ ہے کہ استحسان شہوت اور (من مانی ہوا پرستی) اور گمراہی ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں"۔

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ استحسان کی وضاحت کرتے ہوئے رد اس انداز میں فرماتے ہیں:

"الاستحسان ھوالذی یسبق الی الفھم مایستحسنہ المجتھد بعقلہ"(18)

استحسان وہ ہے جو فہم کی طرف لے جاتا ہے جسے مجتہد اپنی عقل سے اچھا سمجھتا ہے۔

اسی طرح بعض علماء نے استحسان کی تعریف وتوصیف بھی کی ہے۔ جن میں علامہ محلی شافعی قابل ذکر ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شرح جمع الجوامع میں استحسان کے متعلق فرمایا:

"الاستحسان: عدول عن قیاس الی قیاس اقوی منہ ولا خلاف فیہ بھذا المعنی فان اقوی القیاسین مقدم علی الآخر قطعاً"(19)

"ایک قیاس سے دوسرے اقوی قیاس کی طرف پھرنے کو استحسان کہتے ہیں اور اس معنی کے لحاظ سے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ دو قیاسوں میں اقوی قیاس دوسرے پر قطعی طور پر مقدم ہوتا ہے۔

مذاہب اربعہ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ بیشتر فقہاء نے استحسان کو سراہا ہے بعض شافعی علماء اس کی تائید کرتے ہیں اسی طرح مالکی فقہاء نے بھی استحسان کی اہمیت وضرورت اور وسعت کا اعتراف کیا ہے جیسا کہ استحسان کی تعریف میں ہم ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و

وضاحت کا ذکر کر چکے ہیں جس میں انہوں نے استثناء ورعایت کے پیش نظر بعض تقاضوں کے معارضہ کی وجہ سے دلیل کے تقاضے کو ترک کرنے کے ایثار کو استحسان کا نام دیا ہے جبکہ بقول علامہ احمد الحجی الکروی:

"انہ لاخلاف بین الحنفیة و الشافعیة فی حجیة الاستحسان فی حقیقة الأمر ،وان الاختلاف بینهما لفظی فقط...... کیفما سمی ذلک،فالحنفیة یسمونه استحسان النصوص أواستحسان الاجماع،والشافعیة یسمونه قراناً أواجماعاً دون اضافة لفظ الاستحسان فقط"(20)

درحقیقت استحسان کے دلیل و حجت ہونے کے بارے میں احناف اور شوافع میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔اگران میں اختلاف ہے تو صرف لفظی......اسے یہ نام کیسے دیا گیا ہے۔احناف اسے استحسان نصوص یا استحسان اجماع کا نام دیتے ہیں،شوافع اسے قران یا اجماع کہتے ہیں بغیر لفظ استحسان کی اضافت کے"۔

اسی سے ملتا جلتا قول امام حموی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والشافعی یقول بهذا کمالک فلزمه القول بالاستحسان ولوسماه بغیر اسمه"(21)

"امام شافعی بھی وہی کہتے ہیں جیسے کہ امام مالکؒ اوران کے قول کو استحسان کہا جائے گا چاہے وہ اسے استحسان کے علاوہ کوئی اور نام ہی دیں"

حتیٰ کہ بعض علماء نے استحسان سے اختلاف کرنے والوں کو لاعلم بھی قرار دیا ہے جن میں

صدر الشریعہ قابل ذکر ہیں (22) اسی طرح علامہ آمدی نے اس بحث استحسان اور علماء کے اختلاف کو لاحاصل قرار دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

"فحاصل النزاع راجع فیه الی الاطلاقات اللفظیة ولا حاصل له(23)"

تمام اختلافات کا حاصل یہ ہے کہ صرف الفاظ کے اطلاق کا اختلاف ہے اوراس سے حاصل کچھ بھی نہیں۔

مذکورہ تصریحات و دلائل ذکر کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استحسان کے اصول وقاعدہ کا مقصد حدود شرع میں رہ کر انسانوں کے مابین زیادہ سے زیادہ دفع ضرر، آسانی اوراجتماعی وانفرادی خیر و بھلائی کی صورتیں میسر ہوں اور مشکلات وپیچیدگیاں کم کرنا ہے جو قرآنی اصول" یرید اللہ بکم الیسر ولایریدبکم العسر" اورفرمان رسول ﷺ"خیر دینکم الیسرہ" اور"یسرا ولاتعسرا قربا ولاتنفرا" کے عین مطابق ہے اور شریعت کے منشا" الدین نصیحۃ" کی رو سے قیاس سے انحراف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ فقہاء حنفیہ نے استحسان کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے پہلی قسم استحسان القیاس، جس کا یہ معنی ہے کہ مسئلہ میں دو اوصاف پائے جاتے ہوں جو دو متباین قیاسات کے مقتضی ہوں۔ایک ظاہر اور متبادر، یعنی وہی اصطلاحی قیاس، دوسرا خفی، جو کسی دوسرے قاعدہ سے الحاق کا متقاضی ہو۔ اس کا نام استحسان ہے مطلب یہ کہ فقیہ کے خیال میں دونوں قیاسات مسئلہ آمدہ پر منطبق ہو سکتے ہیں لیکن ایک قیاس ظاہر ہے جو مسئلہ کے نظائر میں عمل کرتا ہے اور دوسرا قیاس اس مسئلہ میں خفی ہے کیونکہ وہ اس کے اشباہ امثال میں عمل نہیں کرتا لیکن پیش نظر مسئلہ میں ایک ایسا امر موجود ہوتا ہے جس کی بنا پر اسی خفی قیاس پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے جو اس کے نظائر میں عامل نہیں ہے۔ جبکہ استحسان کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس کا سبب ایسی علت خفیہ نہ ہو جو

علت ظاہرہ سے قوی الاثر ہو اس کا باعث کوئی دوسرا امر ہو یعنی اس کا معارض قیاس خفی نہ ہو بلکہ دوسرے مصادر شرعیہ ہوں یا ایسے امور جن کی مراعات اسلامی زاویہ نگاہ سے ضروری ہے۔ اندریں صورت قیاس کی معارض حدیث ہوگی یا اجماع یا وہ شدید ضرورت کہ اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو لوگ شدید حرج میں مبتلا ہوں ایسی صورت میں استحسان کو مزید درج ذیل چند اقسام میں منقسم کرنا ہوگا:

استحسانِ سنت:

سنت سے قیاس کو رد کر دینا جیسے حدیث مبارک میں مذکور ہے کہ بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا حالانکہ قیاس کے مطابق ٹوٹ جانا چاہیے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کیا۔

استحسانِ اجماع:

جب قیاسی مسئلہ کے خلاف اجماع ہو تو قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ صنعت وحرفت والے لوگوں سے پیشگی بیع کا معاملہ کرنا جائز ہے مگر قیاس اس کو باطل قرار دیتا ہے کیونکہ معاملہ طے کرتے وقت محل عقد موجود نہیں ہوتا۔ مگر ہر زمانہ میں علماء اسے درست سمجھتے آئے ہیں لہذا یہ اجماع ہے اور اس سے قیاس کو ترک کر کے زیادہ قوی دلیل کی جانب رجوع کر لیا گیا۔

استحسانِ ضرورت:

یعنی ایسی ضرورت جو مجتہد کو قیاس کے ترک کرنے اور ضرورت کے تقاضوں پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کرتی ہو جیسے حوض اور کنوؤں کا پاک کرنا، اگر قیاس پر عمل کیا جائے تو ان کی تطہیر کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ استحسان کی اس قسم میں دراصل قیاس کو ایک ثابت شدہ شرعی دلیل یا ایک ضابطہ وکلیہ کی بنا پر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بنا بر

ضرورت بعض ممنوع چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں اور اس کی غرض ومقصد صرف لوگوں کو سہولت پہنچانا ہے۔(25)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اُمت کے سچے بہی خواہ تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ بصیرت اور انتہائی تیز نظر سے نوازا تھا دیکھا جائے تو بات واضح ہو کر سمجھ آنے لگتی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک مجتہد کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ ایک ایسا مجتہد جو درحقیقت ملت کا غم خوار تھا جسے ہر دم اُمت کی آسانی اور فلاح درکار تھی۔ اس نے خالص فقہی معاملات میں بھی ملت کی مجموعی آسانی تلاش کی اور اس کے لئے ایسے اصول وضوابط وضع کئے جن سے فقہی استنباط کیا جا سکے جس سے حقیقت میں ایسے اصول وضوابط سے استنباط واستخراج ممکن ہو سکے جو سراسر آسانیوں اور سہولتوں کا مجموعہ نظر آئے۔ دراصل دور حاضر میں مسلمان ایسے دوراہے پر کھڑا ہے کہ اگر اس کے لئے آسانی اور سہولت کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو وہ مزید مشکلات کا شکار ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک گروہ تو وہ ہے جو جدیدیت کا قائل اور مغربی علوم وافکار کا دلدادہ ہے ایسے افراد فقہ اسلامی کو فرسودہ اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ خیال نہیں کرتے کیونکہ انہیں اپنے ہر مسئلہ کا حل جدید مغربی علوم و افکار میں نظر آتا ہے۔

دوسری طرف ایسے قدامت پسند افراد بھی ہیں جو اپنے عقائد ونظریات پر سختی سے ڈٹے ہوئے ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی اور اصلاح کی گنجائش نہیں سمجھتے ان کے خیال میں قدیم فقہی احکام اپنے تمام کلیات وجزئیات کے ساتھ قابل عمل اور قابل نفاذ ہیں۔

حقیقت میں قدیم ذخیرہ میں موجود بہت سارے احکام جزوی اور فروعی نوعیت کے ہیں اور وہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ عصر حاضر میں انہیں جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے از سر نو جائزہ لیا جائے اور جدید خطوط پر انہیں استوار کیا جائے۔

جدید دور میں ان امکانات پر غور کرنے والوں میں علامہ المحمصانی، علی حسین عبد القادر،

احمد مصطفیٰ زرقاء، سیّد قطب، الاستاذ الامام ابوزہرہ مصری، علامہ غلام رسول سعیدی اوران جیسے دوسرے جید علماء قابل ذکر ہیں۔ان ماہرین قانون اسلامی میں سے ہرایک نے اپنی رائے اور تجویز پیش کی ہے ان میں سے تقریباً تمام اس بات پر متفق ہیں کہ فقہاء کبار کے فیصلوں سے تلاش وجستجو کر کے نئے مسائل کا حل نکالا جائے تاکہ نئی نسل کے لئے مزید آسانیاں پیدا کی جاسکیں ان میں پیدا ہونے والی شکوک وشبہات کا خاتمہ ہوسکے اورنئی پیچیدگیوں سے بچایا جاسکے اوروہ مغرب کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کے قابل ہوجائیں۔

یہ عمل اگر انفرادی مساعی کی بجائے اجتماعی سطح پر کیا جائے تو نتائج بہتر طریقے سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جومختلف شرعی علوم پر عبور رکھتے ہوں اگر ممکن ہوسکے تو مسلم اُمہ کے وسیع تر مفاد کی خاطر بین الاقوامی سطح پر ان مسائل کا استنباط واستخراج کیا جائے جہاں سے کوئی درپیش مسئلہ یا سوال مختلف مما لک میں بھیج کر ان کی رائے طلب کی جائے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ فقہ اسلامی میں استحسان کی ضرورت واہمیت سے انکار ممکن نہیں اوراگر خلوص نیت سے کوشش کی جائے تو تمام مسائل کا حل استحسان کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے تمام مکاتب فکر کے جید علماء افہام وتفہیم نہایت سنجیدہ اور تحمل وبردباری کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل کا جائزہ لے کر اور استحسان کو بروئے کار لاتے ہوئے مثبت نتائج تک پہنچ سکتے ہیں اگر اس کی کوئی عملی صورت سامنے آئے تو یہ اُمت مسلمہ کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔(26) استحسان کی ضرورت واہمیت کو واضح کرنے کے لئے مزید چند مثالوں کا ذکر بہت ہی موزوں اور ضروری ہے:(27)

1) استحسان کی مثالوں میں سے ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ جب بائع اور مشتری مقدار ثمن میں مختلف البیان ہوں نہ خریدار ابھی چیز پر قابض ہوا ہو اور نہ فروخت کرنے

والے نے قیمت وصول کی ہو اس صورت میں بائع اور مشتری دونوں کو قسم دی جاتی ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مشتری کو صرف اسی زیادتی کے متعلق حلف دیا جائے جس کا بائع کو دعویٰ ہے کیونکہ ایک خاص مقدار کی حد تک دونوں متفق ہیں یعنی وہ مقدار جس کا اعتراف مشتری کو بھی ہے البتہ زیادت میں اختلاف ہے بائع اس کا دعویدار ہے اور مشتری انکار کرتا ہے۔عام قاعدہ یہ ہے کہ گواہ پیش کرنا مدعی کا کام ہے اور انکار کرنے والے پر قسم آتی ہے لہذا قیاس کے مطابق بائع پر حلف نہیں کیونکہ وہ مدعی ہے لیکن استحسان کا تقاضا ہے کہ مشتری کی طرح بائع کو بھی حلف دیا جائے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر شخص مدعی ہے اور منکر بھی۔بائع زیادتی کا دعویدار ہے اور مشتری اقرار کردہ قیمت ادا کرنے کے بعد استحقاق قبض کا دعویٰ کرتا ہے۔بائع مشتری کے مستحق قبضہ ہونے کو تسلیم نہیں کرتا لہذا دونوں میں سے ہر ایک مدعی ہے اور مدعی علیہ بھی لہذا دونوں میں سے کوئی بھی جب اپنے دعوے کو ثابت نہ کرسکے تو ان دونوں کو قسم دینا چاہئے۔ہاں اگر اختلاف مشتری کے قابض ہونے کے بعد رونما ہو تو بھی دونوں کو استحسانا حلف دیا جائے۔استحسان قیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ اس حدیث کے پیش نظر جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:''جب بائع اور مشتری میں اختلاف رونما ہو اور مبیع موجود ہو تو دونوں کو حلف دیا جائے اور مبیع واپس کر دیا جائے''۔(28)

2) اسی طرح استحسان کی واضح ترین مثال بیع سلم ہے (جس مال پر معاملہ کیا جائے وہ موجود نہ ہو بلکہ بعد میں حوالہ کیا جائے) قیاس ظاہر کے مطابق یہ بیع درست نہ ہو گی، کیونکہ جو چیز فروخت کی جاتی ہے وہ موجود نہیں ہوتی، حالانکہ چیز کی موجودگی بیع کی صحت کے لئے ضروری ہے لیکن رسول اکرم ﷺ کے درج ذیل فرمان کی بنا پر قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا جاتا ہے:

من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم

ترجمہ: جو شخص تم میں سے بیع سلم کرنا چاہے اس کو چاہیئے کہ پیمانہ، وزن اور مدت معین کرنے کے بعد کرے۔(29)

3) جن جانوروں کا گوشت حرام ہے ان کا جوٹھا بھی حرام ہے کیونکہ جوٹھے میں لعاب کا اثر ہوتا ہے۔اسی اصول کی بنا پر پنجہ سے شکار کرنے والے پرندوں کا جوٹھا بھی حرام ہونا چاہیئے کیونکہ ان کا گوشت حرام ہے لیکن قیاس خفی یہ ہے کہ پرندے چونچ سے کھاتے ہیں اور چونچ ہڈی ہوتی ہے، جو زندہ ومردہ سب کی پاک ہے کھاتے اور پیتے وقت یہ پاک چونچ دوسری پاک سے مل جاتی ہے جس میں ناپاکی کی کوئی آمیزش نہیں ہے لہذا ان کا جوٹھا پاک ہوگا۔

4) اسی طرح استحسان کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب چور چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو سزا کے طور پر اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔حد سرقہ کے نفاذ کے وقت اگر چور اپنا بایاں ہاتھ آگے کردے اور وہ کٹ جائے تو قیاس کے مطابق اصل میں تو دایاں ہاتھ ہی کاٹنا واجب تھا لہذا اسی کو کاٹا جانا چاہیئے،مگر استحسان کی رو سے اب اس کا دایاں ہاتھ کاٹنے کی ضرورت نہیں اور حد سرقہ کا نفاذ مکمل سمجھا جائے گا۔

ان مثالوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ فقہ اسلامی میں استحسان کی کس قدر ضرورت واہمیت ہے اور اس کا مقصود صرف وصرف لوگوں کو فلاح وآسانی فراہم کرنا ہے تاکہ لوگ اس میں مضمر حکمتوں اور فوائد سے مستفید ہوسکیں اور دین اسلام پر آسانی سے عمل پیرا ہوسکیں۔

وصلی اللہ علی محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین

☆☆☆

فهرس الهوامش والمصادر والمراجع

1) البقرة،الآية185

2) امام اعظم ابو حنيفه،للامام ابی زهرة مصری مترجم غلام احمد حریری، ص:577-578،ملک سنز،کارخانہ بازار فیصل آباد،طبع ثالث1983ء۔

3) المبسوط لابی بکر محمد بن احمد المتوفی490ھ،145/10 ،دارالکتب العلمیة بیروت،1421ھ/2001ء.

4) الوجيز فی اصول الفقه ،ص 230،للدکتور عبدالکريم زيدان،طبع مکتبة محمدية،1426ھ، وانظر للمزيد روضة الناظر وجنة المناظر4/407وما بعد ها،الآمدی4/209،ومابعد ها، کشف الاسرار4/1132،المسودة ص455.

5) المصدر السابق نفسه والصفحة ايضاً

6) المصدر السابق

7) دائرة المعارف الاسلامية2/570-569، پنجاب یونیورسٹی لاہور

8) الاعراف،الآية:145

9) البقرة،الآية:185

10) البقرة،الآية:286

11) الزمر،الآ ية18-17

12) صحيح البخاری،رقم الحديث1732،طبع بيروت1987

13) مسند احمد بن حنبلؒ الشيبانی3/479،طبع مصر مؤسسة قرطبة

14) الدراية فی تخريج احاديث الهداية للعسقلانی احمد بن 3/305،مکتبة

رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے

15) انظر کتاب الأم للامام الشافعیؒ 487/4-500 تحقیق محمود مطرجی دار الکتب العلمیة بیروت لبنان 2002م

16) المصدر السابق نفسه والصفحة أيضاً

17) الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم الظاهری 196/6، دار الکتب العلمیة ،بیروت

18) المستصفی للامام محمد الغزالی، 274/1، المطبعة الأميرية، بولاق مصر 1322ھ

19) شرح جمع الجوامع لمحمدبن احمد المحلی 353/2، طبع مصطفی البانی الحلبی واولاده بمصر 1937م

20) بحوث فی علم اصول الفقه للکروی احمد الحجی ص 127، شرکة دار البشار الاسلامیة 2004م، بیروت

21) الفکر الاسلامی فی تاریخ الفقه الاسلامی للحجوی محمد بن الحسن الثعالبی 192/1، طبع المکتبة العلمیة بالمدینة المنورة سنة 2000م

22) ملاحظہ کیجئے موسوعة الفقه الاسلامی، لجمال عبدالناصر 42/6، مجلس الاعلی للشئون الاسلامیة، قاهره 1390ھ

23) الاحکام فی اصول الأحکام للآمدی، ابو الحسن علی 213/4، المکتب الاسلامی دمشق

24) صحیح مسلم 805/2، رقم الحدیث 1155

25) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے حیات امام ابو حنیفہؒ از ابو زهره مصری ص 581-585، مترجم ،غلام احمد حریری

26) ماخوذ من "مجلة اسلامی تحقیق ص 128-119، المجلد الثانی، سنة 2007، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی لاہور، اردو دائرہ المعارف 103/15، پنجاب یونیورسٹی لاہور 1975م

27) کچھ مثالوں کا ذکر اقسام استحسان میں ہو چکا ہے۔

28) ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں موجود نہیں، فقہ کی کتابوں میں ہی ہے، حدیث کے الفاظ اس انداز سے ہیں۔

"اذا اختلف البیعان ولیس بینهما بینة فالقول صاحب السلعة أو یترادان"

29) بتغییر یسیر فی علل الحدیث لابن ابی حاتم الرازی 1158، طبع المکتبة السلفیة، وفی ارواء الغلیل للألبانی 218/5، طبع المکتب الاسلامی، وفیه "من أسلم فی شئ فلیسلم فی کیل معلوم"

نشست دوم

بعنوان

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی مجلس فقہ

ارا کین مجلس کا انتخاب اور تدوین فقہ میں ارا کین کا کردار

مباحث کا طریقہ کار اور استخراج مسائل کی بنیادیں

موضوعات اور آراء کے اختلافات کی صورت میں تطبیق کا طریق کار

فقہ حنفی کا روشن مستقبل

ڈاکٹر محمد طفیل

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

فقہ حنفی کا روشن مستقبل

ڈاکٹر محمد طفیل

فقہ حنفی کا نام لیتے ہی ذہن میں یہ امر آتا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 150) کی اختراع و ایجاد ہے اسی وجہ سے ان کے نام سے منسوب ہے اس حقیقت سے تو سبھی واقف ہیں کہ امام ابوحنیفہ فقہ حنفی کے موسس اور بانی ہیں تاہم تاریخ نے اس بات کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے کہ امام اعظم نے ''الفقہ الاکبر'' یادگار چھوڑی ان کی مجلس فقہ اور ان کے نامور تلامذہ امام ابویوسف، امام محمد بن حسن شیبانی اور امام زفر نے فقہ حنفی کو جلاء بخشی اور اسے مرتب کرنے میں اہم کردار ادا کیا چنانچہ امام ابویوسف کی کتاب الخراج امام شیبانی کی ظاہر الروایۃ اور امام زفر کی فقہ اس موضوع پر اہم تصانیف ہیں۔

جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ حنفی کی بنیاد رکھی اس وقت اسلامی علوم وفنون اپنی تدوین کے ابتدائی مراحل طے کر رہے تھے اس لئے انہوں نے فقہ اسلامی کی وہ معرکۃ الاراء تعریف کی جس کے معروف الفاظ ہیں ''معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا'' کہ انسانی نفوس کا یہ معلوم کرنا کہ ان کے لئے کیا مفید اور کیا مضر ہے اسی کا نام ''الفقہ الاکبر'' ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق وتصوف اور معاشرتی آداب واطوار سبھی فقہ کا حصہ ہوتے ہیں جبکہ علم فقہ کی دیگر تعریفات میں عموماً عقائد، اخلاق، تصوف اور معاشرتی آداب وغیرہ شامل نہیں ہوتے۔

فقہ حنفی کا عالی شان محل تعمیر کرنے اور اسے مسلمانوں کی اولین اور مقبول ترین فقہ بنانے میں لاتعداد فقہاء اور اصحاب فکر و دانش نے اپنا حصہ ڈالا اور اس فقہ کو اپنے خون سے سینچا ان میں امام نخعی، امام ربیعۃ الرازی، امام ابویوسف، امام محمد بن حسن الشیبانی، امام زفر بن ہذیل، امام حسن بن زیاد اللؤلؤی، ابوبکر جصاص، امام سرخسی، ابن نجیم، ابواللیث سمرقندی، امام زیلعی، ابن عابدین، امام المرغینانی اور ملاجیون رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی ذکر کئے جاسکتے ہیں اس فہرست کو مرتب کرنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ حنفی فقہا کی ایک طویل فہرست ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان سب نامور اصحاب فکر و دانش نے فقہ حنفی کی تدوین میں اپنا اپنا کردار ادا کیا جبکہ تیسری بات یہ ہے کہ ان تمام ماہرین فقہ نے حنفی فقہ کو ''الفقہ الاکبر'' کی تحدید اور دائروں سے الگ کر کے اسے اصلی اور مکمل حنفی فقہ کا مرتبہ عطاء کیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری صدی ہجری میں فقہ کی تدوین کی اگرچہ ان سے پہلے امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 92ھ) نہ صرف اپنی مشہور کتاب موطا ترتیب دے چکے تھے بلکہ وہ اپنا مدرسہ اہل الحدیث بھی قائم کر چکے تھے اور تعامل اہل مدینہ کی بنیاد پر اپنی فقہ کے خدوخال بھی واضح کر چکے تھے تاہم جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقہ کی تدوین کی اس وقت انہوں نے فقہی اصطلاحات سازی اور ان کے مفاہیم ومطالب کی تعیین پر خصوصی توجہ دی ان عمومی فقہی اصطلاحات کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے چند اصطلاحات یہ ہیں فرض، واجب، سنت، مندوب، نفل، مستحب، خلاف اولیٰ، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ، تنزیہی، مباح، صحیح، باطل، فاسد، اداء، قضاء، اعادہ وغیرہ وغیرہ ان سب اصطلاحات کے اپنے اپنے مفاہیم اور مطالب ہیں اسی طرح ان سب اصطلاحات کے الگ الگ مدلولات اور منطوقات ہیں ان اصطلاحات کی تعبیر وتشریح ہی ان کا دائرہ کار متعین کرتی ہے اور ان اصطلاحات میں چھپے ہوئے مطالب پر عمل کرنے یا انہیں ادا کرنے پر اجر وثواب اور عذاب وعقاب مرتب ہوتے ہیں۔ فقہ حنفی ہزاروں کتب اور اربوں

جزئیات سے عبارت ہے جن میں فقہ حنفی کی المبسوط جیسی تیس جلدوں اور الحاوی الکبیر جیسی بیس جلدوں کی کتابیں بھی شامل ہیں اور چند صفحات پر الفقہ الاکبر' چند قواعد وکلیات کی کتاب اصول الکرخی بھی شامل ہے اسی طرح فتاوی قاضی خاں فتاوی تاتارخانیہ' فتاوی شامی اور فتاوی رضویہ بھی شامل ہیں جبکہ ہر حنفی فقیہ کے فتاویٰ آج بھی فقہ حنفی کی زینت ہیں۔

فقہ حنفی کے وسیع تر ادب کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ تمام تاریخی ادوار میں فقہ حنفی اپنے اپنے دور کے مسلمانوں کے تمام مسائل کا احاطہ کرتی رہی ہے جو انسانی زندگی کے تمام امور میں رہنمائی فراہم کرتا ہے اور انسانی زندگی کے گوناں گوں اور متنوع مسائل کو فقہ حنفی ادلہ شرعیہ کی روشنی میں حل کرتا رہا ہے تاہم اس وسعت اور تنوع کے باوجود فقہ حنفی کی تمام کتب کو ایک ہی ترتیب سے مرتب اور مدون کیا گیا ہے چنانچہ فقہ حنفی کی تمام کتب کتاب الطھارہ سے شروع ہو کر کتاب السیر یا کتاب مسائل شتی پر ختم ہوتی ہیں اسی طرح فقہ حنفی کی کتب کا داخلی نظام بھی یکساں دکھائی دیتا ہے چنانچہ فقہ حنفی کی ہر کتاب طھارت' عبادات' مناکحات اور معاملات سے بحث کرتی ہے اور عبادات میں صلوۃ زکوۃ' صوم اور حج بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں یہ ساری تفصیل اس امر کی عکاس ہے کہ اس فقہ کی کتب میں صوری اور داخلی ہم آہنگی اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔

بظاہر فقہ حنفی کا ادب یکساں اور جمود کا شکار دکھائی دیتا ہے جبکہ زمینی حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں کہ جو جزئیات وقایہ میں شامل ہیں کنزالدقائق میں اس سے مختلف جزئیات ملتی ہیں اسی طرح شرح الوقایہ' الھدایہ' فتاوی عالمگیری' مجلۃ الاحکام العدلیہ اور ردالمختار میں شامل جزئیات جداگانہ ہیں کیونکہ فقہ حنفی انسانی مسائل سے بحث کرتی ہے جبکہ زمین ومکان کی تبدیلی سے انسانی مسائل بھی بدلتے رہتے ہیں نیز فقہ حنفی نے عمل صحابہ' استحسان' مصالح مرسلہ' عرف وعادت اور انسانی معمولات کو اپنے ماخذ ومصادر کا حصہ بنایا ہے اس لئے فقہ اسلامی کے ہر دور میں لکھی جانے والی فقہ حنفی کی ہر کتاب اپنے دور کے

مسائل پر محیط ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر عہد کی فقہ حنفی کی کتاب کے مطالعے سے اس دور کے اہم انسانی مسائل اور بڑی بڑی دینی تحریکوں نیز شرعی مشکلات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

ادب فقہ حنفی کے گہرے مطالعے سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ جو جزئیات اور جو مسائل اس فقہ کے متون' شروح' حواشی یا مختصرات میں ایک بار شامل ہو گئے وہ اس فقہ کا جزو لاینفک قرار پا گئے اور کبھی فقہی ادب الگ نہیں ہوئے غالباً مختلف تاریخی ادوار میں نہ تو فقہی مسائل واحکام پر نظر ثانی کی گئی کہ ان میں سے زائد از کار رفتہ' پرانے اور غیر مستقل امور کو جدا کر دیا جائے' ممکن ہے کہ ان احکام پر اس لئے نظر ثانی نہ کی گئی ہو کہ اگر کسی بھی وقت سابقہ نوعیت کے مسائل پیدا ہوں تو فقہ حنفی کا دامن ان کے حل سے خالی نہ ہو بلکہ اس میں دوبارہ پیدا ہونے والے ہم مثل اور ہم جنس مسائل کا حل موجود ہو مزید برآں دیگر مروج فقہوں کی طرح فقہ حنفی میں کسی بھی فقیہ یا امام کا ایک ہی مسئلہ پر قول قدیم اور قول جدید بھی موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں ایک فقیہ کے دو اقوال موجود ہیں اور ان دونوں کے حق میں اس کے دلائل بھی محفوظ ہیں جنہیں نظائر کا درجہ حاصل ہوتا ہے ان کی موجودگی سے فقہی ادب ضرور وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے لیکن ایک ہی مسئلہ پر ایک ہی فقیہ یا امام کے مختلف اور متضاد اقوال یا فتاوی اس مذہب کے پیروکاروں کے مابین داخلی تقسیم اور انتشار کا باعث بنتے ہیں۔

یوں تو فقہ کے سنہری دور (101-450ھ) کے دوران تیرہ مجتہدین نے اپنی اپنی فقہ مدون کی جن میں سفیان بن عیینہ مکہ میں مالک بن انس مدینہ میں حسن البصری بصرہ میں' ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کوفہ میں اوزاعی شام میں' شافعی اور لیث بن سعد مصر میں' اسحاق بن راہویہ نیشا پور میں جبکہ ابوثور' احمد' داؤد الظاہری نیز ابن جریر طبری بغداد میں مقیم رہے اور ان کی فقہ اپنے اپنے علاقے میں نشوونما پائی پروان چڑھی اور متداول ہوئی تاہم یہ تاریخی

حقائق اور مکانی تحدید بتاتی ہے کہ فقہی ادب کسی منصوبہ بندی یا مربوط تحریک کی شکل میں وجود میں نہیں آیا بلکہ وہ انسانی ضرورتیں پوری کرنے اور معاشرے کو پیش آمدہ جدید مسائل کے حل تلاش کرنے کی جدوجہد اور اجتہاد کے نتیجہ میں وجود میں آیا یہی وجہ ہے کہ ان فقہوں میں نہ صرف ان کا علاقائی رنگ غالب ہے بلکہ وہ عالمی مطلع پر متعارف بھی نہ ہو سکے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی وقعت، قدر و منزلت اور اہمیت کم ہوتی رہی۔

اگر ہم ان فقہوں کی موجودگی کا جائزہ لیں تو ان میں سے اکثر کے نام ہی باقی ہیں یا ان کی جزئیات، قواعد وکلیات اور اصول کتابوں کی زینت ہیں اب نہ ان مذاہب کے ماننے والے اور پیروکار موجود ہیں اور نہ ہی ان کا فقہی ادب اس کائنات میں باقی ہے اگر بہت دقت نظر سے دیکھا جائے تو آج اہلسنت کے چار، اہل تشیع کے دو اور اہل الظواہر کا ایک مذہب اپنے اپنے نام سے پہچانے جاتے ہیں تاہم آج ظاہری مذہب کے پیروکار تلاش کرنا بھی ایک دشوار اور وقت طلب کام ہوگا یہی حال معتزلہ اور خوارج کے فقہی ادب کا ہے کہ نہ تو وہ خود موجود ہیں اور نہ ان کے پیروکار۔

کسی بھی علم، فن، فقہ یا سائنس کو مٹانے یا قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک نظام ہے وہ جس علم وفن کو باقی رکھنا چاہتا ہے وہ اس میں ایک داخلی قوت پیدا کر دیتا ہے اور وہ اس علم وفن کے ماننے والوں اور اصحاب فکر ودانش سے ایسے علمی جواہر پارے مرتب کراتا ہے جو اس علم یا فن کو حیات دوام بخشتے ہیں غالباً یہی صورت فقہ حنفی کو درپیش ہے۔

1) فقہ حنفی معقولات اور منقولات دونوں سے بھرپور استفادہ کر کے اپنے اصول، قواعد و کلیات اور ضابطے مرتب کرتا ہے اور نصوص شرعیہ کو ان کے حقیقی معانی اور مفاہیم میں لاگو کرتا ہے۔

2) فقہ حنفی زمینی حقائق کو بہت اہمیت دیتا ہے اس لئے وہ اپنے دامن میں استحسان، استصلاح، استصواب رائے، مصالح مرسلہ، عرف وعادت، سد ذرائع اور عموم بلویٰ جیسے

اصول رکھتا ہے جو نصوص شرعیہ کی خاموشی یا عدم دستیابی کے وقت ان مصادر سے بھرپور استفادہ کرتا ہے۔

3) فقہ حنفی کا خمیر عراق سے اٹھایا گیا جو نہ صرف اسلامی تہذیب کا محور و مرکز ہے بلکہ کوفہ اور بصرہ نے اسلام کی ترویج واشاعت میں فرنٹ لائن کا کردار ادا کیا نیز عراق کے علاقے نے عرب اور عجم کے مسلمانوں کے مابین ایک پل کا کردار ادا کیا اور عراقی علاقوں سے اسلام کی کرنیں غیر عرب علاقوں تک وسیع ہوئیں یا عجمی دنیا ان سے مستنیر ہوئی سب سے بڑھ کر یہ تاریخی حقیقت ہمارے سامنے ہے کہ عراق کا ''مدینۃ العلم'' کئی صدیاں اسلامی ریاست کا دارالحکومت اور مسلمان علماء وفقہاء کا مسکن رہا اور مسلمان خلفاء، حکمرانوں اور شاہی خاندانوں کی سرپرستی کی وجہ سے بغداد میں فقہ حنفی کو بہت فروغ ملا۔

4) عراق کو یہ شرف بھی حاصل رہا کہ ایک طرف اس نے مہبط وحی، مکہ و مدینہ کے باشندوں کو اپنے جلو میں بسایا تو دوسری جانب اس نے بیت الحکمہ کی خدمات کے ذریعے اپنا تعلق اس وقت کی تہذیبوں سے استوار کیا اور یونانی تہذیب کے زیر اثر عقلی، ذہنی اور فکری علوم وفنون کو فروغ دیا یہی وجہ ہے کہ عراقی اصحاب علم ودانش روایت اور درایت سے یکساں استفادہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں علم ومعرفت اور عقل ودانش کے اس حسین امتزاج سے فقہ حنفی نے بھرپور استفادہ کیا اور حنفی فقہاء کی سعی بلیغ اور اجتہادی بصیرت کی روشنی میں ایسی فقہ وجود میں آئی جو منقول ومعقول سے بھرپور استفادہ کرتی اور مسلمانوں کے قلوب واذہان کو اپیل کرتی ہے۔

5) عبدالرحمٰن ابن خلدون اس حقیقت سے ہمیں متعارف کراتا ہے کہ اسلامی علوم وفنون کو فروغ دینے اور پروان چڑھانے میں عربوں کے مقابلے میں عجمیوں نے زیادہ خدمات سرانجام دی ہیں چنانچہ اگر ہم اسلامی علوم وفنون پر میسر تصانیف کا آج بھی

جائزہ لیں تو عجمیوں کی کاوشیں یقیناً ہمارے عرب بھائیوں سے کمیت اور کیفیت دونوں میں زیادہ دکھائی دیتی ہیں فقہ حنفی کا آغاز عرب ممالک سے ہوا تھا لیکن اس کے پیروکاروں کی غالب اکثریت عجمیوں پر مشتمل ہے اور عجمیوں نے ہی اپنے فقہی ادب میں ایسی لازوال خدمات انجام دیں جو کسی اور فقہ کو میسر نہ آئیں یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی پر لکھی گئیں کتب دیگر فقہوں کی کتب سے تعداد میں زیادہ اور علمیت میں وقیع تر ہیں۔

6) جن علاقوں میں فقہ حنفی مروج رہی ان میں عراق سے لیکر روس اور چین تک کے علاقے شامل ہیں یہ خطے ہمیشہ سے علم و دانش کا گہوارہ رہے ہیں چنانچہ متحدہ ہندوستان، ماوراء النہر کا خطہ، ایرانی تہذیب اور سب سے بڑھ کر چین جو نہ صرف علم و ہنر کا مرکز و محور ہمیشہ سے رہا ہے بلکہ "اطلبوا العلم و لو کان باالصین"(1) کی حرمت اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ چین ہی وہ واحد خطہ ہے یہاں سے مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا چنانچہ یہ خطے علمی اور فنی میدانوں میں بہت ترقی یافتہ تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فقہ حنفی کو تیزی سے قبول کیا اپنے ماحول میں سمو لیا اور اسے اپنی زندگی میں لاگو کیا بلکہ دوسری جانب خود فقہ حنفی نے ان خطوں کی علمی ترقی اور تہذیب و تمدن سے بہت سا مواد حاصل کر کے نہ صرف اپنا دامن بہت وسیع کر لیا بلکہ اپنے آپ کو غیر عرب دنیا کے لئے زیادہ سے زیادہ قابل عمل بنا لیا۔

7) آج جن خطوں میں فقہ حنفی رائج ہے ان میں ترکی، وسطی ایشیائی ریاستیں ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، مالدیپ، افغانستان چینی مسلمان علاقے اور روسی مسلم خطے شامل ہیں یہ علاقے دنیا کی تقریباً دوتہائی آبادی پر مشتمل ہیں ان خطوں کے باشندے نہ صرف ذہین اور محنتی ہیں بلکہ اپنی مذہبی اقدار پر مرمٹنے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف فقہ حنفی کو آج بھی حرز جان بنائے ہوئے ہیں بلکہ وہ اس کی ترویج و اشاعت میں شب و روز سرگرم عمل ہیں اور ان خطوں میں تدوین ہونے والا

فقہ حنفی کا مواد پورے عالم اسلام کی راہنمائی کر رہا ہے۔

8) چین کے وہ خطے جو روایتی طور پر مسلمانوں کی اکثریت والے خطے شمار ہوتے ہیں جیسے سنکیانگ وغیرہ ان تمام خطوں میں فقہ حنفی رائج ہے اور لوگوں کے دلوں پر راج بھی کر رہی ہے یہی وجہ ہے کہ دیگر فقہوں کے پیروکاروں کی کوششوں اور مادی ترغیبات کے باوجود آج بھی فقہ حنفی کی مقبولیت اور رواج میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ چین مستقبل کی سپر پاور ہے جو نہ صرف اپنی بشری قوت، بلکہ اپنی علمی، سائنسی اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت عالمی قیادت کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے اس لئے ہم بجا طور پر امید کر سکتے ہیں جب چین عالمی قیادت کا کردار ادا کرے گا اس دور میں فقہ حنفی کو مسلمانوں کی دیگر فقہوں پر ایک بار پھر فوقیت حاصل ہو جائے گی۔

9) امام ابوبکر جصاص نے احکام القرآن، امام سرخسی نے المبسوط حاکم شہید نے الکافی ابن نجم نے الاشباہ والنظائر مرغینانی نے الھدایۃ اور ملاجیون نے نورالانوار کے ذریعے سے فقہ حنفی کو وہ ضروری مواد فراہم کر دیا ہے جو فقہ حنفی کی بقاء اور اس کے روشن مستقبل کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے اور ان گراں مایہ علمی تصانیف کی بدولت فقہ حنفی مستقبل کے انسان کی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔

10) ماضی قریب میں ملاجیون کی تفسیرات احمدیہ قاضی ثناء اللہ کی تفسیر مظہری امام احمد رضا خاں بریلوی کے فتاویٰ رضویہ، مفتی محمد شفیع کی معارف القرآن اور پیر کرم شاہ کی ضیاء القرآن نے عمدہ طریقہ سے فقہ حنفی کی آبیاری کی ہے اور نہ صرف اس کی حفاظت میں اہم کردار ادا کیا ہے بلکہ فقہ حنفی کو اگلی مسلمان نسلوں کے لئے قابل استعمال بنانے کی بھرپور بنیاد فراہم کی ہے۔

مذکورہ عشرہ نکات کی روشنی میں ہم یہ امر باور کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کو ایسے حالات اور افراد کار عطا کئے ہیں جن کی بدولت وہ نہ صرف اپنی بقاء کی

جنگ لڑسکتا ہے بلکہ وہ غیر فقہی ماحول میں بھی زندہ رہ سکتا ہے اور مسلمانوں کی مروجہ مختلف فقہوں کے مابین اعلیٰ مقام حاصل کرسکتا ہے اس کے ساتھ ہی ہم یہ بات کہنے میں بھی سچے ہونگے کہ فقہ حنفی کا مستقبل روشن اور تابناک ہے لیکن فقہ حنفی کی اس تابناکی اور تفوق کو زمانے کے رحم وکرم پر نہ چھوڑا جائے بلکہ فقہ حنفی کے فقہاء، علماء، مشائخ اور دانشوروں کو اس کے مستقبل کو مزید تابناک بنانے کیلئے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا اور اس کی مزید مقبولیت وترویج و اشاعت کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کرنا ہوگا جس کے چند خطوط پیش خدمت ہیں۔

ا) حنفی فقہ کے نقادوں کا خیال ہے کہ ابن عابدین کی ''ردالمحتار'' کے بعد فقہ حنفی کی کوئی وقیع تصنیف سامنے نہیں آئی اس لئے ضرورت اس امر کی ہے نئی ضرورتوں اور ادلہ وشواہد کے جدید اصولوں کے مطابق فقہ حنفی کی ایک نمائندہ کتاب عربی زبان میں ترتیب دی جائے اور بعد ازاں اسے فقہ حنفی کے پیروکاروں میں مروجہ دیگر زبان میں منتقل کیا جائے۔

ب) حنفی فقہ کے پورے ادب کا ناقدانہ انداز میں جائزہ لیا جائے اور جو موضوعات اور مسائل اسلامی فقہ کا حصہ نہیں رہے مرور زمانہ یا انسانی ترقی کی بناء پر ان امور پر عمل کرنا متروک ہو چکا ہے یا وہ موضوعات اور مسائل اپنی افادیت کھو چکے ہیں انہیں فقہ حنفی کی کتب سے خارج کر دیا جائے یا انہیں کم از کم نئی مرتب ہونے والی فقہ حنفی کی نمائندہ کتابوں میں شامل نہ کیا جائے جیسے غلامی کے احکام اور احیائے ارض وغیرہ کے احکام کیونکہ غلامی کا انسانی معاشروں سے خاتمہ ہو چکا اور زمینیں اب حکومتی ملکیت ہوتی ہیں اور وہ عموماً اپنے شہریوں کو زمین کے مالکانہ حقوق منتقل نہیں کرتی۔

ج) اقوام متحدہ، سارک، آسیان، افریقی اتحاد اور یورپی یونین جیسی بین الاقوامی تنظیموں کے قائم ہونے اور مسلمان ریاستوں کے ان تنظیموں کے ارکان بننے سے جدید قوانین وجود میں آچکے ہیں اور غیر مسلم ریاستوں کی اکثریت کی وجہ سے تنظیمیں ایسی قانون

سازی کرتی رہتی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے عموماً اور فقہ حنفی کے خصوصاً خلاف ہوتی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ فقہ حنفی کے ماہرین پر مشتمل ایک پینل ترتیب دیا جائے جو ان تنظیموں کے قوانین، مسودہ ہائے قوانین اور منظور کردہ قراردادوں کا فقہ حنفی کی روشنی میں بغور جائزہ لیکر احناف کو مکمل رہنمائی فراہم کرے اور ایسے قوانین کے بارے میں احناف کا مستقبل کا لائحہ عمل فراہم کرے۔

د) سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی، عالمی معاہدوں اور قوانین کے تقابلی مطالعوں نے مسلمانوں کو بہت سے نئے مسائل سے دوچار کر دیا ہے اور فقہ حنفی کے پیروکاروں کے پاس ایسا کوئی نظام موجود نہیں ہے کہ وہ ان مسائل کے حل کے لئے فقہ حنفی کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرسکیں اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احناف اس اہم کام کی طرف فوری توجہ دیں ورنہ فقہ حنفی روز بروز کمزور ہوتی جائے گی۔

ہ) فقہ حنفی کی تاریخ بتاتی ہے کہ مختلف ادوار میں فقہائے احناف کے مختلف اقوال مفتی بہ اور معمول بہ رہے ہیں مقصد یہ ہے کہ ان بہت سے مفتی بہ اقوال کا عصری حالات اور شواہد ودلائل کی روشنی میں جائزہ لیکر مفتی بہ اقوال کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جائے جو آج کے احناف کے لئے قابل عمل ہو۔

و) فتاویٰ عالمگیری اور مجلۃ الاحکام العدلیۃ فقہ حنفی کی دو ایسی دستاویز ہیں جو ہندوستان اور ترکی کی حکومتوں نے مرتب کرائیں اور یہ دونوں دستاویز اسلام کے نفاذ میں بہت ممد ومعاون ہیں لیکن یہ دونوں دستاویز اپنے اپنے دور تک کے مسائل کا احاطہ کرتی ہیں جبکہ ان کتب کی تدوین کے بعد بہت جدید مسائل پیدا ہوئے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان اور ترکی کی حنفی حکومتیں مشترکہ طور پر جدید مسائل کے حل کے لئے ایک نیا مجموعہ قوانین تیار کروائیں جس کا سارا مواد فقہ حنفی سے ماخوذ ہوتا کہ ایک جانب تو عصر حاضر میں فقہ حنفی کی افادیت ثابت ہو اور دوسری جانب ان کی علمی ثروت

میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔

س) مختلف ادوار میں تیار ہونے والی فقہ حنفی کی کتب مختلف اسلوب رکھتی ہیں کہیں سرخسی کی المبسوط ہے تو کہیں کنز الدقائق، المبسوط اپنی طوالت اور کنز الدقائق اپنی مختصر نویسی اور معماتی لسانیاتی انداز کی وجہ سے عصر حاضر کے علماء اور فقہ حنفی کے پیروکاروں میں زیادہ مقبول نہ ہوسکیں نیز ان کتب میں عام قاری کو عالم فاضل شخص کے طور پر مخاطب کیا گیا ہے جس کی بناء پر فقہ حنفی کی عام کتب عام پڑھے لکھے قاری کی دسترس سے دور اور سمجھ سے بالاتر ہیں اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ فقہ حنفی کی عام فہم اور مختصر کتابیں تیار کرائی جائیں جن سے عام حنفی مسلمان استفادہ کر سکے حالیہ سالوں میں سید زوار حسین شاہ مرحوم نے علم الفقہ اور زبدۃ الفقہ کے نام سے جو کوشش کی وہ قابل تحسین تو ہے لیکن اس سے مزید بہتر اسلوب تدوین اپنا کر کے جدید کتب فقہ حنفی تیار کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ک) ہم کمپیوٹر کے دور سے گزر رہے ہیں چنانچہ تمام معلومات کمپیوٹر میں محفوظ کی جارہی ہیں یہاں تک اب دفاتر کا انتظام وانصرام صرف کمپیوٹر کے ذریعے ہی چلایا جاتا ہے اس لئے کمپیوٹر کے استعمال اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کمپیوٹر بڑے بڑے کام کم سے کم وقت میں عمدہ انداز میں سرانجام دیتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ فقہ حنفی کے معمول بہ مواد کو کمپیوٹر کے ذریعے محفوظ اور فراہم کیا جائے تا کہ فقہ حنفی سے استفادہ کا دائرہ کار وسیع ہو اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کے تیار کردہ ابتدائی خاکہ سے استفادہ مدومعاون ثابت ہوگا۔

ل) حنفی دنیا کے تمام دینی مدارس میں فقہ حنفی کی مختلف کتب شامل نصاب ہیں جن میں سے زیادہ تر شروح پر مشتمل ہیں جیسے شرح وقایہ، الھدایہ، توضیح وتلویح وغیرہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان دینی مدارس میں شروح کی بجائے اصل متون پڑھائے جائیں تا کہ طلبہ

ان سے براہ راست مستفید ہوں۔

م) تدریس فقہ کا کوئی منہج مقرر نہیں ہے اسی طرح فقہ حنفی کی متداول کتب میں دیگر فقہوں کی آراء کو بلیغ انداز میں رد کیا گیا ہے لیکن طلباء عموماً دیگر فقہاء کی آراء سے آگاہ ہی نہیں ہوتے اس لئے ضروری ہے کہ دینی مدارس میں ابتداء میں صرف فقہ حنفی پڑھائی جائے اور اعلیٰ درجات میں فقہ مقارن کی تدریس کو فروغ دیا جائے تا کہ فقہ حنفی کا موازنہ کے ذریعے تفوق ثابت ہو۔

ن) فقہ حنفی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس کے فقہاء نے نہ صرف فتاویٰ نویسی کے اصول وضع کئے اور ابن عابدین کی ''رسم المفتی'' جیسی کتاب ہمیں میسر ہے بلکہ فقہ حنفی میں فتاویٰ ادب کا ایک وسیع ذخیرہ ملتا ہے لیکن اب فقہ حنفی کا یہ اہم پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ فقہ حنفی کے قدیم فتاویٰ کو جدید فنی تدوین کے اصولوں کے مطابق ایڈٹ کر کے شائع کیا جائے اور جدید فتاویٰ کی تدوین و اشاعت کا سنجیدگی سے اہتمام کیا جائے اس سلسلے میں مولانا ابوالخیر نوراللہ بصیر پوری کے پانچ جلدوں میں مرتب اور مطبوع نمونے ''فتاویٰ نوریہ'' سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

ف) حنفی فقہ کے ماہرین کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو فقہ حنفی کی اشاعت اور اس کی امہات الکتب کی طباعت اور مفقیان کرام کی تربیت کا اہتمام کرے اور فقہ حنفی کی تدریس وتالیف کا منہج مرتب کرے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے فقہ حنفی کے ماضی، حال اور مستقبل کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا ہماری رائے میں فقہ حنفی کا مستقبل بہت روشن ہے اور یہ انسانی مسائل کا حل اور بشری ضروریات کی تکمیل کرتا رہے گا تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ فقہ حنفی کے پیروکار اس کی تعلیمات پر عمل کریں اور اس کے پیغام کو تمام انسانوں کے لئے قابل فہم بنائیں اسے جدید

حالات سے ہم آہنگ رکھیں اور جدید مسائل کا حل فقہ حنفی کی روشنی میں انسانوں کو فراہم کرتے رہیں اللہ تعالی ہمارا حامی و ناصر ہو۔

☆☆☆

مصادر و حواشی

1) التوضیح علی متن التلویح ج1 ص10

2) وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج1 ص15

3) تاریخ الفقہ الاسلامی ص86 طبع تہران بدون السنہ

4) ابن خلدون، عبدالرحمان، المقدمہ ص

5) ابن جماعۃ، تذکرۃ السامع والمتکلم ص

6) وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج1 ص

اجتہاد توضیحی
اور
تعبیر نصوص کے اصول

پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی
چیئرمین شعبہ عربی، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

اجتہاد توضیحی اور تعبیر نصوص کے اصول

پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی

انسانی معاشرہ اپنی اجتماعی تنظیم میں کسی برتر ہستی یا قانون کا محتاج ہے۔ تمدن کی بنیاد بھی اس قانون پر ہے جسے انسانوں کی جماعت پر امن بقائے باہمی اور فصل خصومات میں فیصل تسلیم کر لیتی ہے۔ یہ قانون، حکم اس کا صدور جس ذات سے ہوتا ہے وہی مقتدر اعلیٰ (Soverign Authority) اور حاکم (Law-Giver) کہلاتا ہے۔ انسانی منظم معاشرہ ہی ریاست (State) کی بنیاد ہے یعنی انسانوں کا ایسا گروہ جو کسی برتر ہستی یا قانون کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کرتا ہے انسانی معاشرہ کہلاتا ہے۔ انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہے کہ وہ پر امن بقائے باہمی کے لئے کسی نہ کسی عمرانی معاہدہ کے تحت اجتماع اور تمدن ترتیب دیتا ہے۔

انسانی تاریخ، میں یہ عمرانی معاہدہ، اس کا طریق کار عقل رہا ہے یا وحی۔ دور حاضر تک کئی ریاستیں سیکولر بنیادوں پر مختلف اشکال، انواع کے ساتھ وجود میں آئیں تو وحی کی بنیاد پر کئی انسانی معاشرے وجود میں آئے، قرآن مجید کی رو سے انسانی معاشرہ کی بنیاد ہدایت وحی پر ہے اور انسان کا فطری دین، دین اسلام ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ ہدایت وحی سے انحراف شروع ہوا جس کی اصلاح کے لئے اللہ رب العزت نے انبیاء کی صورت میں انسانی معاشرہ کی تشکیل کے لئے رہنمائی مہیا فرمائی۔

"كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين و منذرين وانزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه ط وما اختلف فيه الا الذين اوتوه من بعد ماجاء تهم البينٰت بغيا بينهم فهدى الله الذين امنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه ط والله يهدى من يشآء الى صراط مستقيم" (سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۳)

قرآن مجید میں تصریح ہے کہ بنی آدم کو زمین پر آباد کیا گیا تو قانون ہدایت کو بھی ساتھ ہی نازل کیا۔ اس قانون حکم کی پابندی کو لازمی قرار دیا گیا۔

قلنا اھبطوا منھا جمیعاً فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلاخوف علیھم ولا ھم یحزنون" (سورۃ البقرہ آیت ۳۸)

نیز یہ صراحت بھی کر دی کہ خلق (Creation) اور امر (Command) ہر دو اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ "الا له الخلق والامر" (سورۃ الاعراف آیت ۵۴)۔

قانون، حکم اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے اسی برتر ہستی اور مقتدر مطلق کی منشا اور مرضی کا نام ہے۔ اس لئے تمام انسان اوامر (Dos) ونواہی (Do nots) کے لحاظ سے اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں اطاعت (Submission) کے پابند ہیں۔ حکم خداوندی کا انکار، خلاف ورزی یا لاپرواہی کفر، فسق یا ظلم پر منتج ہوتا ہے۔

"من لم یحکم بماانزل الله فاولئک ھم الکافرون"۔
(سورۃ المائدۃ آیت ۴۴)۔

"من لم یحکم بما انزل الله فاولئک ھم الظالمون" (سورۃ المائدہ آیت ۴۵)۔

من لم یحکم بماانزل الله فاولئک ھم الفاسقون"۔
(سورۃ المائدۃ آیت ۴۷)

یہ مخالفت صرف دنیا یا صرف آخرت یا دنیا وآخرت دونوں میں سزا (Sanctions) کا موجب بنتی ہے۔

بندوں سے متعلق احکام (اوامر ونواھی) کی براہ راست معرفت نصوص یعنی قرآن و سنت کے ذریعے ہوتی ہے یا وسائل اجتہاد یعنی قیاس، استحسان واستصلاح وغیرہ سے ہوتی ہے۔ گویا اہل علم مخصوص اصول وضوابط کی روشنی میں نصوص میں غور وفکر کرتے ہیں، واقعہ کی مناسبت سے احکام کی توضیح یا استنباط کے عمل سے گزرتے ہیں، نصوص سے تخریج واستنباط احکام کا یہ عمل اجتہاد کہلاتا ہے۔

اجتہاد بایں معنی دو قسم ہے۔

1) اجتہاد توضیحی   2) اجتہاد استنباطی

اجتہاد توضیحی میں عربی زبان کے قواعد واسالیب اور علوم معانی وبیان کی روشنی میں نصوص پر نظر ڈالی جاتی ہے اور پیش آمدہ واقعات کے بارے احکام ثابت کئے جاتے ہیں۔

اجتہاد استنباطی کا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں عقلی استدلال اختیار کیا جاتا ہے، نصوص کے احکام کی علل وحکم کی گہری معرفت کے ساتھ مقاصد شریعت کے وسیع تناظر میں غور وفکر کی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرکے ان احکام کا استنباط کیا جاتا ہے جس کے بارے ظاہری نصوص ساکت ہیں۔

جب کتاب یا سنت کی کوئی نص اپنے لفظ سے کسی حکم پر دلالت کرے تو کہا جاتا ہے کہ یہ حکم نص سے ماخوذ ہے اور جب نص اپنے مفہوم ومعقول سے کسی حکم پر دلالت کرے تو کہا جاتا ہے کہ یہ حکم بطریق قیاس اَخذ کیا گیا ہے۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ نصوص کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور اسی

طرح بطریق قیاس ان نصوص کے الفاظ اور مفاہیم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ احکام کا استنباط ہو سکے۔

ہر چند کہ کتاب وسنت، اجماع وقیاس چار متفقہ اصول فقہ ہیں البتہ کتاب وسنت بنیادی مصادر ہیں، باقی ثانوی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ان اصول سے استنباط احکام کے حوالے سے ایک مخصوص نہج اور طریقہ رکھتے ہیں۔ وہ باقی ائمہ سے امتیاز یہ رکھتے ہیں کہ وہ ظاہر نصوص پر رُک نہیں جاتے اور نہ ہی وہ حرفی تفسیر پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ وہ ان معانی اور حکمتوں کی تلاش میں ہوتے ہیں جن کی طرف یہ نصوص اشارۃً دلالت کرتی ہیں۔ وہ ان غایات اور مصلحتوں سے آگہی حاصل کرتے ہیں جو ان نصوص کا مقصود ہیں، کتاب وسنت کی نصوص کی ایسی تفسیر کے بعد وہ ان علل وحکم اور مصالح کی روشنی میں احکام کا دائرہ کار متعین کرتے ہیں یہ اجتہادی عمل قیاس، استحسان، مصالح وعرف وغیرہ کی صورت میں مجتہدین کی جولانگاہ ہے۔

توضیحی اجتہاد کا موضوع وہ نصوص ہیں جن کا تعلق مکلفین کے افعال کے ساتھ ہے۔ اجتہاد کی مذکورہ صورت میں تعبیر وتشریح کے ضمن میں پہلی شرط عربی زبان کی معرفت ہے کیونکہ نصوص یعنی قرآن وسنت عربی زبان میں ہیں عربی زبان یعنی اس کے الفاظ ومعانی، دلالات، جمل اور تراکیب کے استعمالات سے تخریج احکام نیز ان آیات سے استدلالات عقلی اور استنباط احکام کی غرض سے اصول الفقہ کی کتابوں میں مبسوط مباحث موجود ہیں یہ ایسے قواعد وضوابط ہیں جن سے مجتہد ایک خاص تربیت حاصل کر لیتا ہے اور مطلوبہ مہارت اور ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ علماء اصول الفقہ نص کے الفاظ کی بالخصوص چار تقسیمات کرتے ہیں وہ یہ ہیں:

1) الفاظ کی اقسام باعتبار وضع یہ خاص، عام، مشترک اور مؤوّل ہیں۔
2) الفاظ کی اقسام باعتبار ظہور معنی ظاہر، نص، مفسر اور محکم ہیں اور باعتبار خفائے معنی

خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ ہیں۔

3) جملوں میں استعمالات کے لحاظ سے حقیقت، مجاز صریح، کنایہ ہیں۔
4) مفہوم نص سے استدلال کے طریق کے اعتبار سے عبارت النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص ہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ قانون اسلام کا مصدر قرآن ہے اور یہ کہ اسم قرآن کا اطلاق نظم اور معنی دونوں پر ہوتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب روایت جس میں آپ نے فارسی میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا، سے استدلال کیا جاتا ہے کہ قرآن صرف معنی ہے۔ اصح روایت کے مطابق حضرت امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس سے رجوع ثابت ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام صاحب کی اجازت اس شخص تک محدود ہے جو مسلمان ہوا لیکن عربی (قرآن) کی زبان کی ادائیگی پر قادر نہیں۔ اس کے علاوہ بھی قول امام کی توجیہات کی گئی ہیں لیکن علماء محققین اس پر اتفاق نہیں کرتے۔ قرآن مجید اپنے نظم (الفاظ) کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ نظم قرآن عربی ہے۔

"اناانزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون" سورۃ یوسف آیت2

"اناجعلنا قرآناعربیاً لعلکم تعقلون" سورۃ زخرف آیت ۳

"قرآناً عربیاً غیر ذی عوج لعلکم تتقون" سورۃ الزمر آیت ۲۸

یعنی قرآن مجید مجموعہ ہے، کلام لفظی وکلام نفسی کا۔ قرآن سے متعلق حادث وقدیم کی متکلمانہ اور فلسفیانہ مباحث سے قطع نظر یہ بطور قالب کے ہے جو کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے جس سے اللہ رب العزت کے اوامر، نواہی، احکام اور اخبار کا علم حاصل ہوتا ہے۔ بالخصوص احکام میں حلال وحرام کی معرفت قرآن کے نظم اور معنی میں عربی زبان کے اصول وقواعد کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے علماء نے لفظ ومعنی کی تقسیمات سے نصوص قرآنی

سے استنباط احکام کے اصول وضع کئے۔

مذکورہ تقسیمات کے حوالے سے فقہ حنفی کے مطابق بعض اصول وقواعد کا ذکر مناسب ہو گا۔ مثلاً یہ کہ خاص مخصوص کو قطعی طور پر شامل ہوتا ہے بایں طور پر کہ اس میں غیر کا احتمال نہیں ہوتا۔ اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق نماز میں رکوع وسجود کے الفاظ خاص ہیں لہٰذا تعدیل ارکان کو فرض قرار دینا جائز نہیں۔ طواف کا لغوی معنی خاص ہے یعنی دوران حول الکعبۃ اس کو طہارت کی شرط سے مشروط کرنا خبر واحد کے ساتھ ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

البتہ اس باب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں ''خاص'' میں خبر واحد سے اضافہ ہو سکتا ہے۔ خاص کی انواع میں امر اور نہی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صیغہ امر وجوب کے لئے ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں امر وجوب، ندب وغیرہ میں مشترک المعنی ہے۔ اسی طرح عام، حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ وغیرہ الفاظ سے متعلق قواعد اور اثبات احکام کے طرق میں عربی زبان اور اس کے قواعد کی معرفت ایک ناگزیر شرط ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ فقہاء کرام کے ان اصول اجتہاد کی روشنی میں فقہ اسلامی کے جملہ مذاہب اہل السنّت کی کتب اصول میں قرآن مجید کی نصوص کی تعبیر وتشریح کے اصول وقواعد انہی تقسیمات اور اقسام سے بحث میں مندرج ہیں اور بتایا گیا ہے کہ ان قواعد کی رو سے اثبات احکام اور استنباط احکام کی طریق (Procedure) کیا ہے۔ ہر چند کہ بعض قواعد کی اطلاقی صورتوں میں جزوی اختلاف ہے لیکن مجموعی طور پر ان قواعد کی معرفت تخریج و استنباط کے باب میں واجب کا درجہ رکھتی ہے۔ مذکورہ تقسیمات واقسام کے علاوہ امر ونہی کے صیغہ جات اور ان سے استنباط احکام بھی علوم عربیہ میں مہارت کا متقاضی ہے۔ حروف المعانی کے باب میں مثلاً حروف العطف والجر مثل حتی، الی وغیرہ کی دلالات میں علماء اصول کی عربی لغت پر کمال واقفیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ عربی میں مہارت کو اجتہاد کی لازمی

شرط مانا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن کی زبان عربی ہے تو صاحب قرآن کی زبان بھی عربی ہے۔ فہم قرآن وسنت زبان کی فہم پر موقوف ہے۔ جو عربی زبان سے ناواقف ہے اسے قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح کرنے کا حق نہیں۔ اس شخص کا اجتہاد قابل توجہ نہیں جو تعبیر و تشریح میں عربی زبان کے مسلمہ قواعد وضوابط کی معرفت نہیں رکھتا۔

یہاں اس امر کا اضافہ بھی برمحل ہوگا کہ عربی زبان سے مراد اہل عرب کی زبان ہے جن میں ابتداً قرآن نازل ہوا۔ لہٰذا نص قرآنی میں وارد الفاظ کے معانی اور مفاہیم کا تعین نزول قرآن کے وقت عرب میں بولی جانے والی زبان کے سیاق میں ہی ہونا چاہئے۔

جدید اصول قانون:(Modern Jurisprudence)

جدید اصول قانون کی تعبیر وتشریح کے ضمن میں ماہرین قانون کا اتفاق ہے کہ قانون مقنن Law-Giver کی مرضی اور منشا کا نام ہے اور اس کی تعبیر کا ذریعہ زبان ہے لہٰذا ضروری ہے کہ قانون (Statute) یا دستاویز (Document) میں مقنن کی مرضی مروجہ زبان کے قواعد گرائمر کے مطابق ہو اگر قانون کی عبارت نص کی حیثیت رکھتی ہے تو قواعد گرائمر اور لغت سے ہٹ کر اس کی کوئی تعبیر قابل قبول نہیں، میکس ویل (Max Well) تعبیر قانون کے ضمن میں قانون کی زبان اور اس کی تعبیر کے بارے میں کہتا ہے۔

"The objective of all interpertation is to discover the intention of the parliament, but the intention of the parliament must be deduced from the language used where the language is plain and admits of but one meaning, the task of interpertation can hardly be said to arise." (Max Well: An Interpertation of Statutes Page:29)

قانون کی اس کی زبان کے مطابق تعبیر کو سنہری اصول قرار دیا گیا ہے:

"The golden rule i.e. to adhere to the ordinary meaning of words used and to the grammatical construction unless that is at variancve with the intention of the legislature, to be collected from the statute inself or leads to any mainifest absurdity or repunganance in which case the language may be varied or modified so as to avoid such inconvenience, but no further" (Max Well P:43)

فقہ اسلامی میں اجتہاد کی شرائط میں سے ہے عربی لغت، صرف ونحو اور علوم بیان ومعانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان میں کامل مہارت رکھتا ہو بلکہ عربی زبان میں درجہ اجتہاد پر فائز ہو۔ الماوردی عربی زبان کی معرفت کو عام مسلمانوں کے لئے واجب قرار دیتے ہیں۔ احناف کی رائے میں عربی جاننا ضروری ہے لیکن مجتہد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ خلیل وسیبویہ کی طرح علوم عربیہ پر مکمل حاوی ہو۔ بقدر ضرورت مفردات کے معانی، اعراب اور عربی اسلوب سے واقفیت کا ہونا کافی ہے۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ اجتہاد توضیحی میں نصوص کی تعبیر وتشریح عربی زبان کے قواعد پر ہونا ضروری ہے اس شخص کا اجتہاد استنباطی بھی معتبر نہیں جس میں اجتہاد توضیحی کی صلاحیت نہ ہو۔

اجتہاد استنباطی کا موضوع اس کی بنیاد عقلی استدلال پر ہے۔ اجتہاد کی عمومی شرائط میں سے ہے:

1) علم بالقرآن
2) علم بالسنة
3) معرفة الناسخ والمنسوخ من القرآن والسنة

4) علم بمواضع الاجماع
5) المعرفة بمنهج القياس
6) علم بمقاصد الشريعة
7) لوگوں کے اطوار، رسوم و اعراف سے آگاھی
8) عدل وتقویٰ
9) منطق اور اصول فکرونظر
10) عربی زبان
11) قواعد واصول الفقه

اہل سنت کے چاروں فقہی مذاہب کے ائمہ نے اصول اجتہاد طے فرمالئے ہیں۔ یہ اصول قطعی ہیں۔ ائمہ مجتہدین اکثر اصول میں متفق ہیں۔ تاہم اجتہاد استنباطی میں اختلاف ہے مثلاً استحسان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مخصوص، استصلاح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فقہی مجلس تشکیل فرمائی اس کے اصول وضوابط خود وضع کئے، مابعد کے حنفی فقہاء نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجوزہ اصول اجتہاد اور قواعد فقیہ کی باقاعدہ تدوین کی اور آج بھی انہی اصول وقواعد کے التزام کے ساتھ اجتہاد کا عمل جاری ہے۔ "نورالانوار" تالیف ملاجیون اور "مسلم الثبوت" تالیف محب اللہ بہاری حنفی اصول الفقہیہ میں برصغیر کا قابل فخر حصہ ہے۔

مصالح بشری اور مقاصد شریعت کی رعایت کرتے ہوئے جدید پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کا رجحان دورِ جدید میں بہت مقبول ہو رہا ہے لیکن اس نظریہ کا اطلاق مشروط ہے۔ ہمارے یہاں جدت پسند دانشوروں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو توضیحی اجتہاد کی شرائط پوری نہیں کرتا ان کا خیال ہے کہ فی زمانہ نفاذ شریعت ممکن نہیں، جو بات ممکن ہے وہ یہ کہ

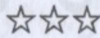
قانون ساز ادارے قرآن مجید کے کلی مصالح اور مقاصد سے رہنمائی لیں اور ایسا کوئی قانون نہ بنایا جائے جوروح قرآن کے منافی ہو۔دراصل وہ دبی زبان میں قرآن وسنت کے ظاہری نصوص کواور احکام کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے، وہ مجلس قانون ساز کو ان شرائط کا پابند بنانا چاہتے ہیں جو اجتہاد میں ضروری ہے۔

فقہ اسلامی کی تاریخ میں بالخصوص علمائے احناف نے مسلمانوں کی ملی زندگی کو منضبط کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ درست ہے کہ تغیرات زمانی ومکانی کے سبب مسلم معاشروں میں کئی نئے مسائل نے جنم لیا۔اس وقت کے علماء فقہاء نے اجتہاد کے ذریعے ان کے حل بھی پیش کئے۔فتاویٰ کا ضخیم ورثہ اس پر شاہد ہے، یہ چیلنج ہر دور میں رہا ہے اور آج اکیسویں صدی میں بھی مسلمانوں کو جس چیلنج کا سامنا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں ہمارے عصری مسائل کا حل کیا ہے؟اور یہ کہ فی زمانہ نفاذ اسلام کیونکر ممکن ہے؟اسلام کی جامع عملداری اور گیرائی جو فرد وجماعت، مسجد وریاست، رسوم وعبادات وتجارت سب کو شامل ہو اس پر میڈیا میں سوال اٹھائے جارہے ہیں، کہا جارہا ہے کہ دہشت گردی، انتہا پسندی اور فرقہ واریت کا سبب مذہب ہے لہذا مذہب کو ریاست سے علیحدہ کیا جائے۔دوسرے لفظوں میں سیکولر سٹیٹ(Secular State) کے قیام کی سازشیں ہورہی ہیں اور وہ بدقسمتی سے ایسے ملک میں جسے دین اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ہمارے برادر ملک بنگلہ دیش کی سپریم کورٹ نے مذہب اور ریاست کی علیحدگی کا اعلان کردیا، سیکولر قوتیں متحرک ہوگئی ہیں۔

ہماری ان ساری گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ قرآن فہمی اور فقہ اسلامی کی دور حاضر میں تطبیق کے حوالے سے احکام کی ترتیب، تقدیم وتاخیر، آیات میں رفع تعارض، اثبات حکم مثل فرض، واجب وغیرہ بغیر عربی زبان کے قواعد اور اسلوب کی معرفت کے ممکن نہیں۔اس لئے قرآن اور قرآن مجید کے قانونی نظام(Legal System) کی محافظت کے لئے عربی زبان اور اس کے علوم سے آگہی عامۃ الناس کے لئے بالعموم اور قانونی

اداروں سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے بالخصوص ازبس ناگزیر ہے۔

ریاست کوSecularise کرنے میں اور قرآن کی اسلامی ریاست کیلئے اس کی آئینی حیثیت کو ختم کرنے میں سب سے بڑا حربہ عربی زبان سے بے نیازی ہے۔ اگر قرآن صرف معنی اور مفہوم کا نام ہے تو اردو، انگریزی اور ہر زبان میں قرآن ہے تو اس میں اجتہاد توضیحی کی قطعاً ضرورت نہ ہے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے قرآن نظم ومعنی ہر لحاظ سے معجزہ ہے قرآن اور تفہیم احکام اور تخریج احکام کے لئے عربی زبان کی ضرورت ہر حال میں رہے گی۔



امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کی مجلس فقہ

ڈاکٹر محفوظ احمد
چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس فقہ

ڈاکٹر محفوظ احمد

جب اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر شام، عراق، مصر، ایران اور دیگر وسیع وعریض علاقوں میں پہنچا تو مسلمانوں میں معاشی، معاشرتی، تجارتی، انتظامی، ملکی اور بین الاقوامی مسائل وتعلقات اور ہمہ جہتی معاملات پیچیدہ ہو گئے ان حالات میں اگر قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ کے ظاہری متون اور ان میں مذکور اسلامی احکامات کو ظاہری عبارات تک محدود کر دیا جاتا تو نہ صرف اس وقت کے جدید عصری مسائل کو اسلام کی روشنی میں حل کرنا ناممکن ہوتا بلکہ اسلام پر بھی دیگر ادیان کی طرح جمود طاری ہو جاتا۔ چونکہ اسلام ایک عالمگیر، ہمہ جہت اور ابدی دین ہے اس کی عالمگیریت اور ابدیت صرف اجتہاد پر مبنی ہے لہذا اس کی عالمگیریت اور ابدیت کو قائم رکھنے کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو نئے حالات وواقعات میں پیدا ہونے والے جدید مسائل کو اسلامی روح کے مطابق اس انداز سے پیش کرے جس سے لوگ آسانی کے ساتھ ان مسائل پر عمل کر سکیں، اس جماعت کے اراکین کے لئے ضروری تھا کہ وہ اعلیٰ ذہانت، معاملہ فہمی، باریک بینی، معاشرتی حالات اور معاشرے کے وسیع اور بدلتے ہوئے احوال سے باخبر ہوں اس کے علاوہ قرآن وحدیث، عربی زبان اور ادب، مجتہدانہ بصیرت، عہد رسالت اور عہد صحابہ کے حالات سے آگاہی

اور اسلام کے مکمل علمی ذخیرے پر کامل عبور رکھتے ہوں۔

اس صورت حال کے پیش نظر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے حالات زمانہ کی نزاکت اور عوام کی ضرورت کے پیش نظر فوری اقدام اٹھایا اور ایک ایسی مجلس فقہ تشکیل دی جس کے تمام ارکان نے خداداد ذہانت و فراست، دیانت و اخلاص، قانونی فہم، علمی انہماک اور جذبہ خدمت کے پیش نظر اپنی پوری زندگیاں اور تمام قابلیتیں اسلامی دستور اور قانون کی تدوین کے لئے وقف کر دیں۔ انہوں نے کسی سرکاری وحکومتی مراعات کے بغیر ایسا کام کیا جس سے نہ صرف اس وقت کے قضاۃ اور علماء نے لوگوں کے مقدمات و مسائل کے فیصلے کئے بلکہ اس سے تحقیق واجتہاد اور استنباط مسائل کی نئی راہیں کھلیں۔ اس کے علاوہ اس جماعت نے آئینی اصول وضوابط اور مسائل شرعیہ کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کیا جو حکومتوں کی سرپرستی میں چلنے والی بڑی سے بڑی تنظیم ، جماعتیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے پیدا نہیں کر سکے۔

زیر نظر مقالہ میں تعارف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مجلس فقہ کا تاریخی پس منظر اور اس کا انتخاب، تدوین فقہ میں اراکین کا کردار، مباحث کا طریقہ کار اور استخراج مسائل کی بنیادوں سے متعلق بحث کی جائے گی، ان عنوانات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی کہ فقہ اسلامی کی تدوین میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی مجلس فقہ نے کتنی گراں قدر خدمت سرانجام دی۔

تعارف امام اعظم:

آپ کا نام نعمان، کنیت ابوحنیفہ (1) اور لقب امام اعظم تھا۔ آپ کی ولادت 80 ہجری بمطابق 699ء کو کوفہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ثابت فارسی الاصل تھے۔ خطیب بغدادی (م463ھ) نے آپ کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔

انا اسماعیل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن المرزبان

من ابناء فارس الاحرار والله ماوقع علینا رق قط(2)

میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت المرزبان ہوں، ہم لوگ فارس سے ہیں اور اللہ کی قسم ہم کبھی غلامی میں نہیں آئے۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے والد محترم کے انتقال کے بعد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا تھا۔(3) ابتداء میں آپ نے تجارت کا کام شروع کیا، تحصیل علم کی طرف آپ کو معروف تابعی حضرت امام ابوعمر و عامر بن شرجیل شعبی رضی اللہ عنہ (م109ھ) نے آمادہ کیا۔ پھر آپ تجارت چھوڑ کر حصول علم کی طرف متوجہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر بیس برس تھی۔ آپ نے ابتداء میں علم اداب، علم الانساب اور علم الکلام میں مہارت حاصل کی اور ایسا کمال حاصل کیا کہ بصرہ آکر مناظرے کرتے تھے۔ پھر آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ فن صحابہ کرام رضی اللہ عنہ وتابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کا نہیں ہے لہذا علم فقہ کی تحصیل کی غرض سے فقیہ عصر امام حماد بن مسلم (م120ھ) کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے اور دس سال تک ان کے حلقہ درس میں رہے۔(4) آپ کے اساتذہ کی تعداد قریباً چار ہزار بتائی جاتی ہے لیکن آپ کے خاص الخاص استاد حماد ہی تھے۔(5)

حضرت حماد کے مدرسہ سے فراغت کے بعد آپ نے کثیر محدثین سے سند حدیث حاصل کی، اس سلسلہ میں آپ نے طویل سفری صعوبتوں کو بھی برداشت کیا۔ 102ہجری میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں پر بھی اخذ حدیث کا سلسلہ جاری رہا۔

امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی تک آپ مسند تدریس سے کلیتاً الگ رہے لیکن جب ایک سو بیس ہجری میں اُن کا وصال ہوا تو آپ کو اسی مدرسہ میں مسند نشین کیا گیا اس وقت آپ کی عمر چالیس برس تھی۔ اس کے بعد تدریس کا سلسلہ جاری رہا، سینکڑوں تشنگان علم و حکمت نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ صاحب عقود الجمان نے ان کی تعداد آٹھ سو بتائی ہے اور ان کے ناموں کی فہرست اڑسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔(6) چھبیس سال تک

آپ تدریس، افتاء اور دیگر فقہی امور میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔146ھ میں عباسی خلیفہ منصور نے آپ کو عہدہ قضاء کو قبول کرنے کی درخواست کی چونکہ عباسی حکومت سے آپ کی ذہنی موافقت نہ تھی اس لئے آپ نے اس عہدہ کی قبولیت سے انکار کیا اور آپ کو بغداد کی جیل میں نظر بند کر دیا گیا جہاں آپ کو ہر روز دس کوڑوں کی سزا دی جاتی، آخری ایام میں آپ کو زہر دیا گیا۔اس طرح علم الفقہ کا وہ سورج جو80ھ کو کوفہ میں طلوع ہوا تھا عمر کی ستر بہاریں دیکھ کر150ھ بمطابق767ء کو سجدے کی حالت میں غروب ہو گیا۔آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو بغداد میں خیزران کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔(7)

آپ کی اولاد کا مفصل حال آپ کی سیرت کی کتابوں میں موجود نہیں البتہ یہ بات یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا آپ کی کوئی اولاد موجود نہ تھی۔(8)

آپ کی چھ تصنیفات بتائی جاتی ہیں:

1) **الفقہ الاکبر :** یہ عقائد سے متعلق ایک مختصر رسالہ ہے۔
2) **کتاب العالم و المتعلم:** سوال وجواب کے انداز میں یہ بھی ایک مختصر رسالہ ہے۔
3) المسند :اس مجموعہ میں523احادیث منقول ہیں اسے محمد بن محمود الخوارزمی (م665ھ) نے مرتب کیا جبکہ امام ابونعیم احمد الاصبہانی الشافعی (م430ھ) کے جمع کردہ نسخ میں394احادیث مذکور ہیں۔
4) الرد علی القدریہ
5) القصیدۃ النعمانیہ
6) کتاب رسالۃ الی البستی(9)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو کان الدین عند الثریا لذهب به رجل من فارس اوقال من ابناء فارس حتی یتنا وله(10)

اگر ایمان ثریا ستارے کے قریب بھی ہوا تو فارس کے لوگوں میں سے ایک شخص یا بیٹا اسے ضرور حاصل کر لے گا۔

امام جلال الدین السیوطی (م911ھ) نے شافعی المسلک ہونے کے باوجود اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہی قرار دیا۔(11) معروف سیرت وسوانح نگار محمد ابن سعد (م230ھ) نے آپ کو طبقات الکبریٰ میں تابعین کے پانچویں طبقہ میں شمار کیا ہے اس لئے کہ آپ نے نامور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (م83ھ) کو دیکھا ہے اور حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ (م110ھ)، حضرت عبداللہ بن ابی وفی رضی اللہ عنہ (م87ھ) اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ (م91ھ) کا زمانہ پایا ہے۔(12)

امام محمد بن ادریس الشافعی (م240ھ) نے اپنے دیوان میں آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔(13) اور علامہ ابوعبداللہ محمود ذھبی (م748ھ) کے مطابق آپ امامت کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے اور آپ سے متعلق ایک مستقل کتاب تصنیف کرنے کا ذکر بھی کیا ہے۔(14)

مجلس فقہ کا تاریخی پس منظر اور اس کا انتخاب:

تاریخی پس منظر:

عہد رسالت مآب ﷺ میں ہی قیاس واجتہاد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے جنہوں نے استنباط واجتہاد سے کام لیا وہ مجتہد اور فقیہ کہلائے۔ان میں یہ چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت ممتاز تھے۔

1) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
2) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
3) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
4) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

ان میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زیادہ دیر تک کوفہ میں مقیم رہے۔اسی بنا پر یہ شہر علم وفن کی درسگاہ بن گیا جہاں زیادہ تر مسائل واحکام کی ترویج ہوتی رہی۔نتیجتاً کوفہ فقہ اسلامی کا ایک بہت بڑا مرکز قرار پایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چونکہ رسول اکرم ﷺ کی صحبت میں بہت زیادہ وقت گزارا تھا۔اسی بنا پر آپ نے کثیر تعداد میں احادیث روایت کیں۔اس کے علاوہ آپ میں ذہانت، قوت استنباط واستخراج کا ملکہ بھی بدرجہ اتم تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار بھی جلیل القدر صحابہ میں ہوتا تھا۔آپ حضورِ اکرم ﷺ کی صحبت میں کثرت سے حاضر ہوئے۔اس بناء پر آپ کو بھی حدیث وفقہ میں کامل صلاحیت حاصل تھی آپ کے بارے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

خذوا القرآن من اربعة من ابن ام عبد ومعاذ بن جبل و ابی بن کعب وسالم مولیٰ ابی حذیفه(15)

قرآن ان چار لوگوں سے سیکھو عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔

لہذا آپ کوفہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم دیتے رہے اور بہت سے تلامذہ آپ کے حلقہ درس میں جمع رہتے۔اگرچہ کوفہ میں آپ کے شاگردوں کی کثیر تعداد تھی لیکن ان میں حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ (م32ھ) اور حضرت اسود بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ (م75ھ) کو نمایاں مقام حاصل تھا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (م32ھ) کی وفات کے بعد انہوں نے ہی کوفہ کی مسند کو سنبھالا۔حضرت اسودؒ کی وفات کے بعد ان کے بھانجے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (م95ھ) مسند نشین ہوئے۔آپ کے عہد میں فقہ کو بہت وسعت ملی اور آپ کو فقیہ العراق کا خطاب ملا۔اسی عہد میں مسائل فقہ کا پہلا ایک مختصر مجموعہ تیار ہوا تھا جو دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کا

خلاصہ تھا۔یہ مجموعہ کتابی شکل میں مدون ہونے کی بجائے صرف زبانی شکل میں تھا۔ان فتاویٰ کا سب سے بڑا مجموعہ آپ کے شاگرد رشید حضرت حماد بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا لیکن آپ کے دور میں اس فن میں مزید کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔120ھ میں جب آپ نے انتقال فرمایا تو اہل علم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس مسند پر فائز کردیا۔

آپ کے منہج اجتہاد کے بارے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ کا اجتہاد حضرت امام اعظم کے اجتہاد کے موافق ہوگا نہ یہ کہ آپ ان کی تقلید کریں گے کیونکہ حضرت روح اللہ کی شان ان کے مقام مرتبے سے کہیں بلند ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا'' کہ مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں ایک بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوض اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔(16)

تدوین فقہ کے اسباب:

تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ وہ کونسی خاص وجہ ہے جس بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تدوین فقہ کا خیال پیدا ہوا۔اس ضمن میں متعدد وجوہ بیان کی جاتی ہیں چنانچہ رئیس احمد جعفری نے قلائد عقود العقیان کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے جو تدوین فقہ کا باعث بنا۔

1) دو شخص حمام میں نہانے گئے اور انہوں نے حمام والے کے پاس کچھ امانت رکھی ان میں سے ایک نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت لے کر چلا گیا۔جب دوسرا نہا کر باہر آیا تو اس نے بھی امانت طلب کی تو اس نے کہا میں نے تمہارے ساتھی کو امانت واپس کر دی ہے۔اس نے عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔قاضی نے حمامی کو قصوروار ٹھہرایا اور کہا کہ جب دونوں نے مل کر تیرے پاس امانت رکھی تو تجھے چاہیے تھا کہ دونوں کی موجودگی میں امانت واپس کرتا۔حمامی پھر حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا

اور ماجرا بیان کیا۔

آپ نے فرمایا کہ تم اس شخص سے کہو کہ میں امانت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن قاعدہ کے مطابق تنہا تمہیں نہیں دے سکتا۔ اپنے ساتھی کو لے آؤ اور امانت لے لو۔ اس واقعہ کے بعد آپ کے دل میں تدوین فقہ کا خیال پیدا ہوا اور اس کی ترتیب شروع کی۔(17)

2) اگر آپ کے عہد کے حالات وواقعات کو ذرا غور سے دیکھا جائے تو بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے وقت کی ضرورت کے تحت تدوین فقہ کو ضروری سمجھا تھا کیونکہ اس دور میں تمدن ومعاشرت کے وسیع ہونے کی وجہ سے عبادات اور معاملات میں بہت سے نئے مسائل پیش آنے لگے تھے۔ جس کی وجہ سے اطراف وبلاد سے ہر روز سینکڑوں مسائل سے متعلق آپ کے پاس استفتاء آتے جن کا جواب دینا آپ کے لئے تنگی وقت کے باعث بہت مشکل تھا۔

3) تدوین فقہ کے لئے مجلس فقہ کی ضرورت کو اس لئے بھی محسوس کیا گیا کہ آپ کی طبیعت حدیث وفقہ میں بہت محتاط اور حساس تھی۔ سفر حجاز میں قیام سے اس سوچ میں مزید یہ پختگی ہوئی کہ ہر مسئلہ کے جواب میں پہلے خوب غور وفکر کرنا چاہئے۔ آپ نے حضرت قتادۃ بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کے دوران فرمایا تھا۔

4) "علم والوں کو چاہئے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے ان کے حل کے لئے وہ پہلے سے آمادہ ہو جائیں واقعہ ہونے سے پہلے ان کے بچنے کی جو صورتیں ہوں ان کو سوچ لینا چاہئے اور انہیں پہلے سے معلوم ہونا چاہئے کہ پیش آمدہ مسائل میں ابتلا کے وقت کیا کرنا چاہئے۔(18)

5) تدوین فقہ کا خیال آنے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس وقت قضاۃ اور حکام فیصلوں میں بہت سی غلطیاں کرتے تھے جن کی متعدد مثالیں مولانا مناظر احسن گیلانی

نے تحریر کی ہیں(19)

6) اس کے علاوہ ایک سبب یہ بھی تھا کہ اسلامی سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم وتعلم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند اور روایت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا ذکر صاحب عقود الجمان نے بھی اس طرح کیا:

"ان الصحابة والتابعين رضى الله عنهم انما كانوا يعتمدون على قوة حفظهم فلما رأى ابو حنيفة العلم منتشراً خاف عليه فجعله ابواباً مبوبة و كتبا مرتبة" (20)

ترجمہ: صحابہ وتابعین زیادہ تر اپنی قوت حفظ پر اعتماد کرتے تھے۔ جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم کو منتشر ہوتا ہوا دیکھا تو آپ نے اس کے ضائع ہونے کا خوف محسوس کیا۔ پھر آپ نے احکام اسلامی کو ابواب میں بند کیا اور کتب مرتب کی۔

7) مولانا ابوالاعلی مودودی (م1979ء) نے تدوین فقہ حنفی کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے خلافت وملوکیت میں لکھا ہے:

ایک طرف مسلم ریاست کی حدود سندھ سے اسپین تک پھیل چکی تھیں جن میں مختلف تمدن، رسم ورواج کی حامل الگ الگ قومیں تھیں، روز بروز تجارتی، زرعی، عائلی، دستوری، دیوانی اور فوجداری قوانین وضوابط کے مسائل سامنے آ رہے تھے۔ بین الاقوامی سطح پر جنگ، صلح، سفارتی روابط، تجارتی لین دین، بری وبحری مسافرت اور کسٹم وغیرہ کے مسائل درپیش تھے۔ دور ملوکیت میں کوئی ایسا مسلم آئینی ادارہ نہ تھا جس میں مسلمانوں کے معتمد علیہ اہل علم، فقیہ اور مدبر بیٹھ کر ان مسائل کا حل سوچتے جو سرکاری سطح پر قانون کی حیثیت اختیار کرتا۔ انفرادی سطح پر اس مسئلے کو حل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ابن المقفع (م142ھ) نے اہل علم کی ایک کونسل بنانے کی تجویز بھی خلیفہ منصور کو پیش کی لیکن اس پر بھی عمل نہ ہو سکا۔ اس صورت حال میں امام اعظم ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت سے بے نیاز رہ کر غیر سرکاری مجلس وضع قانون تشکیل دی۔(21)

یہ وہ اسباب تھے جن کی بنا پر آپ کے دل میں تدوین فقہ کا خیال پیدا ہوا اور آپ نے ایک مجلس فقہ تشکیل دی جس نے مسائل فقیہ کو مدون کیا۔ بہر حال آپ کو اس امر کا خیال 120ھ میں پیدا ہوا جب آپ کے استاد حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی۔

مجلس فقہ کا انتخاب:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حالات زمانہ اور ضرورت عامہ کے پیش نظر اسلامی قانون کی تدوین کی اہمیت کو جانچ لیا تھا لیکن یہ کام بہت وسیع، پُر خطر اور حد درجہ حزم واحتیاط والا کام تھا۔ اتنے بڑے کام کو تن تنہا فرد واحد کے انجام دینے کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ اس طرح کی خامیوں اور لغزشوں کا احتمال تھا۔ چنانچہ آپ نے اسلام کے شورائی نظام جس کا حکم قرآن مجید میں اس طرح دیا گیا ہے:

وأمرهم شوری بینهم (الشوریٰ 38) اور وہ اپنے کام آپس میں مشورہ سے کرتے ہیں۔

کے تحت قانون اسلامی کو باقاعدہ مدون کرنے کے لئے ایک دستوری کمیٹی یا مجلس فقہ قائم کی جن کی رائے اور علم پر آپ کو اعتماد تھا اور باقاعدہ کام کرنے کے لئے کمیٹی کا صدر مقام کوفہ مقرر کیا گیا جو اس وقت مختلف عربی وعجمی تہذیبوں کا سنگم ہونے کے علاوہ علماء اور فقہاء کا مرکز تھا۔ اس کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ باقاعدہ تشکیل وتدوین فقہ میں آپ کو تمام فقہاء پر اولیت حاصل ہے۔ اس مجلس کی تعداد کتنی تھی اس کے متعلق دو آراء ہیں۔

ایک قول کے مطابق ان کی تعداد چھتیس ہے جبکہ دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد چالیس ہے۔

مؤخر الذکر رائے پر زیادہ علماء کا اتفاق ہے۔(22) اوّل الذکر قول علامہ ابن البزار الکردری (م 567ھ) نے نقل کیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ ان میں سے اٹھائیس منصب قضاء کے لائق تھے، چھ، مفتی اور دو، مفتی وقاضی تیار کرنے کی اہلیت کے حامل تھے(23) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس مجلس کے متعلق خود فرمایا:

”میں نے اپنی مجلس فقہ کے لئے ان افراد کا انتخاب کیا ہے ان میں سے اٹھائیس افراد اس درجہ کے ہیں جو قاضی کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں۔ چھ افراد فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور ان میں دو ارکان ایسے ہیں جو قاضی اور مفتی تیار کرسکتے ہیں۔(24)

اس مجلس کے علاوہ ایک مختصر مجلس تھی جو ان چار آدمیوں پر مشتمل تھی۔

1) زفر بن ھذیل رحمۃ اللہ علیہ (م158ھ)
2) عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (م181ھ)
3) فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ (م187ھ)
4) امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ (م189ھ)

بعض مؤرخین کے نزدیک اس مجلس میں عافیہ بن یزید الازدی (م180ھ) بھی ہوتے۔(25) علامہ زاہد کوثری اور سیّد ابو محمد کاوش ندوی کے مطابق تدوین فقہ کے ضمن میں ایک تیسری مجلس بھی تھی جو دس ارکان پر مشتمل تھی۔ ان میں مذکورہ پانچ حضرات کے علاوہ یہ لوگ بھی شرکت کرتے:

1) داؤد بن نصیر طائی رحمۃ اللہ علیہ (م160ھ)
2) نوح بن ابی مریم رحمۃ اللہ علیہ (م173ھ)
3) یحییٰ بن زکریا کوفی رحمۃ اللہ علیہ (م182ھ)
4) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (م182ھ)
5) اسد بن عمرو کوفی رحمۃ اللہ علیہ (م189ھ) (26)

آپ کی یہ جماعت مختلف علوم وفنون کی ماہر تھی تا کہ ہر کوئی زیر بحث مسئلہ کو مختلف پہلوؤں اور نوعیتوں سے دیکھ سکے۔اس کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف "مسند امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ" محمد بن محمود الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہ (م655ھ) نے لکھا ہے کہ اس مجلس میں ذوالفقہ والدرایۃ، عالم الحدیث قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، عربی زبان وادب اور فقہ میں مہارت کے حامل، محمد بن حسن الشیبانی، علم تفسیر کے ماہر، وکیع بن الجراح اور علم تصوف کا درخشندہ ستارہ عبداللہ بن مبارک وغیرہ شامل تھے۔(27) حقیقت یہی ہے کہ یہ صاحبان علم نہ صرف اس دور کے اکابر علماء میں سے تھے بلکہ امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں شامل تھے اس کے علاوہ علم اصول حدیث، علم الجرح والتعدیل اور علم اصول الفقہ جیسے علوم کے بانیان میں شامل تھے۔

آپ اس مجلس کے خود صدر تھے اور باقی اراکین کے نام یہ ہیں:

نمبر شمار	نام	ولادت	وفات	اہلیت
1	زفر بن ہذیل	110ھ	158ھ	محدث، فقیہ، قاضی
2	داؤد بن نصیر طائی	---	160ھ	محدث، فقیہ، زاہد
3	ابوعبداللہ عمرو بن مندل	103ھ	168ھ	محدث، متقی
4	عمرو بن میمون	---	171ھ	قاضی
5	حبان بن علی	---	172ھ	محدث
6	نوح بن ابی مریم ابوعصمہ	---	173ھ	جامع علوم کثیرہ
7	زہیر بن معاویہ	100ھ	173ھ	محدث، فقیہ
8	قاسم بن معن	---	175ھ	قاضی، ادیب
9	حماد بن ابی حنیفہ	---	176ھ	محدث، فقیہ، قاضی
10	عافیہ بن یزید الازدی	---	180ھ	محدث، فقیہ، قاضی
11	عبداللہ بن مبارک	118ھ	181ھ	محدث، فقیہ، قاضی
12	نوح بن دمراج نخعی الکوفی	---	182ھ	قاضی کوفہ
13	یحییٰ بن زکریا ابی زائد	119ھ	182ھ	محدث، فقیہ
14	ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم	113ھ	182ھ	فقیہ، قاضی
15	فضیل بن عیاض التمیمی	---	187ھ	صوفی، زاہد
16	اسد بن عمرو کوفی	---	188ھ	کاتب
17	علی بن مسہر	---	189ھ	قاضی
18	یوسف بن خالد بن عمر	---	189ھ	مفتی
19	محمد بن حسن شیبانی	133ھ	189ھ	فقیہ، ادیب
20	حفص بن غیاث	117ھ	196ھ	محدث
21	وکیع بن الجراح	127ھ	197ھ	مفسر، عابد
22	سفیان بن عینیہ	107ھ	198ھ	محدث، فقیہ، قاضی
23	یحییٰ بن اسحاق	127ھ	198ھ	محدث
24	شعیب بن اسحاق	---	198ھ	محدث، فقیہ
25	خالد بن سلیمان	115ھ	199ھ	فقیہ، مفتی
26	الحکم بن عبداللہ ابومطیع	113ھ	199ھ	قاضی (راوی فقہ اکبر)
27	حفص بن عبدالرحمٰن	---	199ھ	محدث، فقیہ
28	حسن بن زیاد	---	204ھ	فقیہ، قاضی
29	یزید بن ہارون الواسطی	118ھ	206ھ	محدث

30	عبدالرزاق بن حمام	126ھ	211ھ	محدث
31	ابوعاصم النبیل ضحاک بن مخلد	130ھ	212ھ	محدث، فقیہ
32	بشر بن غیاث	---	228ھ	فلسفی، متکلم
33	ابراہیم بلخی	---	241ھ	محدث
34	ابراہیم بن ادھم	---	266ھ	عابد

ان 34 حضرات کے ناموں پر اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ یہ مجلس فقہ کے باقاعدہ رکن تھے۔
محمد میاں صدیقی کی تحقیق کے مطابق مزید سات ارکان کے نام یہ ہیں:

1	مالک بن معول		م159ھ
2	نصر بن عبدالکریم		م169ھ
3	ابوعصمہ نوح بن ابی مریم		م173ھ
4	شریک بن عبداللہ		م178ھ
5	عبداللہ بن ادریس		م192ھ
6	مکی بن ابراہیم		م192ھ
7	حماد بن دلیل		م215ھ

بعض مؤرخین کے نزدیک یہ علماء بھی اس مجلس کے رکن تھے:

1	بیاج بن بسطام		م117ھ
2	محمد بن نوح		م182ھ
3	ھیثم بن بشر السلمی		م192ھ
4	فضل بن موسیٰ		م192ھ
5	علی بن طیبان		م192ھ

6	ہشام بن یوسف	م197ھ
7	ابومطیع بلخی الحکم بن عبداللہ	م199ھ
8	عبدالحمید	م203ھ(28)

چونکہ تدوین کا یہ سلسلہ تیس برس تک جاری رہا ممکن ہے کئی ارکان بعض مصروفیات کی وجہ سے شریک نہ ہوسکتے ہوں تو ان کی جگہ کسی اور کو دعوت دی جاتی ہو۔ اس امر پر اتفاق ہے کہ آپ کی یہ مجلس فقہ مختلف شعبہ جات سے متعلق افراد پر مشتمل تھی جو کسی بھی پیش آنے والے مسئلہ کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھ کر اس کا حل تلاش کرسکتے تھے۔ ان اراکین کے متعلق علامہ خوارزمی نے مجلس فقہ کے رکن وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے نقل کی ہے:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی تھی جبکہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابویوسف، زفر اور محمد جیسے قیاس واجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث سے متعلق یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندیل جیسے ماہرین حدیث، قاسم بن معن جیسے لغت عرب کے ماہر، داؤد بن نصیر الطائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد وتقویٰ کے مجسے ان کے شریک کار تھے۔

"من كان اصحابه هولاء وجلساؤه لم يكن ليخطى لانه ان اخطا ردّه الى الحق"(29)

ترجمہ: ظاہر ہے کہ ایسے جامع کمالات وفضائل رفقاء اور مشیروں کی موجودگی میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے اور اگر کبھی غلطی کا امکان ہو تو یہ اصحاب ان کو حق کی طرف لے جائیں گے۔

خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جن علماء کی مجلس میں استنباط واستخراج مسائل کا یہ عظیم الشان کام انجام پایا ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تک تھی لیکن ان میں

سے چالیس کو خاص مقام حاصل تھا اور یہ چالیس خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے اور مختلف علم وفن کے ماہرین شمار کیے جاتے تھے۔(30)

اس مجلس فقہ کی بابت مشہور مستشرق شاخت (Schacht) نے لکھا ہے:

"امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جس طریق سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور دشوار کام تھا۔اس لئے انہوں نے اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا اس غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور اشخاص کا انتخاب کیا اور ان کی ایک مجلس بنادی۔(31)

طریقہ تدوین:

اس مجلس فقہ میں فقہ اسلامی کی تدوین کا طریقہ کلیتاً مشاورت پر تھا۔اس ضمن میں علامہ شبلیؒ (م1914ء) نے لکھا ہے:

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اگر اس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوئے تو اسی وقت قلم بند کرلیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہو جاتیں، کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی۔امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا۔کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلے کے بعد لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے۔اس وقت وہ سب مختلف اقوال قلم بند کرلئے جاتے،اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکاء مجلس جمع نہ ہولیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے۔(32)

جب تمام علماء کسی مسئلہ پر جمع ہوجاتے تو پھر امام ابو یوسف یا کسی اور سے فرماتے:

ضعھافی الباب الفلان(33)

کہ اسے فلاں باب میں داخل کردو۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ (م1254ھ) تدوین کے طریقہ کار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب کوئی مسئلہ آتا تو آپ اپنے تمام اصحاب فن سے مشورہ، بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیالات کرتے۔پہلے ان سے فرماتے کہ جو کچھ ان کے پاس حدیث اور اقوال کا ذخیرہ ہے وہ پیش کریں پھر خود اپنا ذخیرہ حدیث سامنے رکھتے اور اس کے بعد اس مسئلہ پر بحث کرتے تاکہ فیصلے تک پہنچیں اور امام ابو یوسف اسے قلمبند کرتے۔

حتی اثبت الاصول علی ھذاالمنھاج شوری الاانہ تفردبذلک(34)

اس طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوئے۔ایسا نہیں ہوا کہ تنہا کبھی کوئی بات کہی ہو۔

مولانا محمد حنیف گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسد بن عمرو کوفی (م188ھ) اس مجلس میں تدوین فقہ کے طریق کار کے متعلق بیان کرتے ہیں:

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف جوابات پیش کئے جاتے پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے۔اسی طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن زیر بحث رہتا۔اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا۔صیمری (ابوعبداللہ حسین بن علی بن محمد بن الصیمری م436ھ) بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسائل میں بحث و تمحیص کرتے اگر اس وقت عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تھے تو فرماتے کہ ان کے آنے تک ابھی مسئلہ کا فیصلہ ملتوی رکھو جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کرلیتے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ اب اس کو لکھ

لو۔ جب تک مسئلہ تحقیق وتفتیش کے یہ مراحل طے نہ کرلیتا آپ اس کو
لکھنے سے منع فرماتے۔(35)

عصر حاضر کے نامور محقق ڈاکٹر حمید اللہ (م 2002ء) نے لکھا ہے:

اس مجلس میں پیش آمدہ صورتوں کے علاوہ امکانی صورتیں بھی مدنظر
تھیں۔ اس طرح مسائل کی بہت سی انواع سے متعلق فیصلے مرتب ہو
گئے۔ تدوین فقہ میں بہت سے علوم مروجہ سے بھی کام لیا گیا۔ یہاں
تک کہ ریاضی وحساب سے بھی۔ بین الاقوامی قانون بھی دنیا میں
سب سے پہلے انہوں نے ہی مرتب کیا جسے کتاب السیر کہا جاتا
ہے۔(36)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے تدوین فقہ سے متعلق آپ کی تین مجالس تھیں پہلی مجلس
چار افراد پر دوسری مجلس دس افراد پر اور تیسری مجلس چالیس افراد پر مشتمل تھی۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

**وکان یجمع العماء فی کل مسئلة لم یجدها صریحة
فی الکتاب والسنة ویعمل بمایتفقون علیه فیها(37)**

یعنی جو مسئلہ کتاب وسنت میں صراحۃً نہ ملتا صرف اس کے لئے تمام علماء کو جمع کرتے اور
جب تک کوئی چیز باہمی اتفاق سے طے نہ ہو جاتی اطمینان نہ ہوتا۔ علامہ مکی نے اس ضمن میں
لکھا ہے:

اس مجلس کا طریق کار یہ تھا کہ ایک مسئلہ پیش ہوتا۔ ایمان واخلاص
کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے متعلق
اپنی مکمل صلاحیت کا اظہار کمال احتیاط سے کرتے۔ کبھی ایک مسئلہ پر
بہت زیادہ وقت لگ جاتا۔ آخر میں جب ایک دو حضرات کی رائے

متفقہ قرار پاتی تو قاضی ابو یوسف کتب اصول میں ثابت کر
دیتے۔(38)

علامہ کردری (م 827ھ) نے طریق تدوین کے متعلق یہ لکھا ہے:

اس مجلس میں تمام شاگرد دل کھول کر بحث کرتے۔ امام صاحب رحمۃ
اللہ علیہ توجہ سے ہر رکن کی تقریر سنتے۔ آخر میں زیر بحث مسئلہ پر جب
آپ تقریر فرماتے تو مجلس میں ایسا سکون ہوتا جیسے کہ ان کے سوا کوئی
وجود ہی نہ ہو۔ آزادی رائے کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات فیصلہ امام
صاحب کی رائے کے خلاف ہوتا اور درج ہوتا اور متعدد مسائل پر
فتویٰ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے قول پر دیا جاتا۔
(آج بھی دیا جاتا ہے) عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ
تین دن تک مسلسل ایک مسئلہ پر بحث ہوئی۔ تیسرے دن شام کو
جب آذان کی آواز بلند ہوئی تو پتہ چلا کہ بحث ختم ہوئی اور فیصلہ ہو
گیا۔(39)

اس مجلس میں بحث کے دوران تمام اراکین کو آزادی رائے کا حق حاصل تھا۔ اور آپ
نے کبھی اپنی رائے تسلیم کرنے پر جبر نہیں کیا۔ بحث وتمحیص کے دوران کبھی کوئی بیرونی شخص
آجاتا تو وہ اس انداز کو خلاف ادب سمجھتا۔

جرجانی کا قول ہے کہ میں آپ کی مجلس فقہ میں موجود تھا تو ایک نوجوان جو اس حلقہ میں
بیٹھا ہوا تھا امام صاحبؒ سے اس نے سوال کیا تھا جس کا آپ نے جواب دیا لیکن اس جوان
کو میں نے دیکھا کہ وہ امام ابوحنیفہ کا جواب سننے کے ساتھ ساتھ بے تحاشا امام صاحب کو
مخاطب کر کے کہہ رہا ہے "اخطأت" آپ نے غلطی کی۔

جرجانی کہتے ہیں کہ میں اس کے طرز گفتگو سے بہت حیران ہوا اور شرکاء مجلس سے خطاب

کر کے کہا:

بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم لوگ استاد کے احترام کا لحاظ نہیں کرتے۔ میں ابھی بات مکمل نہ کر پایا تو امام صاحب نے خود فرمایا:

دعهم فانی قد عودتهم ذلک من نفسی(40)

تم ان لوگوں کو چھوڑ دو۔ میں نے خود ہی اس طرز کا کلام کا ان کو عادی بنا دیا ہے۔ کبھی کبھی ایک بحث کرتے کرتے مہینے گزر جاتے امام صاحب خاموش رہتے۔ ارکان کی تقاریر، دلائل اور ترجیحات سنتے اور کبھی کبھی دوران بحث سورۃ زمر کی یہ آیت پڑھتے:

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه (سورة الزمر 18)

آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیں جو بات سنتے ہیں اور اچھے قول کی اتباع کرتے ہیں۔

صاحب عقود الجمان نے ابوسلیمان الجوزجانی کا یہ قول تحریر کیا ہے:

وکان یتکلم اصحابه فی مسألة من المسائل ویکثر کلامهم وترتفع اصواتهم ویأخذون فی کل فن وابوحنیفه ساکت فاذا اخذ ابوحنیفه فی شرح ماکانوا فیه سکتوا کأن لیس فی المجلس احد(41)

آپ کے اصحاب مجلس فقہ میں پیش آنے والے مسئلہ میں بہت کلام کرتے یہاں تک کہ ان کی آوازیں بہت اونچی ہو جاتیں۔ ہر فن کے لحاظ سے بحث کرتے ابوحنیفہ خاموشی کے ساتھ ان کی بحث کو سنتے پھر جب اس مسئلہ میں آپ بحث کرتے تو وہ اس انداز سے خاموش بیٹھ جاتے گویا کوئی مجلس میں موجود ہی نہیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا تو ایک شخص نے کہا وہ شخص کتنا عظیم ہے جس نے ان تمام حضرات کو خاموش کر دیا ہے۔

ایسا دن اسی مجلس فقہ کا اجلاس ہو رہا تھا اور زیر بحث مسائل پر علماء اپنے خیالات کا

اظہار کر رہے تھے۔ اچانک ایک شخص نے سوال کیا:

کچھ لوگ مجلس بنائے بیٹھے تھے اچانک ایک سوراخ سے سانپ نکلا اور حاضرین مجلس میں سے ایک شخص پر چڑھ آیا۔ اس نے دیکھا تو خوف سے سانپ کو دوسرے ساتھی پر جھٹک دیا۔ دوسرے نے تیسرے پر، تیسرے نے چوتھے پر، چوتھے نے پانچویں پر پھینک دیا۔ بدقسمتی سے پانچویں کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ شخص مر گیا۔ مرحوم کے ورثاء نے دیت کا مطالبہ کیا کہ شرعاً دیت کون ادا کرے گا۔ فقہاء اور ائمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث کی روشنی اور اپنی فقہی صلاحیتوں کے مطابق جوابات دیئے، کسی نے کہا سب پر دیت آئے گی، کسی نے پہلے شخص پر اور کسی نے آخری شخص پر دیت واجب ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب کی باتوں کو سن کر مسکراتے رہے۔ آخر میں آپ نے فرمایا جب پہلے شخص نے سانپ کو دوسرے پر جھٹک دیا اور دوسرا آدمی اس کے ڈسنے سے محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہو گیا۔ اس طرح دوسرا، تیسرا شخص بری الذمہ قرار پایا۔ البتہ چوتھے کے جھٹکنے کے بعد سانپ نے ڈسنے میں کچھ وقفہ کیا اور وقفہ کے بعد ڈسا تو یہ چوتھا شخص بھی بری الذمہ ہوگا۔ اصل میں مرنے والے نے سانپ سے اپنی حفاظت میں کوتاہی کی اور جلدی سے کام نہ لیا۔

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور آپ کے حسن فقہ کی تعریف کی۔(42)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد ابوعبداللہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی جو آراء ظاہر کرتے تھے انہیں بعد میں وہ پڑھوا کر سن لیا کرتے تھے چنانچہ ان کے اپنے الفاظ ہیں:

"میں امام کے اقوال ان کو پڑھ کر سناتا تھا۔ ابو یوسف (مجلس کے فیصلے ثبت کرتے ہوئے) ساتھ ساتھ اپنے اقوال بھی درج کر دیا کرتے تھے۔ اس لئے پڑھتے وقت میں کوشس کرتا تھا کہ ان کے اقوال چھوڑتا جاؤں اور صرف امام کے اپنے اقوال انہیں سناؤں۔ ایک روز میں چوک گیا اور دوسرا قول بھی میں نے پڑھ دیا، امام نے پوچھا۔ یہ دوسرا قول کس کا ہے؟(43)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تلامذہ اور اصحاب کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ تم خواہ مخواہ کسی ایک بات پر جم نہ جانا بلکہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی وزنی اور قابل اعتماد شرعی دلیل مل جائے تو پھر اسے اختیار کرنا اور اسی کا حکم دوسروں کو دینا۔ اس لئے کہ مقصد کتاب وسنت اور اقوال صحابہ پر عمل ہے۔ اپنی بات پر ضد اور اپنی فہم کی اشاعت پیش نظر نہیں ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی نے اس ضمن میں یہ قول نقل کیا ہے:

فاعلم ان ابا حنيفه من شدة احتياطه و علمه بان الاختلاف من آثار الرحمة قال لاصحابه ان توجه لكم دليل فقولوا به(44)

ترجمہ: یعنی غایت احتیاط اور اس یقین کی وجہ سے کہ اختلاف آثار رحمت سے ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی دلیل تم کو مل جائے تو پھر اس پر عمل کرو اور اسی کا حکم دو۔

چنانچہ آپ کے تلامذہ واصحاب نے اس قول کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس کے مطابق دلائل و براہین کے پیش نظر اصحاب مذہب (دیگر مقتدر اصحاب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کی مخالفت بھی کی۔

اس مجلس فقہ میں بعض علماء کی شرکت لازمی تصور ہوتی جیسے عبدالقادر قرشی (م577ھ) نے

عافیہ بن یزید کے حالات میں لکھا ہے:

اسحاق سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے اور عافیہ موجود نہ ہوئے تو آپ فرماتے:

لاترفعوا المسئلة حتى يحضر عافية فاذا حضر عافية وافقهم قال اثبتوها وان لم يوافقهم قال ابو حنيفه لاتثبتوها(45)

ترجمہ: عافیہ کے آنے تک فیصلہ ملتوی رکھو جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کرتے تو فرماتے اس کو لکھ لو۔ پھر اس کے لکھنے کا حکم دیتے۔ اور اگر وہ موافقت نہ کرتے تو آپ فرماتے اسے نہ لکھو۔

اس مجلس فقہ کے طریقہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی وضاحت طلب مسئلہ پیش ہوتا تو پہلے دیگر ارکان مجلس آزادانہ طور پر اپنی آراء کا اظہار کرتے اور سب سے آخر میں امام اعظمؒ اپنی رائے کو بیان کرتے جس رائے پر اجماع ہو جاتا اس کو لکھ لیا جاتا۔ بحث کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا بلکہ گھنٹوں کی بجائے اگر دنوں ہفتوں اور مہینوں تک بحث وتمحیص ضروری سمجھی جاتی تو کی جاتی۔ اس مجلس میں خالصتاً شورائی طریقہ کار کو اختیار کیا گیا۔ بقول صاحب فتاویٰ سراجیہ:

وقد وضع مذهبه شورى(46)

آپ کا اس معاملے میں شورائی مسلک ہے۔

مجلس فقہ کی ترتیب تدوین کا یہ انداز درحقیقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریقہ کی پیروی تھا۔ محمود بن محمد بن عرنوس نے تاریخ القضاء فی الاسلام میں میمون بن مہران سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی

الله عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو آپ پہلے قرآن پاک کی طرف رجوع کرتے۔ اگر زیر بحث معاملہ واضح طور پر قرآن مجید میں موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ بصورت دیگر اگر سنت نبوی سے اس کے متعلق جانتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر ایسا بھی نہ ہوتا تو پھر آپ دیگر صحابہ سے کہتے کہ فلاں مسئلہ تصفیہ طلب ہے۔ اگر تم میں سے کوئی اس معاملے میں حضور اکرم ﷺ کے فیصلے کو جانتا ہے تو وہ مجھے بتادے۔ اگر کوئی بتا دیتا تو آپ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی باتوں کو یاد رکھتے ہیں۔ اگر ایسا بھی نہ ہوتا تو پھر آپ اہل الرائے کو جمع کرتے اور ان کی اکثریت جس کا فیصلہ کرتی آپ اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔(47) مزید وضاحت کے لئے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ الخلفاء ملاحظہ کی جاسکتی ہے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' بھی اہم ملکی اور فقہی معاملات جنہیں قرآن مجید اور حدیث رسول اکرم ﷺ میں نہ پاتے تو آپ صاحب علم وفضل اور اہل عقل ودانش صحابہ کی مجلس فقہ منعقد کرتے۔ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر امکانی حد تک غور کرتے۔ بحث و تمحیص کرتے اور پھر حتمی فیصلہ کیا جاتا۔(48)

خلفاء راشدین کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (م101ھ/710ء) نے بھی اپنے عہد خلافت میں سات فقہاء پر مشتمل ایک مجلس فقہ تشکیل دی، یہ سعید بن المسیب (م94ھ)، حضرت عروہ بن زبیر (م94ھ) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (م98ھ)، حضرت خارجہ بن زید (م99ھ)، حضرت سالم بن عبداللہ (م106ھ)، حضرت قاسم بن محمد (م108ھ) اور حضرت سلیمان بن یسار رحمھم اللہ (م109ھ) پر مشتمل تھی(49)

دینی مدت:

اس مجلس فقہ نے باقاعدہ کب کام کرنا شروع کیا۔ اس بارے میں اکثر سیرت نگاروں

کا اتفاق ہے کہ جب 120ھ میں آپ کے شیخ امام حمادؒ کا انتقال ہوا تو آپ کو اسی دار العلوم میں مسند تدریس پر فائز کیا گیا۔ اس منصب پر فائز ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ نے اس مجلس فقہ کو تشکیل دیا اس مجلس کی تمام کمیٹیوں کے آپ ہی سربراہ تھے۔ اور آپ ہی کی سرپرستی میں اس مجلس فقہ نے تقریباً تیس سال تک کام کیا۔ نیز اس مجلس کے جملہ اخراجات کو بھی آپ خود ہی برداشت کرتے تھے۔(50)

146ھ تک آپ اس مجلس فقہ کی باقاعدہ سربراہی کرتے رہے۔ اسی سال خلیفہ منصور عباسی نے آپ کو جیل بھیج دیا۔ لیکن قید خانہ میں بھی مشاورت کا سلسلہ جاری رہا۔

بعض علماء کے نزدیک 144ھ میں امام صاحب کی مجلس فقہ کا پہلا فقہی مجموعہ تیار ہو گیا تھا جو کہ تراسی ہزار صفحات پر مشتمل تھا اسی مجموعہ کو دیکھ کر خلیفہ منصور عباسی نے آپ کو عہدہ قضا کی پیش کش کی تھی۔ بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے۔(51)

مجلس فقہ کی بنیادیں:

ائمہ فقہاء کے نزدیک شریعت اسلامیہ کے متفقہ بنیادی ماخذ چار ہیں:

2) قرآن مجید — 2) سنت سول ﷺ

3) اجماع — 4) قیاس

عہد رسالت مآب ﷺ میں اجماع کے علاوہ باقی تینوں ماخذ سے استخراج مسائل (اجتہاد واستنباط) کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ان بنیادی ماخذ کے باقاعدہ ضوابط پہلی صدی ہجری تک وضع نہیں کئے گئے تھے۔ اور نہ ہی ان کی کوئی عملی شکل قائم تھی۔ اجتہاد سے متعلق خاص علمی اصطلاحات بنی امیہ کے آخری دور میں وضع کی گئیں اور ابوحذیفہ واصل بن عطا (م181ھ) نے پہلی مرتبہ احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ ثبوت حق کے چار طریقے ہیں:

1) قرآن ناطق — 2) حدیث متفق علیہ

3) اجماع اُمت — 4) عقل وحجت (قیاس)

اس کے نزدیک عموم وخصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں۔ نسخ صرف اوامر اور نواہی میں ہو
سکتا ہے۔ اخبار وواقعات میں نسخ کا احتمال نہیں۔ اس لحاظ سے اصول فقہ میں واصل بن عطا
کی طرف اولیت کا فخر منسوب کیا جاتا ہے۔(52) حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اجتہاد واستنباط
اور استخراج مسائل کے قواعد وضوابط باقاعدہ طور پر وضع کئے آپ کی علمی زندگی میں سب
سے عظیم اور قابل قدر خدمت اصول استنباط ہی کا انضباط ہے اس کے بعد یہ فن ایک مستقل
فن بن گیا۔ آپ کے بعد اصول فقہ سے متعلق سب سے پہلی باقاعدہ کتاب امام شافعی رحمۃ
اللہ علیہ (م 204ھ) نے ''کتاب الرسالۃ'' کے نام سے لکھی۔ اس مجلس فقہ کی مسائل کے
استنباط میں یہ بنیادیں تھیں۔

1) قرآن مجید:

قرآن مجید تمام ائمہ فقہاء کے نزدیک فقہ اسلامی کا سب سے اوّل ماخذ ہے۔ دبستان
بوحنیفہ نے بھی مسائل فقہیہ کے استخراج کے لئے کتاب اللہ کو ماخذ اول قرار دیا اور متعدد بار
س کا ذکر بھی کیا۔

وفق بن احمد مکی (م 568ھ) نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

نی اخذ بکتاب الله اذا وجدته(53)

رجمہ: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی مسئلہ کو قرآن مجید میں پاتا ہوں تو قرآن
مجید ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

یک اور مقام پر آپ کا یہ قول منقول ہے:

ذا وجدت الامر فی کتاب الله.....ولم اصرف عنه(54)

ب میں کسی مسئلہ کا ذکر قرآن مجید میں پاتا ہوں تو اس سے انحراف نہیں کرتا۔

ہذا مجلس فقہ کا پہلا اجتہادی اصول یہ تھا کہ ہر مسئلہ کو سب سے پہلے قرآن مجید میں دیکھو اگر
ضح حکم ملتا ہے تو اس پر عمل کرو۔

2) سنت رسول ﷺ

حنفی مجلس فقہ میں اصول اجتہاد کی دوسری بنیاد رسول اکرم ﷺ کی سنت تھی۔ اس ضمن
میں خطیب بغدادی نے آپ کا یہ قول تحریر کیا ہے:

فمالم اجد فبسنة رسول الله ﷺ(55)

ترجمہ: اگر میں کسی مسئلہ کو قرآن مجید میں (صراحتاً نہ پاؤں تو پھر رسول اکرم ﷺ کی سنت
کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

علامہ مکی نے بھی اسی طرح کا قول بیان کیا ہے کہ جب میں کسی معاملے کو کتاب اللہ اور سنت
رسول اللہ ﷺ پاتا ہوں تو اسے اختیار کرتا ہوں اور اس سے انحراف نہیں کرتا۔(56)

جو مسئلہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا اسے آپ قطعی سمجھتے اور جو چیز سنت رسول ﷺ سے ثابت
ہوا سے ظنی قرار دیتے۔ احکام قرآنیہ کو فرض اور امر سنت کو واجب قرار دیتے اور ایسے ہی
منہیات قرآن کو حرام اور منہیات سنت کو مکروہ تحریمی کہتے تا کہ قرآن وحدیث کی تشریعی
مقام ومرتبے میں فرق قائم رہے۔

بقول میاں صدیقی آپ نے یہ فرق وامتیاز اس لئے کیا تا کہ ثبوت استدلال کے لحاظ سے
سنت کا درجہ قرآن سے مؤخر ہے۔(57)

سنت پر قیاس کی ترجیح کا الزام

باوجود اس کے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے بعد دوسرا بڑا ماخذ
حدیث رسول اکرم ﷺ قرار دیا ہے لیکن پھر بھی بعض فقہاء اور علماء کے درمیان یہ موضوع
بڑا اہم رہا ہے کہ آپ اجتہاد واستنباط میں سنت پر کس حد تک اعتماد کرتے ہیں اور قیاس کو کتنی
ترجیح دیتے ہیں۔

بہر حال یہ قول کہ آپ قیاس کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں راجح نہیں ہے کیونکہ یہ نظریہ

آپ کے وضع کردہ ان اصول وضوابط کے خلاف ہے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

دوسری بات یہ کہ کئی اکابرین نے بھی آپ کی خدمت میں جا کر آپ سے اس شکوے کا اظہار کیا لیکن وہ آپ کا جواب سن کر مطمئن ہو گئے جیسے موفق الدین مکی نے حضرت امام محمد باقر (م 114ھ) سے آپ کی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب دوسری مرتبہ 102ھ میں مدینہ منورہ میں حاضری دی تو آپ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم قیاس کی بنا پر میرے نانا کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو پھر تین مسائل پر ان کے درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

پہلا مسئلہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ : مرد زیادہ ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ : عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ ضعیف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ : حدیث میں عورت کا (وراثت میں) کتنا حصہ مقرر ہے؟

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ : مرد کے لئے دو حصے اور عورت کے لئے ایک حصہ مقرر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ : یہ آپ کے دادا کا علم ہے اگر میں نے آپ کے دادا کے دین میں کچھ تبدیلی کی ہوتی تو پھر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ مرد کو ایک حصہ دیا جائے اور عورت کو دو حصے کیونکہ عورت مرد سے زیادہ ضعیف ہے اور زیادہ مدد کی حق دار ہے۔

دوسرا مسئلہ:

دوسرا مسئلہ جس میں آپ نے اس فکر کی تردید کی یہ ہے:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ : نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ : نماز روزے سے افضل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ : یہ آپ کے دادا کا ارشاد ہے اگر میں آپ کے دادا کے حکم کو بدلتا اور رائے وقیاس سے کام لیتا تو یہ حکم دیتا کہ عورت جب حیض سے پاک ہو تو نماز کی قضا کرے اور روزوں کو قضا نہ کرے۔

ان المراۃ اذا اطہرت من الحیض امرتہا ان تقضی الصلوٰۃ ولا تقضی الصوم

تیسرا مسئلہ:

تیسرا مسئلہ آپ نے اس ضمن میں یہ بیان فرمایا:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ : پیشاب زیادہ نجس ہے یا مادہ تولید؟

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ : بول زیادہ نجس ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ : اگر میں قیاس اور رائے کو آپ کے دادا کے علم پر ترجیح دیتا تو یہ کہتا کہ بول کرنے کے بعد غسل کیا جائے اور مادہ تولید کے اخراج کے بعد وضو ہی کافی ہے۔

فقام ابو جعفر فعانقه والطفه واکرمه وقبل وجهه(58)

پھر ابوجعفر (امام باقر رحمۃ اللہ علیہ) کھڑے ہوئے انہوں نے آپ سے معانقہ کیا۔ آپ کو دعا دی اور آپ کی عزت کی اور آپ کے چہرہ کو بوسہ دیا، آپ کا یہ مکالمہ آپ کے علمی مقام کو واضح کرتا ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (م 973ھ) نے بھی ایک روایت نقل کی ہے:

ابو مطیع کہتے ہیں کہ ایک روز میں کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا تو سفیان ثوری (م 161ھ) متقل بن حیان (م 149ھ) حماد بن سلمہ

(م167ھ) اور جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ (م148ھ) آپ کے پاس آ کر کہنے لگے۔

قد بلغنا انک تکثر من القیاس فی الدین وانا نخاف علیک منه فان اول من قاس ابلیس فناظرهم من بكرة نهار الجمعة الى الزوال عرض عليهم مذهبه وقال انی اقدم العمل بالكتاب ثم بالسنة ثم باقضية الصحابه مقدما ما اتفقوا عليه على مااختلفوا فيه و حينئذ اقيس(59)

ترجمہ: ہمیں آپ کے متعلق یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین میں بہت زیادہ قیاس کرتے ہیں اور اس سے ہم خوف محسوس کرتے ہیں کیونکہ پہلا شخص جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ پھر انہوں نے جمعہ کی صبح سے لے کر دوپہر تک آپ سے مناظرہ کیا اور آپ نے اپنا مذہب (طریق عمل) یہ بیان فرمایا کہ میں سب سے پہلے قرآن پر عمل کرتا ہوں پھر سنت رسول ﷺ کو دیکھتا ہوں پھر صحابہ کے فیصلوں کو دیکھتا ہوں جن میں انہوں نے اتفاق کیا اور جن میں انہوں نے اختلاف کیا پھر میں قیاس کرتا ہوں۔

اس کے بعد علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فقاموا كلهم وقبلوا يده وركبته وقالوا له انت سيّد العلماء فاعف عنا فيما مضى هنا من وقيعتنا فيك بغير علم فقال غفر الله لنا ولكم اجمعين(60)

ترجمہ: پھر وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے آپ کے ہاتھ اور گھٹنوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ آپ علماء کے سردار ہیں اس سے پہلے علم کے بغیر ہم نے آپ کے متعلق جو رائے قائم کی تھی اس سے معافی چاہتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیں، آپ کو اور سب کو معاف فرمائے۔ ان اکابرین کا آپ سے متعلق ایسا رویہ قابل توجہ ہے۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے بھی آپ کو ایک خط تحریر کیا تھا جس میں اس نے لکھا: میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ آپ حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں تو اس کے جواب میں آپ نے لکھا:

ليس الامر كما بلغك ياامير المؤمنين انما اعمل اولاً بكتاب الله ثم بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم باقضية ابى بكر و عمر و عثمان و على رضى الله عنهم ثم باقضية بقية الصحابة ثم اقيس بعد ذلك(61)

ترجمہ: اے امیر المؤمنین آپ تک جو بات پہنچی ہے وہ درست نہیں ہے کیونکہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ ﷺ پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلوں اور پھر دیگر صحابہ کے فیصلوں پر عمل کرتا ہوں (اگر کسی مسئلہ کا جواب صراحتاً ان سے نہ ملے) پھر میں قیاس کرتا ہوں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث دوسرا بنیادی ماخذ ہونے کی تائید اور قیاس کو حدیث پر راجح قرار دینے کی تردید قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار دیکھنے سے بھی ہوتی ہے آپ کس طرح خبر واحد کو قبول کر کے مسائل کے استخراج کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اس کے متن سے استدلال لیتے ہیں اور اس سے علل و احکام کا استخراج کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں زنا کی سزا کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة (سورۃ النور:3)

زانیہ عورت اور زانی مرد (غیر شادی شدہ) کو جرم زنا پر سو کوڑے لگائے جائیں، اس آیت میں شادی شدہ اور کنوارے کی بظاہر کوئی تخصیص نہیں۔ احادیث نبویہ ﷺ سے ہی اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم اور غیر شادی شدہ زانی

اورزانیہ کی سزا ایک سو کوڑے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی رو سے قرآنی حکم پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور حدیث کے مطابق شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا کو راجح قرار دیا۔

اسی طرح حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی رو سے قرآنی حکم پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور حدیث کے مطابق شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا کو راجح قرار دیا۔

اسی طرح حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے آنحضور ﷺ نے فرمایا:

من ضحک ان یعید الوضوء والصلوۃ(62)

جس کسی نے نماز میں قہقہہ لگایا وہ از سر نو وضو کر کے نماز لوٹائے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے امام محمد استدلال کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں:

کان القیاس ماعلی قال اهل المدینة ولکن القیاس مع اثر ولا ینبغی الاان ینقاد للاثار(63)

ترجمہ: یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں۔ حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں اور حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہئے۔

اس طرح ایک اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من اکل ناسیا وهو صائم قلیتمّ صومه فانما اطعمه الله وسقاه(64)

جس کسی نے بھول کر روزے کی حالت میں کوئی چیز کھالی اسے چاہئے کہ وہ اپنے روزے کو پورا کرے بے شک اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے یعنی اس شخص کا نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی قضا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لولاماجاء فی هذامن الاثار لامرت بالقضا(65)

اگر حدیث میں ایسا نہ آتا تو میں اس صورت میں روزے کی قضا کا حکم دیتا۔

ان مسائل کے علاوہ علامہ ابوالمحاسن محمد بن یوسف الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م942ھ) نے عقود الجمان کے باب نمبر 8 میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں جن میں آپ نے بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا کہ میں حدیث کے مقابلے میں قیاس کو راجح قرار نہیں دیتا۔(66)

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

قدیم علماء حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ اس حدیث کو قبول نہیں کرتے جو قیاس جلی کے خلاف ہو، اسی اعتراض کو غیر مقلدین نے اس قدر بڑھادیا کہ وہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مطلقاً حدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں اور حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

علامہ محمد بن عبدالکریم الشہر ستانی رحمۃ اللہ علیہ (م548ھ) نے اپنی معرکۃ الاراء تصنیف ''کتاب الملل والنحل'' میں اصحاب الرائے کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے:

ربمایقدمون القیاس الجلی علی أحاد الاخبار(67)

اصحاب الرائے کبھی قیاس جلی کو خبر واحد پر مقدم بھی کر دیتے ہیں۔

اس رائے کے متعلق علامہ عبداللہ بن احمد النسفی (م710ھ) نے المنار میں اور ملاجیون (م1130ھ) نے نور الانوار میں اس طرح وضاحت کی:

والراوی ان عرف بالفقه والتقدم بالا جتهاد کا لخلفاء الراشدین والعبادلة...... کان حدیثه حجة یترک به القیاس(68)

اگر راوی فقیہ ہے اور اجتہادی صلاحیت کی وجہ سے اس کو حق تقدم حاصل ہے جیسے خلفاء راشدین اور عبادلہ (عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم)......

تو اس کی روایت کردہ حدیث قابل حجت ہے اور قیاس اس حدیث کے خلاف ہو تو قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقه كانس وابی هريرة وان وافق حديثه القياس عمل به وان خالفه يترک الابالضرورة(69)

اگر راوی کی عدالت اور ضبط روایتی معروف ہو لیکن فقہ معروف نہ ہو جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اگر اس قسم کے راوی کی روایت کردہ حدیث قیاس کے مطابق ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر قیاس کے خلاف ہو تو یوں بغیر ضرورت کے ترک نہیں کیا جائے گا۔

اس اصول کے متعلق ملاجیون اور شاہ ولی اللہ (م 1114ھ) لکھتے ہیں کہ یہ اصول احناف کا مسلمہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد عیسیٰ بن ابان رحمۃ اللہ علیہ (م 221ھ) کا ہے ابوالحسن عبید اللہ کرخی رحمۃ اللہ علیہ (م 340ھ) نے اس اصول کی مخالفت کی ہے۔(70)

معترضین نے اس کی تائید میں بیع مصراۃ کی مثال پیش کی ہے۔ جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے:

من ابتاع شاة مصراة فهو فيها بالخيار ثلاثة ايام فان شاء امسكها وان شاء ردّ ها وردّ معها صاعا من تمر(71)

جو شخص مصراۃ (دودھ چڑھی ہوئی بکری) خریدے پھر جا کر اس کا دودھ دھوئے اگر اس کا دودھ پسند آئے تو رکھ لے اگر پسند نہ آئے تو بکری اور ایک صاع (تقریباً چار کلو) کھجور واپس کرے۔ احناف کے نزدیک ایک صاع کھجور کی واپسی ضروری نہیں(72) جبکہ شوافع و حنابلہ کے ہاں ایک صاع کھجور ادا کرنا ضروری ہے۔(73)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (م 321ھ) نے شرح معانی الآثار میں تفصیلاً اس کا ذکر کرتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے:

وذهبوا الى ماروى عن رسول الله ﷺ فى ذلک مماتقدم ذكرناله فى هذا الباب منسوخ(74)

یعنی یہ لوگ (طرفین) اس بات کے قائل ہیں کہ اس بارے جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

آپ کے نزدیک اس حدیث کی ناسخ وہ روایت ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (م 261ھ) نے اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

البيعان كل واحد منهما بالخيار على صاحبه مالم يتفرقا الابيع الخيار(75)

بائع اور مشتری دونوں کو اس وقت تک بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک دونوں جدا نہ ہوں سوائے اس بیع کے جس میں اختیار کی شرط کی گئی ہو۔

چونکہ بیع المصراۃ میں اختیار کی شرط ہوتی ہے لہذا اس حدیث کی رو سے اصل چیز کے علاوہ کوئی اضافی چیز نہیں دی جائے گی۔

امام ابو یوسف (م 182ھ) کے نزدیک صرف دودھ کی قیمت دی جائے گی۔(76)

لہذا مخالفین کا یہ اعتراض حقیقت پر مبنی نہیں کہ احناف حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ اس حدیث پر عمل نسخ کی وجہ سے ترک کیا گیا ہے۔ نہ کہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دینے سے۔

احادیث سے احکام کی منسوخی کا اصول وہ طرز تحقیق ہے جو صحابہ میں بھی رائج تھا۔ جیسے سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

توضوا مما مست النار(77)

جس چیز کو آگ نے مس کیا ہو اس کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جب ان الفاظ کو سنا تو فرمانے لگے۔

اتوضامن الحمیم فقال له یاابن اخی اذا سمعت عن رسول اللهﷺ حدیثا فلا تضرب له الامثال(78)

کیا گرم پانی سے وضو کرنے کے بعد بھی وضو کرنا ہوگا۔ یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے بھتیجے! رسول اللہ ﷺ کی جب حدیث سنو تو اس پر مثالیں نہ کہو۔

بقول شبلی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے۔(79)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ (م 516ھ) نے "**توضوا مما مست النار**" حدیث کو اس حدیث سے منسوخ قرار دیا ہے جسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی نے روایت کیا ہے:

ان رسول اللهﷺ أکل کتف شاة ثم صلی ولم یتوضا(80)

رسول اللہ ﷺ نے بکری کے شانے کا گوشت کھایا پھر آپ نے نماز ادا کی اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔ اس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس تعزیت میں یہ روایت بیان کی۔

المیت یعذب ببکاء اهله(81)

میت کے خاندان والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تمہارے لئے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے:

ولا تزر وازرة وزر اخری (سورۃ الانعام:164، سورۃ بنی اسرائیل،15، سورۃ الفاطر:18، سورۃ الزمر 7) کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت یہ منقول ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

من غسل میتا فلیغسل و من حمله فلیتوضا أیلزمنا الوضوء حمل عیدان یابسة(83)

جو شخص میت کو غسل دے اسے چاہئے کہ وہ بعد میں خود غسل کرے اور جو جنازہ اُٹھائے اسے چاہئے کہ وہ دوبارہ وضو کرے۔

یہ روایت سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کیا ہم پر خشک لکڑیاں اٹھانے سے وضو لازم آئے گا۔

اس طرح کی دیگر روایات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1176ھ) نے **حجة الله البالغه** کی جلد دوم کے تتمہ باب **اسباب اختلاف الصحابه والتابعین فی الفروع** میں نقل کی ہیں۔(84)

ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس طرح صحابہ کرام بعض احادیث کی منسوخی کے قائل تھے اسی طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی بعض احادیث کی منسوخی کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ ناسخ حدیث کی نشاندہی بھی کردیتے ہیں۔ نیز ان روایات سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ آپ نے کسی مسئلہ میں صرف خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے کسی حدیث کو ترک نہیں کیا بلکہ اس حدیث کے نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لہذا غیر مقلدین اور دیگر معترضین کو اس معاملے میں غور وفکر کرنا چاہئے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے کہ احادیث کے متعلق آپ کی شرائط نہایت سخت تھیں۔ جب تک کوئی حدیث ان شرائط پر پوری نہ اترتی آپ اس کو قابل استدلال نہ سمجھتے۔ لیکن جب ان شرائط پر کوئی حدیث پوری اترتی تو پھر قیاس کو یکسر نظر انداز کردیتے۔

خطیب البغدادی نے اس ضمن میں سلیمان بن مہران المعروف الاعمش رحمۃ اللہ علیہ

(م148ھ) کے متعلق نقل کیا ہے کہ اس نے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

"کیف ترک صاحبک ابو حنیفه قول عبداللہ عتق الامة طلاقها"

"آپ کے استاد ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لونڈی کی آزادی کو طلاق کہتے ہیں" کے متعلق اپنا مسلک کیوں بدلا تو آپ نے کہا:

ترکه لحدیثک الذی حدثته عن ابراهیم عن الاسود وعن عائشة ان بریدة حین اعتقت خیرت(85)

اس حدیث کی وجہ سے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے جب انہیں آزاد کیا تو اختیار دیا۔

قال الاعمش ان اباحنیفه لفطن(86)

یہ سن کر اعمش نے کہا بے شک ابو حنیفہ ماہر آدمی ہیں۔

بہر حال یہ مسلمہ بات ہے کہ جو حدیث آپ کی شرائط پر پوری اترتی اس کو ہر حالت میں قبول کرتے۔ اس پر عمل کرتے اگرچہ وہ قیاس کے موافق ہو یا مخالف۔

شرائط قبولیت حدیث:

قبولیت حدیث میں آپ کی شرائط کیا تھیں ان کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ معترضین اس بات کو سمجھ سکیں کہ کون سی حدیث آپ کی شرائط پر پوری اترتی تھیں۔

علامہ محمد بن زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ (م1371ھ) نے تانیب الخطیب فی ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب میں ان اہم اصولوں کا ذکر کیا ہے جن کے مطابق آپ کسی حدیث کو قابل حجت تسلیم کرتے تھے۔ ان اصولوں کو مولانا حنیف گنگوہی نے غایۃ السعایۃ میں نقل کیا ہے۔ آپ کے قبولیت حدیث کے اہم اصول حسب ذیل تھے:

1) قبول مرسلات ثقات: ان سے مراد ثقہ راویوں کی مرسل روایات ہیں۔ یہ اس وقت قابل قبول ہوئیں جب ان سے قوی کوئی روایت معارض نہ ہو۔

2) خبر واحد میں سے اگر کوئی خبر عموم یا ظاہر قرآن کے مخالف ہوتی تو کتاب اللہ پر عمل کرتے۔ اگر کوئی خبر قرآن مجید کے مخالف نہ ہوتی تو اسے لے لیتے۔

3) خبر واحد پر اس وقت عمل کرتے جب وہ سنت مشہورہ خواہ وہ سنت فعلیہ ہو یا قولیہ کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی وہ اپنی ہی جیسی خبر کے معارض ہو بوقت معارض جس کا راوی زیادہ فقیہ ہو راجح قرار پائے گی۔

4) خود راوی کا عمل اس خبر کے مخالف نہ ہو۔

5) متن یا سند کے لحاظ سے زیادتی والی روایت کو احتیاط فی الدین کے نقطہ نظر سے کمی و نقص والی روایت پر محمول کرنا۔

6) خبر واحد کا تعلق عام یا کثرت کے ساتھ پیش آنے والے عمل سے نہ ہو۔ ایسے عمل پر حکم کا ثبوت شہرت یا تواتر کے بغیر نہ مانا جائے گا۔ اسی میں حدود کفارات بھی داخل ہیں جو شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

7) اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف رہا ہو تو اختلاف کرنے والے کسی صحابی نے دوسرے صحابی کو خبر واحد سے احتجاج و استدلال ترک کر دیا ہو یا ایسی صورت میں بھی اس خبر واحد کو معمول بہ نہ بنائیں گے۔

8) اگر کسی خبر واحد پر سلف میں سے کسی نے طعن کیا ہو تو وہ قابل حجت نہ ہوگی۔

9) اختلاف روایات کی موجودگی میں حدود و عقوبات کے اندر کم سزا والی روایت قابل عمل ہوگی۔

10) راوی کو سماعت حدیث سے لے کر روایت حدیث تک روایت برابر یاد رہی ہو۔ درمیان میں کبھی وہ روایت بھولا نہ ہو نہ ہی اپنی تحریر روایت پر بھروسہ کر کے اسے روایت کیا ہو۔

11) شہادت کی وجہ سے ساقط ہو جانے والی حدود سے متعلق مختلف روایات کی موجودگی

میں احوط کو اختیار کرنا جیسے چوری کے نصاب میں تین درہم والی روایت کی بجائے دس درہم والی روایت کو معمول نہ ماننا۔

12) وہ حدیث قابل عمل ہے جس کی تائید میں آثار زیادہ ہوں۔

13) خبر واحد صحابہ وتابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو۔(87)

ان اصولوں پر پوری اترنے والی حدیث دبستان حنفی میں قابل حجت ہوتی اور اس پر ہر صورت عمل ہوتا ہے اگرچہ قیاس کا تقاضا کچھ بھی ہو۔

3) اقوال صحابہ:

شرعی معاملات میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بعد اقوال صحابہ رضی اللہ عنہ کو قابل حجت تسلیم کرتے۔ اس ضمن میں آپ کے ارشادات بڑی وضاحت سے ملتے ہیں۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا یہ قول اس بارے میں نقل کیا ہے:

> سب سے پہلے ہم کتاب اللہ پر عمل کرتے پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر اور پھر ہم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہم کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا ایک اور قول بھی نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

> ہم اولاً مسائل کے لئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر آنحضور ﷺ کی سنت سے تمسک کرتے ہیں اور پھر کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کے فیصلوں کو دیکھتے ہیں اور جس مسئلہ میں انہوں نے اتفاق کیا ہو اس پر عمل کرتے ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں مختلف اقوال ہوں تو ان اقوال میں اختلاف ہو تو ہم اس قول کو ترجیح دیتے ہیں جو قول زیر بحث مسئلہ میں زیادہ معاون ثابت ہو۔(89)

اقوال صحابہ کے متعلق شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا یہ قول نقل کیا ہے:

> امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ جب آپ کوئی ایسا قول کہیں جو قرآن کے مخالف ہو تو کیا کیا جائے آپ نے جواب دیا قرآن مجید کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو۔ پھر پوچھا جب آپ کا کوئی قول حضورِ اکرم ﷺ کی خبر کے مخالف ہو تو فرمایا حدیث کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو پھر پوچھا گیا اگر آپ کا کوئی قول صحابہ کرامؓ کے قول کے مخالف ہو تو فرمایا:
>
> **اتركوا قولي بقول الصحابة(90)**
>
> صحابہ کے قول کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دیں۔

آپ کے اس قول سے یہ بات کتنی عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ قرآن مجید، حدیث رسول ﷺ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم پر کتنے عمل پیرا تھے اور آپ اپنے بعد بھی اہل علم کے لئے اجتہاد کی راہ متعین کر رہے ہیں نیز اپنی آراء و اقوال کو قول آخر قرار نہیں دیتے۔

4) اجماع

تمام فقہاء کے نزدیک فقہ اسلامی کا متفقہ تیسرا بنیادی مصدر اجماع ہے۔ امام غزالی (م505ھ) نے اجماع کی یہ تعریف بیان کی ہے:

اتفاق امة محمد ﷺ خاصة على امر من الامور الدينية(91)

رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے افراد کا دینی امور میں سے خصوصیت سے کسی امر پر اتفاق کرنا اجماع کہلاتا ہے۔

i) اجماع صحابہ رضوان اللہ علیہم:

یہ حدیث متواتر اور دیگر قطعی دلائل کی طرح قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم، کلام اللہ کے اولیں مخاطب تھے اور انہوں نے نزول وحی کا مشاہدہ کیا ہے۔

ii) اجماع تابعین رضی اللہ عنہم:

اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) کسی ایسے مسئلہ میں تابعین کا اجماع جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو، یہ خبر واحد کی طرح ہے جو ہر لحاظ سے ظنی مگر عملاً قطعی ہو۔

(ب) تابعین کا کسی ایسے امر میں اجماع جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو۔ یہ خبر واحد کی طرح ہے جو ہر لحاظ سے ظنی ہے۔(92) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں اجماع کی یہ تینوں صورتیں تھیں۔ آپ کے متعدد اقوال اس سے پہلے نقل کئے گئے ہیں لیکن علامہ شوکانی (م1255ھ) سے منقول آپ کا یہ قول بھی پیش خدمت ہے:

اذا اجمعت الصحابة علی شئی سلّمنا(93)

جس چیز پر صحابہ کا اجماع ہو وہ ہمیں تسلیم ہے۔

محمد سلام نے منہاج الاجتہاد میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلند پایہ شاگرد حسن بن زیاد (م204ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے:

"کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کتاب وسنت یا اجماع کی موجودگی میں یہ کہے کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے۔(94) صحابہ وتابعین کے اجماع کے علاوہ اہل کوفہ کو بھی تسلیم کرتے تھے مکی نے آپ کے متعلق حسن بن صالح کا اس ضمن میں یہ قول نقل کیا ہے:

وکان عارفا بحدیث اهل الکوفة وفقه اهل الکوفة شدید الاتباع لما کان علیه الناس ببلده(95)

آپ اہل کوفہ کی باتوں اور ان کی فقہ کو خوب پہنچانتے تھے اور اپنے شہر والوں کے مسلک پر سختی سے عمل کرتے۔

اسی طرح کا ایک اور قول سھل ابن مزاحم سے منقول ہے، فرماتے ہیں:

کلام ابی حنیفه اخذ بالثقة وفرار من القبح والنظر فی معاملات الناس منااستقاموا علیه وصلح علیه امور هم(96)

آپ کا کلام ثقات سے منقول قبائح سے دور باہمی معاملات میں بصیرت وفراست اور لوگوں کے مصالح کے تحفظ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

ان مذکورہ اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ اور آپ کی مجلس فقہ دیگر ارکان صحابہ اور تابعین کے علاوہ فقہاء کوفہ کے اجماع کی پیروی بھی کرتے تھے اور کسی مسئلہ میں نص نہ ملنے پر فقہاء کے تعامل کو اپنا مسلک قرار دیتے تھے۔

5) قیاس:

فقہ اسلامی کا چوتھا بنیادی ماخذ قیاس ہے۔ قیاس کی تعریف عبدالوہاب خلاف نے یہ کی ہے:

تسویة واقعة لم یرد نص بحکمها بواقعة ورد نص بحکمها الذی ورد به النص التساوی الوقعتین فی علة هذا الحکم(97)

کسی منصوص حکم کے ساتھ اشتراک علت کی بنا پر ایک غیر منصوص مسئلہ کے حکم کا بیان قیاس ہے۔

قیاس کے فقہی ماخذ ہونے کی دلیل حضور اکرم ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر کرنے کے بعد پوچھا تھا کہ تم وہاں جا کر کس طرح فیصلے کرو گے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"قرآن کی رو سے اگر قرآن میں کوئی حکم نہ پاؤں تو آپ ﷺ کی سنت کے مطابق، اگر سنت میں وہ مسئلہ نہ پاؤں تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا"۔

اس پر آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

المحدلله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسوله(98)

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو مرضی رسول پر چلنے کی توفیق بخشی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی روشنی میں اپنے مسلک کی بنیاد اٹھائی اور استدلال کے اصول وضع کئے۔ آپ خود فرماتے ہیں:

> **اخذت بقول اصحابه من شئت وادع قول من شئت ثم لااخرج من قولهم الی قول غیرهم فاذ اانتهی الامر الی ابراهیم والشعبی والحسن، وابن سیرین و سعید بن المسیب وعدد رجالاقداجتهد وافلی ان اجتهد کمااجتهدوا(99)**

کتاب وسنت کے بعد میں اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتا ہوں ان میں سے کسی ایک قول کو لے لیتا ہوں اور کسی دوسرے قول کو چھوڑ دیتا ہوں لیکن ان اقوال سے باہر نہیں جاتا لیکن جب ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ، حسن رحمۃ اللہ علیہ، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اقوال کی بات آتی ہے تو پھر میں اجتہاد (قیاس) کرتا ہوں جیسے انہوں نے کیا۔

اس ضمن میں حسن بن زیاد کا یہ قول بھی منقول ہے جس میں آپ نے فرمایا: قرآن و سنت اور اجماع کے بعد جس معاملہ میں صحابہ کی آراء مختلف ہوں ان میں سے ہم دیکھتے ہیں کہ کون سی رائے کتاب وسنت کے زیادہ قریب ہے۔ ہم اس کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہیں۔ اجتہاد ان فقہاء پر حل مسائل کی راہیں کشادہ کرتا ہے جو اختلاف کی نوعیت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ ہمارے ائمہ اس اصول و بنیاد پر قیاس واجتہاد کرتے ہیں۔(100)

آپ نے رائے اور قیاس سے بہت مدد کیوں لی اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے ابوزہرہ نے لکھا ہے:

> امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مخصوص طرز اجتہاد، فہم حدیث کا سلوب اور وہ مخصوص ماحول جس میں آپ نے ایام زندگی بسر کئے۔ یہ چند اسباب تھے جنہوں نے آپ کو کثرت قیاس اور اس کے تقاضا کے مطابق استخراج فروع پر مجبور کیا۔ اس کے علاوہ ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا اجتہاد ان مسائل سے بھی متعلق تھا جو ہنوز واقع نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ان کا وقوع ممکن تھا۔ نیز عراق میں فن حدیث کا چرچا کم تھا جو فقہاء وصحابہ وہاں موجود تھے، وہ بھی رائے سے زیادہ کام لیتے تھے۔ وہ رائے کو اس بات سے بہتر سمجھتے کہ کوئی شخص حضورِ اکرم ﷺ کی طرف غلط بات منسوخ کرے۔(101)

مسلک حنفی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں قیاس کو بڑی وسعت سے استعمال کیا گیا تاہم قیاس کے لئے متعدد کڑی شرائط رکھی گئیں۔ ان میں سے چند شرائط حسب ذیل ہیں:

1) حکم اصل میں ایسی دلیل نہ پائی جاتی ہو جس سے اس کا مخصوص ہونا ثابت ہو جیسے حضورِ اکرم ﷺ کا تعداد ازدواج یا حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دوسری گواہی کے بغیر قبول کرنا۔

2) وہ نص معدول عن القیاس نہ ہو یعنی وہ ایسی علت عام کے خلاف ہو جو شارع علیہ السلام کے نزدیک معتبر سمجھی گئی ہو، جیسے بھول کر کھانے پینے والے کے روزہ کو باقی رکھنا۔

3) اصل کا حکم ایک ایسے امر کی طرف متعدی ہو رہا ہو جس میں کوئی نص موجود نہ ہو۔(102)

ان اصول وشرائط پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مبارک کے مطابق قیاس کے ذریعے وسعت پذیر اسلامی معاشرے کی قانونی وفقہی ضروریات کی تشکیل کا ایک نہایت عمدہ اور گراں قدر طریقہ اختیار کیا جس طریقے پر ہر حکم کی روح اور اس کی غرض وغایت کو سمجھنا ضروری تھا۔

بعض حضرات آپ کے اس قیاس اور رائے پر شدید معترض ہوتے ہیں حالانکہ یہ قیاس وسنت کے مطابق تھا اور صرف اس مقام پر ہوتا جہاں اس کی ضرورت محسوس کی جاتی۔ اس ضمن میں آپ مزید دو قول پیش کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

اننا ننظر اولاً فی دلیل تلک المسئلة من الکتاب والسنة او اقضیة الصحابه فان لم نجد دلیلاقسنا حینئذ مسکوتاعنه علی منطوق به بجامع اتحاد العلة بینهما(103)

کسی بھی مسئلہ کے حل کے لئے ہم سب سے پہلے قرآن مجید پھر سنت رسول ﷺ اور پھر صحابہ کرام کے اقوال کو دیکھتے ہیں۔ ایک اور جگہ پر آپ نے فرمایا:

کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بعد ہم صحابہ کرام کے متفقہ اقوال پر عمل کرتے ہیں اگر وہ اختلاف کریں تو ہم قیاس کرتے ہیں اور دو مسئلوں میں علت کی جامعیت ویکسانیت کو دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اصل معنی واضح ہو جاتا ہے۔(104)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

نحن لانقیس الاعندالضرورة الشدیده(105)

یعنی ہم شدید اور ناگزیر حالات میں ہی قیاس کرتے ہیں۔

مکی نے ابوبکر بن عیاش کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ ابوحنیفہ حدیث چھوڑ

کر قیاس پر عمل کرتے ہیں:

هذا بهت منه وافترا علیه فان کتبه وکتب اصحابه مملوءة من المسائل التی ترکواالعمل فیهابالقیاس واخذوا بالاثر الوارد فیه(106)

یہ آپ پر بہتان اور الزام ہے کیونکہ آپ اور آپ کے اصحاب کی کتابیں ایسے مسائل سے بھری پڑیں ہیں جن میں انہوں نے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا۔

بہرحال آپ حل مسائل میں جمہور مسلمین کے طرز اور تعامل سے مدد لیتے۔ قیاس جو مصلحت عامہ کے لئے زیادہ مفید ہوتا اسے اختیار کرتے لوگوں کے معاملات ومسائل پر گہری نظر رکھنے کے بعد ہمیشہ ان کی سہولت اور فلاح کے لئے متلاشی رہتے اور امکانی حد تک قباحت اور دشواری سے گریزاں رہتے۔

6) استحسان:

آپ کی مجلس فقہ میں استخراج مسائل کی ایک بنیاد استحسان بھی تھی جس کا معنی ہے کسی اچھی چیز کو اچھا سمجھنا جبکہ فقہی اصطلاح میں کسی قوی تر دلیل کی بنیاد پر قیاس کو خاص کرنے کا نام استحسان ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استحسان سے مراد ہے:

هو ترک القیاس والاخذبما هو اوفق للناس(107) قیاس کو ترک کر کے وہ چیز اختیار کرنا جو لوگوں کے لئے زیادہ موافق ہو۔

استحسان فقہ حنفی ہی کا ثانوی مصدر ہے، استحسان استخراج مسائل کی بنیاد ہونے کے متعدد دلائل قرآن وسنت اور تعامل صحابہ سے ثابت ہیں۔

استحسان کو استخراج مسائل میں شامل کرنے کا مقصد عوام الناس کو شریعت اسلامیہ اور اس کی سہولتوں کے زیادہ سے زیادہ قریب لانا تھا۔

7) استصحاب:

استصحاب کا لفظ صحب سے ہے جس کا معنی ساتھ رہنا، باقی رکھنا اور جاری رہنا ہے اصطلاح فقہ میں استصحاب سے مراد ہے کہ کسی چیز کا وجود ماضی میں دلیل کے ساتھ ثابت شدہ ہے اور زمانہ حال میں اس کے وجود کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ملتی تو پھر اس چیز کو حال میں بھی اسی طرح موجود سمجھا جائے گا جس طرح کہ وہ ماضی میں تھا اس لئے کہ اس چیز کا موجود ہونا پہلے ہی سے ثابت چلا آ رہا ہے۔(108)

استصحاب الحال کے ذریعہ دراصل سابقہ دور کے کسی رسم و رواج یا عرف و عادت کو بعینہ رہنے دیا جاتا ہے، اس استدلال کو ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہ مطلق حجت قرار دیتے ہیں لیکن امام صاحبؒ نے اس کی بعض صورتوں کو اختیار کیا ہے جیسے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مفقود الخبر شخص کو اس وقت تک زندہ تصور کیا جاتا ہے جب تک اس کے مرنے کا ثبوت سامنے نہ آ جائے۔ اس کا مال ورثاء کو تقسیم نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگی۔

ان تمام اجتہادی اصولوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اور آپ کے اصحاب:

1) سب سے پہلے کسی مسئلہ کے حل کے لئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔
2) اگر قرآن مجید میں وہ حکم نہ ملتا تو سنت رسول ﷺ کو دیکھتے۔
3) اگر سنت سے بھی مسئلہ حل نہ ہوتا تو اقوال صحابہ کو دیکھتے اقوال صحابہ میں اگر کوئی قول متفقہ ہوتا تو اسے اختیار کرتے اور مختلف اقوال کی صورت میں اس قول کو اختیار کرتے جو قرآن و سنت کی روح کے زیادہ قریب ہو۔
4) اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کا اجماع ہوتا تو اسے ختیار کرتے۔
5) اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کی مختلف آراء ہوں تو پھر خود بھی قیاس کرتے اور قیاس میں قرآن وحدیث کی فکر کے ساتھ ساتھ قلت تکلیف اور مصلحت عامہ کو پیش نظر رکھتے

یہ وہ اجتہادی اصول ہیں جن کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشکیل دی ہوئی مجلس فقہ نے قانون سازی کی۔ آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ آج کا اس سیمینار کا انعقاد اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عظیم خراج تحسین ہے لیکن یہ بات اہم ہے کہ آپ کی خدمت میں سے دو طرح کی خدمات خاصی اہمیت کی حامل ہیں:

1) آپ کا مشاورتی طریقہ سے مسائل واحکام کا مجموعہ تیار کرنا۔
2) آپ کا فقہی اصول وقواعد کا وضع کرنا۔

اگرچہ یہ دونوں خدمات بڑی ہیں لیکن ان میں سے مؤخر الذکر خدمت اوّل سے اُمت کے لئے زیادہ سود مند ہے اس لئے کہ یہ قواعد قیامت تک کے لئے اُمت مسلمہ کے لئے رہنما ہیں۔ آج کی مجلس کا انعقاد ہمیں اس امر کی بھی رہنمائی کرتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہر دور میں ایسی مجالس فقہ تشکیل دیں تاکہ جدید مسائل کو مصادر اسلامی کی روشنی میں حل کیا جائے۔

آج دنیا گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کر چکی ہے، جدید سائنسی ایجادات نے مسائل اور معاملات کی سابقہ نوعیتوں کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے، طبی مشاہدات اور مشینی مصنوعات نے انسان کے مزاج کو یکسر تبدل کر دیا ہے، معاشیات میں زرِ خالص کی بجائے زر اعتباری نے جگہ لے لی ہے، اشیاء کی بجائے حصص کا کاروبار کیا جاتا ہے، بیع وشرا کے قدیم طریقوں کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ کے ذریعہ معاہدات کئے جاتے ہیں جس کے باعث Cyber Crimees کا ارتکاب ہو رہا ہے، غیر سودی بینک کاری مسلمانوں کے لئے ایک چیلنج بنی ہوئی ہے اجتماعی تکافل ایک ضرورت کی شکل اختیار کر گیا ہے، نقد رقوم کی بجائے کریڈیٹ کارڈ کا استعمال کیا جاتا ہے، ان حالات میں ہمیں ایک نئی کتاب البیوع مدون کرنے کی ضرورت ہے۔ عائلی مسائل کے ضمن میں عورتوں کے حقوق وفرائض، طلاق کی نوعیت، نکاح

وطلاق کے انعقاد میں تکنیکی ایجادات کا استعمال، مفقود الخبر شوہر کی زوجہ کے لئے عقد ثانی کی مدت، غیر مسلم ممالک میں میاں بیوی میں سے ایک کے مسلمان ہونے اور دوسرے کا غیر مسلم ہونے سے وابستہ متعدد قسم کے مسائل مسلمانوں کو درپیش ہیں۔

میڈیکل کی دنیا میں Mercy Killing، اعضاء انسانی کی پیوند کاری، خاندانی منصوبہ بندی، کلوننگ اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی، پلاسٹک سرجری اور ایڈز سے متعلق مسائل کا سامنا ہے۔ اسلامی ریاستوں میں رویت ہلال، فضائی سفر میں نماز کی ادائیگی، مشینی ذبیحہ، انتہا پسندی اور خودکش حملوں کے علاوہ طرزِ حکومت، طرزِ انتخاب عدالتی و احتسابی ادارے، غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق، عورت کی حکمرانی، نفع کی حدود کا تعین ٹیکسیشن کی حدود اور زکوٰۃ وعشر کے نفاذ پر عصری تقاضوں کے تطابق پر اجتہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ بین الاقوامی معاملات میں فقہ الاقلیات، سیر یعنی قانون بین الاقوام کے قواعد وضوابط، اشیاء اور خدمات کے تبادلے کے اصول، عالمی اداروں کی ہیئت اور تنظیموں میں مسلمانوں کی شرکت اور قوت، امن اور جنگ کے حالات میں قواعد، مکالمہ بین المذاہب کے آداب، ادیان ومذاہب کے اکابرین کا احترام اور مذہبی شعائر اور معابد کی حرمت کے علاوہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے جائزے اور حل کی اشد ضرورت ہے۔ پاکستان میں متعدد اسلامی جماعتیں اور دین اسلام سے متعلق کئی ادارے اور وفاق ہیں لیکن کہیں بھی اس قسم کی مجلس کا انعقاد نظر نہیں آتا جہاں ان جدید مسائل پر اجتہاد کیا جاتا ہو لہٰذا مرکزِ تحقیق فیصل آباد اس فرض کو ادا کر کے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو بہترین خراج تحسین پیش کرسکتا ہے۔



حواشی ومصادر

1) آپ کی یہ کنیت حقیقی کنیت نہیں ہے کیونکہ آپ کی اولاد میں سے کسی کا نام حنیفہ نہیں تھا۔ یہ کنیت وصفی معنی کے لحاظ سے ہے کیونکہ حنیف اس شخص کو کہا جاتا ہے جو باطل کو چھوڑ کر حق پر استقامت اختیار کرے۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (آل عمران 95)

مسلمانو ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو۔

آپ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی، (شہاب الدین احمد بن حجر مکی (م852ھ/1444ء)، الخیرات الحسان، ترجمہ ظفر الدین رضوی، ص49، المکتبۃ الحقیقۃ، استنبول، ترکی 1986ء)

2) ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی (م468ھ/ 1075ء) تاریخ بغداد، 326/13، مطبعۃ السعادۃ، مصر، 1931ء۔

3) ڈاکٹر محمود الحسن عارف، "امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کا منہج اجتہاد" سہ ماہی منہاج، (اپریل تا جون 1996ء، جلد 4، شمارہ 2)، مرکز تحقیق، دیال سنگھ، لائبریری، لاہور ص55۔

4) شہاب الدین احمد بن حجر مکی، الخیرات الحسان ص58۔

5) ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی یوسف الشامی الصالحی الدمشقی (م972ھ/ 1536ء)، عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان، ص63.183، مطبعہ معارف الشرقیہ، حیدر آباد، بھارت، 1973ء۔

6) ایضاً 91۔

موفق بن احمد مکی (م568ھ/ 1172ء) مناقب ابی حنیفہ، 433/1، دار الکتاب

العربی، بیروت، 1981ء۔

7) شاخت "ابوحنیفہ" دائرہ معارف الاسلامیہ، 331/1، دانشگاہ پنجاب، لاہور، 1933

8) شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان (م 681ھ / 1282ء)، وفیات الاعیان، تحقیق دکتور احسان عباس، 205/2، دار الثقافۃ، بیروت، 1969ء۔

9) مجموعہ اصفہانی پر جناب عبدالشہید نعمانی نے PhD کی ڈگری کے حصول کے لئے تحقیق کی جسے مجمع بحوث الاسلامیہ، اسلام آباد نے 2000ء میں طبع کیا۔

محمد بن اسحاق بن ندیم، (م 385ھ / 995ء)، الفہرست، مترجم، محمد اسحاق بھٹی، مقالہ ششم، ص 483، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور 1990ء۔

10) امام مسلم (م 261ھ / 874ء)، الجامع الصحیح، (کتاب فضائل الصحابہؓ، باب فضل فارس، حدیث نمبر 6497,6498) دار السلام، ریاض، 2000ء۔

یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ سے بھی مروی ہے۔

11) ڈاکٹر محمود الحسن عارف، "امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کا منہج اجتہاد" سہ ماہی منہاج، ص 57۔

12) علی بن محمد ابن اثیر جزری (م 630ھ / 1223ء)، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، مترجم، 166/5,181/1، مکتبہ نبویہ، لاہور، 1407ء۔

حضرت انسؓ نے بصرہ میں سب سے آخر میں، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ نے کوفہ میں وصال فرمایا جبکہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ کے بارے میں ہے کہ آپ نے تمام صحابہ کرامؓ میں سے سب سے آخر میں وفات پائی۔

(علی بن محمد ابن اثیر جزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، مترجم، 181/1۔)

محمد ابن سعد (م 230ھ / 823ء)، الطبقات الکبریٰ۔

13) امام محمد بن ادریس الشافعی (م 748ھ / 819ء)، دیوان الشافعی، ص 127، مکتبہ البحوث والدراسات، دار الفکر، بیروت 2000ء۔

14) علامہ ابوعبداللہ محمد الذہبی (م 748ھ / 1347ء)، تذکرۃ الحفاظ، مترجم محمد اسحاق، 148/1، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور، 1981ء۔

15) امام مسلم، الجامع الصحیح، (کتاب فضائل الصحابہؓ، باب من فضائل عبداللہ بن مسعود امہ، حدیث نمبر 6434-6438)۔

16) شیخ احمد سرہندی امام ربانیؒ (م 1034ھ / 1624ء)، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب نمبر 55، دفتر سوم، مکتوب 17۔

17) رئیس احمد جعفری، سیرت ائمہ اربعہ، ص 170، کتاب منزل، لاہور، 1955ء۔

(نوٹ: اسی نوعیت کا ایک مقدمہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں بھی پیش ہوا تھا تو حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ تیرا مال ہمارے پاس ہے۔ تو اپنے ساتھی کو لے آ۔ پھر تم دونوں کو مال ملے گا۔ (شاہ ولی اللہ" م 1114ھ / 1702ء"، ازالۃ الخفا، ترجمہ، اشتیاق احمد، 478.479/4، قدیمی کتب خانہ، کراچی (ت۔ن)۔)

18) ایضاً

19) علامہ مناظر احسن گیلانی (م 1034ھ / 1624ء)، حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، ص 279، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1933۔

20) محمد بن یوسف، عقود الجمان، ص 184۔

21) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (م 1400ھ / 1979ء)، خلافت وملوکیت، ص 241,240، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1987ء۔

ابن المقفع کی اس تجویز کا اجمال یہ ہے کہ اس نے خلیفہ منصور کو لکھا ہے کہ حیرہ (جو کہ کوفہ سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے) اور کوفہ میں ایک ہی قسم کے مقدموں میں

مختلف قاضی قطعی متضاد فیصلے کرتے ہیں اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو اموی دور کے کسی قاضی کے فیصلے کو بطور نظیر پیش کر دیتے ہیں، قوانین میں یکسانی کے فقدان کی وجہ سے ساری سلطنت میں انارکی پھیلے گی (لہذا آپ) مختلف فیصلوں اور ان کے دلائل کا ریکارڈ منگوا کر خود غور فرما کر اپنی رائے سے فیصلہ صادر کریں اور اسے عدالتی ضابطہ کے طور پر نافذ کر دیا جائے تاکہ تمام عدالتیں اس کی پابندی کریں، (امام ابوحنیفہ حیات۔ فکر اور خدمات، ترتیب وتدوین، محمد طاہر منصوری وعبدالحی ابڑو، ص: 172، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 2006ء)

22) ظہور احمد اظہر، ''فقہ'' دائرہ معارف اسلامیہ، 411/15۔

23) محمد بن محمد شہاب المعروف بابن البزاز الکردری، (م827ھ/1424ء)، مناقب الامام الاعظم، 242/2، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، 1407ء۔

24) محمد میاں صدیقی، ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد ''مقالہ'' پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور (297,31م54الف)، ص:377۔

25) ظہور احمد اظہر، ''فقہ''، دائرہ معارف اسلامیہ، 407/15۔

26) محمد بن زاہد الکوثری (م1371ھ) حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابویوسف القاضی ص:12، سعید سنز، کراچی، (ت۔ن)۔

سیّد ابومحمد کاوش، سیر الاحناف، ص:37، مدینہ بک ایجنسی، (مقام نشر نامعلوم)، 1931ء۔

27) محمد بن محمود الخوارزمی (م665ھ/ 1266ء)، جامع المسانید، (مجموعہ الاحادیث للامام الاعظم)، ص:31-32، المکتبۃ الاسلامیہ، سمندری، (ت۔ن)۔

28) محمد میاں صدیقی، ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد، ص:440۔ ابومحمد کاوش، سیر الاحناف، ص:47.50۔

29) خوارزمی، جامع المسانید، ص:23، دکتور ابی الیقظان عطیہ الجبوری، الامام زفر وآراؤہ

الفقہیہ، ص:82، دار الندوہ، بیروت، 1986ء۔

30) ایضاً

31) پروفیسر شاخت وادارہ، ''الحنفیہ''، دائرہ معارف اسلامیہ، 687/8۔

32) شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، ص:114۔

33) محمد امین ابن عابدین (م1252ھ/1836ء)، رد المحتار، 50/1، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، 1412ھ۔

34) ایضاً

35) محمد حنیف گنگوہی، مقدمہ، غایۃ السعایۃ، 19/1، المکتبۃ الاشرفیۃ، لاہور، (ت۔ن)

36) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م1347ھ/2002ء)، ''تدوین قانون اسلامی اور امام ابوحنیفہ'' چراغ راہ، اسلامی قانون نمبر، ص:282/1، کراچی، (ت۔ن)۔

37) عبدالوہاب الشعرانی (م973ھ/1565ء) کتاب المیزان، مقام وناشر نامعلوم) ص:59

38) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ، 391/2۔

39) مکی، مناقب ابی حنیفہ، 54/2۔

40) معجم المصنفین، 174/2، عبدالقیوم حقانی، دفاع امام ابوحنیفہ، ص:126، ادارۃ العلم والتحقیق، اکوڑہ خٹک، 1995ء۔

41) محمد بن یوسف، عقود الجمان، (باب آٹھ)، ص:205۔

42) ایضاً، ص:269۔

43) مولانا مودودی، خلافت وملوکیت، ص:240-241۔

44) مفتی عزیز الرحمٰن (م1347ھ/1929ء)، مقدمہ فتاوی دار العلوم دیوبند، مرتبہ، محمد ظفیر الدین، 60/1۔

45) عبدالقادر قرشی (م577ھ/ 1181ء) الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ، 267/1، دائرہ معارف نظامیہ، حیدرآباد، دکن، (ت۔ن)۔

محمد بن زاہد الکوثری، حسن التقاضی، ص:12۔

46) عبدالوہاب الشعرانی، المیزان الکبریٰ، ص:56۔

47) محمود بن محمد بن عرنوس، تاریخ القضاء الاسلام، ص:19، قاہرہ، 1934ء۔

48) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:485، مکتبہ معارف، اعظم گڑھ، 1956ء۔

49) رئیس احمد جعفری، سیرت ائمہ اربعہ، ص:39۔

50) محمد بن محمد شہاب المعروف بابن البزاز الکردری، مناقب الامام اعظم، 56/2۔

51) دوست محمد شاکر، مقدمہ، المسند للامام الاعظم، ص:27-28، فرید بک سٹال، لاہور، (ت۔ن)۔

52) شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، ص:123۔

53) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ، 80/1۔

54) ایضاً، ص:74-72۔

55) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 368/1۔

56) مکی، مناقب ابی حنیفہ، 74/1-72۔

57) محمد میاں صدیقی، ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد، ص:277۔

58) مکی، مناقب ابی حنیفہ، 143/1۔

59) عبدالوہاب شعرانی، کتاب المیزان، ص:64-63۔

60) ایضاً، ص:64۔

61) ایضاً۔

62) دار قطنی علی بن عمر امام (م385ھ/ 995ء)، سنن دار قطنی، (کتاب الصلوٰۃ، باب

احادیث القہقہہ)، 162/1، عبداللہ ہاشم یمانی، مدینہ منورہ، 1966ء۔

63) شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، ص:98۔

64) امام ابن ماجہ (م273ھ/886ء)، سنن ابن ماجہ، (ابواب ماجاء فی الصیام، باب ماجاء فیمن افطر ناسیا، حدیث نمبر1673)، ص:120، نور محمد، کراچی، 1381ھ۔

65) شبلی، سیرۃ النعمان، ص:99۔

66) محمد بن یوسف، عقود والجمان، (باب آٹھ)، ص:178-172۔

67) محمد بن عبدالکریم شہرستانی (م548ھ/1153ء)، کتاب الملل والنحل، 99/1، مطبع حیدری، بمبئی، 1314ھ۔

68) ملا احمد جیون (م1130ھ/1718ء)، نورالانوار، ص:178، سعید کمپنی، کراچی، 1387ھ۔

69) ایضاً

70) شاہ ولی اللہ (م1176ھ/1703ء)، حجۃ اللہ البالغہ، 382/2، نور محمد، کراچی، (ت۔ن)۔

71) ابوجعفر محمد طحاوی (م321ھ/933ء)، شرح معانی الاثار، (کتاب البیوع، باب بیع المصراۃ)، 226/2، سعید کمپنی، کراچی 1970ء۔

72) احناف کے نزدیک اگر مصراۃ جانور خرید لیا تو اس عیب کی بنا پر اس جانور کو واپس کرنا بہر حال ضروری نہیں البتہ اس عیب کی وجہ سے اس کی مالیت میں جو کمی ہوئی ہے اور اس حدیث سے ایک اور دلیل ٹکراتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قیاس جو قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہے اس سے واضح ہے کہ زیادتی کرنے کا تاوان اس طرح کی زیادتی یا جبر نقصان کی صورت میں ادا کیا جائے۔ مصراۃ کی صورت میں فروخت کنندہ دودھ کو تھن میں روک کر خریدار کو دھوکہ دینے کی زیادتی کرتا ہے۔ اس کا تاوان

جبر نقصان کی صورت میں ادا ہونا چاہئے۔خریدار نے دودھ نکال کر بائع پر کوئی زیادتی نہیں کی اگر زیادتی ہو بھی تو صرف دودھ کی قیمت یا اتنا دودھ دینا ہی لازم آئے گا۔کھجور نہ قیمت ہے نہ دودھ۔

(عبدالرحمٰن الجزیری (م 1ھ / 1941ء)، کتاب الفقہ ،ترجمہ،منظور احمد عباسی، 402/2،محکمہ اوقات،لاہور،1973ء)۔

73) عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ ،406/2-404۔

74) ابو جعفر طحاوی، شرح معانی الآثار،226/2۔

75) امام مسلم بن الحجاج ابوالحسن امام، الجامع الصحیح (م 261ھ/1ء)، (کتاب البیوع، باب ثبوت خیار المجلس ،حدیث نمبر 3853)،6/2، مطبع علمی، دہلی،1348ھ۔

76) عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ ،406/2۔

77) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، (ابواب الطھارۃ وسننھا، باب الوضوء، مما غیرت النار، حدیث نمبر 487)، ص:37۔

78) ایضاً، حدیث نمبر 485۔

79) شمی، سیرۃ النعمان، ص:100۔

80) امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث (م 275ھ / 888ء)، سنن ابی داؤد، (کتاب الطھارۃ، باب فی ترک الوضوء مما مست النار، حدیث نمبر 187)، 25/1، ولی محمد، کراچی، 1399ھ۔

81) امام محمد اسماعیل بخاری (م 256ھ/869ء)، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ المیت یعذب، حدیث نمبر 1287) ص:171/1 نور محمد، کراچی، 1357ھ

82) امام احمد بن حنبل (م 241ھ/855ء)، مسند، 454/2، دار صادر، بیروت، (ت ن)

83) ملا احمد جیون، نور الانوار، ص:178۔

84) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، 328/2..316۔

85) حدیث بریرہ کو حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے۔

قال کان زوجھا عبداً فخیرھا النبی ﷺ فاختارت نفسھا ولو کان حراً لم یخیرھا

امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد (کتاب الطلاق، باب فی المملوکۃ تعتق وھی تحت حر او عبد، حدیث نمبر 2233)، 304/1۔

بریرہ لونڈی کا خاوند مغیث نامی تھا وہ اس کے پاس نہیں رہنا چاہتی تھی۔اس نے حضور اکرم ﷺ سے سفارش کی کہ آپ بریرہ سے کہیں کہ وہ مجھے نہ چھوڑے کیونکہ وہ آزاد ہو گئی تھی۔آپ ﷺ نے جب بریرہ سے پوچھا تو اس نے مغیث کے ساتھ نہ رہنا چاہا، آپ نے سفارش کی لیکن پھر بھی اسے اختیار دیا گیا، اختیار کے بعد اس نے مغیث سے علیحدگی اختیار کر لی۔

86) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 340/3، محمد بن یوسف، عقود الجمان، ص:199۔

87) محمد بن زاہد بن الحسن الکوثری، تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ من الاکاذیب، ص:223.225، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، 1983ء۔

محمد حنیف گنگوہی، غایۃ السعایۃ فی حل مافی الھدایہ، ص:73.75۔

88) عبدالوہاب الشعرانی، کتاب المیزان الکبریٰ، ص:63۔

89) ایضاً

90) شاہ ولی اللہ، عقد الجید، ص:53.54، مطبع مجتبائی، دہلی، 1344ھ۔

91) ابو حامد غزالی (1111ء)، المستصفی، 173/1، مطبعہ الامیریہ، بولاق، مصر، 1324ء

92) سیف الاسلام بزدوی (م 493ھ/1099ء)، کتاب الاصول، 241/1۔

93) محمد بن علی الشوکانی (م 1255ھ/1839ء)، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم

الاصول تحقیق محمد صبحی، ص:304، مصطفیٰ البابی، مصر، 1356ھ۔

94) محمد سلام، مناھج الاجتھاد، ص:161، دار النھضۃ العربیہ، مصر، 1960ء۔

95) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ، 80/1۔

96) ایضاً، ص:75۔

97) عبدالوہاب خلاف مصادر التشریع الاسلامی فیما لانص فیہ، ص:19، دار القلم، کویت، 1972ء۔

98) امام احمد بن حنبل، مسند امام احمد 336,343/5۔

99) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 368/13، موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ، 80/1۔

100) مذکور محمد سلام، منھاج الاجتھاد، ص:162۔

101) محمد ابوزہرہ مصری (م1394ھ/19ء)، حیات ابوحنیفہ، ترجمہ غلام احمد حریری، ص:509، ملک سنز، فیصل آباد۔

102) ایضاً

103) شعرانی، کتاب المیزان، ص:63۔

104) ایضاً

105) ایضاً

106) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 83/1

107) امام شمس الدین ابوبکر محمد بن احمد (م490ھ/ 1096ء)

108) محمد بن علی الشوکانی ارشاد الفحول ص 712۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس فقہ

محمد صدیق ہزاروی

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ

(مرکز معارف اولیاء) لاہور

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس فقہ

محمد صدیق ہزاروی

اسلام ایک آفاقی دین ہے اور اس کا بنیادی ماخذ وحی ہے جو قرآن وسنت کی صورت میں انسانی مسائل کے حل پر مشتمل ہے نہ صرف یہ بلکہ وحی الٰہی کے ذریعے ایسے اصول بھی فراہم کردیئے ہیں جو قیامت تک پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے مددومعاون ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ خالق کائنات نے بعض شخصیات کو اجتہادی صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور فرمایا جو ان خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد واستنباط کے ذریعے کائنات انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ باحسن وجوہ انجام دیتے ہیں۔

مجتہدین کے سرخیل حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اجتہادی کاوشوں کو چاردانگ عالم میں جو شہرت نصیب ہوئی اور آپ کی فقہ (فقہ حنفی) نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو شمع روشن کی وہ اپنی مثال آپ ہے اس لئے جلیل القدر فقہاء کرام نے آپ کو اس فن کا امام اور دوسرے فقہاء کرام کو آپ کا خوشہ چین قرار دیا ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان الناس عیال لابی حنیفه فی الفقه(1)

بے شک تمام لوگ فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پروردہ ہیں۔

اس سلسلے میں شبلی نعمانی کا یہ تبصرہ بہت اہم اور انکشاف حق کا آئینہ دار ہے۔

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس صفت میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ ساتھ دنیوی اغراض کے اندازہ شناس تھے اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے مرجعت اور فصل قضایا (مقدمات کے فیصلوں) کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات ان کی نگاہ سے گزر چکے تھے ان کی مجلس افتاء بہت بڑی عدالت عالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت' مہمات امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ان کے شاگرد اور ہم نشین جن کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضاء پر مامور تھے ان باتوں کے ساتھ خود ان کی اپنی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوتی تھی وہ ہر بات کو قانون کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور ان کے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے (2)

گویا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ جہاں دیگر خصوصیات کی حامل تھی وہاں اس کا شورائی نظام بحث وتمحیص اور چھان پھٹک اس کا طرہ امتیاز ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا ایک وصف باہمی مشاورت سے مسائل کا حل قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وامرهم شوریٰ بینهم(3)

اور ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں

اور رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی بات کا حکم دیا گیا ارشاد ربانی ہے

وشاورهم فی الامر(4)

آپ معاملات میں ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہ) سے مشورہ کیجئے۔

اس سلسلے میں اہل تاویل کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو کن مسائل میں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) سے مشورہ کا حکم فرمایا۔

ایک جماعت کے نزدیک جنگوں کی خفیہ تدابیر اور دشمن سے ملاقات کے وقت
مشاورت کا حکم دیا اور اس کا مقصد صحابہ کرام کی دلجوئی اور ان کی قدر و منزلت کو بڑھانا تھا
اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے صحابہ کرام کی رائے سے بے نیاز کر دیا تھا۔

بعض حضرات کے نزدیک جن کاموں کے بارے میں وحی نہ آتی ان میں مشاورت کا
حکم دیا حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مقصد مشاورت کی فضیلت کی تعلیم تھی نیز
اس لئے کہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے۔

نبی اکرم ﷺ نے متعدد امور میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا اور آپ نے فرمایا:

"المستشار موتمن"

جس سے مشورہ کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے یعنی اسے بددیانتی نہیں کرنی چاہئے (5)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اتفقوا علی ان کل مانزل فیه وحی من عندالله لم یجز
للرسول صلی الله علیه وسلم ان یشاور فیه الامة، لانه
اذا جاء النص بطل الرای و القیاس (6)

اس پر اتفاق ہے کہ جن امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے
وحی نازل ہوتی اس میں رسول اکرم ﷺ کے لئے امت سے مشورہ
کرنا جائز نہ تھا کیونکہ جب نص آگئی تو رائے اور قیاس باطل ہو گیا۔

کچھ حضرات فرماتے ہیں:

اللفظ عام خص عنه مانزل فیه وحی فتبقی حجة فی
الباقی ظاهر الامر فی قوله "وشاورهم" للوجوب وحمله
الشافعی علی الندب (7)

"وشاورهم" لفظ عام مخصوص عنہ البعض ہے اور اس سے وہ مسائل

خاص ہیں (اس حکم میں شامل نہیں) جن کے بارے میں وحی نازل
ہوتی ہے پس باقی میں ان کی حجت باقی ہے اور ظاہر میں امر کا صیغہ
وجوب کے لئے ہے البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو استحباب پر
محمول کرتے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن وسنت کے معاملے میں نہ تو اجتہاد فرماتے
اور نہ ہی مشاورت کا عمل اختیار کرتے اسی طرح اقوال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے مقابلے میں بھی اپنی رائے اور قیاس کو راہ نہیں دیتے تھے۔

آپ خود فرماتے ہیں:

"انا ننظر اولا فی دلیل تلک المسئلة من الکتاب
والسنة او اقضیة الصحابة فان لم نجد دلیلا قسنا حینئذ
مسکوتا عنه علی المنطوق به" (8)

ہم مسئلہ کی دلیل قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے فیصلوں میں دیکھتے ہیں پس اگر ان میں دلیل نہ پائیں تو اس
وقت ہم ان مسائل کو جن کے بارے میں قرآن وسنت یا صحابہ کرام
خاموش ہیں ان مسائل پر قیاس کرتے ہیں جو منصوص علیہ ہیں۔

چنانچہ آپ نے ان لوگوں کا رد بھی فرمایا جو آپ کے بارے میں من گھڑت باتوں کے
ذریعے آپ کی ذات وصفات کو مجروح کرنے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ آپ قیاس کو نص
پر مقدم کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

"کذب والله وافتریٰ علینا من یقول عنا اننا نقدم القیاس
علی النص" (9)

اللہ کی قسم اس شخص نے جھوٹ بولا اور ہم پر افتراء باندھا جو کہتا ہے کہ

ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں۔

لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ اس وقت قیاس فرماتے ہیں جب کوئی مسئلہ قرآن و سنت یا صحابہ کرام کے فیصلوں سے نہ ملتا اور سنت رسول ﷺ کے مطابق اس میں مشاورت کی راہ اختیار فرماتے۔

اس سلسلے میں آپ نے چالیس سے زائد ارکان پر مشتمل ''مجلس فقہاء'' تشکیل دی تھی یہ تمام ارکان مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے قانون اسلامی کی ترتیب وتدوین میں جتنے علوم و فنون کے ماہرین کی ضرورت تھی جو اس مجلس میں جمع تھے کوئی علوم قرآن کا ماہر تھا کوئی علم حدیث کا' کسی کی لغت پر گہری نظر تھی کوئی علم الانساب میں درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور کوئی قاضی اور مفتی کے منصب پر فائز تھا۔

مجلس فقہ میں بطور خاص ایسے افراد بھی شامل کئے گئے جن کی معاشرے کے گوناگوں اور نو بہ نو مسائل پر گہری نظر تھی اور ایسے افراد بھی تھے جو لوگوں کے رسم ورواج اور عرف و عادات سے بخوبی واقف تھے۔

آپ کے اپنے حلقہ تلامذہ میں سے ایسے افراد بھی اس مجلس میں شریک تھے جنہیں سالہا سال تک آپ اپنے مدرسہ قانون میں احکام ومسائل کو عقلی انداز میں سمجھنے اور پیش آمدہ مسائل کو قرآن وسنت کے دائرے میں رکھتے ہوئے حل کرنے کی تربیت دے چکے تھے(10)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود اس مجلس فقہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی مجلس فقہ کے لئے جن افراد کا انتخاب کیا ہے ان میں سے اٹھائیس ایسے درجے کے ہیں جو قاضی (جج) کے منصب پر فائز کئے جاسکتے ہیں کچھ افراد فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور ان میں

دو ارکان ایسے ہیں جو قاضی اور مفتی تیار کرسکتے ہیں'' (11)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مجلس فقہ کس قدر عظمت وبرکت سے مالا مال تھی اس سلسلے میں فضل بن موسیٰ سنیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''کنا نختلف الی المشائخ بالحجاز و العراق فلم یکن مجلس اعظم برکة ولا اکثر نفعا من مجلس ابی حنیفة'' (12)

ہم مشائخ حجاز اور عراق کے پاس آتے جاتے تھے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے بڑی برکت اور زیادہ نفع والی کوئی مجلس نہ تھی۔

ایک دفعہ حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی دینی معاملہ میں غلطی کیسے کرسکتے ہیں جبکہ ان کی مجلس درس میں علم وفن کے اہل کمال موجود رہتے ہیں۔

(حضرت امام) ابو یوسف' زفر بن ہذیل اور محمد بن حسن جیسے عالم قیاس واجتہاد میں' یحیٰ بن زکریا بن ابی زائدہ' حفص بن غیاث' حبان بن علی اور معدل جیسے عالم، حدیث کی معرفت وحفظ میں' قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن جیسے اہل علم لغت وعربیت میں داؤد بن مغیرہ طائی اور فضیل بن عیاض جیسے اہل علم زہد وتقویٰ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے جس شخص کے حلقہ درس میں ایسے اہل علم شریک ہوں وہ غلطی کیسے کرسکتا ہے (13)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس فقہ کتنے افراد پر مشتمل تھی اس سلسلے میں متعدد اقوال ہیں:

افتخار الحسن میاں ریسرچ ایسوسی ایٹ' ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے اپنا مقالہ ''امام ابوحنیفہ کی مجلس الفقہ'' میں متعدد کتب کے حوالے سے ان اقوال کو جمع کیا اور پھر

پچاس ارکان کے اسمائے گرامی قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر صرف ان کے اسمائے گرامی مع سنین وفات ذکر کرنے پر اکتفار کرتے ہیں۔

1) حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ (80 تا 150ھ)

2) امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری' قاضی رحمۃ اللہ علیہ (113 تا 182ھ)

3) امام زفر بن ہذیل بن قیس العنبری رحمۃ اللہ علیہ (110 تا 182ھ)

4) امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ (132 تا 189ھ)

5) عافیہ بن یزید الاودی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (م 180ھ)

6) اسد بن عمرو البجلی' ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ (م 188ھ)

7) داؤد بن نصیر' ابو سلیمان الطائی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (م 165ھ)

8) القاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود الہذیلی الکوفی (م 175ھ)

9) علی بن مسہر الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (م 189ھ)

10) یحیٰ بن زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ (م 189ھ)

11) وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ (129 تا 199ھ)

12) حفص بن غیاث بن طلق بن عمرو النخعی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (117 تا 194ھ)

13) حبان بن علی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (م 172ھ)

14) معتدل بن علی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (103 تا 168ھ)

15) یحیٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ (120 تا 198ھ)

16) عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (118 تا 181ھ)

17) یزید بن ہارون الواسطی رحمۃ اللہ علیہ (118 تا 206ھ)

18) عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ (118 تا 181ھ)

19) الضحاک بن مخلد ابو عاصم النبیل (122 تا 212ھ)

20) حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م 170ھ)

21) مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ (م 155)

22) مکی بن ابراہیم البلخی (م 215ھ)

23) نوح بن ابی مریم' ابو عصمہ (م 173ھ)

24) نوح بن دارج الکوفی ابو محمد النخعی رحمۃ اللہ علیہ (م 182ھ)

25) فضیل بن عیاض بن مسعود التمیمی رحمۃ اللہ علیہ (م 187ھ)

26) ابراہیم بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ (م تقریباً 160ھ)

27) سعید بن اوس' ابو زید الانصاری رحمۃ اللہ علیہ (م 215)

28) فضل بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ (115 تا 191ھ)

29) النضر بن عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ (م 129ھ)

30) حفص بن عبدالرحمٰن' ابو عمر النیشاپوری (م 199ھ)

31) ہیثم بن بشیر السلمی رحمۃ اللہ علیہ (104 تا 183ھ)

32) یوسف بن خالد بن عمر' ابو خالد السمتی رحمۃ اللہ علیہ (م 189ھ)

33) الحسن بن زیاد اللولوی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (م 204ھ)

34) ابو مطیع الحکم بن عبداللہ بن مسلمہ البلخی رحمۃ اللہ علیہ (113 تا 197ھ)

35) ہوذ بن خلیفہ' ابو الاشہب الثقفی البصری رحمۃ اللہ علیہ (125 تا 215ھ)

36) بشر بن غیاث المریسی رحمۃ اللہ علیہ (م 288ھ)

37) مالک بن مغول البجلی رحمۃ اللہ علیہ (م 159ھ)

38) خارجہ بن مصعب رحمۃ اللہ علیہ

39) ابو الجویریہ رحمۃ اللہ علیہ

40) محمد بن وہب رحمۃ اللہ علیہ

41) الحسن بن رشید رحمۃ اللہ علیہ

42) نعیم بن عمرو التزیدی رحمۃ اللہ علیہ

43) عمر بن میمون، ابو علی القاضی البلخی (م 177ھ)

44) شریک بن عبداللہ الکوفی القاضی رحمۃ اللہ علیہ (م 177ھ)

45) علی بن ظبیان العبسی القاضی رحمۃ اللہ علیہ (م 192ھ)

46) زہیر بن معاویہ بن حدیج الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (م 172ھ)

47) عفان بن سیارہ رحمۃ اللہ علیہ

48) القاسم بن الحکم، ابو احمد القاضی رحمۃ اللہ علیہ (م 208ھ)

49) خالد بن سلیمان البلخی، ابو معاذ رحمۃ اللہ علیہ (م 199ھ)

50) منصور، ابو شیخ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس وقیع علمی فقہی مجلس کے ان معزز ارکان میں محدث بھی تھے، فقیہ بھی مفتی بھی تھے مجتہد بھی اور علم لغت کے ماہر بھی تھے تقویٰ اور پرہیزگاری توان سب کا طرہ امتیاز تھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو اس مجلس فقہ کے رکن تھے ان کو محدثین "امیر المومنین فی الحدیث" کے لقب سے پکارتے تھے آپ کے ہزاروں شاگرد شیوخ الحدیث تھے لیکن آپ ان دو اساتذہ سے اکتساب فیض اور ان کی عظمت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"لولا ان اللہ تعالیٰ اعاننی بابی حنیفة وسفیان کنت کسائر الناس" (14)

اگر اللہ تعالیٰ حضرت ابو حنیفہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما کے ذریعے میری مدد نہ کرتا تو میں عام لوگوں کی طرح ہوتا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس فقہ کے ایک اور رکن رکین حضرت یزید بن ہارون الواسطی فقہ وحدیث میں اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ آپ امام المحدثین کے لقب سے مشہور تھے (15)

حضرت حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قابل فخر تلامذہ میں سے تھے حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ان سے احادیث روایت کیا کرتے تھے اندازہ کیجئے جس امام کے شاگردوں سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حدیث روایت کرتے ہوں اس امام کا حدیث میں کیا مقام ہوگا۔

حضرت قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے معروف مدرسہ فقہ کے بانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے تھے اور آپ اسالیب عرب اور فقہ کے اس قدر ماہر تھے کہ ان سے کسی نے کہا۔

"انت امام فی العربیة وامام الفقه فایهما اوسع فقال والله کتاب واحد من المکاتب لابی حنیفة اکبر من العربیة کلها" (16)

آپ عربی زبان وادب اور فقہ دونوں کے امام ہیں ان دونوں میں سے کونسا علم زیادہ وسیع ہے انہوں نے فرمایا خدا کی قسم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں سے ایک کتاب ہی ساری عربی زبان سے بڑھ کر ہے۔

یحیٰ بن سعید قطان مشہور محدث تھے ان کو امام ذہبی نے میزان الاعتدال کے مقدمہ میں فن رجال پر لکھنے والا شخص قرار دیا۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ بھی محدث جن کی روایات صحاح ستہ میں ہیں اسی طرح وکیع

بن جراح، یزید بن ہارون، حفص بن ثابت، ابوعاصم النبیل، عبدالرزاق بن ہمام، علی بن مسہر رحمہم اللہ تمام محدثین تھے جبکہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ صوفی محدث اور فقیہ تھے۔

ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ میں کمال حاصل تھا وہ قاضی القضاء کے عہدے پر فائز تھے فقہ میں عبور کے ساتھ ساتھ ان کو تفسیر، مغازی اور ایام العرب کی بھی معرفت تامہ تھی حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ادب اور لغت میں بھی ماہر تھے لیکن ان کا میدان فقہ تھا حضرت قاسم بن معن حدیث اور فقہ دونوں میں مہارت رکھتے تھے حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا فقہ میں بلند مقام تھا (17)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس فقہ میں ایک دس رکنی کمیٹی بھی قائم تھی اور یہ حضرات ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان میں سے چار حضرات امام زفر بن ہذیل، امام ابو یوسف، اسد بن عمرو اور علی بن مسہر رحمہم اللہ ماہر فقہ تھے ان کے علاوہ حضرت عافیہ اودی، داؤد طائی، قاسم بن معن مسعودی، علی بن مسہر، یحیی بن زکریا بن ابی زائد، حبان بن علی اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ اس کمیٹی کے ارکان میں شامل تھے (18)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شورائی نظام کو اختیار فرما کر دین میں احتیاط کا دامن پکڑا حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کان الامام ابوحنیفہ اورع الناس واعلم الناس واعبد الناس واکرم الناس و اکثرھم احتیاطاً فی الدین وابعدھم عن القول بالرای فی دین اللہ عزوجل وکان لایضع مسئلۃ فی العلم حتی یجمع اصحابہ علیھا ویعقد علیھا مجلسا فاذا اتفق اصحابہ کلھم علی موافقتھا للشریعۃ قال لابی یوسف او غیرہ ضعھا فی الباب الفلانی.(19)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (اپنے زمانے کے) تمام لوگوں سے زیادہ پرہیزگار سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار، دین میں سب سے زیادہ محتاط اور اللہ عزوجل کے دین میں اپنی رائے سے گفتگو کرنے میں سب سے زیادہ دور رہنے والے تھے آپ اس وقت تک کوئی علمی مسئلہ وضع نہ فرماتے جب تک اپنے شاگردوں کو اس پر جمع نہ فرما لیتے اور اس پر (فقہی) مجلس کا انعقاد نہ کر لیتے جب آپ کے تمام اصحاب (شاگرد) اس باب پر متفق ہو جاتے کہ یہ (اجتہادی مسئلہ) شریعت (قرآن وسنت یا اجماع) کے مطابق ہے تو آپ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے شاگرد کو حکم دیتے کہ اسے فلاں باب میں تحریر کر دو۔

امام موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی مجلس فقہ کے طریق کار اور کسی مسئلہ پر پوری طرح بحث اور چھان بین کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

فوضع ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مذھبہ شوریٰ بینھم لم یستبد فیہ بنفسہ دونھم اجتھادامنہ فی الدین مبالغۃ فی النصیحۃ للہ ورسولہ والمومنین فکان یلقی مسئلۃ یقلبھم ویسمع من عندھم ویقول ماعندہ ویناظرھم شھرا او اکثر من ذلک حتی یستقر احد الاقوال فیھا ثم یثبتھا القاضی ابو یوسف فی الاصول حتی اثبت فی الاصول کلھا فاذا کان کذلک کان المذھب الذی وضع شوریٰ بین ھولاء الائمۃ اولیٰ واصوب اولی الحق اقرب والقلوب الیہ اسکن وبہ اطیب من مذھب

من انفرد فوضع مذهبه بنفسه(20)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب شوریٰ پر مبنی ہے آپ نے اس میں دوسروں کو چھوڑ کر اپنی ذاتی رائے کو دخل نہیں دیا یہ دین کے سلسلے میں آپ کی کوشش اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور مومنین کی خیرخواہی میں مبالغہ کا طریقہ تھا۔

آپ ان کے سامنے ایک ایک مسئلہ رکھتے اور وہاں موجود سب اسے سنتے اور اپنی رائے دیتے ایک مہینہ یا اس سے زیادہ مدت تک باہم مناظرہ ہوتا حتی کہ ایک بات پر اتفاق ہو جاتا اور حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسے اصول (بنیادی امور) میں لکھ دیتے حتی کہ سب کچھ اصول میں لکھ دیا گیا جب یہ مذہب اس انداز کا ہے کہ ان ائمہ کے درمیان مشاورت ہوتی تھی اور یہ اس مذہب سے زیادہ بہتر، حق کے قریب، دلوں کے سکون اور ہر خوشی کا زیادہ باعث ہے جس مذہب میں صرف ایک شخص کی رائے ہے (ائمہ فقہ کی مشاورت نہیں ہے)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کو دیگر فقہاء کی فقہ کے مقابلے میں جہاں دیگر خصوصیات کی وجہ سے برتری حاصل ہے وہاں اس اعتبار سے اس کی عظمت کو چار چاند لگ جاتے ہیں کہ اس کی بنیاد شورائی نظام، بحث و تمحیص مناظرہ (جو حق کو ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے) اور آزادی رائے پر قائم تھی اور پھر اس شوریٰ کے ممبران بڑے بڑے محدثین کے امام، فقہ میں آفتاب و ماہتاب، علم لغت اور دیگر ضروری علوم کے ماہر تھے تقویٰ و پرہیزگاری میں یکتا تھے اور خود حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے تاجر ہونے کی حیثیت سے معاشرتی مسائل سے آگاہ تھے اور خاص طور پر یہ فقہ سید الفقہاء حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سلسلہ فیض ہونے کی وجہ سے نہ صرف انفرادی مسائل بلکہ اجتماعی، ملکی اور ملی مسائل کو حل کرنے میں انفرادیت کی حامل ہے

حوالہ جات

1) الموفق ص 322
2) شبلی نعمانی، مولانا سیرت نعمان، ص 180
3) سورۃ شوریٰ، آیت 38
4) سورۃ آل عمران، آیت 159
5) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، شیخ الازہر السید محمد طبطاوی، جلد 2، ص 318
6) تفسیر کبیر، جلد 9، ص 67
7) ایضاً
8) المیزان الکبریٰ ج، ص 79
9) المیزان الکبری ج، ص 79
10) محمد میاں صدیق، مقالہ فقہ حنفی کے خصائص و امتیازات، مجموعہ بحوث (صفحہ 535 شائع کردہ مجمع البحوث الاسلامیہ الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد پاکستان)
11) ایضاً
12) مناقب الامام اعظم للامام الموفق بن احمد المکی ج 2، ص 50
13) تاریخ بغداد ج 14، ص 247
14) تہذیب التہذیب ج 10، ص 450
15) تاریخ بغداد ج 13، ص 324
16) الجواہر المضیۃ، ج 1، ص 421

17) سیرۃ النعمان ص 319، 356

18) تاریخ بغداد ج 14، ص 245

19) المیزان الکبریٰ ج 1، ص 87

20) المناقب للموفق ج 2، ص 133، 134

عقود الجمان فی مناقب

الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمۃ اللہ علیہ

از: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بن یوسف الصالحی الشامی الشافعی کا مطالعہ

ڈاکٹر محمد سجاد

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

عقود الجمان

فی

مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمۃ اللہ علیہ

از

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بن یوسف الصالحی الشامی الشافعی کا مطالعہ

امام اعظم حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور ملتِ اسلامیہ کیلئے ان کی گراں قدر خدمات پر صدیوں سے لکھا جا رہا ہے۔ آپ کے فضائل و مناقب پر ائمہ احناف کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے علماء نے بھی کتابیں لکھیں۔ ان میں متقدمین بھی شامل ہیں اور متاخرین بھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ امام صاحب کی خدمات جلیلہ، فضائل و مناقب عظیمہ پر ائمہ شوافع میں سے نامور علماء نے کتب لکھیں۔

علامہ شبلی کے بقول:

”ان ناموروں نے امام صاحب کی سوانح عمری لکھی جو خود اس قابل تھے کہ ان کی مستقل سوانح عمریاں لکھی جائیں“(1)

امام صاحب کے فضائل و مناقب پر لکھنے والے عظیم ائمہ اور ان کی کتب میں سے چند یہ ہیں۔

1) امام ابوعبداللہ احمد بن ابی عبداللہ حسن بنی علی الصیمری (م436ھ)
2) قاضی ابوعمر یوسف بن عبدالبر مالکی (462ھ)
3) حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی (505ھ)
4) امام نووی شافعی (676ھ)
5) امام رازی شافعی (606ھ)
6) امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی الشافعی (748ھ)
7) امام جلال الدین سیوطی الشافعی (852ھ)

تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃ

8) علامہ یوسف بن عبدالھادی حنبلی (909ھ)

تنویر الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ

9) ابن حجر مکی شافعی

الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان

اسی طرح دیگر کئی کتب لکھی گئیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و مناقب اور آپ کی فقہی و اجتہادی بصیرت پر دسویں صدی ہجری کے مشہور شافعی المسلک محدث، مؤرخ اور سیرت نگار امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی الشافعی متوفی (942ھ) کی کتاب:

”عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان“ ہے۔

امام شامی علیہ الرحمہ کی یہ کتاب 412 صفحات پر مشتمل ہے جو 1394ھ بمطابق 1947ء میں پہلی مرتبہ ”مطبعہ معارف شرقیہ“ چھتہ بازار حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ سلفیہ (لاہور) میں موجود ہے۔

یہ کتاب آپ نے ان کتابوں کے رد میں دفاعی انداز میں لکھی جن میں امام اعظم رحمۃ

اللہ علیہ کی ذات کو ہدف طعن بنایا گیا۔اس کی تلخیص امام ابن حجر احمد بن حجر المکی الشافعی نے الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان کے نام سے کی ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ چھبیس ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔اس کتاب کے مقدمہ میں چھ فصول ہیں۔امام شامی علیہ الرحمہ اپنی اس تالیف سے 939ھ میں فارغ ہوئے،اس کا تذکرہ عقود الجمان کے آخر میں آپ نے خود کیا ہے۔

فوغت من تالیفه فی اخر شهر ربیع الاول سنة تسع وثلاثین وتسع ماة

عقود الجمان کے تفصیلی مطالعہ سے قبل مورخ کبیر اور محدث شہیر امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی الشافعی کے مختصر احوال کا جاننا بھی ضروری ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بن یوسف الصالحی الشامی الشافعی کے احوال:

محمد بن یوسف بن علی بن یوسف نام لقب شمس الدین کنیت ابوعبداللہ الصالحی ،الدمشقی ،الشامی الشافعی ،القادری ثم المصری ہے۔ جرجی زیدان اور ''معجم المؤلفین'' کے مؤلف نے آپ کے نام ونسب کو اسی طرح ہی بیان کیا ہے۔

''محمد بن یوسف بن علی بن یوسف الشامی ،الصالحی ،الدمشقی(1)(شمس الدین ابوعبدالله(......''(2)''ثم المصری الشافعی القادری، یلقب بشمس الدین ،ویکنیٰ بابی عبدالله''(3)

مقام ولادت:

امام شامی دسویں صدی ہجری کے عظیم محدث، نامور مؤرخ اور جلیل القدر سیرت نگار

ملک شام کے دارالخلافہ قدیم دمشق کی نواحی آبادی ''الصالحیہ'' میں پیدا ہوئے۔ الزرکلی اور معجم المفسرین کے مؤلف کے الفاظ ہیں:

''ولد فی صالحیة دمشق''(3)

آپ صالحیہ دمشق میں پیدا ہوئے۔

یہ قصبہ دمشق کے قریب ایک بلند و بالا پہاڑ (قاسیون) کے دامن میں واقع ہے۔ قدیم زمانہ میں اسے ''ربیۃ النخل ،قریۃ الجبل'' کے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ یہ مقام جبل قاسیون کے مشہور اور بابرکت مقامات میں سے ہے۔اس پہاڑ کے دامن میں انبیاء کرام علیہم السلام اور بے شمار اولیاء عظام کی قبریں ہیں۔المنینی لکھتے ہیں:

امام محمد بن یوسف الصالحی ،الشامی نے اپنے ملک شام سے ترک سکونت کر کے شہر مصر (القاہرہ) کو اپنا مسکن بنایا اسی شہر میں تعلیم و تربیت پائی اور اپنی زندگی کے بقیہ ایام صحراء قاہرہ کی برقوقیہ نامی بستی میں گزار دیئے۔ آپ کی نقل مکانی کو کتب تراجم میں مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

''القاموس الاسلامی'' میں ہے:

''نسبه الی الصالحية من نواحی دمشق التی ولد بها،ثم هاجر الی مصر......''(2)

آپ کی نسبت دمشق کی نواحی بستی صالحیہ کی طرف ہے جہاں آپ پیدا ہوئے ، پھر آپ نے مصر کی طرف ہجرت کی۔ ''الرسالۃ المستطرفۃ'' میں ''نزیل القاہرہ''(3) کے الفاظ منقول ہیں اور کتاب ''ازواج النبی'' کے مقدمے میں ہے۔

''انه ولد فی صالحیة دمشق،ثم انتقل الی مصر......''(4)

آپ نے اپنے زمانے کے جلیل القدر ماہر علوم وفنون علماء سے اکتساب فیض کیا اور

بلند علمی منصب ومرتبہ پر فائز ہوئے۔آپ کے اساتذہ ومشائخ میں سے سرفہرست امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ (م 911ھ) کا نام آتا ہے۔اور آپ کا شمار بھی ان کے اجل تلامذہ میں ہوتا ہے"وکان الصالحی من اجل تلامیذ الحافظ السیوطی"احمد عطیۃ اللہ کے الفاظ ہیں"وکان من تلامیذ الجلال السیوطی"

امام شامی اور تحصیل علم:

جب امام شامی علیہ الرحمہ کے زمانہ طالب علمی کا کھوج لگانے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل بیانات ان کے تحصیل علم کے زمانے کی طرف اشارہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

"اخذ عن الحافظ السیوطی والشھاب القسطلانی......"(3)

امام شامی نے حافظ سیوطی اور شہاب الدین قسطلانی سے اکتساب علم کیا۔

"واما شیوخہ الذین اخذعنھم: ففی مقدمتھم الامام الجلال السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ وکان الصالحی من اجل تلامذتہ، کما اخذعن الشھاب القسلانی......"(4)

امام شامی نے جن شیوخ سے تحصیل علم کیا، ان میں سرفہرست امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ہیں۔(امام) صالحی ان کے اجل تلامذہ میں سے ہیں، اسی طرح انہوں نے شہاب قسطلانی علیہ الرحمہ سے بھی علم حاصل کیا۔مذکورہ عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی امام سیوطی علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں سے عالی مرتبہ شاگرد ہیں۔ اس اعتبار سے سیوطی علیہ الرحمہ کا تدریسی دور امام شامی علیہ الرحمہ کا تعلیمی (طالب علمی) دور بنتا ہے۔

الشیخ شمس الدین محمد بن یوسف الصالحی الشامی نے مصر کے جلیل القدر ائمہ ومشائخ سے اکتساب علم کیا اور پھر اس وقت قاہرہ کے "باب النصر" کے باہر صحرائے قاہرہ کی برقوقیہ

نامی بستی میں مستقل سکونت اختیار کی اور باقی ماندہ زندگی وہاں بسر کردی۔

امام شامی کا علمی مقام

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی، اپنے زمانہ کے اجل امام تھے اور اپنے ہم عصر علماء میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔وہ اپنی ذات میں علوم کا انسائیکلوپیڈیا تھے۔وہ اپنے وقت کے بے مثل محدث، مفسر، مؤرخ، فقیہ، ادیب اور نحوی ولغوی عالم تھے۔تالیفات شامی ان کی تبحر علمی پر شاہد عادل ہیں۔آپ مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور اپنے وطن کے علمی حلقوں میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔آپ کے علمی مرتبہ اور وجاہت کو آپ کے ہم عصر اور بعد کے علماء نے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔آپ کے ہم عصر علامہ شعرانی علیہ الرحمہ کے الفاظ یہ ہیں:

"کان عالما صالحامفننافی العلوم"(1)

آپ صاحبِ علم، نیک اور علوم میں مہارت رکھنے والے تھے۔ الھیثمی المکی کا قول ہے:

صاحبنا الشیخ العلامہ الصالح الفھامہ المطلع و الحافظ المتبع"(2)

ہمارے ساتھی شیخ، علامہ، نیک (دین کو) بہت سمجھنے والے، (علوم میں معتبر، (وسیع) معلومات رکھنے والے اور ایسے حافظ (حدیث) تھے جن کی پیروی کی جاتی ہے۔

عبدالحی الکتانی لکھتے ہیں:

"ھوالامام الحافظ محدث الدیار المصریۃ ومسند ھا......"(3)

آپ امام، حافظ اور دیار مصریہ کے مستند (عالم دین) اور محدث ہیں۔نیز شیخ ابوسالم العیاشی نے آپ کو"امام المحدثین وخاتمۃ الحفاظ" کے القاب سے خراج عقیدت پیش کیا ہے(4) اور محمد بن جعفر الکتانی نے"خاتمۃ المحدثین"(5) کے لفظوں کے ساتھ ان کی محدثانہ بصیرت کو واضح کیا ہے۔ ایک لبنانی عالم"عادل نویھض" نے، امام شامی کو مؤرخ، مفسر اور حافظ حدیث کے الفاظ سے یاد کیا ہے(6) اور عمر رضا کحالہ نے بھی

محدث، حافظ اور مؤرخ کے الفاظ لکھے ہیں۔(7)

احمد عطیۃ اللہ نے آپ کے بارے لکھا ہے:

"وکان من تلامیذ الجلال السیوطی وتوفر علی علوم الحدیث و التاریخ......"(1)

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی علیہ الرحمہ کے تراجم کے تقریباً جملہ مآخذ اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا وصال 942ھ میں ہوا(1) ابن العماد حنبلی نے "احمد العجمی" م(1086ھ) کے حوالے سے نقل کیا ہے:

انہ توفی یوم الاثنین رابع عشر شعبان ای من ھذہ السنۃ"(2)

بے شک آپ اسی سن چودہ شعبان پیر کے دن فوت ہوئے۔

حاجی خلیفہ نے آپ کے بارے اس طرح بیان کیا "الشیخ محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی، نزیل القاہرہ التوفی سنۃ 942م"(3)

تالیفات:

امام شامی علیہ الرحمہ کی متعدد فنون میں تالیفات ہیں، جو ان کے علمی تبحر پر دلالت کرتی ہیں۔ ذیل میں حروف تہجی کی ترتیب سے ان کتب کا ذکر کیا جائے گا جو "شذرات الذہب" جلد سابع کے صفحہ(151) پر ابن العماد حنبلی نے، کتاب "ازواج النبی" کے مقدمہ میں صفحہ(13-11) پر محمد بن نظام الدین الفتیح نے اور "......سبل الہدی والرشاد......" جلد اول کے مقدمہ میں صفحہ(40-39) پر الشیخ عادل احمد عبد الموجود اور الشیخ علی محمد معوض نے درج کی ہیں:

1) الآیات العظیمة الباهرة فی معراج سیّداهل الدنیا و الآخرة
2) اتحاف الاریب بخلاصة الأعاریب
3) الاتحاف بتمییز ماتبع فیه البیضاوی وصاحب الکشاف

4) اتحاف الراغب الواعی فی ترجمة ابی عمر و الاوزاعی
5) تفصیل الاستعاذة فی بیان کلمتی الشهادة
6) الجامع الوجیز الخادم للغات القرآن العزیز
7) الجواهر النفائس فی تحبیر کتاب العرائس
8) رفع القدر و مجموع الفتوة شرح الصدرر و خاتم النبوة
9) سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد
10) شرح الآجرو میة فی النحو
11) عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفة النعمان
12) عین الاصابة فی معرفة الصحابة
13) الفتح الرحمانی فی شرح أبیات الجرجانی
14) الفضل الفائق فی معراج خیر الخلائق
15) الفوائد المجموعة الاحادیث الموضوعة
16) کشف اللبس فی رد الشمس
17) مرشد السالک الی الفیة ابن مالک
18) مطلع النور فی فضل الطور وقمع المعتدی الکفور
19) النکت علی الفیة ابن مالک و علی الشذوروالکافیة والشافیة والتحفة
20) النکت المهمات فی الکلام علی الابناء والبنین والبنات
21) وجوب فتح همزة "أن" وکسرها وجواز الامرین
22) النکت البدیعات علی الموضوعات

عقود الجمان کی تالیف کا پس منظر

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی غیر معمولی شخصیت اور علم فقہ کے میدان میں نمایاں خدمات کی بنا پر تاریخ اُمت میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ نے فہم حدیث استخراج مسائل اور استنباط احکام میں ایک نئی طرز فکر و منہاج کی بنیاد رکھی اور فقہ میں ایک مستقل مسلک کے بانی ٹھہرے، آپ کے افکار ونظریات کو جہاں علمی حلقوں میں غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی اور آپ کی تعریف وتوصیف کی گئی وہاں بعض حلقوں میں آپ طعن وتنقید کا نشانہ بھی بنے۔ آپ کے بارے میں یہ بات پھیلا دی گئی کہ آپ رائے اور قیاس کو قرآن و سنت پر ترجیح دیتے ہیں۔ بعض لوگ آپ کے عجمی النسل ہونے کو کم تر تصور کرتے ہوئے آپ سے بغض وحسد کرتے تھے امام صاحب نے معاصرین کی بعض آرا اور فیصلوں پر سخت تنقید بھی کی اس وجہ سے بھی آپ کی مخالفت ہوئی۔ محدثین نے جن میں امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شبیر امام بخاری حمیدی، امام نسائی دار قطنی ابن عدی اور حاکم شامل ہیں امام صاحب پر حدیث کے حوالے سے نقد کیا ہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی (م463ھ) نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں امام اعظم کے مناقب ومحامد اور نقد وجرح پر ایک وسیع باب قائم کیا ہے۔ اس کتاب کے رد میں بھی کئی کتب تالیف کی گئیں۔ صاحب عقود الجان خطیب بغدادی کے متعلق لکھتے ہیں۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے متعلق ناروا باتیں لکھ کر اپنی کتاب کو سخت داغدار کر دیا ہے اور ہدف ملامت بن گئے ہیں۔

یہی وہ اسباب ومحرکات تھے، جن کو پیش نظر رکھ کر امام شامی نے امام اعظم کے احوال و آثار اور فضائل ومناقب پر یہ کتاب مرتب کی۔ امام شامی نے کتاب کے شروع میں مقدمہ لکھا ہے اور اس میں چھ فصول قائم کی ہیں۔ پہلی فصل میں وہ بتاتے ہیں کہ اتفاق واتحاد پوری امت کے لئے مطلوب ہے تفرقہ اور اختلاف سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ تمام

مجتہدین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے۔ ان کے مناقب مشہور ہیں۔ پھر قرآن و سنت کے حوالے اتحاد امت پر نصوص پیش کی گئی ہیں۔

امام شامی نے فقہی اختلاف کو امت کے لئے نعمت کبیرہ قرار دیا ہے:

لکھتے ہیں:

اعلم ان اختلاف المذاهب فی هذه الملة نعمة كبيرة وفضيلة عظيمة وله سر لطيف ادر كه العالمون

پھر فرماتے ہیں کہ میں نے بعض جہلا سے یہ بات سنی ہے کہ وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ تو ایک شریعت لے کر آئے۔ مگر یہ مذاہب اربعہ کہاں سے آ گئے؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

وقد وقع الاختلاف فی الفروع بين الصحابة رضی الله عنهم وهم خير الامة

مقدمہ میں ہی غیبت اور بہتان طرازی کی حرمت پر نصوص پیش کرنے کے بعد تنبیہ کے تحت لکھتے ہیں:

لعلک ان تقول ان لكلام من تكلم فی الامام ابی حنيفة ليس مثل هذاالامام الذی شهد بزهده وورعه و تحريمه و حسن عبادته وعلمه وصدقه وولايته الائمة ممن عاصره ورآه، فكيف لايكون كلام من لم يره غيبة فاحشة، وكلام من تكلم فيه ممن عاصره مردود غاليه حسد، ونسب اليه جماعة اشياء فاحشة لاتصدر عمن يوصف بادنی دين و هو منها برئ قصدوا بها شينه وعدم ذكره (ويابى الله الاان يتم نوره)

پھر لکھا کہ ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک کی سیرت نہایت خوبصورت ہے۔ اوران کے متعدد کرامات ہیں۔ **وھم اولیاء الله لاشک فیھم** کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اس میں کوئی شک نہیں ۔اس کے بعد اولیاء اللہ کے فضائل و مناقب احادیث مبارکہ سے سنائی ہیں۔

مقدمہ کے بعد امام شامی نے امام اعظم کی ولادت سے لے کر آپ کی علمی مقام مرتبہ، فقہی، بصیرت، فقہی اصول، آپ کے فضائل و عادات اور فضائل مناقب پر 126 ابواب قائم کئے ہیں۔ ان میں تفصیل کے ساتھ آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

امام شامی امام اعظم ابوحنیفہ کے نام گرامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آئمہ اس پر متفق ہیں کہ آپ کا نام نعمان ہے۔ نعمان کی اصل ایسا خون ہے جس سے بدن کا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے نعمان کا معنی روح ہے۔ پس امام ابوحنیفہ کی وجہ سے فقہ اسلامی کا ڈھانچہ قائم ہے اور آپ ہی فقہ کے دلائل اور مشکلات کے حل کی بنیاد ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں نبی اکرم ﷺ کی بشارت پر احادیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قال الشیخ رحمه الله فهذا اصل صحیح المعتمد علیه فی الشبارة والفضیلة نظیر الحد یثین الدین فی الامامین و یستغنی به عن الخبر الموضوع

ہمارے شیخ علامہ جلال الدین السیوطی کہتے ہیں کہ:

''امام اعظم کے حق میں بشارت اور فضیلت پر یہ حدیث اصل اور صحیح ہے۔ جس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ جس طرح پہلی روایات میں امام

مالک اور شافعی کی بشارت تھی امام اعظم کے حق میں یہ صحیح حدیث موضوع روایات سے بے نیاز کردیتی ہے۔

اور وہ حدیث ہے:

لو کان الدین معلقاً باالثریا لذهب به رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناوله(مسلم کتاب فضائل الصحابة)

امام شامی نے لکھا ہے امام ابوحنیفہ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ نے مشہور صحابی رکن بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی۔ اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ نے جن علماء کرام سے حدیث کی سماعت کی ان میں سے ہر ایک کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ان پر کلام کیا ہے اور اپنے شیخ علامہ جلال الدین سیوطی کی یہ روایت نقل کی ہیں۔

قال ابن المبارک ابوحنیفة افقه الناس قال الشافعی الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفة

امام شامی نے امام اعظم کے تین سو چھ (306) شیوخ حدیث کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے لکھے ہیں۔ جن سے آپ نے استفادہ کیا اور اسی طرح انہوں نے امام صاحب سے اخذ واستفادہ کیا ہے ان کے اسماء گرامی کی بس تفصیلات مع اماکن بیان کی ہیں۔

امام شامی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ان اصولوں اور قواعد کی تفصیلات بھی بیان کیں جن پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک کا قول روایت کیا ہے۔ جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ امام اعظم نے فرمایا:

اذا جاء الحدیث عن رسول الله ﷺ فعلی الراس والعین اذا جاء عن الصحابة اختر نا ولم نخرج من قولهم واذاجاء عن التابعین زاحمنا بهم

امام شامی نے امام اعظم کے خصائص امتیازات بیان کیئے ۔جوان کو دیگر ائمہ کے مقابلہ میں حاصل ہیں:

1) ان میں پہلی خصوصیات وامتیاز یہ بیان فرمایا ہے کہ" آپ کی ولادت کا زمانہ ایسا ہے کہ اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔

2) دوسری خصوصیت یہ لکھی ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کرام کی زیارت فرمائی۔

3) آپ نے تابعین کے زمانہ میں اجتہاد فرمایا اور فتویٰ دیا۔

4) امام اعظم کو یہ امتیاز اور فضیلت بھی حاصل ہے کہ ائمہ کبار نے ان سے اخذ واستفادہ کیا جیسے عمرو بن دینار۔

5) امام اعظم نے چار ہزار کے قریب تابعین سے اخذ واستفادہ کیا۔

6) امام صاحب کے اصحاب اور تلامذہ نے جس قدر آپ کی رائے سے اتفاق کیا اور اخذ استفادہ کیا بعد میں آنے والے ائمہ کے اصحاب میں یہ نظر نہیں آتا۔

7) آپ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کو مدون فرمایا اور ابواب میں ترتیب لگائی آپ کے بعد امام مالک نے آپ کی پیروی کی۔

8) آپ کا مذہب کئی ممالک میں پھیل گیا جیسے ہند، سندھ، روم ماوراء النھر ، بلاد العجم وغیرہ۔

9) آپ نے ہمیشہ اہل علم پر اپنا مال ودولت خرچ کیا اور کبھی بھی تحفہ قبول نہیں کیا۔

10) آپ کی جب موت آئی اس وقت آپ سجدہ میں تھے۔

11) نماز روزہ، کثرت عبادت وریاضت ، حج وعمرہ کی وجہ سے آپ کی شہرت تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔

اس کے علاوہ 23 باب میں امام شامی نے امام اعظم کی کثرت روایت حدیث کا ذکر کیا ہے اور ان معترفین کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب نے حدیث سے بہت کم اعتناء

کیا ہے۔امام شامی نے ان اسناد کا ذکر کیا ہے جن میں آپ کی روایت کی تخریج کی گئی ہے۔

آپ نے کہا تھا **ان الامام ابا حنیفة رحمة الله تعالیٰ من کبار حفاظ الحدیث** اور عدم کثرت روایت کی وجہ بیان کی ہے کہ آپ زیادہ تر روایت سے مسائل کا استنباط کرنے میں مشغول رہے۔امام شامینے اسانید کا ذکر کیا ہے اور 40 احادیث کی تفصیلات بیان کی ہیں جن میں جو امام ابوحنیفہ سے روایت کی گئی ہے۔

امام صاحب کی شان میں جن ائمہ نے اشعار لکھے ان کے اشعار نقل کیئے ہیں:

آخر میں امام شامی نے امام صاحب کے ناقدین کے اقوال پر جرح کی ہے اور مختصر اور اصولی جوابات دیئے ہیں امام صاحب کے ناقدین میں اہل الحدیث کا ایک گروہ شامل ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں صاحب کتاب نے مستقل ایک فصل قائم کی ہے جس کا عنوان ہے:

هذا ما خالف به ابو حنيفة الاثر الذى جاء عن رسول الله  اس کے تحت انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے 125 مسائل میں احادیث وآثار کی مخالفت کی ہے۔امام شامی نے عقود الجمان میں ان کے مختصر اور اصولی جوابات دیئے ہیں۔

☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

1) جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ 306/2
2) کحالۃ (عمر رضا) معجم المؤلفین 131/12
3) الفقیح (محمد نظام الدین) مقدمۃ کتاب ازواج النبی: 9
4) الزرکلی (خیرالدین) الاعلام 155/7، عادل نویھض، معجم المفسرین 657/2

☆☆☆

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی مجلس شوریٰ

ڈاکٹر سیّد قمر علی زیدی
پروفیسر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی مجلس شوریٰ

ڈاکٹر سیّد قمر علی زیدی

دین تفصیلی ہدایات کے ساتھ انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ دین کا سرچشمۂ ہدایت قرآن شریف اپنی وضاحت کے لئے قول رسول ﷺ کو معتبر ترین جانتا ہے۔ کثیر آیات نبی علیہ السلام کے شارع و مقنن ہونے پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں وصال النبی ﷺ کے بعد تشریعات دینیہ اور قانون سازی کے لئے افراد کی اہمیت و منابع احکام و ہدایت قرآن و سنت سے بطریق روشن ثابت و مسلم ہے۔

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون (۱)

کی شہادت اور والراسخون فی العلم کی دلالت نیز فاسئالوا

أهل الذکر ان کنتم لاتعلمون (۲)

کی ہدایت یہ ارشاد فرماتی ہے کہ ایسے افراد غماز تعلیمات نبوت علی صاحبها الصلوات والتسلیمات ہوں جو علم ظاہر کا پیکر اور انوار باطنیہ کا مرقع ہو۔ جو اوج ثریا تک پہنچے اور آسمانی حقیقتوں سے باخبر ہو، دامن نبوت کا پناہ گیر ہو اور بارگاہِ رسالت ہی کو مصدر قانون و اخلاق جان کر اپنا فکری منشور یہ قرار دے:

یاسیّدالسادات جئتک قاصدا (۳)

اے سب سرداروں کے آقا ارادے باندھ کر تیری درگاہ پر حاضر ہوں۔

کائنات کے مومن انسانوں کو فطرت و احکام فطرت سے آشنا کرتے ہوئے رسول آخر الزماں ﷺ نے اپنے نائبین کو قانون فہمی اور قانون سازی کا وہ ذوق سلیم عطا فرمایا کہ انسانوں کی زندگی کو مہذب کر دیا اور تہذیب سکھانے والے ان قانون سازوں نے مذہب وسیع کا ایسا تصور دیا کہ ان کی باتیں معجزۂ فکر و فن نظر آتی ہیں۔

بارگاہِ نبوت کے تربیت یافتہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ محبوبِ خدا ﷺ کی دعاؤں کو خوب سمیٹا ہے۔ ہر بات احتیاط و عقیدت سے پلے باندھی نہیں بلکہ اپنی ذات میں اتاری۔ اس لئے لوگ انہیں "کنیف العلم"، علم کی گھڑی کے نام سے یاد کرتے تھے۔

انہوں نے اجلہ اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے روشن و مدلل افکار کو سمیٹا، تجزیہ کیا، مشاورت کی اور اپنے ذہن کو ایک فردی نہیں اجتماعی پھیلاؤ کے دائرے میں منتقل کیا اور احکامات کو طرز منظم عطا فرمائی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا دبستان اختلاف و اتفاق کی وہ متوازن تطبیق ہے جسے اصحاب فقہ بخوبی سمجھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور رُخصت ہوا۔ اسلامی تاریخ و جغرافیہ میں بہت واضح تبدیلی آچکی تھی اور مزاجوں کا اختلاف و اختلاط فکر کے نئے زاویوں کو جنم دے رہا تھا۔

محکمات قوانین اور مزعومات فرامین میں ایک تصادم کی صورت پیدا ہونے لگی تو ملت اسلامیہ کو ایک ایسی لچکدار اور قابل عمل قانون سازی کی ضرورت محسوس ہوئی جو مختلف زمان و مکان کے طبائع کو پیش نظر رکھتے ہوئے پوری ملت اسلامیہ کی قانونی و عمرانی ضروریات کو پورا کرے۔

پہلی صدی ہجری اپنے تکمیلی مراحل میں تھی یعنی 80 ہجری کا سال شروع تھا گویا اسلام کی پہلی صدی نئے قانونی ورلڈ آرڈر کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ اس بڑے کام کی انجام دہی کے لئے ایک ایسے وجود معتبر کی ضرورت تھی جو طبائع انسانیہ کی روح تک میں جھانک لے اور قرآن و سنت کی روشنی میں فطرت کی حاجات کے مطابق اسلامی قانون سازی کی

مستحکم روایات کو جنم دے اور اپنے زمانے کے نمائندے زرخیز ذہنوں کو زیادہ سے زیادہ مسائل پر متفق کرے اور اجماع امت کا حقیقی مفہوم لغت شریعت وفقہ کو عطا کرے۔

آپ افراد و بزرگان کی سیرت کا مطالعہ کرتے جائیے۔ آپ کی نظر اگر جامع کمالات پر ٹھہر جائے تو بلاشبہ آپ اسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام بلند سے پکاریں گے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ الرضوان افکار کا سنگم، مذاہب کا امتزاج اور علم وروحانیت کا وہ مرج البحرین ہیں کہ بلند مجتہد صوفی اور عظیم عرفانی مفکر حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے گواہی دی کہ میں نے دیکھا کہ مزار بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے تھا یعنی ملک شام میں ان کے مزار کے سرہانے سو رہا تھا اور خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں مکہ معظمہ میں موجود ہوں، رسالت پناہ ﷺ باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور ایک معمر بزرگ کو اپنے پہلو میں اس طرح لئے ہوتے ہیں جیسے کوئی بچے کو شفقت سے لیتا ہے۔ میں فرطِ محبت سے آگے بڑھ کر قدم بوس ہوا۔ دل میں سوچا کہ یہ پہلوئے مصطفیٰ ﷺ میں خوش نصیب کون ہے۔ نورِ نبوت نے میرے ارادۂ قلبی پر خبر پڑھی اور سیّد کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تیرا امام ہے اور تیرے شہر والوں کا امام یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ابوحنیفہ وہ پاک ہستی ہیں جو اوصاف طبع سے فانی ہو کر احکام شرع کے ساتھ باقی وقائم ہیں، اور ان کو چلانے والے خود ہادی کونین ﷺ ہیں کیونکہ باقی الصفت میں احتمال خطا باقی رہتا ہے۔(۴)

سرکار رسالت پناہ ﷺ نے جناب ابوحنیفہ کو امام قرار دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جناب نعمان ابن ثابت کے والد کو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا لعابِ دہن ان کے منہ میں ڈالا تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلمانوں کے دو مشہور اور بڑے دبستانوں

سے فیض حاصل کیا تھا یعنی صحابہ واہل بیت۔ صحابہ کا سلسلہ جناب حماد بن سلمان سے ہوتا ہوا جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' تک پہنچتا ہے اور دوسرا سلسلہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہوا جناب سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ یوں یہ شجر علمی اصول مشترکہ سے ملتے ہوئے اصل الاصول سیّد کائنات ﷺ سے مربوط ہو گیا ہے کیونکہ:

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

ہاں! أصلها ثابت و فرعها في السماء(۵)

اسی کو کہتے ہیں ابوحنیفہ کا وجود کلمہ طیبہ کا مصداق ہے۔ تائید میں شیخ الاسلام علامہ علاؤالدین حصکفی کا قول یہ ہے:

ان أباحنيفة النعمان عن أعظم معجزات المصطفیٰ ﷺ بعد القرآن

جناب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ فقہ میں سب لوگ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں۔ جو شخص فقہ سیکھنا چاہے اسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کا دامن پکڑنا چاہیے۔ یہ ایک مبنی بر حقیقت اظہارِ عقیدت ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں جہاں مشاہیر کا نام آتا ہے وہاں پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حضرت مکی ابن ابراہیم امام بلخ رحمۃ اللہ علیہ المتوفی 140ھ کا نام بھی اس اعتراف کے ساتھ تاریخ میں موجود ہے کہ امام صاحب متقی تھے، زاہد وصادق تھے اور اہل زمانہ میں سب سے زیادہ حافظ حدیث تھے۔ اس لئے امام نے اپنے اصحاب مشاورت کا چناؤ کرتے ہوئے بنیادی طور پر تین معیارات کو پیش نظر رکھا ہے۔

تقویٰ، زہد اور قرآن وحدیث میں وسعت نظری۔

اُمت کی خیر خواہی اور بہتری کے لئے جو سب سے اہم خدمت امتیازی شان سے سرانجام دی ہے وہ ہے اصحاب مشاورت کی وہ علمی مجلس جس نے فقہی مسائل کا نہایت وسعت فکری اور دقت نظری سے جائزہ لے کر معروضی وتقدیری مسائل کا ذخیرہ مدون کردیا۔

امام صاحب کی مجلس مشاورت کی تکوین دراصل ایک وسیع الفکر اور ہمہ پہلو مسائل حیات کے حل کی خاطر تھی۔ پیش آمدہ مسائل کے اسباب وغایات اور بواعث معلوم کرنے کے لئے نہایت غور وخوض فرماتے تھے۔ بازار میں جاکر لوگوں سے لین دین کرتے اور فقہ و حدیث کی طرح ان کی معاشرتی زندگی کا مطالعہ کرتے تھے۔ عقائد اور امور سیاسیہ پر لوگوں سے مثبت بحث فرماتے تھے۔ اسی سبب سے لوگوں کے طرز فکر کے بارے میں ان کی آراء نہایت درست اور مبنی بر حقیقت ہوتی ہیں۔ سیّدنا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عامۃ الناس کے نمائندہ اجتماعی افکار کو جمع کرنے کے لئے جو مجلس مشاورت ترتیب دی تھی، چشم فلک نے اہل دانش واصحاب رائے کا اتنا بڑا اجتماع پھر نہ دیکھا۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو خشیتِ الٰہی نصیب ہوتی تھی، یہ ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے اور ان کی یہی خشیت جواب دہی کے خوف کا سبب بنی۔ انہوں نے یہ حدیث پڑھی تھی کہ خدا علم کو ایک دفعہ میں نہیں اٹھالیتا بلکہ علماء کی موت کے ذریعے سے علم اٹھالیا جاتا ہے اور جاہل لوگ سردار بن جاتے ہیں جو نا سمجھی سے احکامات صادر کرتے ہیں۔

اسی خدشۂ قلبی کا تقاضا تھا کہ آپ نے ہر فن وفکر کے قدآور رجال کو اپنی مجلس مشاورت کا رکن بنایا۔ ان میں امام زفر تو مشہور ترین ہیں۔ عبداللہ بن مبارک اور فضیل بن عیاض اور حضرت داؤد بن نصیر الطائی جیسے صاحبان وصل ومشاہدہ بھی شامل تھے۔ مفسرین میں سے وکیع ایک بڑا نمائندہ نام ہے، فقہ میں حسن بن زیاد کو کون نہیں جانتا اور حفص جیسے ماہر حدیث بھی شامل ہیں اس کے علاوہ خارجہ بن مصعب آپ کے مشیر خاص تھے۔ عافیہ نامی ایک شاگرد بھی بحث میں شریک ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ جن اصحاب نے تدوین فقہ میں معاونت فرمائی، املاء کی اور بحث میں حصہ لے کر نتائج مرتب فرمائے ان میں سے بعض اہم ترین تلامذہ کا مختصر ترین تعارف پیش کرتے ہیں:

حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (113ھ-187ھ)

یہ یعقوب بن ابراہیم انصاری ہیں، بغداد میں پیدا ہوئے۔ پھر ہارون الرشید کے عہد میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے پر فائز ہوئے۔ علامہ ذھبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور یحیٰی بن معینؒ آپ کے شاگرد تھے۔ فقہ کی تدوین میں آپ امام اعظمؒ کے دست راست تھے۔(۶)

امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ (135ھ-189)

ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ علماء نے آپ کو فقہا میں شمار کیا ہے لیکن حدیث دانی میں بھی آپ رتبہ امامت پر فائز ہیں۔ امام شافعی "فرماتے تھے کہ جب حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کوئی مسئلہ بیان فرماتے تھے تو یوں لگتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے۔(۷)

امام یحیٰی بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ

فن رجال کے بانی یحیٰی بن سعید ہیں۔ حافظ ذھبی نے یہ وضاحت کی ہے، یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک رہتے تھے۔(۸)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

امام نووی نے ان کا تعارف یوں کرایا ہے کہ وہ امام جس کی امامت اور جلالت پر ہر باب میں اجماع کیا گیا ہے، چار ہزار شیوخ سے حدیث پڑھی اور امام اعظم کے قریبی شاگرد تھے۔ بخاری ومسلم میں آپ سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔(۹)

یحیٰی بن زکریا بن ابی زیاد رحمۃ اللہ علیہ

حافظ الحدیث تھے۔ امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی کہا کرتے تھے، یحیٰی کے

زمانے میں علم کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ ترین شاگرد تھے۔(۱۰)

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ

یہ مفسر تھے، محدث تھے، یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص تھے۔(۱۱)

یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ

یہ فن حدیث میں امام صاحبؒ کے شاگرد تھے۔

حضرت داؤد بن نصیر الطائی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بلند وجود بزرگ راہ سلوک کے شہسوار، عالم روحانیت کے پیشوا کہ اتنے بلند علم ظاہری میں کہ امام محمد بھی ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے، صوفیہ کے مرشد ہیں(۱۲)

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ

یہ بلند پایہ محدث جو صاحبان حدیث کی مجلس میں امام کہلاتے تھے، عربی النسل تھے اور قیاس میں مجتہدانہ شان کے حامل تھے۔(۱۳)

امام عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ

محدث ذھبی نے انہیں اعلام ثقات میں یکتا لکھا ہے، بخاری و مسلم کی روایات ان سے بھری پڑی ہیں ان کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث میں تلمذ حاصل تھا۔

حضرت حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ

یہ بہت بڑے محدث کثیر الحدیث تھے، ان سے احادیث کی روایت تین یا چار ہزار ہے۔ یہ بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔(۱۴)

تدوین فقہ میں یہ حضرات بھی شامل ہیں:

قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ

حدیث وفقہ وادب عربی میں بے نظیر تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے کوفہ کے قاضی تھے۔(۱۵)

اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ

یہ پہلے شخص ہیں جن کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا، علم وفضل میں کامل تھے، بغداد کے قاضی رہے۔(۱۶)

علی بن المسہر الکوفی رحمۃ اللہ علیہ

موصل کے قاضی تھے، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات پر انہی کے ذریعے اطلاع پائی تھی۔(۱۷)

عافیہ بن یزید الاودی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ

عافیہ بن یزید کے بغیر امام ابوحنیفہ مجلس تصنیف میں کسی مسئلے کو قلمبند کرنے سے منع فرماتے تھے۔(۱۸)

ان کے علاوہ حبان اور مندول ہیں۔(۱۹)

یہ اصحاب وتلامذہ امام اعظم کا مختصر ترین تعارف بیان کیا گیا ہے، اب ذرا ہم مجلس مشاورت کے طریقے کا ذکر کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان ان میں ایک مسئلہ پیش کرتے اور ہر ایک کی معلومات اور اس کے لئے حل دریافت اور پھر اپنی رائے بھی پیش فرماتے تھے اور مہینہ بھر بلکہ اس سے زیادہ بھی مناظرہ جاری رہتا اور جب کسی رائے پر دلائل پوری طرح واضح ہو جاتے تو پھر ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس کو لکھ لیا کرتے تھے یعنی یوں کہہ لیجئے کہ امام اعظم نے دیگر ائمہ کی طرح انفرادی کوشش اور تنہا استبدادی رائے کی بجائے اپنے مذہب کا انحصار مشورہ پر رکھا

ہے۔ایک مرتبہ کسی نے پوچھا یہ مسئلہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مسئلے پر متفق نہ ہو سکے تھے۔آپ کیونکر قطعی رائے ظاہر کرتے ہیں۔

امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ آپ کا خیال کیا ہے کہ میں نے بے سبب رائے قائم کر لی ہے۔میں نے خاص اس مسئلے پر غور وخوض کیا ہے اور پھر اس کے مماثل چیزیں ڈھونڈیں اور ہر صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کی مسلمہ اصولوں پر جانچ پڑتال کی ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہکے وضع کردہ مسئلے پانچ لاکھ تک پہنچ گئے تھے۔جن میں صرف ونحو اور حساب کی ایسی باتوں کو بھی دخل تھا کہ ان کے استخراج سے عربی زبان اور علم جبر ومقابلہ کے ماہرین کے چھکے چھوٹ جائیں۔پھر اہم ترین مقام یہ ہے کہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسائل کی نئی جہات سے روشن فکر کو اپنے مشیروں اور تلامذہ کے سامنے رکھا۔

☆☆☆

حواشی وتعلیقات وحوالہ جات

۱۔ سورۃ الزمر:9

۲۔ سورۃ النحل:43

۳۔ قصیدہ امام اعظم

۴۔ علی ابن عثمان الھجویری، الشیخ المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش، کشف المحجوب ترجمہ سیّد محمد فاروق القادری، طبع دوم 2001ء فرید بکسٹال، لاہور۔ پاکستان، ص 230-231۔

۵۔ سورۃ ابراہیم:24

۶۔ امام ابو یوسف کوفہ میں پیدا ہوئے اور یہاں ہی نشوونما پائی مگر ساری زندگی بغداد میں گزاری۔خلیفہ محمد مہدی بن منصور نے بصرہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔(تاریخ بغداد: خطیب بغدادی، مناقب الامام الاعظم محمد بن محمد الکردری، ترجمہ فیض احمد اویسی، مقامات امام اعظم۔مکتبہ نبویہ لاہور۔2000ء، 1421ھ، ص:479، میزان الاعتدال)

۷۔ امام محمد بن حسن، واسط(عراق) میں پیدا ہوئے۔بغداد میں سکونت اختیار کی۔خطیب بغدادی کے مطابق آبائی وطن الجزیرہ ہے۔(مناقب الامام اعظم، ص:519)۔

۸۔ یحییٰ بن سعید القطان، بہت بڑے محدث ہیں، بقول امام ذہبی فن رجال میں اولین لکھنے والے ہیں۔امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے، تحقیق کا یہ عالم تھا کہ علماء اعلام اور ائمہ کرام تقلید کرتے تھے، وہ کہا کرتے تھے، جس راوی کو یحییٰ بن سعید چھوڑ دیں گے اسے ہم بھی چھوڑ دیں گے۔(امام اعظم ابوحنیفہ اَز شاہ تراب الحق قادری بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ج1، صفحہ 280)۔

۹۔ عبداللہ بن مبارک 118ھ یا 119ھ میں ولادت ہوئی۔181ھ میں وصال ہوا۔

بہت بڑے محدث اور مجاہد ہیں۔(مناقب امام اعظم ،ص:543)۔

۱۰۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ بن میمون بن فیروز بن میمون بن فیروز۔ہارون الرشید نے مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا۔پھر بغداد آ گئے۔یہاں بہت سے محدثین نے علم حدیث میں آپ سے استفادہ کیا،چار سال تک مدائن میں بطور قاضی کے فرائض انجام دیتے رہے اور یہیں 183ھ یا 184ھ میں وصال ہوا۔(مقامات امام اعظم 596-595)۔

۱۱۔ وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی بن سفیان الرواسی الکوفی 129-130ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔196ھ میں وصال ہوا۔(مقامات امام اعظم 594)۔

۱۲۔ حضرت داود الطائی، والدہ کا نام نصیر الطائی ہے۔کوفہ کے رہنے والے تھے۔اصل وطن خراسان ہے۔165ھ میں مہدی کے عہد حکومت میں انتقال ہوا۔(مقامات امام اعظم 584-579)۔

۱۳۔امام زفر بن ہذیل بن قیس الکوفی۔158ھ میں مہدی کی خلافت کے ابتدائی ایام میں وصال ہوا۔(مقامات امام اعظم:567)۔

۱۴۔ حفص بن غیاث بن طلق بن عمرو النخعی،194ھ میں وصال ہوا۔(مقامات امام اعظم 594)۔

۱۵۔ قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود الکوفی۔فقہ میں امام اعظم سے مستفید ہوئے۔شریک کے بعد قاضی مقرر ہوئے۔کبھی تنخواہ نہیں لی۔شاعری کیا کرتے تھے۔(مقامات امام اعظم 611)۔

۱۶۔ اسد بن عمرو، ابو منذر اسد بن عمرو بن عامر بن اسلم بن مغیث بن یشکر بن رھم البجلی الکوفی،188-189ھ میں انتقال ہوا۔(مقامات امام اعظم 612)۔

۱۷۔ مقامات امام اعظم 610۔

۱۸۔ مقامات امام اعظم 607۔

۱۹۔ حبان بن علی العزی، عمرو بن علی العزی، معروف بہ مندل، دونوں بھائی ہیں۔حبان بن علی کا انتقال 167ھ۔168ھ میں ہوا۔

☆☆☆

نشست سوم

☆☆☆

بعُنوان

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے فکر کی روشنی میں

بین الاقوامی مسائل کا حل

استحکام معاشرت کے ضوابط اور بین الاقوامی روابط

بین الاقوامی معاشی تعلقات، نوعیت اور حدود

اسلامی بینکاری کے رہنما اصول وضوابط

مشارکہ، مضاربہ، مرابحہ، بیع سلم اور استصناع

اُمت کو درپیش مسائل کا حل

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی آراء کی روشنی میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ڈین۔ فیصل آباد یونیورسٹی فیصل آباد

اُمت کو درپیش مسائل کا حل

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی آراء کی روشنی میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

اسلامی فقہ کی تاریخ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پائے کا کوئی اور فقیہ نظر نہیں آتا، طبع روشن حاضر جوابی' باریک بینی' وسعت نظر' قوت استدلال' صحت استنباط اور نت نئے پیدا ہوتے اور ابھرتے مسائل اور مشکلات کا فوری اور تسلی بخش حل پیش کرنے میں ان کا جواب نہیں ہے! آج کی مسلم دنیا کو جو تحدیات یا چیلنجز (Challenges) درپیش ہیں یا سامنے آسکتے ہیں ان کے تسلی بخش حلول اور فوری جوابات کے لیے بھی ان کی فقہی آراء' طریقہ کار' انداز استدلال اور اسلوب استنباط سے مدد لی جا سکتی ہے بشرطیکہ حضرت امام کی سیرت اور کردار کے ساتھ ساتھ ان کی فقہ کا بھی گہرا مطالعہ کر لیا جائے اور ان کے تدریسی، تصنیفی اور تحقیقی کارناموں کی تفصیل بھی ہمارے سامنے ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ فقہ یا قانون کا اصل مقصد فرد اور معاشرہ کا تحفظ اور مشکلات سے نجات ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عقل و بصیرت بھی انسان کی رہنمائی کرتی ہے کیونکہ اگر ایسے نہ ہوتا تو کتاب اللہ عقل و تدبر سے کام لینے کا حکم نہ دیتی اور رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ الدین یسر یعنی دین تو سراپا آسانی ہے اور یمن کے لیے بھیجے جانے والے حاکم اور قاضی صحابہ سے یہ نہ فرماتے کہ یسرا و لا تعسرا یعنی تم دونوں سہولت و آسانی سے کام لینا اور مشکل اور تنگی والی روش اختیار نہ کرنا رسول اللہ ﷺ نے

جب اپنے مدبر و مفکر اور فقیہ صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا تھا کہ اگر کسی شرعی مسئلہ اور قانونی پہلو سے متعلق قرآن و سنت سے رہنمائی نہ ملی تو پھر کیا کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا تھا کہ اجتھد و رائی یعنی میں اپنی عقل اور سوچ سے کام لینے میں انتہائی کوشش کروں گا تو آنحضرت ﷺ نے انتہائی خوش ہو کر ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ! کہ رسول اللہ ﷺ کے رسول یا بھیجے ہوئے نمائندے کی سوچ بھی وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہے اس موقف اور ارشاد نبوی سے حضرت امام اعظم کو دو نقطے ہاتھ آئے ایک یہ کہ انسانی سوچ' عقل و فکر اور تدبر کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل ہے بلکہ اسلام کے بنیادی مصادر و مآخذ میں سے ہے اور اسی اجتہاد بالرائے کو قیاس بھی کہا گیا ہے اور کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ اور اجماع کے بعد چوتھا مصدر اور اسلامی فقہ کا سرچشمہ یہی قیاس و اجتہاد ہے رسول اکرم ﷺ کے اس موقف و ارشاد سے دوسرا نقطہ یہ میسر آیا کہ فوری انصاف اور بروقت فیصلہ کے لیے تاخیر یا ٹال مٹول بے انصافی یا عدل و انصاف کے انکار کے مترادف ہے جو انسانی مسائل فوری حل اور لازمی فیصلہ کے متقاضی ہوتے ہیں انہیں کھٹائی میں ڈالنا نہ صرف بے پناہ نقصان کا باعث ہو سکتا ہے بلکہ یہ ٹال مٹول کے عنوان سے ایک قسم کی نالائقی یا نااہلیت بھی قرار دی جا سکتی ہے مدینہ شریف سے یمن کوئی زیادہ دور نہیں اگر فوری نوعیت کے فیصلے بلا تاخیر خلق خدا کو حصول انصاف سے محروم یا زحمت انتظار سے بچانا مقصود نہ ہوتا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میں بھی اس وقت کے مروج ہوائی جہاز' برق رفتار گھوڑے پر حاضر خدمت ہو کر اسی طرح ہدایت لے لیا کروں گا جس طرح اللہ کا بندہ حضرت اویس قرنی اپنی والدہ سے چند گھنٹے کی اجازت لے کر صحبت نبوی ﷺ سے مشرف ہونے کے لیے پیدل دوڑتے ہوئے آئے تھے اور کسی غزواتی مہم پر مدینہ منورہ سے باہر ہونے کے باعث رسول اللہ ﷺ کی زیارت کیے بغیر ہی انہی قدموں پر پیدل دوڑتے ہوئے یمن میں اپنی والدہ ماجدہ کی دیکھ بھال کے لیے واپس

خواہ کہنے والا چھوٹا ہو یا بڑا ہو اسی پر عمل ہوگا!

بنو امیہ نے تو اسلامی خلافت کو ملوکیت میں بدل کر آمریت اور استبداد کی راہ اختیار کر لی تھی چنانچہ امام ابو حنیفہؒ جو فقہی مسائل میں بھی شورائیت اور جمہوری کی رائے کو برتر و افضل تصور کرتے تھے اس استبدادی اموی نظام کے خلاف تھے یہی وہ نظام استبداد تھا جسے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے مسترد کرتے ہوئے اس پر کربلا کے میدان میں اپنی شہادت عظمیٰ سے ضرب کاری لگا کر اسے کھوکھلا کر دیا تھا اور پھر انہی کے پوتے حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے فیصلہ کن ضرب کاری لگا کر اسے بالکل نابود کر دیا تھا حضرت زید کی شہادت کے بعد صرف سات سال میں اموی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تھا اور ان سات سالوں میں یکے بعد دیگرے سات خلفاء برسر اقتدار آئے مگر اموی خلافت کی گرتی ہوئی دیوار کو کوئی بھی نہ سنبھال سکا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سادات بنو ہاشم کی بنی امیہ مخالف سیاسی تحریک کا دل و جان سے ساتھ دیا اور مالی اعانت بھی کی مگر بنو امیہ کی جگہ بنو عباس نے لے لی تو وہ بھی آمریت و استبداد کے علمبردار نکلے اس لیے حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عباسیوں کو بھی مسترد کر دیا اور ان سے تعاون کی بجائے قید و بند کی مجاہدانہ روش کو ترجیح دی اور انسانیت کا مقدر سنوارنے کے لیے دور رس اور انقلابی نقطہ نظر رکھنے والی تاریخ کی انوکھی اور نادر روزگار شخصیات یونہی کیا کرتی ہیں اگر وہ حالات کے جبر و قہر کے باعث اپنی زندگی میں کوئی بڑا اقدام اور محیر العقول کارنامہ انجام نہ بھی دے سکیں تو کم سے کم اپنے پیچھے خطوط و علامات چھوڑ جاتے ہیں اور پھر کوئی اللہ کا بندہ آتا ہے جو علامات و نشانات کی مدد سے ان خطوط اور دھاگوں کو شناخت کرتا ہے اور ان کی مدد سے آگے بڑھنے کا سامان کرتا ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو خطوط اور نشانات چھوڑ گئے ہیں ان میں سے یہاں صرف دو کی شناخت اور نشاندہی پر اکتفا کروں گا ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وہ امت کے لیے درندہ صفت آمریت اور مطلق العنان و مستبد بادشاہت کے قطعی خلاف تھے دوسرے وہ

اجتہاد بالرای (عقل و فکر کو تھکا دینے والی عالمانہ اور فقیہانہ کوشش) کے اسلامی طریقہ قانون سازی اور تدوین فقہ کو ان بلندیوں پر لے جانا چاہتے تھے جو شریعت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا استحقاق اور پہلا قدم ہے مگر وہ خود کو اس کام کا مرد میدان نہیں سمجھتے تھے اور ان کا یہ اندازہ بالکل درست اور برحق تھا ان کا میدان تو اجتہاد بالرای کی علمی و فکری دنیا تھی اور وہ اسی کے لیے پیدا کیے گئے تھے اسی لیے وہ نام نہاد عباسی انقلاب کی کامیابی پر خوش ہو کر اور بڑی توقعات لے کر فوری طور پر حجاز سے عراق منتقل تو ہوئے تھے اور فقہی تدوین کی ایک ایسی فقہی اکیڈمی قائم کر دی تھی جس نے قلیل سی مدت میں تراسی ہزار سے زائد فرعی مسائل پر اپنے ساتھیوں کی شورائی جمہوری بحث و تمحیص کے ساتھ اجتہادی کام مکمل کر دیا تھا مگر اس کا کیا علاج کہ اندرونی اور بیرونی عناصر کی مداخلت نے سادات بنو ہاشم کی کسی بھی جمہوری کوشش کو پروان نہ چڑھنے دیا بلکہ الٹا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جمہوری شورائی تدوین فقہ کا رستہ روکنے کے لیے ان سے تعاون مانگا بلکہ سو لالچ بھی دیئے مگر آمریت و استبداد کے ایجنٹ بری طرح ناکام ہوئے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قید و بند میں ڈال دیا گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ دنیائے انسانیت کو کیسا سیاسی نظام دینے کے لئے مبعوث ہوئے تھے؟ کیا ایک نئے شاہی خانوادہ کی بنیاد رکھنے کے لیے آئے تھے؟ ہرگز نہیں، کیا وہ پھر سے انسانیت خصوصاً جزیرہ عرب کے مسلمانوں کو خانہ بدوشی اختیار کرنے کی تلقین کرنے کے لیے تشریف لائے تھے؟ بالکل نہیں واقعات کی شہادت ان دونوں باتوں کی قطعی نفی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ رسول اولین و آخرین ﷺ دنیا کو شورائی جمہوری نظام عطا کرنے کے لیے آئے!!! ایک ایسا شورائی نظام جس میں ہر شہری کو بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب و عقیدہ یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے ملک کی سیاسی و عسکری تقویت و ترقی میں آزادانہ رائے کا حقدار ہو! یہ وہ جمہوری انداز ہے کہ

نہیں کر پائیں گے۔

یہ تو وصال نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام، کے وقت مدینہ منورہ کا منظر تھا، اب ذرا شہادت علی مرتضی رضی اللہ عنہ، کے وقت کوفہ کا ایک منظر بھی دیکھتے ہیں ملعون ابن ملجم کی زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے رسول اللہ ﷺ کی وہ پیشین گوئی پوری ہو چکی ہے کہ ”اے علی رضی اللہ عنہ! ایک بدترین خلق وہ تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ماردی تھی اور دوسرا ابد بخت ترین (اشقی البریہ) وہ ہوگا جو تیرے اس سر کے خون سے تیری اس داڑھی کو سرخ کردے گا!!! اور طبیب یہ بتا چکے ہیں کہ اب امیر المومنین کے جاں بر ہونے کی امید نہیں ہے تب آپ کو مشورہ دیا گیا کہ اپنے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ، کی خلافت کا اعلان فرما دیجئے، مگر آپ نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنا جانشین نامزد کرتا ہوں تو ایک شخصیت ایسا کر چکی ہے جو مجھ سے افضل تھے یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ! لیکن اگر میں نامزد نہیں کرتا تو اس ہستی کی سنت پر عمل کرتا ہوں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی افضل تھے یعنی رسول اللہ ﷺ۔

یہ وہ سبق تھا جو علی مرتضی رضی اللہ عنہ، دے گئے اور یہ وہ روح تھی جو وہ اپنی اولاد میں پھونک گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے شورائی نظام کو بحال کرنا ہے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرنا! چونکہ خلفائے راشدین، صدیق وفاروق وعثمان رضی اللہ عنہم حق پر تھے اس لیے سیدنا و مولانا ابوالحسن علی مرتضی رضی اللہ عنہ، ان کے قاضی، مشیر اور مددگار بھی رہے مگر یزید کی حکمرانی اور بعد میں بنوامیہ اور بنوعباس سب کی حکمرانی ایک آمریت واستبداد تھا اس لیے سادات بنی ہاشم رضی اللہ عنہ نے ان سب کو ٹھکرا دیا اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سادات بنی ہاشم کی ایسی تحریک کا پورا پورا ساتھ دیا اور اس ضمن میں نہ کسی سے دبے اور نہ کسی لالچ کی پرواہ کی!

تو اس طرح شورائی جمہوریت کا نظام جو درحقیقت ”نظام مصطفوی“ ہے نہ صرف

سادات بنو ہاشم کی منزل مراد ہے بلکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مطلوب و مقصود بھی ہے! یہ شرف برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ بیسویں صدی عیسوی میں اپنے شورائی جمہوری ووٹ سے دولت خداداد پاکستان قائم کرتے ہیں اور اگر اب اس اکیسویں صدی عیسوی میں پاکستان کے مسلمان ”اسلامی جمہوری پاکستان“ کے تحفظ و دفاع میں کامیاب ہوتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہو کر رہیں گے) تو یہ سادات بنی ہاشم اور امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں بہت بڑا اخراج عقیدت ہوگا اور نظام مصطفیٰ قائم ہوگا جس میں میثاق مدینہ کے مطابق ہر شہری کو بلا امتیاز رنگ ونسل اور مذہب وعقیدہ حکومت میں برابر کا حق اور اختیار ہوگا! جمہوری سیکولرازم تو انکل سام، سرکوزی اور بلیئر کی فریب کاری ہے اگر حکومت کی غیر جانبداری سیکولرازم ہے تو پھر انسانی تاریخ میں غیر جانبدار حکومت تو صرف اور صرف ایک ہی ہوئی ہے اور وہ حکومت ہے جو میثاق مدینہ کی بنیاد پر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قائم فرمائی تھی!!

یہ تو تھا حضرت امام کا سیاسی موقف اور نظریہ جہاں تک قانون اور فقہ کا تعلق ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قانون کا اولین مقصد اور فائدہ فرد اور معاشرے کا تحفظ اور مشکل سے فوری نجات ہے کیونکہ اگر قانون معاشرتی تحفظ نہ دے سکے یا مشکل کا فوری حل نہ نکال سکے تو پھر لوگوں کا قانون پر اعتماد نہ ہو سکے گا اور انصاف میں تاخیر بھی دراصل انصاف کا انکار ہوگا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو تراسی ہزار سے زائد مسائل بحث وتمحیص کے بعد حل کیے تھے ان کی بعض جھلکیاں علامہ شبلی نعمانی کی کتاب ”سیرت نعمان“، مناظر حسین گیلانی کی کتاب ”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی“، شاہ ابوالحسن زید فاروقی کی کتاب ”سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور شیخ ابوزہرہ کی کتاب“ ابو حنیفہ حیاتہ و اثارہ واراوہ ہ الفقھیہ“ میں بکثرت ملتی ہیں اور فقہی مسائل کے حل کے لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ان فیصلوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شہر کے تحفظ کے

ساتھ ساتھ شہری کی مشکلات کا فوری حل (Relief) مقصود ہوتا تھا مثلاً دو بھائیوں کا ایک ہی گھر کی دو بہنوں سے نکاح اور پھر گھر والوں کی غلطی سے رات کو بیویوں کا تبدیل ہو جانا ایک مشکل اور پریشان کن مسئلہ تھا جو فوری حل کا طالب تھا مگر موقع پر موجود ائمہ اور فقہا کے فیصلوں سے مسئلہ حل نہیں ہو پا رہا تھا مگر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چٹکی بھر میں ایسا فیصلہ دیا جس سے دونوں بھائی، دونوں بہنیں اور دونوں گھرانے بھی خوش ہو گئے اس موقع پر موجود لوگوں نے بھی امت کے اس مایہ ناز امام فقیہ کی تعریف و تحسین بھی کی!

آج کے الجھے ہوئے مسائل کے حل کیلئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ استنباط سے استفادہ کے ساتھ ساتھ ویسی ہی فقہی روح اور قوت فیصلہ اپنانے کی ضرورت ہے عصر حاضر میں مسلمانوں کی گوناگوں مشکلات میں سب سے خطرناک وخوفناک اقتصادی و مالیاتی مسائل و مشکلات ہیں اور ان میں بھی سود کا مسئلہ سرفہرست اور سب سے زیادہ الجھا ہوا مسئلہ ہے حرمت سود کے خداوندی اعلان بلکہ سودخوروں کے خلاف اعلان جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ تقریباً تین ماہ میں ہی دنیا سے رحلت فرما گئے اور اس جنگ کو جیتنے کے لئے مسلمان آنحضرت ﷺ کی ہدایت و رہنمائی سے محروم رہ گئے اور اس محرومی کا شکوہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، جیسے عظیم و جلیل مدبر اور دلاور بین قائد نے بھی کیا تھا! سود ایک ایسی لعنت ہے جس نے خلافت راشدہ کے فوراً بعد اموی دور میں ہی پہلے سے بھی زیادہ بری طرح امت مسلمہ کو دبوچ لیا تھا پھر عباسی دور میں اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا حتی کہ خلافت عثمانیہ کے زوال کے اسباب میں تو سب سے بڑا سبب سود کی یہی لعنت ہے عصر حاضر میں تو سود لوہے کی ایک ایسی چادر بن چکا ہے جو پورے کرہ ارض کے اوپر تن گئی ہے اور کوئی فرد کوئی وم اور کوئی بھی ملک اس کی گرفت سے باہر منہ نکال کر سانس بھی نہیں لے سکتا مگر ہمارے فقہا اور مجتہد اس مسئلہ کے حل میں ناکام ہو چکے ہیں اور کسی کے پاس نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے!!

آج عالم اسلام کو پیش آمدہ مسائل میں ہے ''ربا'' سب سے زیادہ مشکل اور پریشان کن ہے اور ہمارے فقہا و علما اور قانون دان اس کا تسلی بخش حل پیش نہیں کر سکے یا کم سے کم اسکے کسی مستقل یا وقتی اور عارضی حل پر متفق نہیں ہو سکے اگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے عالم اسلام کے اہل علم پر مستقل فقہی اکیڈمی قائم کی جائے اور اس مسئلے پر کھلے عام بحث کی جائے تو کم سے کم عارضی اور وقتی یا ہنگامی حل تو سامنے آ سکتا ہے اور پھر اسے اسلامی ملکوں کی قومی اسمبلیوں اور مجالس شوریٰ میں بھی زیر بحث لایا جا سکتا ہے اس طرح قرآنی روح کے مطابق سامنے آنے والے بہترین قول پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

1) سود کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لفظی موشگافیوں کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہنا تو جان چھڑانے والی بات ہے کہ بینک کے منافع پر ''ربا'' کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بینک دراصل چالاک سودخوروں کی ان ایجادات میں سے ہیں جو سودخوری کو تمام خطرات اور مشکلات سے پاک اور آسان سے آسان تر بنانے کے حیلے کرتے رہتے ہیں اور جن میں زیادہ تازہ حیلہ کریڈٹ کارڈ ہے

2) ربا یا سود مادہ پرست اور استحصالی ذہن کا وہ خوفناک جال ہے جس میں پوری انسانیت کو بری طرح جکڑ دیا گیا ہے مشرق و مغرب کا ہر انسان اگرچہ اس سود کے بینکاری نظام سے بظاہر سہولیات بھی حاصل کر رہا ہے مگر حقیقت میں تمام انسانیت اس سے بیزار ہے اور اس کے متبادل کی آرزومند ہے ماؤ سی تنگ نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان کے ہاتھون انسان کے استحصال کا بدترین ہتھیار سود ہے اسی لیے اسلامی شریعت نے پندرہ صدیاں قبل اسے شیطانی پاگل پن قرار دے کر قطعی حرام قرار دے دیا تھا اور رب العالمین نے اس شیطانی جادو کے خلاف جنگ کا اعلان فرما دیا تھا اس لیے اب سود کی حلت یا حرمت کی بات نہیں ہو گی بلکہ اس شیطانی جادوگری کی بیخ کنی اور نابود کر دینے

آ گئے تھے یا رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی مسئلہ الجھ جائے اور کتاب وسنت سے اس کا حل میسر نہ آ سکے تو تیز رفتار گھوڑے پر آ جانا اور پوچھ کر واپس چلے جانا! بلکہ امت کو یہ سمجھایا کہ انصاف کا حصول فوری اور آسان ہونا چاہیے اور یہ بھی مسلمان قاضی اور حاکم کو اپنی عقل وفکر کو کام میں لاتے ہوئے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اخلاص اور نیک نیتی سے اجتہاد کرنا چاہیے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ فرمان نبوی یہ ہے کہ " **من اجتھد فاصاب فلہ اجران' ومن اخطا فلہ اجر واحد**" یعنی جس نے اجتہاد کیا اور اسکا اجتہاد درست نکلا تو اسے دو اجر ملیں گے (ایک اجتہاد کا دوسرا اجتہاد کے درست ہونے کا) اور اگر اجتہاد میں غلطی ہو گئی تو صرف ایک گونہ اجر ملے گا (اور وہ اجتہاد کرنے کا ہو گا)!

یوں گویا شریعت حقہ کا اصل مقصد انصاف کو فوری' آسان اور سستا بنانا ہے اور اس کے ساتھ ہی مسلمان کو انفرادی اجتہاد کے لیے آزاد چھوڑنا بھی مقصود ہے تا کہ خود اعتمادی پیدا ہو اور اسلامی تمدن کی بے پناہ قوت متحرکہ یعنی اجتہادی عمل کو فروغ ملنا چاہیے اور قوتِ فیصلہ کو آزادی کے ساتھ رو بہ عمل ہونا چاہیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا فقہی مسائل کے حل کے لئے طریقہ عمل بھی یہی تھا اموی خلافت کے ظالمانہ نظام حکومت کے زوال اور خاتمہ کے بعد اور بنو ہاشم یا بنو عباس کی خلافت کے آغاز پر حضرت امام جب حجاز سے عراق واپس آ گئے اور مکہ مکرمہ کے بجائے پھر سے کوفہ کو اپنا مرکز عمل بنا لیا تو پھر وہاں انہوں نے مسلم فقہاء اور مقننین کی ایک اکیڈمی قائم کی جہاں سینکڑوں فقہاء نے تربیت پائی اور آزادانہ بحث اور تحقیق کو بنیادی اہمیت دی ہر مسئلہ پر آزادانہ بحث ہوتی تھی اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بڑے سکون اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اور خندہ پیشانی سے اپنے شاگردوں کی باتیں سنتے ہر ایک سے رائے لیتے اور جو بہترین رائے یا مسئلہ سب سے اچھا سامنے آتا اسے قبول کر لیا جاتا بتایا جاتا ہے کہ اس طرح زیر بحث آ کر حل ہونے والے فرعی مسائل کی تعداد تراسی ہزار سے بھی متجاوز تھی! بعد میں یہی فیصلے فقہ حنفی کے لیے مضبوط بنیادیں ثابت ہوئے!

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ بحث واجتہاد دراصل اسلام کے نظام شورائیت کے احیاء اور ترقی کا آئینہ دار بھی تھا قائداعظم محمد علی جناح نے جب یہ کہا تھا کہ جمہوریت تو مسلمانوں کے رگ وپے میں شامل ہے جو مذہب کے سلسلے میں بھی جمہوری شورائی انداز اپناتے ہیں تو غالباً ان کے سامنے یا ان کے ذہن میں حضرت امام اعظم کا یہی طریقہ بحث واجتہاد بھی ہو سکتا ہے کیونکہ باہمی مشاورت تو اسلامی نظام کی روح ہے' تیرہ سالہ مکی دور اسلام میں دار ارقم مسلمانوں کا شورائی جمہوری مرکز تھا جہاں **وامرھم شوری بینھم** یعنی مسلمانوں کا نظام تو باہمی مشاورت سے چلتا ہے کے مطابق کام ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ بھی یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت فرماتے تھے اور تمام معاملات میں جمہوری شورائی انداز اختیار کرنے کے لیے انہیں تیار کرتے تھے اسی مکی سورت شوریٰ میں یہ آیت بھی ہے جو مسلمانوں کے شاندار جمہوری طریقہ عمل خصوصاً فقہی اجتہادی مسائل کے طریقہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے جسے حضرت امام اعظم نے اپنے کوفی مرکز تربیت کے لیے نصب العین کے طور پر اپنا لیا تھا اور وہ آیت ہے

والذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ یعنی ایمان والے اور شورائی جمہوریت والے وہ لوگ ہیں جو ہر بات کان لگا کر بڑے غور سے سنتے ہیں پھر جو بہترین قول یا رائے سامنے آتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت کو اگر مسلمانوں کے نظام حکومت اور ان کے فقہی نظام تربیت کی اصل اور روح قرار دے دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا! کیونکہ اس میں جس نظام حکومت اور نظام تربیت کی نشاندہی کی جا رہی ہے اس میں ہر فرد کو آزادانہ رائے کے اظہار اور ہر بولنے والے کی بات (خواہ وہ حزب مخالف ہی سے کیوں نہ ہو) کو پوری توجہ اور غور سے سننے کی تلقین کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ترغیب بھی دی جا رہی ہے کہ جو قول سب سے زیادہ مستحسن ہو اور جو رائے سب سے زیادہ خوبصورت ہو وہ خواہ حزب مخالف ہی کیوں نہ ہو

اُمت کو درپیش مسائل کا حل

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی آراء کی روشنی میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

اسلامی فقہ کی تاریخ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پائے کا کوئی اور فقیہ نظر نہیں آتا، طبع روشن حاضر جوابی، باریک بینی، وسعت نظر، قوت استدلال، صحت استنباط اور نت نئے پیدا ہوتے اور ابھرتے مسائل اور مشکلات کا فوری اور تسلی بخش حل پیش کرنے میں ان کا جواب نہیں ہے! آج کی مسلم دنیا کو جو تحدیات یا چیلنجز (Challenges) درپیش ہیں یا سامنے آسکتے ہیں ان کے تسلی بخش حلول اور فوری جوابات کے لیے بھی ان کی فقہی آراء، طریقہ کار، انداز استدلال اور اسلوب استنباط سے مدد لی جاسکتی ہے بشرطیکہ حضرت امام کی سیرت اور کردار کے ساتھ ساتھ ان کی فقہ کا بھی گہرا مطالعہ کرلیا جائے اور ان کے تدریسی، تصنیفی اور تحقیقی کارناموں کی تفصیل بھی ہمارے سامنے ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ فقہ یا قانون کا اصل مقصد فرد اور معاشرہ کا تحفظ اور مشکلات سے نجات ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عقل و بصیرت بھی انسان کی رہنمائی کرتی ہے کیونکہ اگر ایسے نہ ہوتا تو کتاب اللہ عقل و تدبر سے کام لینے کا حکم نہ دیتی اور رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ الدین یسر یعنی دین تو سراپا آسانی ہے اور یمن کے لیے بھیجے جانے والے حاکم اور قاضی صحابہ سے یہ نہ فرماتے کہ یسروا ولا تعسروا یعنی تم دونوں سہولت و آسانی سے کام لینا اور مشکل اور تنگی والی روش اختیار نہ کرنا رسول اللہ ﷺ نے

ب اپنے مدبر و مفکر اور فقیہ صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا تھا کہ اگر ی شرعی مسئلہ اور قانونی پہلو سے متعلق قرآن و سنت سے رہنمائی نہ ملی تو پھر کیا کرو گے؟ تو ں نے عرض کیا تھا کہ اجتھد و رائی یعنی میں اپنی عقل اور سوچ سے کام لینے میں ئی کوشش کروں گا تو آنحضرت ﷺ نے انتہائی خوش ہو کر ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ! کہ ل اللہ ﷺ کے رسول یا بھیجے ہوئے نمائندے کی سوچ بھی وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ ی ہے اس موقف اور ارشاد نبوی سے حضرت امام اعظم کو دو نقطے ہاتھ آئے ایک یہ کہ انسانی چ، عقل و فکر اور تدبر کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل ہے بلکہ اسلام کے بنیادی مصادر و مآخذ میں سے ہے اور اسی اجتہاد بالرائے کو قیاس بھی کہا یا ہے اور کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع کے بعد چوتھا مصدر اور اسلامی فقہ کا رچشمہ یہی قیاس و اجتہاد ہے رسول اکرم ﷺ کے اس موقف و ارشاد سے دوسرا نقطہ یہ میسر آیا کہ فوری انصاف اور بروقت فیصلہ کے لیے تاخیر یا ٹال مٹول بے انصافی یا عدل و انصاف کے انکار کے مترادف ہے جو انسانی مسائل فوری حل اور لازمی فیصلہ کے متقاضی ہوتے ہیں انہیں کھٹائی میں ڈالنا نہ صرف بے پناہ نقصان کا باعث ہوسکتا ہے بلکہ یہ ٹال مٹول کے عنوان سے ایک قسم کی نالائقی یا نااہلیت بھی قرار دی جاسکتی ہے مدینہ شریف سے یمن کوئی زیادہ دور نہیں اگر فوری نوعیت کے فیصلے بلا تاخیر خلق خدا کو حصول انصاف سے محروم یا زحمت انتظار سے بچانا مقصود نہ ہوتا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میں بھی اس وقت کے مروج ہوائی جہاز، برق رفتار گھوڑے پر حاضر خدمت ہو کر اسی طرح ہدایت لے لیا کروں گا جس طرح اللہ کا بندہ حضرت اویس قرنی اپنی والدہ سے چند گھنٹے کی اجازت لے کر صحبت نبوی ﷺ سے مشرف ہونے کے لیے پیدل دوڑتے ہوئے آئے تھے اور کسی غزواتی مہم پر مدینہ منورہ سے باہر ہونے کے باعث رسول اللہ ﷺ کی زیارت کیے بغیر ہی انہی قدموں پر پیدل دوڑتے ہوئے یمن میں اپنی والدہ ماجدہ کی دیکھ بھال کے لیے واپس

اُمت کو درپیش مسائل کا حل

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی آراء کی روشنی میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

اسلامی فقہ کی تاریخ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پائے کا کوئی اور فقیہ نظر نہیں آتا، طبع روشن حاضر جوابی، باریک بینی، وسعت نظر، قوت استدلال، صحت استنباط اور نت نئے پیدا ہوتے اور ابھرتے مسائل اور مشکلات کا فوری اور تسلی بخش حل پیش کرنے میں ان کا جواب نہیں ہے! آج کی مسلم دنیا کو جو تحدیات یا چیلنجز (Challenges) درپیش ہیں یا سامنے آسکتے ہیں ان کے تسلی بخش حلول اور فوری جوابات کے لیے بھی ان کی فقہی آراء، طریقہ کار، انداز استدلال اور اسلوب استنباط سے مدد لی جاسکتی ہے بشرطیکہ حضرت امام کی سیرت اور کردار کے ساتھ ساتھ ان کی فقہ کا بھی گہرا مطالعہ کرلیا جائے اور ان کے تدریسی، تصنیفی اور تحقیقی کارناموں کی تفصیل بھی ہمارے سامنے ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ فقہ یا قانون کا اصل مقصد فرد اور معاشرہ کا تحفظ اور مشکلات سے نجات ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عقل و بصیرت بھی انسان کی رہنمائی کرتی ہے کیونکہ اگر ایسے نہ ہوتا تو کتاب اللہ عقل و تدبر سے کام لینے کا حکم نہ دیتی اور رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ الدین یسر یعنی دین تو سراپا آسانی ہے اور یمن کے لیے بھیجے جانے والے حاکم اور قاضی صحابہ سے یہ نہ فرماتے کہ یسرا و لا تعسرا یعنی تم دونوں سہولت و آسانی سے کام لینا اور مشکل اور تنگی والی روش اختیار نہ کرنا رسول اللہ ﷺ نے

جب اپنے مدبر و مفکر اور فقیہ صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا تھا کہ اگر کسی شرعی مسئلہ اور قانونی پہلو سے متعلق قرآن وسنت سے رہنمائی نہ ملی تو پھر کیا کروگے؟ تو انہوں نے عرض کیا تھا کہ اجتھد رائی یعنی میں اپنی عقل اور سوچ سے کام لینے میں انتہائی کوشش کروں گا تو آنحضرت ﷺ نے انتہائی خوش ہوکر ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ! کہ رسول اللہ ﷺ کے رسول یا بھیجے ہوئے نمائندے کی سوچ بھی وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ہے اس موقف اور ارشاد نبوی سے حضرت امام اعظم کو دو نقطے ہاتھ آئے ایک یہ کہ انسانی سوچ، عقل وفکر اور تدبر کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل ہے بلکہ اسلام کے بنیادی مصادر و مآخذ میں سے ہے اور اسی اجتہاد بالرائے کو قیاس بھی کہا گیا ہے اور کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع کے بعد چوتھا مصدر اور اسلامی فقہ کا سرچشمہ یہی قیاس و اجتہاد ہے رسول اکرم ﷺ کے اس موقف و ارشاد سے دوسرا نقطہ یہ میسر آیا کہ فوری انصاف اور بروقت فیصلہ کے لیے تاخیر یا ٹال مٹول بے انصافی یا عدل و انصاف کے انکار کے مترادف ہے جو انسانی مسائل فوری حل اور لازمی فیصلہ کے متقاضی ہوتے ہیں انہیں کھٹائی میں ڈالنا نہ صرف بے پناہ نقصان کا باعث ہوسکتا ہے بلکہ یہ ٹال مٹول کے عنوان سے ایک قسم کی نالائقی یا نااہلیت بھی قرار دی جاسکتی ہے مدینہ شریف سے یمن کوئی زیادہ دور نہیں اگر فوری نوعیت کے فیصلے بلا تاخیر خلق خدا کو حصول انصاف سے محروم یا زحمت انتظار سے بچانا مقصود نہ ہوتا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میں بھی اس وقت کے مروج ہوائی جہاز، برق رفتار گھوڑے پر حاضر خدمت ہوکر اسی طرح ہدایت لے لیا کروں گا جس طرح اللہ کا بندہ حضرت اویس قرنی اپنی والدہ سے چند گھنٹے کی اجازت لے کر صحبت نبوی ﷺ سے مشرف ہونے کے لیے پیدل دوڑتے ہوئے آئے تھے اور کسی غزواتی مہم پر مدینہ منورہ سے باہر ہونے کے باعث رسول اللہ ﷺ کی زیارت کیے بغیر ہی انہی قدموں پر پیدل دوڑتے ہوئے یمن میں اپنی والدہ ماجدہ کی دیکھ بھال کے لیے واپس

آ گئے تھے یا رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی مسئلہ الجھ جائے اور کتاب وسنت
سے اس کا حل میسر نہ آ سکے تو تیز رفتار گھوڑے پر آ جانا اور پوچھ کر واپس چلے جانا! بلکہ امت
کو یہ سمجھایا کہ انصاف کا حصول فوری اور آسان ہونا چاہیے اور یہ بھی مسلمان قاضی اور حاکم
کو اپنی عقل وفکر کو کام میں لاتے ہوئے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اخلاص اور نیک نیتی سے
اجتہاد کرنا چاہیے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ فرمان نبوی یہ ہے کہ " **من اجتهد فاصاب
فله اجران، ومن اخطا فله اجر واحد**" یعنی جس نے اجتہاد کیا اور اسکا اجتہاد درست
نکلا تو اسے دو اجر ملیں گے (ایک اجتہاد کا دوسرا اجتہاد کے درست ہونے کا) اور اگر اجتہاد
میں غلطی ہوگئی تو صرف ایک گونہ اجر ملے گا (اور وہ اجتہاد کرنے کا ہوگا)!

یوں گویا شریعت حقہ کا اصل مقصد انصاف کو فوری، آسان اور سستا بنانا ہے اور اس کے
ساتھ ہی مسلمان کو انفرادی اجتہاد کے لیے آزاد چھوڑنا بھی مقصود ہے تاکہ خود اعتمادی پیدا ہو
اور اسلامی تمدن کی بے پناہ قوت متحرکہ یعنی اجتہادی عمل کو فروغ ملنا چاہیے اور قوتِ فیصلہ کو
آزادی کے ساتھ روبہ عمل ہونا چاہیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا فقہی مسائل کے حل کے
لئے طریقہ عمل بھی یہی تھا اموی خلافت کے ظالمانہ نظام حکومت کے زوال اور خاتمہ کے
بعد اور بنو ہاشم یا بنو عباس کی خلافت کے آغاز پر حضرت امام جب حجاز سے عراق واپس آ
گئے اور مکہ مکرمہ کے بجائے پھر سے کوفہ کو اپنا مرکز عمل بنا لیا تو پھر وہاں انہوں نے مسلم فقہاء
اور مقننین کی ایک اکیڈمی قائم کی جہاں سینکڑوں فقہاء نے تربیت پائی اور آزادانہ بحث
اور تحقیق کو بنیادی اہمیت دی ہر مسئلہ پر آزادانہ بحث ہوتی تھی اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ
علیہ بڑے سکون اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اور خندہ پیشانی سے اپنے شاگردوں کی باتیں
سنتے ہر ایک سے رائے لیتے اور جو بہترین رائے یا مسئلہ سب سے اچھا سامنے آتا اسے قبول
کر لیا جاتا بتایا جاتا ہے کہ اس طرح زیر بحث آ کر حل ہونے والے فرعی مسائل کی تعداد
تراسی ہزار سے بھی متجاوز تھی! بعد میں یہی فیصلے فقہ حنفی کے لیے مضبوط بنیادیں ثابت ہوئے!

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ بحث واجتہاد دراصل اسلام کے نظام شورائیت کے احیاء
اور ترقی کا آئینہ دار بھی تھا قائد اعظم محمد علی جناح نے جب یہ کہا تھا کہ جمہوریت تو مسلمانوں
کے رگ وپے میں شامل ہے جو مذہب کے سلسلے میں بھی جمہوری شورائی انداز اپناتے ہیں
تو غالباً ان کے سامنے یا ان کے ذہن میں حضرت امام اعظم کا یہی طریقہ بحث واجتہاد بھی ہو
سکتا ہے کیونکہ باہمی مشاورت تو اسلامی نظام کی روح ہے، تیرہ سالہ مکی دور اسلام میں دار ارقم
مسلمانوں کا شورائی جمہوری مرکز تھا جہاں **وامر هم شورى بينهم** یعنی مسلمانوں کا نظام
تو باہمی مشاورت سے چلتا ہے کے مطابق کام ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ بھی یہاں صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم کی تربیت فرماتے تھے اور تمام معاملات میں جمہوری شورائی انداز اختیار کرنے
کے لیے انہیں تیار کرتے تھے اسی مکی سورت شوریٰ میں یہ آیت بھی ہے جو مسلمانوں کے
شاندار جمہوری طریقہ عمل خصوصاً فقہی اجتہادی مسائل کے طریقہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے
جسے حضرت امام اعظم نے اپنے کوفی مرکز تربیت کے لیے نصب العین کے طور پر اپنا لیا تھا
اور وہ آیت ہے

والذين يستمعون القول فيتبعون احسنه یعنی ایمان والے اور شورائی جمہوریت
والے وہ لوگ ہیں جو ہر بات کان لگا کر بڑے غور سے سنتے ہیں پھر جو بہترین قول یا رائے
سامنے آتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت کو اگر مسلمانوں کے نظام حکومت اور ان کے فقہی نظام تربیت کی اصل اور
روح قرار دے دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا! کیونکہ اس میں جس نظام حکومت اور نظام
تربیت کی نشاندہی کی جا رہی ہے اس میں ہر فرد کو آزادانہ رائے کے اظہار اور ہر بولنے
والے کی بات (خواہ وہ حزب مخالف ہی سے کیوں نہ ہو) کو پوری توجہ اور غور سے سننے کی
تلقین کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ترغیب بھی دی جا رہی ہے کہ جو قول سب سے
زیادہ مستحسن ہو اور جو رائے سب سے زیادہ خوبصورت ہو وہ خواہ حزب مخالف ہی کیوں نہ ہو

آ گئے تھے یا رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی مسئلہ الجھ جائے اور کتاب وسنت
سے اس کا حل میسر نہ آ سکے تو تیز رفتار گھوڑے پر آ جانا اور پوچھ کر واپس چلے جانا! بلکہ امت
کو یہ سمجھایا کہ انصاف کا حصول فوری اور آسان ہونا چاہیے اور یہ بھی مسلمان قاضی اور حاکم
کو اپنی عقل وفکر کو کام میں لاتے ہوئے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اخلاص اور نیک نیتی سے
اجتہاد کرنا چاہیے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ فرمان نبوی یہ ہے کہ " من اجتهد فاصاب
فله اجران، ومن اخطا فله اجر واحد" یعنی جس نے اجتہاد کیا اور اسکا اجتہاد درست
نکلا تو اسے دو اجر ملیں گے (ایک اجتہاد کا دوسرا اجتہاد کے درست ہونے کا) اور اگر اجتہاد
میں غلطی ہوگئی تو صرف ایک گونہ اجر ملے گا (اور وہ اجتہاد کرنے کا ہوگا)!

یوں گویا شریعت حقہ کا اصل مقصد انصاف کو فوری، آسان اور سستا بنانا ہے اور اس کے
ساتھ ہی مسلمان کو انفرادی اجتہاد کے لیے آزاد چھوڑنا بھی مقصود ہے تا کہ خود اعتمادی پیدا ہو
اور اسلامی تمدن کی بے پناہ قوت متحرکہ یعنی اجتہادی عمل کو فروغ ملنا چاہیے اور قوتِ فیصلہ کو
آزادی کے ساتھ روبہ عمل ہونا چاہیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا فقہی مسائل کے حل کے
لئے طریقہ عمل بھی یہی تھا اموی خلافت کے ظالمانہ نظام حکومت کے زوال اور خاتمہ کے
بعد اور بنو ہاشم یا بنو عباس کی خلافت کے آغاز پر حضرت امام جب حجاز سے عراق واپس آ
گئے اور مکہ مکرمہ کے بجائے پھر سے کوفہ کو اپنا مرکز عمل بنا لیا تو پھر وہاں انہوں نے مسلم فقہاء
اور مقننین کی ایک اکیڈمی قائم کی جہاں سینکڑوں فقہاء نے تربیت پائی اور آزادانہ بحث
اور تحقیق کو بنیادی اہمیت دی ہر مسئلہ پر آزادانہ بحث ہوتی تھی اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ
علیہ بڑے سکون اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اور خندہ پیشانی سے اپنے شاگردوں کی باتیں
سنتے ہر ایک سے رائے لیتے اور جو بہترین رائے یا مسئلہ سب سے اچھا سامنے آتا اسے قبول
کر لیا جاتا بتایا جاتا ہے کہ اس طرح زیر بحث آ کر حل ہونے والے فرعی مسائل کی تعداد
تراسی ہزار سے بھی متجاوز تھی! بعد میں یہی فیصلے فقہ حنفی کے لیے مضبوط بنیادیں ثابت ہوئے!

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ بحث واجتہاد دراصل اسلام کے نظام شورائیت کے احیاء
اور ترقی کا آئینہ دار بھی تھا قائداعظم محمد علی جناح نے جب یہ کہا تھا کہ جمہوریت تو مسلمانوں
کے رگ وپے میں شامل ہے جو مذہب کے سلسلے میں بھی جمہوری شورائی انداز اپناتے ہیں
تو غالباً ان کے سامنے یا ان کے ذہن میں حضرت امام اعظم کا یہی طریقہ بحث واجتہاد بھی ہو
سکتا ہے کیونکہ باہمی مشاورت تو اسلامی نظام کی روح ہے، تیرہ سالہ مکی دور اسلام میں دارارقم
مسلمانوں کا شورائی جمہوری مرکز تھا جہاں وامرهم شورى بينهم یعنی مسلمانوں کا نظام
تو باہمی مشاورت سے چلتا ہے کے مطابق کام ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ بھی یہاں صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم کی تربیت فرماتے تھے اور تمام معاملات میں جمہوری شورائی انداز اختیار کرنے
کے لیے انہیں تیار کرتے تھے اسی مکی سورت شوریٰ میں یہ آیت بھی ہے جو مسلمانوں کے
شاندار جمہوری طریقہ عمل خصوصاً فقہی اجتہادی مسائل کے طریقہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے
جسے حضرت امام اعظم نے اپنے کوفی مرکز تربیت کے لیے نصب العین کے طور پر اپنا لیا تھا
اور وہ آیت ہے

والذين يستمعون القول فيتبعون احسنه یعنی ایمان والے اور شورائی جمہوریت
والے وہ لوگ ہیں جو ہر بات کان لگا کر بڑے غور سے سنتے ہیں پھر جو بہترین قول یا رائے
سامنے آتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت کو اگر مسلمانوں کے نظام حکومت اور ان کے فقہی نظام تربیت کی اصل اور
روح قرار دے دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا! کیونکہ اس میں جس نظام حکومت اور نظام
تربیت کی نشاندہی کی جا رہی ہے اس میں ہر فرد کو آزادانہ رائے کے اظہار اور ہر بولنے
والے کی بات (خواہ وہ حزب مخالف ہی سے کیوں نہ ہو) کو پوری توجہ اور غور سے سننے کی
تلقین کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ترغیب بھی دی جا رہی ہے کہ جو قول سب سے
زیادہ مستحسن ہو اور جو رائے سب سے زیادہ خوبصورت ہو وہ خواہ حزب مخالف ہی کیوں نہ ہو

آ گئے تھے یا رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی مسئلہ الجھ جائے اور کتاب وسنت سے اس کا حل میسر نہ آسکے تو تیز رفتار گھوڑے پر آ جانا اور پوچھ کر واپس چلے جانا! بلکہ امت کو یہ سمجھایا کہ انصاف کا حصول فوری اور آسان ہونا چاہیے اور یہ بھی مسلمان قاضی اور حاکم کو اپنی عقل وفکر کو کام میں لاتے ہوئے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اخلاص اور نیک نیتی سے اجتہاد کرنا چاہیے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ فرمان نبوی یہ ہے کہ " **من اجتهد فاصاب فله اجران، ومن اخطا فله اجر واحد**" یعنی جس نے اجتہاد کیا اور اسکا اجتہاد درست نکلا تو اسے دو اجر ملیں گے (ایک اجتہاد کا دوسرا اجتہاد کے درست ہونے کا) اور اگر اجتہاد میں غلطی ہوگئی تو صرف ایک گونہ اجر ملے گا (اور وہ اجتہاد کرنے کا ہوگا)!

یوں گویا شریعت حقہ کا اصل مقصد انصاف کو فوری، آسان اور سستا بنانا ہے اور اس کے ساتھ ہی مسلمان کو انفرادی اجتہاد کے لیے آزاد چھوڑنا بھی مقصود ہے تاکہ خود اعتمادی پیدا ہو اور اسلامی تمدن کی بے پناہ قوت متحرکہ یعنی اجتہادی عمل کو فروغ ملنا چاہیے اور قوتِ فیصلہ کو آزادی کے ساتھ روبہ عمل ہونا چاہیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا فقہی مسائل کے حل کے لئے طریقہ عمل بھی یہی تھا اموی خلافت کے ظالمانہ نظام حکومت کے زوال اور خاتمہ کے بعد اور بنو ہاشم یا بنو عباس کی خلافت کے آغاز پر حضرت امام جب حجاز سے عراق واپس آ گئے اور مکہ مکرمہ کے بجائے پھر سے کوفہ کو اپنا مرکز عمل بنالیا تو پھر وہاں انہوں نے مسلم فقہاء اور مققین کی ایک اکیڈمی قائم کی جہاں سینکڑوں فقہاء نے تربیت پائی اور آزادانہ بحث اور تحقیق کو بنیادی اہمیت دی ہر مسئلہ پر آزادانہ بحث ہوتی تھی اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بڑے سکون اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اور خندہ پیشانی سے اپنے شاگردوں کی باتیں سنتے ہر ایک سے رائے لیتے اور جو بہترین رائے یا مسئلہ سب سے اچھا سامنے آتا اسے قبول کرلیا جاتا بتایا جاتا ہے کہ اس طرح زیر بحث آکر حل ہونے والے فرعی مسائل کی تعداد تراسی ہزار سے بھی متجاوز تھی! بعد میں یہی فیصلے فقہ حنفی کے لیے مضبوط بنیادیں ثابت ہوئے!

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ بحث واجتہاد دراصل اسلام کے نظام شورائیت کے احیاء اور ترقی کا آئینہ دار بھی تھا قائداعظم محمد علی جناح نے جب یہ کہا تھا کہ جمہوریت تو مسلمانوں کے رگ وپے میں شامل ہے جو مذہب کے سلسلے میں بھی جمہوری شورائی انداز اپناتے ہیں تو غالباً ان کے سامنے یا ان کے ذہن میں حضرت امام اعظم کا یہی طریقہ بحث واجتہاد بھی ہو سکتا ہے کیونکہ باہمی مشاورت تو اسلامی نظام کی روح ہے، تیرہ سالہ مکی دور اسلام میں دار ارقم مسلمانوں کا شورائی جمہوری مرکز تھا جہاں **وامرهم شورى بينهم** یعنی مسلمانوں کا نظام تو باہمی مشاورت سے چلتا ہے کے مطابق کام ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ بھی یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت فرماتے تھے اور تمام معاملات میں جمہوری شورائی انداز اختیار کرنے کے لیے انہیں تیار کرتے تھے اسی مکی سورت شوریٰ میں یہ آیت بھی ہے جو مسلمانوں کے شاندار جمہوری طریقہ عمل خصوصاً فقہی اجتہادی مسائل کے طریقہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے جسے حضرت امام اعظم نے اپنے کوفی مرکز تربیت کے لیے نصب العین کے طور پر اپنالیا تھا اور وہ آیت ہے

والذين يستمعون القول فيتبعون احسنه یعنی ایمان والے اور شورائی جمہوریت والے وہ لوگ ہیں جو ہر بات کان لگا کر بڑے غور سے سنتے ہیں پھر جو بہترین قول یا رائے سامنے آتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت کو اگر مسلمانوں کے نظام حکومت اور ان کے فقہی نظام تربیت کی اصل اور روح قرار دے دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا! کیونکہ اس میں جس نظام حکومت اور نظام تربیت کی نشاندہی کی جارہی ہے اس میں ہر فرد کو آزادانہ رائے کے اظہار اور ہر بولنے والے کی بات (خواہ وہ حزب مخالف ہی سے کیوں نہ ہو) کو پوری توجہ اور غور سے سننے کی تلقین کی جارہی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ترغیب بھی دی جارہی ہے کہ جو قول سب سے زیادہ مستحسن ہو اور جو رائے سب سے زیادہ خوبصورت ہو وہ خواہ حزب مخالف ہی کیوں نہ ہو

آ گئے تھے یا رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی مسئلہ الجھ جائے اور کتاب وسنت سے اس کا حل میسر نہ آ سکے تو تیز رفتار گھوڑے پر آ جانا اور پوچھ کر واپس چلے جانا! بلکہ امت کو یہ سمجھایا کہ انصاف کا حصول فوری اور آسان ہونا چاہیے اور یہ بھی مسلمان قاضی اور حاکم کو اپنی عقل وفکر کو کام میں لاتے ہوئے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اخلاص اور نیک نیتی سے اجتہاد کرنا چاہیے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ فرمان نبوی یہ ہے کہ " من اجتهد فاصاب فله اجران' ومن اخطا فله اجر واحد" یعنی جس نے اجتہاد کیا اور اسکا اجتہاد درست نکلا تو اسے دو اجر ملیں گے (ایک اجتہاد کا دوسرا اجتہاد کے درست ہونے کا) اور اگر اجتہاد میں غلطی ہو گئی تو صرف ایک گونہ اجر ملے گا (اور وہ اجتہاد کرنے کا ہوگا)!

یوں گویا شریعت حقہ کا اصل مقصد انصاف کو فوری' آسان اور سستا بنانا ہے اور اس کے ساتھ ہی مسلمان کو انفرادی اجتہاد کے لیے آزاد چھوڑنا بھی مقصود ہے تا کہ خود اعتمادی پیدا ہو اور اسلامی تمدن کی بے پناہ قوت متحرکہ یعنی اجتہادی عمل کو فروغ ملنا چاہیے اور قوتِ فیصلہ کو آزادی کے ساتھ روبہ عمل ہونا چاہیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا فقہی مسائل کے حل کے لئے طریقہ عمل بھی یہی تھا اموی خلافت کے ظالمانہ نظام حکومت کے زوال اور خاتمہ کے بعد اور بنو ہاشم یا بنو عباس کی خلافت کے آغاز پر حضرت امام جب حجاز سے عراق واپس آ گئے اور مکہ مکرمہ کے بجائے پھر سے کوفہ کو اپنا مرکز عمل بنا لیا تو پھر وہاں انہوں نے مسلم فقہاء اور مقننین کی ایک اکیڈمی قائم کی جہاں سینکڑوں فقہاء نے تربیت پائی اور آزادانہ بحث اور تحقیق کو بنیادی اہمیت دی ہر مسئلہ پر آزادانہ بحث ہوتی تھی اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بڑے سکون اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اور خندہ پیشانی سے اپنے شاگردوں کی باتیں سنتے ہر ایک سے رائے لیتے اور جو بہترین رائے یا مسئلہ سب سے اچھا سامنے آتا اسے قبول کر لیا جاتا بتایا جاتا ہے کہ اس طرح زیر بحث آ کر حل ہونے والے فرعی مسائل کی تعداد تراسی ہزار سے بھی متجاوز تھی! بعد میں یہی فیصلے فقہ حنفی کے لیے مضبوط بنیادیں ثابت ہوئے!

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ بحث واجتہاد دراصل اسلام کے نظام شورائیت کے احیاء اور ترقی کا آئینہ دار بھی تھا قائد اعظم محمد علی جناح نے جب یہ کہا تھا کہ جمہوریت تو مسلمانوں کے رگ وپے میں شامل ہے جو مذہب کے سلسلے میں بھی جمہوری شورائی انداز اپناتے ہیں تو غالباً ان کے سامنے یا ان کے ذہن میں حضرت امام اعظم کا یہی طریقہ بحث واجتہاد بھی ہو سکتا ہے کیونکہ باہمی مشاورت تو اسلامی نظام کی روح ہے' تیرہ سالہ مکی دور اسلام میں دار ارقم مسلمانوں کا شورائی جمہوری مرکز تھا جہاں وامر هم شورى بينهم یعنی مسلمانوں کا نظام تو باہمی مشاورت سے چلتا ہے کے مطابق کام ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ بھی یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت فرماتے تھے اور تمام معاملات میں جمہوری شورائی انداز اختیار کرنے کے لیے انہیں تیار کرتے تھے اسی مکی سورت شوریٰ میں یہ آیت بھی ہے جو مسلمانوں کے شاندار جمہوری طریقہ عمل خصوصاً فقہی اجتہادی مسائل کے طریقہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے جسے حضرت امام اعظم نے اپنے کوفی مرکز تربیت کے لیے نصب العین کے طور پر اپنا لیا تھا اور وہ آیت ہے

والذين يستمعون القول فيتبعون احسنه یعنی ایمان والے اور شورائی جمہوریت والے وہ لوگ ہیں جو ہر بات کان لگا کر بڑے غور سے سنتے ہیں پھر جو بہترین قول یا رائے سامنے آتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت کو اگر مسلمانوں کے نظام حکومت اور ان کے فقہی نظام تربیت کی اصل اور روح قرار دے دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا! کیونکہ اس میں جس نظام حکومت اور نظام تربیت کی نشاندہی کی جا رہی ہے اس میں ہر فرد کو آزادانہ رائے کے اظہار اور ہر بولنے والے کی بات (خواہ وہ حزب مخالف ہی سے کیوں نہ ہو) کو پوری توجہ اور غور سے سننے کی تلقین کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ترغیب بھی دی جا رہی ہے کہ جو قول سب سے زیادہ مستحسن ہو اور جو رائے سب سے زیادہ خوبصورت ہو وہ خواہ حزب مخالف ہی کیوں نہ ہو

آ گئے تھے یا رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی مسئلہ الجھ جائے اور کتاب وسنت سے اس کا حل میسر نہ آ سکے تو تیز رفتار گھوڑے پر آ جانا اور پوچھ کر واپس چلے جانا! بلکہ امت کو یہ سمجھایا کہ انصاف کا حصول فوری اور آسان ہونا چاہیے اور یہ بھی مسلمان قاضی اور حاکم کو اپنی عقل وفکر کو کام میں لاتے ہوئے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اخلاص اور نیک نیتی سے اجتہاد کرنا چاہیے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ فرمان نبوی یہ ہے کہ " من اجتهد فاصاب فله اجران، ومن اخطا فله اجر واحد" یعنی جس نے اجتہاد کیا اور اسکا اجتہاد درست نکلا تو اسے دو اجر ملیں گے (ایک اجتہاد کا دوسرا اجتہاد کے درست ہونے کا) اور اگر اجتہاد میں غلطی ہوگئی تو صرف ایک گونہ اجر ملے گا (اور وہ اجتہاد کرنے کا ہوگا)!

یوں گویا شریعت حقہ کا اصل مقصد انصاف کو فوری، آسان اور سستا بنانا ہے اور اس کے ساتھ ہی مسلمان کو انفرادی اجتہاد کے لیے آزاد چھوڑنا بھی مقصود ہے تاکہ خود اعتمادی پیدا ہو اور اسلامی تمدن کی بے پناہ قوت متحرکہ یعنی اجتہادی عمل کو فروغ ملنا چاہیے اور قوت فیصلہ کو آزادی کے ساتھ روبہ عمل ہونا چاہیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا فقہی مسائل کے حل کے لئے طریقہ عمل بھی یہی تھا اموی خلافت کے ظالمانہ نظام حکومت کے زوال اور خاتمہ کے بعد اور بنو ہاشم یا بنو عباس کی خلافت کے آغاز پر حضرت امام جب حجاز سے عراق واپس آ گئے اور مکہ مکرمہ کے بجائے پھر سے کوفہ کو اپنا مرکز عمل بنالیا تو پھر وہاں انہوں نے مسلم فقہاء اور مقننین کی ایک اکیڈمی قائم کی جہاں سینکڑوں فقہاء نے تربیت پائی اور آزادانہ بحث اور تحقیق کو بنیادی اہمیت دی ہر مسئلہ پر آزادانہ بحث ہوتی تھی اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بڑے سکون اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اور خندہ پیشانی سے اپنے شاگردوں کی باتیں سنتے ہر ایک سے رائے لیتے اور جو بہترین رائے یا مسئلہ سب سے اچھا سامنے آتا اسے قبول کر لیا جاتا بتایا جاتا ہے کہ اس طرح زیر بحث آ کر حل ہونے والے فرعی مسائل کی تعداد تراسی ہزار سے بھی متجاوز تھی! بعد میں یہی فیصلے فقہ حنفی کے لیے مضبوط بنیادیں ثابت ہوئے!

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ بحث واجتہاد دراصل اسلام کے نظام شورائیت کے احیاء اور ترقی کا آئینہ دار بھی تھا قائداعظم محمد علی جناح نے جب یہ کہا تھا کہ جمہوریت تو مسلمانوں کے رگ وپے میں شامل ہے جو مذہب کے سلسلے میں بھی جمہوری شورائی انداز اپناتے ہیں تو غالباً ان کے سامنے یا ان کے ذہن میں حضرت امام اعظم کا یہی طریقہ بحث واجتہاد بھی ہو سکتا ہے کیونکہ باہمی مشاورت تو اسلامی نظام کی روح ہے، تیرہ سالہ مکی دور اسلام میں دار ارقم مسلمانوں کا شورائی جمہوری مرکز تھا جہاں وامرهم شورى بينهم یعنی مسلمانوں کا نظام تو باہمی مشاورت سے چلتا ہے کے مطابق کام ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ بھی یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت فرماتے تھے اور تمام معاملات میں جمہوری شورائی انداز اختیار کرنے کے لیے انہیں تیار کرتے تھے اسی مکی سورت شوریٰ میں یہ آیت بھی ہے جو مسلمانوں کے شاندار جمہوری طریقہ عمل خصوصاً فقہی اجتہادی مسائل کے طریقہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے جسے حضرت امام اعظم نے اپنے کوفی مرکز تربیت کے لیے نصب العین کے طور پر اپنا لیا تھا اور وہ آیت ہے

والذين يستمعون القول فيتبعون احسنه یعنی ایمان والے اور شورائی جمہوریت والے وہ لوگ ہیں جو ہر بات کان لگا کر بڑے غور سے سنتے ہیں پھر جو بہترین قول یا رائے سامنے آتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت کو اگر مسلمانوں کے نظام حکومت اور ان کے فقہی نظام تربیت کی اصل اور روح قرار دے دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا! کیونکہ اس میں جس نظام حکومت اور نظام تربیت کی نشاندہی کی جارہی ہے اس میں ہر فرد کو آزادانہ رائے کے اظہار اور ہر بولنے والے کی بات (خواہ وہ حزب مخالف ہی سے کیوں نہ ہو) کو پوری توجہ اور غور سے سننے کی تلقین کی جارہی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ترغیب بھی دی جارہی ہے کہ جو قول سب سے زیادہ مستحسن ہو اور جو رائے سب سے زیادہ خوبصورت ہو وہ خواہ حزب مخالف ہی کیوں نہ ہو

خواہ کہنے والا چھوٹا ہو یا بڑا ہو اسی پر عمل ہوگا!

بنو امیہ نے تو اسلامی خلافت کو ملوکیت میں بدل کر آمریت اور استبداد کی راہ اختیار کر لی تھی چنانچہ امام ابو حنیفہؒ جو فقہی مسائل میں بھی شورائیت اور جمہوری کی رائے کو برتر و افضل تصور کرتے تھے اس استبدادی اموی نظام کے خلاف تھے یہی وہ نظام استبداد تھا جسے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے مسترد کرتے ہوئے اس پر کربلا کے میدان میں اپنی شہادت عظمٰی سے ضرب کاری لگا کر اسے کھوکھلا کر دیا تھا اور پھر انہی کے پوتے حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے فیصلہ کن ضرب کاری لگا کر اسے بالکل نابود کر دیا تھا حضرت زید کی شہادت کے بعد صرف سات سال میں اموی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تھا اور ان سات سالوں میں یکے بعد دیگرے سات خلفاء برسر اقتدار آئے مگر اموی خلافت کی گرتی ہوئی دیوار کو کوئی بھی نہ سنبھال سکا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سادات بنو ہاشم کی بنی امیہ مخالف سیاسی تحریک کا دل و جان سے ساتھ دیا اور مالی اعانت بھی کی مگر بنو امیہ کی جگہ بنو عباس نے لے لی تو وہ بھی آمریت و استبداد کے علمبردار نکلے اس لیے حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عباسیوں کو بھی مسترد کر دیا اور ان سے تعاون کی بجائے قید و بند کی مجاہدانہ روش کو ترجیح دی اور انسانیت کا مقدر سنوارنے کے لیے دور رس اور انقلابی نقطہ نظر رکھنے والی تاریخ کی انوکھی اور نادر روزگار شخصیات یونہی کیا کرتی ہیں اگر وہ حالات کے جبر و قہر کے باعث اپنی زندگی میں کوئی بڑا اقدام اور محیر العقول کارنامہ انجام نہ بھی دے سکیں تو کم سے کم اپنے پیچھے خطوط و علامات چھوڑ جاتے ہیں اور پھر کوئی اللہ کا بندہ آتا ہے جو علامات و نشانات کی مدد سے ان خطوط اور دھاگوں کو شناخت کرتا ہے اور ان کی مدد سے آگے بڑھنے کا سامان کرتا ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو خطوط اور نشانات چھوڑ گئے ہیں ان میں سے یہاں صرف دو کی شناخت اور نشاندہی پر اکتفا کروں گا ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وہ امت کے لیے درندہ صفت آمریت اور مطلق العنان و مستبد بادشاہت کے قطعی خلاف تھے دوسرے وہ

اجتہاد بالرای (عقل و فکر کو تھکا دینے والی عالمانہ اور فقیہانہ کوشش) کے اسلامی طریقہ قانون سازی اور تدوین فقہ کو ان بلندیوں پر لے جانا چاہتے تھے جو شریعت مصطفوی علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کا استحقاق اور پہلا قدم ہے مگر وہ خود کو اس کام کا مرد میدان نہیں سمجھتے تھے اور ان کا یہ اندازہ بالکل درست اور برحق تھا ان کا میدان تو اجتہاد بالرای کی علمی و فکری دنیا تھی اور وہ اسی کے لیے پیدا کیے گئے تھے اسی لیے وہ نام نہاد عباسی انقلاب کی کامیابی پر خوش ہو کر اور بڑی توقعات لے کر فوری طور پر حجاز سے عراق منتقل تو ہوئے تھے اور فقہی تدوین کی ایک ایسی فقہی اکیڈمی قائم کر دی تھی جس نے قلیل سی مدت میں تراسی ہزار سے زائد فرعی مسائل پر اپنے ساتھیوں کی شورائی جمہوری بحث و تمحیص کے ساتھ اجتہادی کام مکمل کر دیا تھا مگر اس کا کیا علاج کہ اندرونی اور بیرونی عناصر کی مداخلت نے سادات بنو ہاشم کی کسی بھی جمہوری کوشش کو پروان نہ چڑھنے دیا بلکہ الٹا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جمہوری شورائی تدوین فقہ کا رستہ روکنے کے لیے ان سے تعاون مانگا بلکہ سو لالچ بھی دیئے مگر آمریت و استبداد کے ایجنٹ بری طرح ناکام ہوئے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قید و بند میں ڈال دیا گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ دنیائے انسانیت کو کیسا سیاسی نظام دینے کے لئے مبعوث ہوئے تھے؟ کیا ایک نئے شاہی خانوادہ کی بنیاد رکھنے کے لیے آئے تھے؟ ہرگز نہیں، کیا وہ پھر سے انسانیت خصوصاً جزیرہ عرب کے مسلمانوں کو خانہ بدوشی اختیار کرنے کی تلقین کرنے کے لیے تشریف لائے تھے؟ بالکل نہیں واقعات کی شہادت ان دونوں باتوں کی قطعی نفی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ رسول اولین و آخرین ﷺ دنیا کو شورائی جمہوری نظام عطا کرنے کے لیے آئے!! ایک ایسا شورائی نظام جس میں ہر شہری کو بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب و عقیدہ یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنے اپنے عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے ملک کی سیاسی و عسکری تقویت و ترقی میں آزادانہ رائے کا حقدار ہو! یہ وہ جمہوری انداز ہے کہ

انکل سام' فرانس کے سرکوزی اور برطانیہ کے بلیئر کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی! جن کا نام نہاد سیکولر جمہوری نظام مسلمان عورت کے دوپٹے اور مسلمان نوجوان کے چہرے پر داڑھی کے چند بالوں سے ہی لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور سرکاری ایوانوں میں زلزلہ آ جاتا ہے!

مکی عہد میں ہی مسلمانوں کا نظام باہمی مشاورت (امرهم شوری بینهم) کی بنیاد پر قائم ہو چکا تھا مدنی عہد میں رسول اکرم ﷺ نے ہر قسم پر اور ہر معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت فرمائی صرف غزوہ بدر کے موقع پر اپنے ساتھیوں سے کم سے کم سات بار مشورہ کیا غزوہ احد کے موقع پر اپنے خواب مبارک کی تعبیر کے برعکس اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی تجویز کو ایک طرف پھینکتے ہوئے اپنے نوجوان صحابہ کی غالب اکثریت کی رائے پر عمل کیا اور دفاعی جنگ کی بجائے میدان کارزار میں کوہ احد کے دامن میں آ گئے بعض مسلمانوں کی غلطی اور حکم رسول اللہ سے روگردانی کے باعث جیتی ہوئی جنگ کے باوجود مسلمانوں کو نقصانات سے دوچار ہونا پڑا! اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ چونکہ مشاورت کے باوجود جنگ احد میں نقصان اٹھانا پڑا اس لیے حکم آ جاتا کہ آج کے بعد آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ نہیں لینا بس ہر معاملہ میں اللہ کا حکم آ جایا کرے گا اور بجالانا سب پر لازم ہو گا مگر اسکے برعکس! سخت تاکید فرمائی گئی کہ مسلمانوں سے مشاورت کا سلسلہ ہر حال میں جاری رکھیے! دراصل اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ مسلم امہ میں خود اعتمادی پیدا ہو اور شورائی نظام ان کے رگ وپے میں اس طرح سرایت کر جائے کہ اسلامی معاشرہ کے ہر فرد کو حکومت کے معاملات میں آزادانہ حصہ لینے کا موقع ملتا رہے! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے عبقری سیاستدان اور مثالی عدل گستر حکمران کو بلال حبشی رضی اللہ عنہ' ایک بوڑھی عورت اور ایک مسلمان برسرعام روک ٹوک سکے اور اسے ان کا حق سمجھا جائے!

یہ جو ارشاد نبوی میں ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں تو اس کی صحت پر مجھے اتنا ہی یقین ہے جتنا مجھے اپنے ایک گنہگار مسلمان ہونے کا یقین ہے!!

کیونکہ واقعاتی شہادت یہ کہتی ہے کہ جس شورائی جمہوری نظام سیاست وحکومت کی تعلیم و تربیت اور تلقین وتاکید رسول اکرم ﷺ نے اپنے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمائی تھی اسے سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد خصوصاً حسن وحسین رضی اللہ عنہم اور ان کے پوتے حضرت زید بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہ جیسے سادات بنی ہاشم نے خلافت راشدہ کے نہج پر قائم رکھنے کے لیے ایک تحریک کی شکل دے دی تھی جس کی تائید اور حمایت حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی نہ صرف زبانی تائید فرمائی بلکہ مالی امداد بھی دی جس کے نتیجہ میں بنوامیہ اور بنوعباس دونوں کا حضرت امام پر عتاب نازل ہوا اور قید وبند کی سزائیں کاٹیں!

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے اتفاق نہ کیا کہ الرفیق الاعلیٰ سے وصال سے کچھ لمحے پہلے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا جائے کہ ان کے بعد خلافت اور جانشینی کس کا حق ہوگا اور اگر تو یہ بنی ہاشم کا حق ہے تو ہم درخواست کریں گے کہ اس کا اعلان فرما دیجئے اور اگر نہیں تو بھی ان سے درخواست کریں گے کہ بنی ہاشم کے حق میں وصیت کر جائیں! مگر علم کے دروازے کو صحیح صحیح علم تھا کہ علم کے شہر میں خلافت کے متعلق کیا چھپا ہوا ہے؟ وہ رسول اولین وآخرین (پیدائش کے لحاظ سے اول اور بعثت کے لحاظ سے آخری رسول ﷺ جو تیئس سال مکی مدنی عہد نبوت میں امت کو شورائیت کی تربیت دیتے اور تاکید کرتے رہے وہ تو امت مسلمہ میں قوت فیصلہ کی خود اعتمادی پیدا کر گئے تھے تاکہ وہ خود اپنی آزادانہ مرضی سے اپنے حکمران منتخب کر سکیں اب ان سے یہ سوال کرنا گویا معاذ اللہ ان کی اس تربیت وتاکید پر پانی پھیرنا ہے اس کے بجائے باب مدینۃ العلم نے ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہو سکتا ہے کہ آپ یہ فرما دیں کہ بنوہاشم تو کبھی حکمران بن ہی نہیں سکیں گے اور ہمارے راستے بند ہو جائیں گے (ولئن منعناها لن ننالها ابداً) یعنی اگر ہمیں منع کر دیا گیا تو ہم کبھی خلافت حاصل ہی

نہیں کر پائیں گے۔

یہ تو وصال نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کے وقت مدینہ منورہ کا منظر تھا' اب ذرا شہادت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وقت کوفہ کا ایک منظر بھی دیکھتے ہیں ملعون ابن ملجم کی زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے رسول اللہ ﷺ کی وہ پیشین گوئی پوری ہو چکی ہے کہ ''اے علی رضی اللہ عنہ! ایک بدترین خلق وہ تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ماردی تھی اور دوسرا بدبخت ترین (اشقی البریه) وہ ہوگا جو تیرے اس سر کے خون سے تیری اس داڑھی کو سرخ کر دے گا!!! اور طبیب یہ بتا چکے ہیں کہ اب امیر المومنین کے جاں بر ہونے کی امید نہیں ہے تب آپ کو مشورہ دیا گیا کہ اپنے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرما دیجئے مگر آپ نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنا جانشین نامزد کرتا ہوں تو ایک شخصیت ایسا کر چکی ہے جو مجھ سے افضل تھے یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ! لیکن اگر میں نامزد نہیں کرتا تو اس ہستی کی سنت پر عمل کرتا ہوں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی افضل تھے یعنی رسول اللہ ﷺ۔

یہ وہ سبق تھا جو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ دے گئے اور یہ وہ روح تھی جو وہ اپنی اولاد میں پھونک گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے شورائی نظام کو بحال کرنا ہے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرنا! چونکہ خلفائے راشدین' صدیق وفاروق وعثمان رضی اللہ عنہم حق پر تھے اس لیے سیدنا و مولانا ابوالحسن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے قاضی' مشیر اور مددگار بھی رہے مگر یزید کی حکمرانی اور بعد میں بنو امیہ اور بنو عباس سب کی حکمرانی ایک آمریت واستبداد تھا اس لیے سادات بنی ہاشم رضی اللہ عنہ نے ان سب کو ٹھکرا دیا اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سادات بنی ہاشم کی ایسی تحریک کا پورا پورا ساتھ دیا اور اس ضمن میں نہ کسی سے دبے اور نہ کسی لالچ کی پرواہ کی!

تو اس طرح شورائی جمہوریت کا نظام جو درحقیقت ''نظام مصطفوی'' ہے نہ صرف

سادات بنو ہاشم کی منزل مراد ہے بلکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مطلوب و مقصود بھی ہے! یہ شرف برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ بیسویں صدی عیسوی میں اپنے شورائی جمہوری ووٹ سے دولت خداداد پاکستان قائم کرتے ہیں اور اگر اب اس اکیسویں صدی عیسوی میں پاکستان کے مسلمان ''اسلامی جمہوری پاکستان'' کے تحفظ و دفاع میں کامیاب ہوتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہو کر رہیں گے)'' تو یہ سادات بنی ہاشم اور امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں بہت بڑا اخراج عقیدت ہوگا اور نظام مصطفیٰ قائم ہوگا جس میں میثاق مدینہ کے مطابق ہر شہری کو بلا امتیاز رنگ ونسل اور مذہب وعقیدہ حکومت میں برابر کا حق اور اختیار ہوگا! جمہوری سیکولرازم تو انکل سام' سرکوزی اور بلئیر کی فریب کاری ہے اگر حکومت کی غیر جانبداری سیکولرازم ہے تو پھر انسانی تاریخ میں غیر جانبدار حکومت تو صرف اور صرف ایک ہی ہوئی ہے اور وہ حکومت ہے جو میثاق مدینہ کی بنیاد پر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قائم فرمائی تھی!!

یہ تو تھا حضرت امام کا سیاسی موقف اور نظریہ جہاں تک قانون اور فقہ کا تعلق ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قانون کا اولین مقصد اور فائدہ فرد اور معاشرے کا تحفظ اور مشکل سے فوری نجات ہے کیونکہ اگر قانون معاشرتی تحفظ نہ دے سکے یا مشکل کا فوری حل نہ نکال سکے تو پھر لوگوں کا قانون پر اعتماد نہ ہو سکے گا اور انصاف میں تاخیر بھی دراصل انصاف کا انکار ہوگا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو تراسی ہزار سے زائد مسائل بحث وتمحیص کے بعد حل کیے تھے ان کی بعض جھلکیاں علامہ شبلی نعمانی کی کتاب ''سیرت نعمان'' مناظر حسین گیلانی کی کتاب ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی'' شاہ ابوالحسن زید فاروقی کی کتاب ''سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور شیخ ابوزہرہ کی کتاب '' ابو حنیفه حیاته و اثاره واراوءه الفقهیه'' میں بکثرت ملتی ہیں اور فقہی مسائل کے حل کے لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ان فیصلوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شہر کے تحفظ کے

ساتھ ساتھ شہری کی مشکلات کا فوری حل (Relief) مقصود ہوتا تھا مثلاً دو بھائیوں کا ایک ہی گھر کی دو بہنوں سے نکاح اور پھر گھر والوں کی غلطی سے رات کو بیویوں کا تبدیل ہو جانا ایک مشکل اور پریشان کن مسئلہ تھا جو فوری حل کا طالب تھا مگر موقع پر موجود ائمہ اور فقہا کے فیصلوں سے مسئلہ حل نہیں ہو پا رہا تھا مگر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چٹکی بھر میں ایسا فیصلہ دیا جس سے دونوں بھائی، دونوں بہنیں اور دونوں گھرانے بھی خوش ہو گئے اس موقع پر موجود لوگوں نے بھی امت کے اس مایہ ناز امام فقیہ کی تعریف و تحسین بھی کی!

آج کے الجھے ہوئے مسائل کے حل کیلئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ استنباط سے استفادہ کے ساتھ ساتھ ویسی ہی فقہی روح اور قوت فیصلہ اپنانے کی ضرورت ہے عصر حاضر میں مسلمانوں کی گوناگوں مشکلات میں سب سے خطرناک وخوفناک اقتصادی و مالیاتی مسائل ومشکلات ہیں اور ان میں بھی سود کا مسئلہ سرفہرست اور سب سے زیادہ الجھا ہوا مسئلہ ہے حرمت سود کے خداوندی اعلان بلکہ سود خوروں کے خلاف اعلان جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ تقریباً تین ماہ میں ہی دنیا سے رحلت فرما گئے اور اس جنگ کو جیتنے کے لئے مسلمان آنحضرت ﷺ کی ہدایت و رہنمائی سے محروم رہ گئے اور اس محرومی کا شکوہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے عظیم و جلیل مدبر اور دلاور بین قائد نے بھی کیا تھا! سود ایک ایسی لعنت ہے جس نے خلافت راشدہ کے فوراً بعد اموی دور میں ہی پہلے سے بھی زیادہ بری طرح امت مسلمہ کو دبوچ لیا تھا پھر عباسی دور میں اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا حتیٰ کہ خلافت عثمانیہ کے زوال کے اسباب میں تو سب سے بڑا سبب سود کی یہی لعنت ہے عصر حاضر میں تو سود لوہے کی ایک ایسی چادر بن چکا ہے جو پورے کرہ ارض کے اوپر تن گئی ہے اور کوئی فرد، کوئی قوم اور کوئی بھی ملک اس کی گرفت سے باہر منہ نکال کر سانس بھی نہیں لے سکتا مگر ہمارے فقہا اور مجتہد اس مسئلہ کے حل میں ناکام ہو چکے ہیں اور کسی کے پاس نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے!!

آج عالم اسلام کو پیش آمدہ مسائل میں ہے ''ربا'' سب سے زیادہ مشکل اور پریشان کن ہے اور ہمارے فقہا وعلما اور قانون دان اس کا تسلی بخش حل پیش نہیں کر سکے یا کم سے کم اسکے کسی مستقل یا وقتی اور عارضی حل پر متفق نہیں ہو سکے اگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے عالم اسلام کے اہل علم پر مستقل فقہی اکیڈمی قائم کی جائے اور اس مسئلے پر کھلے عام بحث کی جائے تو کم سے کم عارضی اور وقتی یا ہنگامی حل تو سامنے آ سکتا ہے اور پھر اسے اسلامی ملکوں کی قومی اسمبلیوں اور مجالس شوریٰ میں بھی زیر بحث لایا جاسکتا ہے اس طرح قرآنی روح کے مطابق سامنے آنے والے بہترین قول پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

1) سود کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لفظی موشگافیوں کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہنا تو جان چھڑانے والی بات ہے کہ بینک کے منافع پر ''ربا'' کا اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بینک دراصل چالاک سود خوروں کی ان ایجادات میں سے ہیں جو سود خوری کو تمام خطرات اور مشکلات سے پاک اور آسان سے آسان تر بنانے کے حیلے کرتے رہتے ہیں اور جن میں زیادہ تازہ حیلہ کریڈٹ کارڈ ہے

2) ربا یا سود مادہ پرست اور استحصالی ذہن کا وہ خوفناک جال ہے جس میں پوری انسانیت کو بری طرح جکڑ دیا گیا ہے مشرق ومغرب کا ہر انسان اگرچہ اس سود کے بینکاری نظام سے بظاہر سہولیات بھی حاصل کر رہا ہے مگر حقیقت میں تمام انسانیت اس سے بیزار ہے اور اس کے متبادل کی آرزومند ہے ماؤسی تنگ نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا بدترین ہتھیار سود ہے اسی لیے اسلامی شریعت نے پندرہ صدیاں قبل اسے شیطانی پاگل پن قرار دے کر قطعی حرام قرار دے دیا تھا اور رب العالمین نے اس شیطانی جادو کے خلاف جنگ کا اعلان فرما دیا تھا اس لیے اب سود کی حلت یا حرمت کی بات نہیں ہوگی بلکہ اس شیطانی جادوگری کی بیخ کنی اور نابود کر دینے

تھا اسلامی تاریخ وسیرت کے طالب علم جانتے ہیں کہ ایرانیوں پر رومیوں کے دوبارہ فتح پانے اور بدر میں اہل ایمان کی کامیابی کے متعلق سورت الروم کی ابتدائی آیات میں پیش گوئی پر ایک کافر سردار قریش نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شرط باندھی تھی کتاب اعجاز کی یہ پیشن گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہونے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ شرط جیت گئے تھے چنانچہ اسی اسوہ حسنہ کی پیروی میں آج قربانی کے جانوروں کی کھالیں اور گوشت دنیا بھر کے مستحقین تک اسلامی بینک کے توسط سے پہنچایا جارہا ہے اور اسی اصول کے مطابق آج عرب اپنے تیل پر حاصل ہونے والا سودی سرمایہ بھی یورپ اور امریکہ کے یہودی بینکاروں سے وصول کر کے فتوے کے مطابق مستحقین کی ضرورت پر خرچ کر رہے ہیں ورنہ شروع میں قربانی کے جانور ذبح کر کے بلڈوزروں کے ذریعے سالم دفن کر دیئے جاتے تھے جبکہ علماء کی رائے پر سود کی حرام رقم عرب حکمرانوں نے لینے سے انکار کر دیا تھا مگر بعد میں جب یہ پتہ چلا کہ سود کی یہی رقم یورپ اور امریکہ کے یہودی بینک اسرائیل کو دیتے رہے ہیں جس سے وہ دفاعی میدان میں عربوں پر برتری حاصل کر چکا ہے یہ خیال بہت دیر بعد آیا مگر اب پچھتائے کیا ہوت۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ چار چیزوں میں سے بھی حسب ضرورت و مجبوری وقتی اور عارضی طور پر ہی سہی کچھ نہ کچھ لینے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہے مجبوری اسی پر قیاس کرتے ہوئے اور ضرورت کے طور پر کچھ رقم استعمال کرنے اور باقی مستحقین میں تقسیم کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے مگر اسلامی ملکوں کو غیر مسلم ملکوں اور تنظیموں سے اسی طرح پورا پورا سود لینا چاہیے جس طرح وہ مسلم اقوام اور ملکوں کی کھال اتار رہے ہیں اور اس حاصل شدہ سودی سرمایہ کی حسب ضرورت تصرف میں لانا چاہیے اگر بقول ڈاکٹر حسین حامد حسان حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ پر عمل کیا جائے تو مسلمان ملکوں کو یہ سودی سرمایہ ڈھیروں کے حساب سے جمع کر کے اپنی دفاعی اور دیگر ضروریات پر خرچ کر کے خود کو

اتنا مضبوط بنالینا چاہیے تاکہ وہ دنیا سے حق اور انصاف منوا سکیں اور اس کے ساتھ ہی دنیا سے سود کو نابود کرنے کا مطالبہ بھی منوا سکیں اگر ہم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے طرز استدلال اور اجتہادی آراء سے کام لیں تو فرمان نبوی لاضرر ولاضرار (نہ نقصان پہنچانا' نہ نقصان اٹھانا ہے) اور الضرورات تبیح المحظورات (یعنی ضرورتیں ممنوع اور حرام چیزوں کو بھی مباح اور حلال بنادیتی ہیں) پر عمل کرتے ہوئے مسلم افراد اور معاشرہ کے تحفظ اور مشکلات سے فوری نجات کے لیے مندرجہ بالا اقدامات عارضی اور وقتی طور پر ہی سہی عمل میں لائے جاسکتے ہیں مگر اس کے لیے مجوزہ اور محولہ بالا طریقہ عمل اور طرز استنباط اپنانا پڑے گا۔

مگر اس کے لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ایسی فقہی اکیڈمیاں قائم کرنا پڑیں گی جو بحث و تحقیق کے بعد فقہی فروعات کے حل سامنے لائیں اور پھر ان اکیڈمیوں کے فقہا و علماء کی آراء جب عامتہ المسلمین کی تائید و قبولیت حاصل کر لیں تو انہیں مدون فقہی مجموعوں میں شامل کر لیا جائے لیکن ان میں حکومتوں کا کوئی دخل نہ ہو بلکہ علاقے کے مسلمان یہ کام مل کر کریں میں تجویز کروں گا کہ فیصل آباد میں ایسی فقہی اکیڈمی "مرکز تحقیق" کا حصہ ہونی چاہیے۔

☆☆☆

استحکام معاشرت کے ضوابط اور بین الاقوامی روابط

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کی روشنی میں

حافظ مقبول احمد

لیکچرار گورنمنٹ ملت ڈگری کالج غلام محمد آباد فیصل آباد

استحکام معاشرت کے ضوابط اور بین الاقوامی روابط

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی فکر کی روشنی میں

حافظ مقبول احمد

اسلام بنی نوع انسانیت کے لئے امن وسلامتی کا اَبدی پیغام اور دائمی منشور ہے۔ اسلامی معاشرہ کثیر العناصر معاشرہ ہوتا ہے۔ اس میں مختلف طبقات و مذاہب کے حامل افراد اپنا انفرادی تشخص برقرار رکھتے ہوئے زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس لئے اسلامی معاشرہ کسی دور میں غیر مسلموں سے خالی نہیں رہا کیونکہ اسلام میں مذہب وعقیدہ کے اختیار میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (1)

ترجمہ: دین میں جبر نہیں ہے۔

اسلام پہلا دین ہے جس نے اختلافات کی صورت میں اقوام کو کچھ اصول وضوابط کا پابند کیا ہے۔ قدیم یونانیوں اور رومیوں کے ہاں اقوام غیر کے ساتھ معاملات وتعلقات کے ضمن میں کوئی واضح قواعد وضوابط نہیں ملتے کیونکہ وہ غیر اقوام کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام نے تاریخ عالم میں متحارب وغیر متحارب اقوام کے ساتھ سلوک وتعلقات کے اعتبار سے غیر مسلم اقوام کے لئے معاہدین، مہاربین، ذمیین اور مستأمنین کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ان اصطلاحات میں بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ وسلامتی کا مفہوم پنہاں ہے۔

اسلام غیر مسلموں کے ساتھ زندگی گزارنے کے واضح، قابل عمل تصورات اور تعلقات و معاملات کی بنیاد معاہدات کو قرار دیتا ہے۔ درج ذیل قرآنی آیت غیر مسلموں سے تعلقات و معاہدات کی بنیاد ہیں۔

لَا يَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ (2)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں منع کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ (3)

ترجمہ: اور اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جایئے اس کی طرف اور بھروسہ کیجئے اللہ پر بیشک وہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ ۚ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا (4)

ترجمہ: مگر ان کو (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں اس قوم سے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہے یا آ گئے ہوں تمہارے پاس اس حال میں کہ تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مسلط کر دیتا انہیں تم پر تو وہ ضرور لڑتے تم سے پھر اگر وہ کنارہ کر لیں تم سے اور نہ جنگ کریں تمہارے ساتھ اور بھیجیں تمہاری طرف صلح کا پیغام تو نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے تمہارے

لئے ان پر زیادتی کرنے کی راہ۔

وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ (5)

ترجمہ: اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو چکا ہے۔

اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدْتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔـا وَّلَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ (6)

ترجمہ: بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے نہ کمی کی تمہارے ساتھ ذرہ بھر اور نہ انہوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی کی تو پورا کرو ان سے ان کا معاہدہ ان کی مقرر رہ مدت تک بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیز گاروں کو۔

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ م بَيۡنَنَا كُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ. فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ (7)

ترجمہ: (میرے نبی) آپ کہہ دیجئے! اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں کسی کی سوائے اللہ کے اور نہ شریک ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنالے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا پھر اگر وہ روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دینا گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں

انعقاد معاہدات کے بعد معاہدات کی پاسداری اور ایفاء کی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خاص تلقین کی ہے۔

وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا (8)

وجوازعقد المعاهدات لايقف عند حالات الحروب بل يجوزفی جمیع الاحوال ولتنظیم مختلف الامور مادام فی ذلک مصلحة للدولة الاسلامیة ولاخالف احکام الشریعة (11)

ترجمہ: معاہدات کے انعقاد کا جواز حالت جنگ پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ جملہ حالات میں اور مختلف امور کی تنظیم کیلئے جائز ہے جب تک کہ اس میں اسلامی ریاست کی مصلحت اوراحکام شرعیۃ کی مخالفت نہ ہو۔

اردو میں سیر کے لئے بین الاقوامی قانون کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جو انگریزی اصطلاح انٹرنیشنل لاء کا ترجمہ ہے۔ معروف عالمی اسلامی مفکر ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے قانون بین الممالک کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اسلام کا قانون سیر یا بین الاقوامی قانون دوریاستوں کے ساتھ تعلقات و معاملات کے ساتھ ساتھ مختلف مذہبی گروہوں اور زندگی کے مختلف معاملات سے وابستہ مختلف افراد اور تنظیموں کے حقوق و فرائض اور دیگر مراعات وواجبات کو بھی بین الاقوامی قانون میں موضوع بحث بناتا ہے۔

ابتداء میں اہل مغرب کے نزدیک قانون بین الاقوام کا تعلق دوریاستوں کے باہمی تعلقات اور اختلافات سے تھا۔ ریاستوں سے ہٹ کر ریاستی اداروں اور افراد کے معاملات وتعلقات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اہل مغرب نے بھی قانون بین الاقوام کو ریاستی اداروں اور افراد کے معاملات وروابط، لین دین میں مسائل ومشکلات کو بھی بین الاقوامی قانون کے دائرہ عمل میں شامل کرلیا اور طویل بحث ومباحثہ کے بعد بین الاقوامی قانون کے دو شعبے قرار دیئے۔ ایک شعبہ جو ریاستوں کے امور سے بحث کرے اور دوسرا شعبہ جو ریاستی اداروں، افراد اور شہریوں کے بین الاقوامی تعلقات و معاملات سے بحث کرے۔ پہلے شعبہ کو پبلک انٹرنیشنل لاء اور دوسرے کو پرائیویٹ انٹرنیشنل لاء کا نام دیا گیا۔

اہل مغرب کے برعکس فقہائے اسلام نے مغرب سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے بین الاقوامی قانون پر تحریری و دستوری مواد اور عملی امثال پیش کیں۔ فقہ اسلامی میں قانون بین الاقوام نے دوسری ہجری میں باقاعدہ ایک منفرد اور جداگانہ علم کی حیثیت اختیار کی۔ فقہائے اسلام نے قانون اور تاریخ کی دنیا میں پہلی مرتبہ بین الاقوامی قانون ایک الگ شعبہ کے طور پر متعارف کرایا۔ تاریخ فقہ اسلامی میں علم سیر یا قانون بین الاقوام میں مدون اول ہونے کا اعزاز جس شخصیت کو حاصل ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ عالم میں پہلی بار بین الاقوامی قانون کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام کتاب السیر یا کتاب سیر ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ اس لئے قانون بین الاقوام کے مؤسس وبانی اور باوا آدم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

مغربی دنیا میں جس شخص نے بین الاقوامی قانون پر سب سے پہلی کتاب لکھی جس کو وہاں **Father of International Law** یعنی بین الاقوامی قانون کا باوا آدم کہا جاتا ہے اس کا نام **HUGU-GROTIUS** تھا۔ ہیوگو گروشیس نے 1640ء یعنی گیارہویں صدی ہجری میں قانون صلح و جنگ پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام **Law fo War and Peace** ہے جو دنیا کی مختلف زبانوں میں دستیاب ہے۔ اس سے پہلے دنیائے مغرب میں اس موضوع پر مستقل بالذات کوئی کتاب نہیں تھی۔

اہل مغرب کو اس وقت علم نہیں تھا جواب ہو گیا ہے کہ ہیوگو گروشیس سے تقریباً 9 سو سال پہلے دنیا کی تاریخ میں بین الاقوامی قانون پر مستقل بالذات کتاب لکھنے والے اولین مؤلف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس لئے **Father of International Law** یعنی بین الاقوامی قانون کے باوا آدم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (12)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیر کے متعلق فقہی آراء آپ کے دو عظیم شاگردوں امام

ابو یوسف اور امام محمد کے ذریعے ہم تک پہنچیں۔ امام ابو یوسف کی مشہور کتاب ''کتاب الخراج'' اور امام محمد کی کتاب ''السیر الصغیر'' اور ''السیر الکبیر'' امام ابو حنیفہؒ کے دروس و فقہی آراء کی تلخیص ہی ہیں۔ کتاب السیر الکبیر کی تکمیل پر دنیائے اسلام میں بھرپور خوشی کا اظہار کیا گیا۔ خلیفہ ہارون الرشید کی سربراہی میں اس دن پورے بغداد میں جشن منایا گیا۔ اس موقع پر ہارون الرشید نے کہا کہ میرے دورِ حکومت کا اہم ترین کارنامہ کسی شہر یا علاقہ کو فتح کرنا نہیں بلکہ اس کتاب کی تصنیف ہے۔ کتاب السیر الکبیر کو بین الاقوامی قانون میں جامع اور اولین ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ علم سیر کے تمام مسائل و موضوعات اس کتاب میں موجود ہیں۔ فقہ حنفی کے ہر دور میں حکومتی سرپرستی کی بڑی وجہ بھی یہی کتاب ہے کیونکہ حکومتیں بین الاقوامی معاملات کے متعلق تمام مسائل و احکام کی تعبیریں اس کی روشنی میں کرتی رہیں۔

اہل مغرب نے بھی امام محمد کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا چنانچہ امام محمد کی بین الاقوامی قانون میں اہمیت کو سمجھتے ہوئے خراج تحسین کے طور پر الشیبانی سوسائٹی آف انٹرنیشنل لاء قائم کی کیونکہ سوسائٹی کی نظر میں امام محمد بین الاقوامی قانون کے مؤسس کہلانے کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ (13)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قانون بین الممالک کے سلسلہ میں فقہی آراء کا جائزہ

مسلمان فقہاء نے بین الاقوامی تعلقات و معاملات کے حوالے سے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ دارالاسلام اور دارالحرب۔ دارالاسلام سے مراد جہاں مسلمانوں کا اقتدار ہو اور احکام اسلام کا نفاذ ہو۔ دارالحرب وہ ریاست ہے جہاں مسلمان حکمران کا اقتدار نہ ہو اور نہ ہی وہاں اسلامی احکام نافذ ہوں اگر کسی علاقہ میں مسلمانوں کا اقتدار نہیں لیکن مسلمانوں سے ان کے تعلقات و معاملات پرامن ہوں اور وہاں مسلمانوں کو جان و مال اور مذہب کا تحفظ حاصل ہو۔ امام شافعی اسے دارالعہد یا دارالصلح کہتے ہیں۔ جبکہ امام

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق وہ دارالاسلام کے معنی میں ہی ہوگا کیونکہ آپ کے نزدیک دار کی طرف اسلام یا کفر کی اضافت سے مراد امن اور خوف ہے۔ امام کاشانی بدائع الصنائع میں امام صاحب کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان المقصود من الدار الی الاسلام و الکفر لیس هو عین الاسلام و الکفر وانما المقصود هو الامن والخوف'' (14)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دارالاسلام اور دارالکفر کی بنیاد امن اور خوف ہے۔

فقہائے اسلام کے نزدیک جس طرح علاقوں کی تقسیم ہے ایسے ہی اقوام و مذاہب عالم کی تقسیم بھی نظریہ و عقیدہ کی بنیاد پر ہے۔ اسلامی نظریہ سے قرب و بعد کی بنیاد پر ان سے مسلمانوں کے تعلقات و معاملات طے ہوں گے۔ اس کی بنیاد درج ذیل قرآنی آیات ہیں۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (15)

ترجمہ: جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (16)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں منع کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جزیہ کی بنیاد پر صلح ہوگی ان کے علاوہ روئے زمین کے مشرکین کے لئے قبول اسلام یا قتال کے علاوہ تیسری کوئی راہ نہیں ہے یعنی ان سے جزیہ کی بنیاد پر صلح نہیں ہو سکتی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاقتلوا المشرکین سے مراد صرف مشرکین عرب ہیں۔ باقی روئے زمین کے مشرکین سے جزیہ کی بنیاد پر صلح ہوگی، ان سے اہل کتاب جیسا معاملہ ہوگا، عرب مشرکین کے علاوہ روئے زمین کے مشرکین کو بھی اسلامی ریاست میں ذمی بن کر جان و مال اور عقیدہ کا تحفظ حاصل ہوگا۔ (17)

ان کے حقوق و فرائض کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور فقہی اصول ہے:

اهل الشرک کلهم ملة واحدة یاالکفر ملة واحدة (18)

اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے قرآن و حدیث اور عقل و فطرت کے عین مطابق ہے۔

مقاصد جہاد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کے نکتہ نظر میں فرق ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اسلام میں جنگ برائے جنگ کا کوئی تصور نہیں بلکہ اسلام جنگ برائے مقصد کا قائل ہے اور وہ مقصد تبلیغ و اشاعتِ دین ہے اس لئے مقصد جہاد کے متعلق فقہ حنفی میں یہ قول معقول و معروف اصول ہے۔

القتال مافرض لعینه بل لدعوة الی الاسلام (19)

جنگ کا جائز قرار دیا جانا خود جنگ کے لئے نہیں ہے بلکہ اسلام کی راہ میں رکاوٹوں کو دور کر کے دعوت و تبلیغ اسلام کی راہ ہموار کرنا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفار کے خلاف جہاد اس وقت تک فرض نہیں جب تک جنگ کی ابتداء خود ان کی طرف سے نہ ہو، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا استدلال ان آیات سے کرتے ہیں۔

1) **وقاتلوافی سبیل الله الذین یقاتلونکم (20)**

تم اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

2) **فان قاتلو کم فاقتلوهم (21)**

پس اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان سے لڑو۔

3) **وقاتلواالمشرکین کافة کما یقاتلو نکم کافة (22)**

اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جیسے وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں۔

جبکہ امام شافعی کے نزدیک جہاد ایک مسلسل فریضہ ہے اسے موقوف نہیں ہونا چاہئے۔ کوئی بھی سال ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ امام غیر مسلم ممالک پر فوج کشی کے لئے کوئی مہم نہ بھیجے تاکہ بغیر کسی معقول اور سنجیدہ عذر کے کسی سال جہاد موقوف نہ ہو۔ (23)

دوران جہاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نابینا، پاگل اور بوڑھے اور راہب کو قتل نہیں کرنا چاہئے، امام شافعی کے نزدیک ان کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔

اختلاف کا سبب یہ اصول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایسے دشمن کو قتل کرنا ہے جو مقابلہ میں آئے گا جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصل سبب حالت کفر ہے وہ حالت ان لوگوں میں موجود ہے۔ (24)

برسرپیکار دشمن سے معاہدہ صلح کی مدت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلح حدیبیہ کی مثل دس سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معاہدہ صلح کا تعلق مسلمانوں کے مفادات اور مصالح سے ہوگا یہ مدت طویل بھی ہو سکتی ہے (25)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حالات مسلمانوں کے مفادات میں

سازگار ہوں تو معاہدہ کے فریق ثانی کو معاہدہ توڑنے کی اطلاع دینا ضروری ہے جبکہ بعض حنفی فقہاء یکطرفہ معاہدہ توڑنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ (26)

فقہ حنفی جہاد وہی ہے جو دستوری اور آئینی طریقہ سے کیا جائے اس اصول کو امام ابویوسف نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

لَاتُسْرٰی سَرِیَّۃٌ بِغَیْرِ اِذْنِ الْاِمَامُ (27)

لہذا فقہ حنفی کے مطابق یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ سربراہ ریاست کے بغیر اگر کوئی شخص فوجی ایکشن لے گا تو اسے فتنہ قرار دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسکی وضاحت اور صراحت کردی کہ حکومت اچھی ہو یا بری حکمران عادل ہو یا ظالم حکمران خود اسلام پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، جہاد اسی کی نگرانی میں ہوگا، اس سے ہٹ کر جہاد نہ ہوگا، اس سلسلہ میں فقہ حنفی میں یہ اصول بھی ہے۔

لامنعة بدون الامام وجماعة المسلمين (28)

یعنی مسلمانوں کی سیاسی اور عسکری قوت کا بغیر کسی سربراہ جماعت مسلمین کے کوئی تصور نہیں۔

اسلام میں قومیت کی بنیاد علاقہ، زبان یا نسل نہیں ہے بلکہ عقیدہ اور نظریہ ہے۔ اسلام میں بین الاقوامی سے بین المذاہب انسانی تقسیم ہے اس اعتبار سے ہر مسلمان دارالاسلام میں شامل ہر اسلامی ملک کا شہری ہے ایک مسلمان کے لئے ہر اسلامی ملک میں حقوق و فرائض یکساں ہیں اس کے لئے فقہ حنفی کا اصول ہے۔

المسلم من اهل دار الاسلام اينما يكون (29)

یعنی مسلمان جہاں بھی ہو وہ دارالاسلام کا باشندہ ہے۔

آج ہمارے لئے یہ اصول عجیب معلوم ہوگا لیکن اسلام میں قانون شہریت کی بنیادی دفعہ یہی رہی ہے کہ ایک مسلمان جب کسی اسلامی ریاست میں داخل ہو گیا وہ وہاں کا شہری ہو گیا اس میں قیام کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے جس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ کے نزدیک مسافر مقیم ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح آج دنیا کا ہر یہودی سلطنت اسرائیل میں داخل ہوتے ہی اسرائیل کا شہری قرار پاتا ہے۔

مذہب کے اعتبار سے اسلامی ریاست کے شہریوں کی دو اقسام ہیں۔

1) مستأمن 2) ذمی

مستأمن سے مراد وہ غیر مسلم شہری ہیں جو عارضی طور پر پناہ گزین کی حیثیت سے اسلامی ریاست میں تجارت، سیاحت اور سفارت کاری کے مقاصد کے لئے آتے ہیں اس کی بنیاد یہ قرآنی آیت ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ . ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (30)

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے تو پناہ دیجئے اسے تا کہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر پہنچا دیجئے اسے اس کی امن گاہ میں یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو قرآن کو نہیں جانتے۔

قرآن وحدیث میں ان لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کی سخت تلقین آئی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شہری چار ماہ تک اسلامی ریاست میں قیام کر سکتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک سال تک وہ اسلامی ریاست میں قیام کر سکتے ہیں۔ ایک سال سے زائد اگر کوئی مستأمن قیام کرے گا تو اس پر اسلامی ریاست کے شہری قوانین لاگو ہوں گے اور وہ مستقل شہری شمار ہوگا۔ مستأمن کو اسلامی ریاست میں وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گی جو ذمی کو حاصل ہیں اس کی جان و مال اور عزت و آبرو اسلامی ریاست کے مستقل غیر مسلم شہری کی مثل محفوظ ہوں گی۔

اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مستأمن کے لئے یہ اصول بیان فرمایا:

المستأمن بمنزلة الذمی فی دارنا (31)

کسی دشمن ملک کا غیر مسلم باشندہ جو اجازت لے کر دارالاسلام میں آئے اسکی وہی حیثیت ہوگی جو ذمی کی ہوتی ہے۔ مستأمن اسلامی ریاست میں اگر ذمی عورت سے شادی کرے تو اس سے بھی اس کو شہریت کے حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ احادیث میں مستأمن کے حقوق کے بارے میں جو تاکیدیں آئی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ اس کے جان و مال کے لئے اسلامی ریاست کو اگر جنگ بھی کرنا پڑے تو کرے۔ اس کو زبردستی اس کے ملک کے سپرد نہیں کیا جا سکتا البتہ وہ اپنی مرضی سے جب چاہے جا سکتا ہے۔ مستأمن کی تحفظ جان کے سلسلہ میں فقہ حنفی کا اصول ہے۔

حرمة قتل المستأمن من حق الله (32)

مستأمن کے قتل کی حرمت حقوق اللہ میں سے ہے۔

یعنی اس کی جان کی حفاظت اللہ کا حق ہے۔ ایک اور اصول بھی ہے:

دم الکافر لایتقوم الا بالامان (33)

کافر کا خون امان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اسلامی ریاست کے شہریوں کی دوسری قسم وہ غیر مسلم باشندے ہیں جو کسی دائمی معاہدہ کے تحت اسلامی ریاست کے مستقل شہری بن گئے ہوں، جن کے مال وجان کے تحفظ کی ذمہ داری اسلامی ریاست نے لی ہو، اس کے بدلے انہوں نے اسلامی حکومت کی اطاعت اور جزیہ دینا قبول کیا ہو، ان کو معاہد یا ذمی کہا جاتا ہے۔ ذمیوں کا جان و مال، عزت و آبرو مسلمانوں کی طرح مقدس ہو جاتا ہے اس سلسلہ میں فقہ حنفی میں یہ اصول ہے:

عقد الذمة فی افادة العصمة کالخلف عن عقد السلام (34)

جان و مال کے معصوم و محترم ہونے میں عقد ذمہ کو عقد اسلام کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔

یعنی جس طرح قبول اسلام سے مسلمان کی جان و مال اور عزت محترم ہو جاتے ہیں ایسے ہی غیر مسلم کی جان و مال، عزت و آبرو عقد ذمہ سے محترم ہو جاتے ہیں۔

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری خواہ وعارضی ہوں جیسے مستأمنین یا مستقل باشندے جیسے ذمی ان کے لئے اسلامی ریاست میں درج ذیل امور کی سخت ممانعت ہوگی۔

جاسوسی، ڈاکہ زنی، قتل مسلم، اہانت مسلم، اہانت اسلام، قرآن اور پیغمبر ﷺ معاملات میں اسلامی قوانین کے اجراء سے انکار، جزیہ اور دیگر ٹیکسز سے انکار، مسلمانوں میں اپنی تبلیغ کرنا اور ان کو ارتداد کی طرف لے جانا، اسلامی ریاست کے خلاف اجتماعی صورت میں مسلح بغاوت و جنگ، دارالاسلام سے بھاگ کر دارالحرب میں شہریت اختیار کرنا۔ (35)

فقہائے اسلام میں سے جمہور کے نزدیک درج بالا امور کے ارتکاب سے سزا کے علاوہ غیر مسلم شہریوں کی اسلامی ریاست کی شہریت ختم ہو جائے گی جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان امور کے ارتکاب سے سخت سزا ہوگی شہری حقوق صرف آخری دو صورتوں میں باطل ہوں گے تقریباً یہی قانون آج بھی دنیا میں رائج ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی آراء میں ذمیوں کے حقوق و مراعات کے سلسلہ میں بڑی فیاضی اور وسعت قلبی ہے۔ یہ خصوصیت صرف فقہ حنفی میں ہے جس کی نظیر کسی بھی دوسری فقہ میں نہیں ہے۔ ہارون الرشید کے دور میں اسلامی ریاست میں کئی مذاہب و ملل کے افراد تھے جو اپنے حقوق و مراعات کے سلسلہ میں مطمئن تھے ورنہ اکثر محکوم اقوام حقوق کی عدم دستیابی پر بغاوت کر دیتی ہیں۔ فقہ حنفی میں ذمیوں کے حقوق و فرائض مسلمانوں کی مثل ہیں۔ اس کے لئے یہ اصول ہے:

ان لهم ماللمسلمین و علیهم ماعلی المسلمین (36)

ان کے لئے مراعات وہی ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں اور ان کے فرائض بھی مسلمانوں کی مثل ہیں۔

اس اصول کی بنیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور فرمان ہے:

انما قبلوا عقد الذمة لتكون اموالهم كاموالنا ودمائهم كدمائنا (37)

بے شک انہوں نے ذمی بننا اس لئے قبول کیا ہے تا کہ ان کے اموال ہمارے اموال کی مثل ہو جائیں اور ان کے خون ہمارے خون کی مثل ہو جائے۔

جمہور فقہائے اسلام کے برعکس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ذمی کو عمداً قتل کرے گا تو قصاص میں مسلمان بھی قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح قتل بالخطاء میں ذمی کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مسلمان عمداً ذمی کو قتل کر دے تو مسلمان کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ صرف دیت یا مالی معاوضہ ادا کرے گا کیونکہ مسلمان اور ذمی کا خون برابر نہیں ہے۔ ایسے ہی دیت بھی مسلمان کی دیت کا ایک تہائی ہوگی۔ (38)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذمی تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں ان سے مسلمانوں کے برابر ٹیکس لیا جائے گا۔ تجارتی معاملات میں مسلمان کی مثل ذمی اسلامی قوانین کا پابند ہوگا اس کے لئے فقہ حنفی میں اصول ہے:

واهل الذمة فى البياعات كالمسلمين (39)

ذمی کاروبار میں مسلمانوں کی طرح ہیں

الذمّى ملتزم لاحكام الاسلام فيما يرجع الى المعاملات

ذمی کے لئے ان احکام کی پابندی لازمی ہے جن کا معاملات سے تعلق ہے۔

ذمی کے لئے معاملات میں اسلامی قوانین کی پابندی لازمی ہے غیر ملکی، غیر مسلم باشندوں کیلئے کاروباری ٹیکسز اور دیگر تجارتی مراعات و واجبات کے لئے فقہ حنفی میں معاملہ بالمثل کا درج ذیل اصول ہے:

الامر بيننا وبين الكفار مبنى على المجازاة (41)

ہمارے اور کفار کے درمیان سب معاملات برابری کی بنیاد پر ہوں گے۔

یعنی اسلامی ریاست اور غیر مسلم ریاستوں کے تاجروں کے معاملات و تعلقات مجازات (برابری) کے اصول پر ہوں گے۔ جیسا معاملہ وہ ہمارے ساتھ رکھیں گے ویسا ہی معاملہ ہم ان کے ساتھ رکھیں گے۔ اس اصول کی بنیاد پر پروٹوکول، تجارت، سفارت، سفر کی سہولتوں اور دیگر مراعات کے معاملات طے کئے جائیں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مخصوص شہر چھوڑ کر جہاں ذمیوں کے لئے امن و امان کا مسئلہ بننے کا اندیشہ ہو (42) وہ اسلامی ریاست میں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں وہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں بھی ان کی اجازت سے جا سکتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذمی کی گواہی مسلمان اور نہ ہی ان کے ہم مذہب ذمی کے حق میں قبول ہوگی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذمیوں کی گواہی ان کے ہم مذہبوں کے حق میں مقبول ہوگی۔ (43)

☆☆☆

آ گئے تھے یا رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی مسئلہ الجھ جائے اور کتاب وسنت سے اس کا حل میسر نہ آ سکے تو تیز رفتار گھوڑے پر آ جانا اور پوچھ کر واپس چلے جانا! بلکہ امت کو یہ سمجھایا کہ انصاف کا حصول فوری اور آسان ہونا چاہیے اور یہ بھی مسلمان قاضی اور حاکم کو اپنی عقل وفکر کو کام میں لاتے ہوئے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اخلاص اور نیک نیتی سے اجتہاد کرنا چاہیے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ فرمان نبوی یہ ہے کہ "من اجتهد فاصاب فله اجران' ومن اخطا فله اجر واحد" یعنی جس نے اجتہاد کیا اور اسکا اجتہاد درست نکلا تو اسے دو اجر ملیں گے (ایک اجتہاد کا دوسرا اجتہاد کے درست ہونے کا) اور اگر اجتہاد میں غلطی ہو گئی تو صرف ایک گونہ اجر ملے گا (اور وہ اجتہاد کرنے کا ہوگا)!

یوں گویا شریعت حقہ کا اصل مقصد انصاف کو فوری' آسان اور سستا بنانا ہے اور اس کے ساتھ ہی مسلمان کو انفرادی اجتہاد کے لیے آزاد چھوڑنا بھی مقصود ہے تا کہ خود اعتمادی پیدا ہو اور اسلامی تمدن کی بے پناہ قوت متحرکہ یعنی اجتہادی عمل کو فروغ ملنا چاہیے اور قوتِ فیصلہ کو آزادی کے ساتھ روبہ عمل ہونا چاہیے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کا فقہی مسائل کے حل کے لئے طریقہ عمل بھی یہی تھا اموی خلافت کے ظالمانہ نظام حکومت کے زوال اور خاتمہ کے بعد اور بنو ہاشم یا بنو عباس کی خلافت کے آغاز پر حضرت امام جب حجاز سے عراق واپس آ گئے اور مکہ مکرمہ کے بجائے پھر سے کوفہ کو اپنا مرکز عمل بنا لیا تو پھر وہاں انہوں نے مسلم فقہاء اور مفتیین کی ایک اکیڈمی قائم کی جہاں سینکڑوں فقہاء نے تربیت پائی اور آزادانہ بحث اور تحقیق کو بنیادی اہمیت دی ہر مسئلہ پر آزادانہ بحث ہوتی تھی اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بڑے سکون اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اور خندہ پیشانی سے اپنے شاگردوں کی باتیں سنتے ہر ایک سے رائے لیتے اور جو بہترین رائے یا مسئلہ سب سے اچھا سامنے آتا اسے قبول کر لیا جاتا بتایا جاتا ہے کہ اس طرح زیر بحث آ کر حل ہونے والے فرعی مسائل کی تعداد تراسی ہزار سے بھی متجاوز تھی! بعد میں یہی فیصلے فقہ حنفی کے لیے مضبوط بنیادیں ثابت ہوئے!

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ بحث واجتہاد دراصل اسلام کے نظام شورائیت کے احیاء اور ترقی کا آئینہ دار بھی تھا قائد اعظم محمد علی جناح نے جب یہ کہا تھا کہ جمہوریت تو مسلمانوں کے رگ وپے میں شامل ہے جو مذہب کے سلسلے میں بھی جمہوری شورائی انداز اپناتے ہیں تو غالباً ان کے سامنے یا ان کے ذہن میں حضرت امام اعظم کا یہی طریقہ بحث واجتہاد بھی ہو سکتا ہے کیونکہ باہمی مشاورت تو اسلامی نظام کی روح ہے' تیرہ سالہ مکی دور اسلام میں دار ارقم مسلمانوں کا شورائی جمہوری مرکز تھا جہاں وامر هم شوری بینهم یعنی مسلمانوں کا نظام تو باہمی مشاورت سے چلتا ہے کے مطابق کام ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ بھی یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت فرماتے تھے اور تمام معاملات میں جمہوری شورائی انداز اختیار کرنے کے لیے انہیں تیار کرتے تھے اسی مکی سورت شوریٰ میں یہ آیت بھی ہے جو مسلمانوں کے شاندار جمہوری طریقہ عمل خصوصاً فقہی اجتہادی مسائل کے طریقہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے جسے حضرت امام اعظم نے اپنے کوفی مرکز تربیت کے لیے نصب العین کے طور پر اپنا لیا تھا اور وہ آیت ہے

والذین یستمعون القول فیتبعون احسنه یعنی ایمان والے اور شورائی جمہوریت والے وہ لوگ ہیں جو ہر بات کان لگا کر بڑے غور سے سنتے ہیں پھر جو بہترین قول یا رائے سامنے آتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت کو اگر مسلمانوں کے نظام حکومت اور ان کے فقہی نظام تربیت کی اصل اور روح قرار دے دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا! کیونکہ اس میں جس نظام حکومت اور نظام تربیت کی نشاندہی کی جا رہی ہے اس میں ہر فرد کو آزادانہ رائے کے اظہار اور ہر بولنے والے کی بات (خواہ وہ حزب مخالف ہی سے کیوں نہ ہو) کو پوری توجہ اور غور سے سننے کی تلقین کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ترغیب بھی دی جا رہی ہے کہ جو قول سب سے زیادہ مستحسن ہو اور جو رائے سب سے زیادہ خوبصورت ہو وہ خواہ حزب مخالف ہی کیوں نہ ہو

حوالہ جات وحواشی

1) البقرۃ2:256

2) الممتحنہ8:60

3) الانفال6:8

4) النساء4:90

5) الانفال72:8

6) التوبہ3:9

7) ال عمران4:3

8) بنی اسرائیل34:17

9) المائدہ1:5

10) السرخسی، شمس الدین ابوبکر محمد بن ابی سہل، کتاب المبسوط، مکتبہ الحسبیبیہ کوئٹہ، ج10ص1

11) زیدان، عبدالکریم، مجموعہ بحوث فقہیہ، مکتبۃ القدس بغداد، ص252

12) ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، ص186-187

13) ڈاکٹر محمد الدسوقی، امام محمد بن حسن شیبانی اور ان کی فقہی خدمات (اردو)، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ص213

14) الکاسانی، علاء الدین ابی بکر بن سعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، المکتبہ الرشیدیہ، کوئٹہ، ج6، ص112

15) التوبہ29:9

16) الممتحنہ8:60

17) ابن قدامہ، ابومحمد عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبہ الریاض الحدیثہ الریاض، ج8، ص501

18) الشیبانی، محمد بن الحسن، موطاامام محمد، دارالتعلیم دمشق، ج3، ص107

19) الکاسانی، بدائع الصنائع، ج7، ص100

20) البقرۃ2:190

21) البقرۃ2:191

22) التوبہ9:36

23) ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ج1، ص313

24) ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ج1، ص310-311

25) ابن قدامہ، المغنی، ج9، ص286

26) السرخسی، شرح السیر الکبیر، ج2، ص190-191

27) ابن زنجویہ، کتاب الاموال، ج2، ص489

28) ابن نجیم الحنفی، بحرالرائق شرح کنزالدقائق، ج5، ص108

29) السرخسی، شرح السیر الکبیر، ج5، ص364

30) التوبہ9:4

31) الکاسانی، بدائع الصنائع، ج6، ص81

32) السرخسی، شرح السیر الکبیر، ج2، ص479

33) الکاسانی، بدائع الصنائع، ج7، ص101

34) الکاسانی، بدائع الصنائع، ج7، ص111

35) ابن الہمام، فتح القدیر، ج4، ص181-182

36) المرغینانی، الہدایہ، ج2، ص560

37) الکاسانی، بدائع الصنائع، ج6، ص80

38) الجصاص، احکام القرآن، ج1، ص141، ابن قدامہ، المغنی، ج7، ص652

39) المرغيناني، الهدايه، ج3، ص79

40) السرخسی، المبسوط، ج10، ص145

41) السرخسی، شرح السير الكبير، ج5، ص452

42) الكاسانی، بدائع الصنائع، ج7، ص114

43) الكاسانی، بدائع الصنائع، ج6، ص280

بین الاقوامی معاشی تعلقات

نوعیت اور حدود

(فقہ حنفی کی روشنی میں)

ڈاکٹر ثناء اللہ الازہری

اسسٹنٹ پروفیسر

(فیکلٹی آف عربیک لینگوئج، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد)

بین الاقوامی معاشی تعلقات، نوعیت اور حدود

(فقہ حنفی کی روشنی میں)

ڈاکٹر ثناء اللہ الازہری

اس مقالے میں مندرجہ بالا موضوع پر جو افکار پیش کیے گئے ہیں ان میں بنیادی طور پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے معاشی پہلو اور آپ کے شاگرد رشید اور آپ کی فقہ کے نمائندے حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی کی کتاب (الاکتساب فی الرزق المستطاب) سے استفادہ کیا گیا ہے جس کی تلخیص امام محمد بن سماعہ نے کی ہے اور تعلیق علامہ الشیخ محمود عرنوس نے لکھی ہے:

اس مقالے میں تین فصول اور ایک ابتدائیہ شامل ہے:

ابتدائیہ تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

پہلا جزو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاشی پہلو کو اُجاگر کرتا ہے۔

دوسرا جزو آپ کے شاگرد رشید امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب کے تعارف پر مشتمل ہے۔

اور تیسرا جزو مقالے کے موضوع کا تعارف پیش کرتا ہے۔

جبکہ فصول میں پہلی فصل کا عنوان ہے۔ بین الاقوامی معاشی تعلقات کی بنیادیں۔
دوسری فصل کا عنوان ہے۔ مضبوط بین الاقوامی معاشی تعلقات کے عناصر۔

اور تیسری فصل کا عنوان ہے۔ پائیدار بین الاقوامی معاشی تعلقات میں مددگار معاشی سرگرمیاں۔

یہ تینوں فصول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو کہ فقہ حنیف کے سب سے بڑے نمائندے ہیں (کے افکار کی روشنی میں لکھی گئی ہیں) اس کے علاوہ جدید معاشیات پر لکھی گئی کتب سے استفادہ بھی کیا گیا ہے۔ جن میں مصر کے مایہ ناز ڈاکٹر صلاح الدین فہمی محمود کی کتاب (العلاقات الاقتصادية الدولية فی الاسلام) خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا معاشی پہلو

عصرِ جدید میں ملتِ اسلامیہ کو جس سب سے بڑے مسئلے کا سامنا ہے وہ اس کی معاشی پسماندگی ہے۔ تو اس حوالے سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے عمل کے ذریعے سے معاشرے میں ایک جاندار اور شاندار کردار ادا کیا اس کو اُجاگر کرنا میرے خیال میں وقت کی اہم ضرورت ہے۔

1) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیشہ تجارت کا تاریخی پس منظر

مصر کے جید عالم دین امام ابوزھرہ اپنی مشہور تصنیف (ابو حنیفه حیاته و عصره. آراء ه و فقهه) میں رقم طراز ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے "ہمارے خیال میں تاریخی استنباط کے اعتبار سے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والدِ گرامی اور دادا جان دونوں تاجر تھے اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی تجارت ہے جو تاجر کو بہت زیادہ نفع دیتی ہے اور ہم پر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تجارت کا پیشہ اپنے باپ دادا سے اختیار کیا ابتداء میں وہ مارکیٹ میں جانے کے عادی ہو گئے تھے اور علماء کی محافل میں نہیں بیٹھتے تھے پھر ایک دن ایک شبعی نام کے شخص نے انہیں علماء کی محافل میں جانے کی ترغیب دی تو وہ حصول علم کی طرف متوجہ

ہو گئے، لیکن کیا حصول علم کی طرف متوجہ ہونے کے بعد تجارت سے علیحدہ ہو گئے؟ تمام راوی کہتے ہیں کہ وہ تجارت سے الگ نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے یہ پیشہ تادمِ حیات جاری رکھا اور یہ بھی ذکر آتا ہے کہ تجارت میں ان کا کوئی حصہ دار بھی تھا جس نے آپ کی علم فقہ کے حصول اور اس کی خدمت اور روایتِ حدیث کی خدمت کرنے میں بیش بہا مدد فراہم کی۔ تمام راویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تاجر تھے۔(1)

2) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بہترین تاجر

امام ابوزھرہ اپنی مذکورہ بالا کتاب میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

”امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایسی چار اعلیٰ صفات کے حامل تھے جن کا تعلق تجارت کے دوران لوگوں کے ساتھ معاملات سے ہے اور جس کی وجہ سے وہ ایک نہایت جامع بااثر اور اتنے ہی بڑے تاجر بھی شمار کئے جاتے ہیں جتنے بڑے مرتبے کے عالم علمی حلقوں میں جانے جاتے ہیں۔ آپ کی پہلی صفت یہ تھی کہ آپ دل کے غنی تھے۔ کبھی بھی ان پر لالچ کا غلبہ نہیں ہوا جو کہ لوگوں کے دلوں کو مفلس بنا دیتا ہے اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے تنگ دستی کی ذلت کا ذائقہ نہیں چکھا تھا۔ آپ کی دوسری صفت یہ تھی کہ آپ بہت بڑے ایماندار تھے اور اس ایمانداری اور دیانت داری کا نفاذ اپنی ذات پر سختی سے کرتے تھے۔ ان کی تیسری صفت یہ تھی کہ وہ سخی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی شخصیت کو بخل سے محفوظ فرمایا تھا۔ آپ کی چوتھی صفت یہ تھی کہ دین اسلام پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے تھے۔ عبادت کی کثرت کرتے تھے، دن کو روزہ رکھنا اور رات کو نوافل کی ادائیگی آپ کا معمول تھا، ان چاروں

صفات کا امام ابوحنیفہ کی ذات پر بہت زیادہ اثر تھا بلکہ بعض اوقات وہ دوسرے تاجروں سے الگ ہی لگتے تھے اور بہت سے لوگوں نے ان کی تجارت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت سے تشبیہ دی ہے کہ وہ اعلیٰ تجارتی صفات میں ان کی تقلید کرتے تھے“۔(2)

یہ تھیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بحیثیت تاجر کے چند اعلیٰ صفات لیکن ان صفات کی عملی جھلک ہم کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ مندرجہ ذیل واقعات آپ کی اس شانِ رفیع جس میں دیانت داری اور ایمان داری کی عملی جھلک نظر آتی ہے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

3) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عملی اُسلوبِ تجارت

امام ابوزھرہ اپنی مذکورہ بالا کتاب میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے”ایک دن ایک بوڑھی عورت ریشم کا ایک کپڑا بیچنے کے لئے آئی آپ نے فرمایا، آپ کو اس کی کتنی قیمت چاہئے، اُس نے کہا ایک سو دینار، آپ نے فرمایا، یہ کپڑا ایک سو دینار سے زیادہ قیمت کا ہے اس نے کہا دو سو دے دو، آپ نے پھر وہی الفاظ دہرائے اس نے کہا کہ تین سو دے دیں، آپ نے پھر وہی الفاظ دہرائے، اس پر کہا چار سو دے دیں، آپ نے فرمایا کہ یہ کپڑا زیادہ قیمت کا ہے، تو اس دفعہ وہ عورت کہنے لگی کہ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا، جاؤ کسی ایسے شخص کو لے کر آؤ جسے کپڑے کی پہچان ہو وہ ایک آدمی کو لے کر آئی تو اس نے وہ کپڑا پانچ سو دینار میں خرید لیا“۔(3)

4) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ناجائز مال سے دور رہنا

امام ابوزھرہ صاحب اپنی مذکورہ بالا کتاب میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے” یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ اپنے حصہ دار حفص بن

عبدالرحمٰن کو تجارتی مال دے کر بھیجا اور اس کو بتایا کہ کچھ کپڑا ایسا بھی اس میں موجود ہے جو عیب دار ہے اور اسے تاکید کی جب وہ بیچے تو خریدنے والے پر اس عیب کو ظاہر کرے حفص نے کپڑا بیچ دیا اور عیب ظاہر کرنا بھول گئے اور یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ کپڑا کس نے خریدا ہے؟ جب امام اعظم ابوحنیفہ کو پتہ چلا تو آپ نے اس مال کو تجارت سے حاصل شدہ ساری رقم صدقہ کردی''(4)

ان دو واقعات سے اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیانتداری کے اصولوں کو اپنی زندگی کے معاشی پہلو میں سختی سے نافذ کر رکھا تھا جبکہ عموماً انسان روپے پیسے کے لالچ میں آکر دیانت داری کے اصولوں کو بھول جاتا ہے یا نظر انداز کر دیتا ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اسلامی اصولوں پر مبنی تجارت کے میدان میں ایک بہترین نمونہ ہے جسے ہم اپنے ملک میں رائج کر کے بلکہ پوری اُمت اسلامیہ اس کو اپنا کر تجارت کے میدان میں خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کر سکتی ہے اور خصوصاً بین الاقوامی تجارت میں دیانت داری کے عنصر کو پوری طرح نافذ کر کے اُمتِ اسلامیہ معاشی طور پر ایک طاقت ور، مضبوط اور بااثر قوم بن کر ابھر سکتی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاشی پہلو کا وہ حصہ جو اس پیرائے میں بیان کرنے کی جرات کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آمدن میں کیا معاشرے کا بھی کوئی حصہ تھا یا ساری آمدن آپ اپنے اوپر ہی خرچ کر دیتے تھے؟ اس سوال کا جواب درج ذیل عنوان کے تحت ذکر کرتا ہوں:

5) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آمدن میں معاشرے کا حصہ

امام ابوزھرہ کی کتاب میں اس کا ذکر آتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علماء و مشائخ اور محدثین کے کپڑوں اور ان کی ضروریاتِ زندگی پر اپنی آمدن کا اکثر حصہ خرچ کر دیتے

تھے۔ تاریخ بغداد میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ آپ ہر سال تجارت سے حاصل ہونے والے منافع کو جمع کرتے تھے پھر اس سے علماء و مشائخ کی ضروریاتِ زندگی خریدتے تھے۔ پھر جو باقی پیسے بچ جاتے تھے ان میں سے اُن کو نقد بھی دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنی ضروریات پر خرچ کرو اور اللہ کے سوا کسی کی تعریف مت کرو میں نے اپنے مال سے تمہیں کچھ نہیں دیا بلکہ آپ لوگوں کی علمی سرگرمیوں کی وجہ سے اللہ کا مجھ پر احسان ہے''۔(5)

آج اگر ہم اپنی طرف دیکھیں تو اُمت اسلامیہ میں کتنے لوگ ایسے ہوں گے جن کی آمدن معاشرے کی اصلاح کے لئے خرچ ہو رہی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امیر تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ امیر امارت کے چکر میں پھنسا ہوا ہے اور غریب مسائل کے گرداب میں سسکیاں لے رہا ہے۔ تعلیمی اداروں یا علمی شخصیات کا کوئی پرسانِ حال نہیں، تو اس حالت میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے معاشی پہلو کا یہ اُجلا اُجلا، پاکیزگی و طہارت کا مرقع اور معاشرے میں معاشی اعتدال و انصاف کا یہ عملی درس اُمت اسلامیہ کے لئے اعلیٰ بین الاقوامی معاشی مقام کے حصول میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

6) کتاب الاکتساب فی الرزق المستطاب اور اس کے مؤلف کا تعارف:

اس کتاب پر تحقیق و تعلیق لکھنے والے جید عالم دین علامہ محمود عرنوس اس کتاب پر اپنے قلم سے لکھے جانے والے مقدمے میں اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں ''اگر آپ مالی معاملات اور مال کی افزائش کے مختلف طریقوں اور رزق حلال کی طلب اور اس کے حصول کے بارے میں علماء کی رائے جاننا چاہیں تو آپ کو چاہئے کہ آپ ان کی تصانیف کی طرف رجوع کریں۔ ہمارے علم کے مطابق معاشی معاملات کے میدان میں پہلے شاہسوار

امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔ جو کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب یعنی ساتھی اور فکری رفیق کے لقب سے بھی مشہور ہیں اور یہی وہی ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مذہب کے بہت بڑے وکیل ہیں۔ انہوں نے مالی معاملات میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جس کا نام ہے "الاکتساب فی الرزق المستطاب یعنی حصول رزق حلال کی کوشش"۔(6)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت 132 ہجری ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن وفات 150 ہجری ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب دوسری صدی کے دوسرے نصف میں لکھی گئی اس لئے علامہ محمود عرنوس نے آپ کو اس میدان میں پہلا مؤلف قرار دیا ہے اور یہ بات فقہ حنفی کو دوسرے فقہی مذاہب سے ممتاز کرتی ہے کہ معاشیات پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب جو فقہی مذاہب میں سے کسی مذہب نے لکھی وہ فقہ حنفی ہی ہے۔

کتاب کے مؤلف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام:

حنفی علماء فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علم فقہ کی فصل کو بویا علقمہ نے اسے پانی سے سیراب کیا ابراہیم النخعی نے اس فصل کو کاٹا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے علم فقہ کا آٹا پیسا ابو یوسف نے آٹا گوندھا اور امام محمد نے اس کی روٹی پکائی اور اب تمام لوگ اس فقہی روٹی کو کھا رہے ہیں۔(7)

عصر حاضر میں بین الاقوامی معاشی تعلقات کی تعریف:

معاشی تعلقات کو ایک ہی ملک میں رہنے والے لوگوں کے درمیان مقصور و محدود نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ بہت سے زاویوں سے دوسرے ملکوں میں رہنے والے لوگوں سے بھی مربوط کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے بین الاقوامی معاشی تعلقات سے مراد دوسرے ملکوں سے سامان کا تبادلہ ہے جس کو بین الاقوامی تجارت کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں اُن عناصر کا تبادلہ

بھی شامل ہے جو ان مختلف قسم کی چیزوں اور سامان کو پیدا کرتے ہیں یہ تبادلہ خواہ انفرادی سطح پر دوسرے ملکوں سے ہو یا اجتماعی شکل میں اس کا اجتماعی گروپ یا بلاک ہوتا ہے۔

اہمیتِ موضوع:

ایک طرف گلوبلائزیشن کی چھتری کے نیچے عصرِ حاضر میں تیزی سے بدلتے ہوئے بین الاقوامی معاشی تعلقات کو سامنے رکھئے تو دوسری طرف اس نظریئے کا زور وشور سے پرچار (معاشیات غلبے کے لئے) کی موجودگی میں بین الاقوامی معاشی تعلقات کے گہرے مطالعے کی ضرورت ہے اور اس موضوع کی اہمیت پاکستان جیسے اسلامی اور ترقی پذیر ملک میں اور بھی بڑھ جاتی ہے جس پر معاشیات کے زور پر غلبے کے لئے بہت سے اطراف سے حملے ہو رہے ہیں۔ تو ان سنگین حالات میں کیا فقہ حنفی ہماری رہنمائی کرتی ہے اور اگر کرتی ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے اور حدود کیا ہیں؟

نوعیت:

فقہ حنفی میں موجود بین الاقوامی معاشیات سے متعلق اصولوں کی نوعیت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس موضوع کے بارے میں یہ برملا کہا جا سکتا ہے کہ اس کا تعلق معتدل، مضبوط، طاقت ور اور اعلیٰ اخلاقی اقدار پر مبنی بین الاقوامی معاشی تعلقات استوار کرنے کے ساتھ ہے جو دنیا میں مسلم اُمت کو قوت و شان و شوکت کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اس کی کامیابی کے ضامن ہوں۔

حدود:

فقہ حنفی کے جن علمی ذرائع اور وسائل سے اس بحث میں استفادہ پیش کیا گیا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں عمومی طور پر بین الاقوامی معاشی تعلقات کی تو وہی حدود ہیں جو ایک اسلامی نظام معاشیات مقرر کرتا ہے۔ لیکن تمام جزئیات پر بحث نہیں

ہے البتہ موجودہ دور میں ان ذرائع سے کافی حد تک رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اوران کی نوعیت اور حدود کی تفصیلات آنے والے صفحات میں مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔

فصل اوّل

بین الاقوامی معاشی تعلقات کی بنیادیں

بین الاقوامی معاشی تعلقات کی تعریف:

پیداواری اشیاء، ان شیاء کو پیدا کرنے والے عناصر اور رأس المال کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل کرنا جس سے دونوں ملکوں کا فائدہ ہو۔(8)

چند ایک ایسی بنیادیں موجود ہیں جن پر مختلف ممالک کے درمیان معاشی تعلقات مضبوط بنائے جاسکتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1) تخصص و تقسیم کار:

جدید تجارتی نظریات کی حمایت کرنے والے معیشت دانوں کی رائے کے مطابق تخصص یا تقسیم عمل ان عوامل میں سے ایک اہم عامل ہے جس کے ذریعے سے پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ کیا جاسکتا ہے(9) جبکہ امام غزالی شیخ عزبن عبدالسلام نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ جس طرح سے ہر فرد ہر کام خود نہیں کرسکتا اپنی ہر ضرورت خود پوری نہیں کرسکتا۔ ہر انسان کی ذہنی اور جسمانی استعداد برابر نہیں ہوتی۔ ہر انسان کے معاشرتی حالات ایک جیسے نہیں ہوتے اور وہ اپنی بہت سی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح سے موجودہ دور میں جب کہ دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کرچکی ہے۔ کوئی ملک انفرادی طور پر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتا۔ ہر ملک کے حالات مختلف ہیں، استعداد مختلف ہیں۔ تو جس طرح ایک انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو پوری توجہ کے ساتھ استعمال کرکے دوسروں کو زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دوسروں کی صلاحیتوں

سے خود فائدہ اٹھا سکتا ہے اسی طرح ہر ملک کو اللہ تعالیٰ نے جو مختلف خزانے معدنیات، افرادی قوت، زمینی زرخیزی اور صنعتی استعداد کی صورت میں عطا فرمائے ہیں ان کو بھرپور استعمال میں لاکر زیادہ سے زیادہ پیداوار بڑھا سکتا ہے اور پھر اسے دوسرے ملکوں کو بھیج کر زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ کما سکتا ہے اور اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”انسانی معیشت کو اسباب کے ساتھ منسلک کردیا گیا ہے جس میں بہت بڑی حکمت ہے۔ ہر شخص ہر علم یا ہر فن نہیں سیکھ سکتا جس کی اسے اپنی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے اور اگر ہر علم یا ہر فن کو سیکھنا اس کا حصول انسان کے لئے ناممکن ہے اور ساتھ ہی یہ ہے کہ لوگوں کی معیشت کی بہتری بھی اس سے وابستہ ہے تو اس پیچیدہ حالت میں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر کسی ایک قسم کے علم یا فن کو سیکھنا آسان بنا دیا یعنی وہ دوسرے علم سے فائدہ اٹھا کر اس چیز تک پہنچ سکتا ہے جس کی اسے زندگی میں ضرورت پڑتی ہے اور اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:(المؤمنون کالبنیان یشد بعضه بعضا)(10) اور اس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس طرح ہے(نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیاة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا) (11) یعنی غریب امیر کے مال کا محتاج ہے اور غنی غریب کے کام کا محتاج ہے۔ اسی طرح کسان کپڑا بنانے والے کا محتاج ہے تاکہ اپنے لئے لباس کا بندوبست کرسکے اور کپڑا بنانے والے کسان کا محتاج ہے تاکہ وہ اپنے کھانے کا بندوبست کرسکے اور اس تفاوت اور تقسیم کار میں جو حکمت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول ممکن ہے کیونکہ یہ اس آیت کے تحت آتا ہے۔(وتعاونوا علی البر والتقوی) (12) اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اللہ تعالیٰ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیه (13) اگر اس کی نیت وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ

دوسرے سے اچھے کام میں تعاون کرنا تو وہ اطاعت کے زمرے میں آتا ہے۔ جس کی تائید حضورِ اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے **انما الأعمال بالنیات** (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔(14)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا تفصیلی قول سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ جہاں ان کے اقوال واستدلالات سے جس طرح ایک گاؤں، ایک شہر اور ایک ملک میں رہنے والے مستفید ہو سکتے ہیں اسی طرح ایک خطے میں بسنے والے اور ایک سے زیادہ خطوں میں بسنے والے لوگ بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ آیات واحادیث میں جن لوگوں کے بارے میں ذکر ہوا ہے وہ کسی خاص جگہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا ذکر نہیں ہوا۔ بلکہ تمام مؤمن دیوار کی مانند ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے خواہ وہ کسی بھی ملک میں رہ رہے ہوں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے جو دوسری اہم بات مترشح ہوتی ہے وہ یہ کہ مختلف لوگوں کے درمیان خواہ وہ مقامی سطح کے ہوں یا بین الاقوامی سطح کے ان کے درمیان معاشی تعلقات کی نوعیت اخلاقی اور روحانی بھی ہے محض مادی نہیں ہے کہ ان سے دنیوی اور مادی فوائد کے ساتھ ساتھ اخروی اور معنوی فوائد بھی میسر آتے ہیں۔ اس طرح انسان دنیا و آخرت میں شان وشوکت اور کامیابی وکامرانی کے دونوں تاج اپنی پیشانی پر سجاتا ہے۔

4) افراد، زرمبادلہ اور تجارتی اشیاء کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی

بین الاقوامی معاشی تعلقات کی دوسری اہم بنیاد افراد، زرمبادلہ اور تجارتی اشیاء کی ایک جگہ سے دوسری جگہ آزادانہ منتقلی ہے اور یہاں اس امر کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گیٹ معاہدے کو جو معاشی جواز حاصل ہے وہ بھی اس وجہ سے ہی ہے کہ یہ معاہدہ افراد، زر مبادلہ اور تجارتی اشیاء کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی میں مدد کرتا ہے۔ آئیے! دیکھتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر اس سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''کہ ہمارے مشائخ یعنی حنفی علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ زراعت افضل ہے یا تجارت بعض تجارت کو افضل قرار دیتے ہیں اور بعض زراعت کو۔ تجارت کا ذکر کرتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ تجارت افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق **و آخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ و آخرون یقاتلون فی سبیل اللہ** (15) یہاں پر زمین پر ضربیں لگانے سے مراد تجارت ہے۔ اللہ پاک نے سے جہاد فی سبیل اللہ سے پہلے ذکر کر کے اسے جہاد پر فضیلت دی ہے۔(16)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض علماء احناف تجارت کو صرف زراعت پر ہی نہیں بلکہ اللہ کے راستے میں جہاد سے بھی زیادہ فضیلت دیتے ہیں۔ تو جب ان کے ہاں تجارت کی اتنی اہمیت ہے۔ تو افراد، زرمبادلہ اور تجارتی اشیاء کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی جو کہ تجارت کے بنیادی ارکان اور اجزاء ہیں ان کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے۔ تو اس طریقے سے عصر حاضر میں جو آزادانہ تجارت(Free Tade) کا جو نظریہ ہے علماء احناف کے مطابق صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتی ہے کیونکہ آیات میں جو زمین پر ضربیں لگانے کا ذکر ہے وہ زمین کسی خاص ملک کی نہیں بلکہ جہاں چاہیں تجارت کر سکتے ہیں لیکن یہاں اس بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ ان ارکان تجارت کی منتقلی بغیر سود کے ہونی چاہئے اور اسی طرح انویسٹمنٹ بھی شریعت اسلامیہ کے اصولوں کے مطابق صرف جائز کاموں پر ہی کرنا لازمی ہوگی خواہ وہ کہیں بھی کی جائے، کسی بھی ملک میں کی جائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال قرآنی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ کے تجارتی بیان میں صرف مادیات کا ہی خیال نہیں رکھا گیا بلکہ اس کا تعلق بڑی خوبصورتی سے معنویات سے بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ جس سے علماء احناف کے نزدیک بین الاقوامی معاشی

تعلقات کی نوعیت انتہائی پاکیزہ نظر آتی ہے۔

دوسری فصل

قومی اور مضبوط بین الاقوامی معاشی تعلقات کے عناصر

دور حاضر میں اسلامی دنیا کے اکثر ممالک جن میں پاکستان بھی شامل ہے۔ معاشی اعتبار سے شدید پسماندگی کا شکار ہیں۔ ان حالات میں اس پسماندگی اور غربت کے گرداب سے نکلنے کے لئے تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن ہونا بہت ضروری ہے۔ اور اس تعمیر وترقی، قوت ومضبوطی اور استحکام کے راستے پر چلنے کے لئے جو بنیادی چیز ضروری ہے۔ وہ پیداواری عناصر ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پیداواری عناصر کو اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پیداوار مہیا کریں۔ جس سے افراد کا معاشی معیار بلند ہو۔

پیداواری عناصر

1) عمل

1) عمل کا شرعی وجوب:

وہ عناصر جو کسی بھی فرد یا ملک کی پیداوار میں اضافہ کرتے ہیں اور اس کا معیارِ زندگی بلند کرتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم، عمل یا کوشش ہے۔ کیونکہ کسی انسان کے پاس خواہ کتنے ہی وسائل ہوں اگر وہ عمل یا کوشش کے ذریعے انہیں بروئے کار نہ لائے تو وہ کچھ بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ اس ضمن میں جب ہم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنی کتاب کا آغاز ہی اس حدیث پاک سے کیا جو کہ عمل اور کوشش پر دلالت کرتی ہے۔ اور فرمایا، رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے **طلب الحلال واجب علی کل مسلم** ترجمہ: حصول رزق حلال کی کوشش ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اور دوسری

روایت میں فرمایا **طلب الحلال فریضة بعد الفریضة** (17) حصول رزق حلال کی کوشش کرنا مقرر فریضہ نماز کے بعد دوسرا فریضہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے فریضے کی ادائیگی کے لئے بھی کھانا ضروری ہے کیونکہ نماز کی ادائیگی بھی تب ہی ہوسکتی ہے جب جسم میں قوت ہو اور جسم میں قوت کھانا کھانے سے ہی آتی ہے اور کھانا عمل اور کوشش اسے ہی ملتا ہے عمل کی بڑی اہمیت ہے۔(18)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر کئی صفحات لکھے ہیں اور پھر ان لوگوں کا رد کیا ہے اور انہیں جاہل کہا جو رزق حلال کی کوشش کو حرام اور توکل پر زور دیتے ہیں۔ اور یہ بتایا کہ اکتساب انبیاء ومرسلین کا راستہ ہے۔(19)

2) عمل کی دعوت اور بے عملی اور بے روزگاری کی مذمت:

اور اس ضمن میں انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے، جس کا تعلق اس واقعے سے ہے کہ ایک دفعہ وہ فقراء کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ سروں کو جھکائے بیٹھے ہیں آپ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو کہا گیا یہ توکل کرنے والے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، ہرگز نہیں بلکہ یہ متاکلون ہیں۔ جو لوگوں کے اموال کھاتے ہیں۔ کیا میں آپ لوگوں کو نہ بتادوں کہ حقیقی متوکل کون ہے۔ فرمایا، کہ وہ شخص ہے جو دانہ زمین میں پھینکتا ہے پھر اللہ پر توکل کرتا ہے(20) اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا **ان اطیب ما أکلتم من کسب ایدیکم**) تمہارے لئے بہترین کھانا وہ ہے جو تم اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے ہو۔(21) پھر فرمایا کہ اہل سنت کے جمہور فقہا کے نزدیک رزق حلال کے حصول کی کوشش جس کے بغیر زندگی ناممکن ہو فرض ہے۔(22)

3) عمل کی حدود اور اس کے مراتب:

پھر فرمایا کہ حصول رزق کی کوشش کے چار مراتب ہیں، جو فرض ہیں:

1) پہلا مرتبہ وہ ہے جو انسان پر اپنی ذات کی خاطر کوشش کرنا واجب ہے۔
2) اگر اس پر قرض ہے تو اس کے مطابق کوشش کرنا فرض ہے۔
3) اگر شادی شدہ ہے تو پھر اس حد تک لازمی ہے جس سے اس کے اہل عیال کی ضرورت پوری ہو سکے۔
4) اگر والدین زندہ ہیں تو اتنا کمانا ضروری ہے کہ ان کی ضرورت بھی پوری ہو سکے۔
5) اگر دوسرے رشتے دار جن کے ساتھ خونی رشتہ ہے وہ اگر غریب ہیں تو ان پر بھی خرچ کرنا مستحب ہے، ضروری ہیں۔(23)

پھر فرمایا کہ حصول رزق حلال کی کوشش اللہ کے قرب اور اس کی اطاعت کا ذریعہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے جب انہوں نے فرمایا ”دنیا کو گالی نہ دو آخرت کی طرف لے جانے والی بہترین سواری دنیا ہے“ اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ فرمایا: نماز اور روٹی کھانا تو اس شخص نے تعجب سے آپ کی طرف دیکھا، آپ نے فرمایا کہ اگر روٹی نہ ہوتی تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی(24) عمل کی فضیلت بیان کرتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا **طلب الحلال کمقارعة الابطال فی سبیل الله**(25) کہ حلال رزق کی تلاش ایسے ہے جیسے بہادر لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل عمل یہ ہے کہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لئے رزق حلال تلاش کرنا(26) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ساری گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک کسی فرد یا معاشرے کی تعمیر وترقی کے لئے سب سے زیادہ اہم عنصر عمل ہے۔ جتنی قوم عملی بنیادوں سے وابستہ ہوگی اتنی ہی مضبوط، طاقت ور اور ناقابل تسخیر ہوگی۔ تیسری دنیا کے تمام ملکوں کو عموماً اور اسلامی دنیا کو خصوصاً سخت کوشش اور عملی افراد کی اشد ضرورت ہے۔

جیسا کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

2) عامل یا منتظم:

مضبوط بین الاقوامی معاشی تعلقات کے پیداواری عناصر میں سے دوسرا عنصر ایک عامل یا منتظم ہے۔ اگر منتظم یا مینیجر دیانتدار اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوگا تو پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ معاشرے کی معاشی حالت پختہ ہوگی۔ اس مقام پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ چار صفات جو امام زہرہ نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے ان کا اعادہ کر کے اس نقطے کو بہتر طور پر واضح کیا جاسکتا ہے۔

1) آپ دل کے غنی تھے لالچ کا غلبہ دل پر کبھی نہیں ہوا۔
2) وہ بہت بڑے دیانتدار تھے دھوکہ دہی سے اجتناب کرتے تھے۔
3) سخی تھے اللہ نے انہیں بخل یعنی کنجوسی کی لعنت سے محفوظ رکھا تھا۔
4) وہ دین پر سختی سے عمل پیرا ہوتے تھے کوئی غیر شرعی تجارت نہیں کرتے تھے۔

عصرِ حاضر میں ایک تاجر عامل یا منتظم اگر اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ان چار صفات سے متصف کر لے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تجارت دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے اور پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ نہ ہو اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں ایک آیت اور ایک حدیث پاک کا ذکر کرتے ہیں(26) آیت یہ ہے **یا ایھا الذین امنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا أن تکون تجارة عن تراض منکم** (27) اے ایمان والو! آپس کی جائز تجارت سے حاصل شدہ مال کی بجائے ناجائز طریقوں سے حاصل شدہ دولت مت استعمال کرو۔ اور حدیث یہ ہے کہ **التاجر الصدوق الأمین مع الصدیقین والنبیین والشھداء یوم**

السقیامۃ(28) ایمان دار اور سچ بولنے والا تاجر قیامت کے دن سچوں، نبیوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

زرمبادلہ:

پیداواری عناصر میں سے تیسرا اہم عنصر زرمبادلہ ہے:
جس کے ضمن میں تین واجبات انتہائی ضروری ہے۔

1) افزائش زر:

اس ضمن میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''کہ پاکیزہ طریقے سے مال جمع کرنا جائز ہے اور حدیث رسول ﷺ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی دعائیں فرماتے ہیں (اللھم اجعل أوسع رزقی فی کبرسنی) اے اللہ میری زندگی کے آخری حصے میں میرے رزق میں وسعت فرما۔(29)

2) حفاظتِ زر:

حفاظتِ زر کے باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مال کو ضائع ہونے سے بچانا چاہیئے۔اس موضوع پر آپ نے یہ حدیث پاک ذکر کی ہے۔کہ آپ ﷺ نے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے۔قیل وقال یعنی بے معنی گفتگو سے، کثرتِ سوال سے اور مال کے ضیاع سے۔(30)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ مال کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ایک ہے اور وہ پانچ ہیں: دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت۔

3) مال کا بہتر استعمال:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فضول خرچی حرام ہے۔اس ضمن میں وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف سے اشارہ کرتے ہیں۔(ولاتسرفوا) (31) اور ساتھ ہی فرماتے

ہیں کہ مال کو بند کر کے رکھ دینا بھی حرام ہے۔اس سلسلے میں سورۃ فرقان کی آیت نمبر 68 کی طرف اشارہ کرتے ہیں (والذین اذاانفقوا) اور آپ نے فرمایا: مستحب وہ ہے جو ان دونوں کے درمیان میں ہے۔(32)

4) مال میں بچت کرنا:

مضبوط بین الاقوامی معاشی تعلقات میں بچتیں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں اس ضمن میں امام محمد فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک سال کے لئے اپنے اہل وعیال کے لئے بچت کی اس کے بعد جب آپ اس سے منع فرماتے تھے تو دوسرا حکم پہلے حکم کے لئے منسوخ کرنے والا ہے۔

فصل ثالث

مضبوط اور پائیدار بین الاقوامی معاشی تعلقات میں مددگار معاشی سرگرمیاں:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ملت اسلامیہ کو موجودہ دور میں جتنی زیادہ مضبوط اور پائیدار بین الاقوامی معاشی تعلقات کی ضرورت ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھی اور اس کی وجہ دنیا کے تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی اور معاشی حالات ہیں جن کا براہِ راست مسلم دنیا پر قلیل عرصے میں بہت زیادہ منفی اثر پڑا ہے۔تو ان منفی اور نقصان دہ معاشی اثرات سے بچنے کے لئے کون سی معاشی سرگرمیوں کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث پاک ذکر کرتے ہیں۔حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا **من الذنوب ذنوبالایکفرھاالصوم ولاالصلاۃ قیل فما یکفرھایارسول اللہ قال: الھموم فی طلب المعیشۃ** بے شک گناہوں میں سے ایک گناہ ایسا ہے جس کو نہ نماز مٹاسکتی ہے اور نہ روزہ مگر اس کو جو چیز مٹاسکتی ہے وہ ہے معاشی سرگرمیوں کی مصروفیت (33) تو اس حدیث کے مطابق حصول رزق حلال کی وہ تمام سرگرمیاں جائز ہیں جو اسلامی

اصولوں سے متصادم نہ ہوں جس میں صنعت حرفت بھی شامل ہے۔

تجارت اور زراعت:

تمام قسم کی حلال معاشی سرگرمیوں کی طرف جن میں صنعت وحرفت بھی شامل ہے توجہ دلانے کے بعد تجارت اور زراعت کا خاص طور پر ذکر فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں (علماء احناف کا اس میں اختلاف ہے تجارت افضل ہے یا زراعت بعض مشائخ تجارت کو افضل قرار دیتے ہیں اور وہ دوسرے دلائل کے ساتھ اس حدیث کو بھی ذکر کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ ایماندار تاجر قیامت کے دن نیک بختوں کے ساتھ ہوگا جب کہ ہمارے اکثر مشائخ زراعت کو افضل قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ زیادہ فائدہ پہنچانے والی ہے اور وہ اپنے موقف کی تائید میں یہ حدیث ذکر کرتے ہیں حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا "**ماغرس مسلم شجرة فيتناول منها انسان اودابة اوطير الاكانت له صدقة**) دوسری روایت میں ہے **مامن مسلم يغرس غرسا اويزرع زرعا فيأكل منه طير اوانسان اوبهيمة الاكانت له به صدقة** (34) کسی مسلمان نے پودا لگایا یا کھیتی باڑی کی پھر اس میں سے کسی پرندے یا انسان نے یا جانور نے کھایا تو وہ اس کی طرف سے صدقہ شمار ہوگا۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو کس طرح معاشی سرگرمیوں کی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں کبھی تجارت کی فضیلت بیان کرتے ہیں کبھی زراعت کی فضیلت بیان کرتے ہیں تا کہ جس کو زمین میسر ہے وہ کھیتی باڑی پر اپنا پورا زور خرچ کرے جس کو تجارت کے مواقع حاصل ہیں وہ تجارت میں اپنی تمام صلاحتیں صرف کرے اس طریقے سے معاشرہ اجتماعی طور پر ترقی کرے گا اور جب تجارت سے زرمبادلہ آئے گا اور زراعت سے لوگوں کی کھانے پینے کی ضروریات پوری ہوں گی۔ تو مجموعی طور پر اس ملک کے رہنے والے لوگ طاقت ور ہوں گے۔ جن کی بین الاقوامی سطح پر

ایک خاص اہمیت ہوگی۔ جس کا ہر کوئی اعتراف کرنے پر مجبور ہوگا اور جب ہماری معاشی حالت مضبوط ہوگی تو ہمارا دین بھی مضبوط ہوگا۔ جب ہم دین کی بات کریں گے تو دنیا سننے کے لئے تیار ہوگی اور دین کی نشرواشاعت بہتر طریقے سے ہوگی۔ اسلامی معاشیات کا طرۂ امتیاز ہے جس میں دین اسلام کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ جس کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد عظیم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد میں آنے والے محققین علماء و مشائخ نے پورا پورا خیال رکھا اور اس کی حفاظت اور اسلامی معاشرت کی تشکیل جدید میں نمایاں کردار ادا کیا اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)



حوالہ جات

1) ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ آراء ہ وفقہہ ،الامام محمد ابوزہرہ، دار الفکر العربی القاہرۃ 1991ء صفحہ 28۔

2) مرجع سابق 29۔

3) مرجع سابق صفحہ 29۔

4) مرجع سابق صفحہ 29۔

5) مرجع سابق صفحہ 30۔

مزید دیکھیے ''مناقب الامام ابوحنیفہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی الجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ حیدر آباد، ہند، طبع 3 صفحہ 46۔

6) الاکتساب فی الرزق المستطاب امام محمد بن الحسن الشیبانی، تحقیق محمود عرنوس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ط، اص 4۔

7) مرجع سابق، ص، 7

8) العلاقات الاقتصادیۃ الدولیۃ فی الاسلام، ڈاکٹر صلاح الدین فہمی محمود، امریکن اوپن یونیورسٹی، جامعۃ الأزہر قاہرہ، مصر، ص 11۔

9) مرجع سابق، ص 11۔

10) اخرجہ البخاری فی صحیحہ تحت باب نصر المظلوم، الجزء الثامن، ص 315، حدیث رقم 2266۔

11) الزخرف 34

12) المائدہ 2

13) اخرجہ مسلم فی صحیحہ تحت باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، الجزء 13، ص 212، حدیث رقم 6848۔

14) البخاری

15) المزمل 20

16) مرجع سابق، ص 41۔

17) المعجم الأوسط للطبرانی دار الحرمین القاہرۃ، 1995ء تحقیق، طارق بن عوض اللہ الجزء الثامن، ص 272، المعجم الکبیر للطبرانی، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل العراق، ط2، 1983ء تحقیق حمدی بن عبد المجید الجزء العاشر ص 74۔ الاختیار المختار، عبد اللہ بن محمود الموصلی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ط3، تحقیق عبد اللطیف محمد بن عبد الرحمٰن، کتاب الکراہیۃ الجزء الرابع، ص 181۔

18) الاکتساب فی الرزق المستطاب۔

19) مرجع سابق

20) مرجع سابق صفحہ 24۔

21) اخرجہ الترمذی فی صحیحہ تحت باب (ماجاء ان الوالدیأ خذ من مال ولدہ) الجزء الخامس ص، 110 حدیث رقم 1278۔

22) الاکتساب فی الرزق المستطاب

23) مرجع سابق

24) مرجع سابق صفحہ 39

25) شرح صحیح البخاری لابن بطال ،مکتبۃ الرشد، الریاض السعودیہ 2003ء، ط2، تحقیق ابوتمیم یاسر بن ابراہیم، کتاب البیوع، الجزء السادس، ص 201

26) الاکتساب فی الرزق المستطاب 38-39

27) النساء 29

28) نوادر الأصول فی أحادیث الرسول للترمذی، تحقیق عبد الرحمٰن، عمیرہ، دار الجیل بیروت

1992ء، الجزاء الأول ص 372۔

29) الاکتساب فی الرزق المستطاب، ص 38۔

30) مرجع سابق

31) الانعام 141

32) الفرقان 68

33) المعجم الأوسط للطبرانی، دارالحرمین، القاہرہ مصر، ط، 1415ھ تحقیق طارق بن عوض اللہ، الجزء الاوّل، ص 38۔

34) الاکتساب فی الرزق المستطاب ص 39۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

اور

بلاسود بینکاری

پروفیسر عطاء الحق

بھیرہ شریف، ضلع سرگودھا

مقدمہ

پروفیسر عطاء الحق

امام اعظم ابوحنیفہ (رحمتہ اللہ علیہ) یقیناً ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ارشاد ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو اگر آسمان سے علم مل جائے تو وہاں سے ہی حاصل کر لیں فقہ حنفی ایسی فقہ ہے جو مکمل قرآن وحدیث کے مطابق ہے تو دوسری طرف عقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور یہ امام اعظم کی بصیرت کا واضح ثبوت ہے اگر ہم فقہ حنفی کے دلائل کا جائزہ لیں تو اہل علم و دانش یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح یہ دلائل عقل کے تقاضوں کے مطابق ہیں وہاں ہر دور کے بنیادی اصول فراہم کرتے ہیں زیر نظر مکالمہ جدید بینکاری کے متعلق ہے اگر ہم فقہ حنفی کی کسی بھی کتاب کو اٹھالیں اور اس سے کتاب البیوع کا مطالعہ کریں تو یقیناً ہمیں ایسے اصول اور قوانین ملتے ہیں جو جدید بینکاری کے لئے راہنما اصول فراہم کرتے ہیں اور ان اصولوں میں فقہ حنفی دوسرے مذاہب سے منفرد نظر آتی ہے، ہم نے اس مکالمے میں سے کچھ کو نہایت مختصر انداز میں بیان کیا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ ثابت کریں کہ فقہ حنفی آج کل کے دور میں جدید بینکاری اور دوسرے مالیاتی اداروں کے متعلق راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

سود کے بارے میں قرآن مجید میں سب سے سخت وعید آئی ہے اور سود کی تشریح ہر مذہب فقہ نے الگ الگ کی ہے یہاں بھی فقہ حنفی دوسرے مذاہب سے منفرد نظر آتی ہے اور سود کی علت اور شرائط کے بیان میں منفرد ہے، جس کی بناء پر موجودہ دور کے بہت سے مسائل

حل کیے جاسکتے ہیں تاہم اس کے لئے بہت بڑے پیمانے پر تدبر وفکر کی ضرورت ہے۔

سود کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشادات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

1) یایھا الذین امنو اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین (البقرہ 278)

ترجمہ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو کچھ ربوا سے باقی ہے اگر تم مومن ہو)

2) وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربو عند اللہ ج وما اتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٓئک ھم المضعفون (روم 39)

ترجمہ (جو کچھ تم سود میں سے دیتے ہو تاکہ بڑھے لیکن اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا) اور جو تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی ہیں جن کے دوگنے ہوں گے۔

3) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا..............وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ (آل عمران)

ترجمہ (اے ایمان والو سود کو کئی گنا کر کے نہ کھاؤ)

4) الذین یاکلون الربا.........لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (البقرہ)

ترجمہ: (وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہونگے جس طرح وہ شخص جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو)

رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

1) عن جابر قال لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وسال ھمہ سواء (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے پر اور اس کے کاتب پر اور اس کے گواہوں پر لعنت کی اور یہ سب برابر ہیں

2) عن عبید اللہ ابن ابی یزید سمع ابن عباس یقول حدثنی اسامہ بن زید ان رسول اللہ ﷺ قال لا ربا الا فی السعتہ (نسائی)

3) عن ابی سعید الحندی ی ان رسول اللہ ﷺ قل لا تسفہ الذہب بالذہب ولا الورق بالورق الا وزنا بوزن مثلاً بمثل سواء بسواء (مسلم)

ربوا کی تعریف

ربوا کا لغوی معنی ''زیادتی'' ہے اصطلاح شریعت میں ربوا ہر اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جس کے مقابلے میں کوئی معاوضہ نہ ہو۔

عام طور پر ربوا اصل قرض پر پہلے سے طے کی گئی مقررہ اور معیاری زیادتی فقہ حنفی کے مطابق سود اس وقت پایا جائے گا جب فروخت کی جانے والی اشیاء میں اتحاد جنس اور اتحاد و قدر ہوگا یعنی:

1) ایک تو دونوں چیزوں کی جنس ایک ہو۔

2) پھر وہ دونوں چیزیں کیلی ہوں یا وزنی یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کے مطابق ایک اخروٹ کی بیع دو اخروٹ کے ساتھ جائز ہے کیونکہ ان چیزوں میں سے جو نہ تولی جاتی ہیں اور نہ ماپی جاتی ہیں یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ کیلی اور وزنی چیز ہونے کا اعتبار وہی کیا جائے گا جو شریعت نے کیا ہے یعنی جس چیز کو شریعت نے کیلی کہا ہے وہ کیلی ہی رہے گی اگرچہ لوگوں کا معاملہ برعکس رہے اور جس چیز کو شریعت نے وزنی قرار دیا ہو وہ وزنی ہی رہے گی اگرچہ لوگوں کا معاملہ برعکس ہی رہے۔

سود کی تعریف

سود کی تعریف اور وضاحت کے تعین میں کافی اختلاف چلا آرہا ہے ہر مذہب نے سود کی وجوہات کو الگ الگ قرار دیا ہے اور اس اختلاف کی وجہ شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ

فرمان بھی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اس سے پہلے کہ آپ ﷺ ربوا کے معنی کے متعلق واضح ارشاد فرماتے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کے احکام واضح ہیں اگر ہماری سمجھ میں نہیں آسکتے تو ہماری کمزوری ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یقیناً ربوا جو کہ ادھار میں سے ہے اس کی حرمت پر ذرا بھی شک نہ تھا اور ہماری اس بحث میں ربا النسیئۃ نیز زیادہ ہے۔

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ موجودہ بنکوں میں سود لیا یا دیا جاتا ہے وہ ربوا کے تحت نہیں ہے مثلاً وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جس سود کو حرام کیا یا وہ ایک خاص قسم کی تھی ضروریات زندگی اور کمرشل یعنی تجارتی مقاصد کے لئے عرب میں سود کا رواج نہیں تھا جبکہ بنک بھی کمرشل لون دیتے ہیں اس لئے بنکوں کا سود حرام نہیں لیکن ان کی یہ دلیل غلط ہے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عرب تجارتی مقاصد کے لئے لون لیتے ہیں عرب لوگوں کے شام کے ساتھ تعلقات تھے عرب کے قافلے شام سے برآمدات اور درآمدات کا کام کرتے تھے اور شام میں تمام اقسام تجارتی، صنعتی اور زرعی قرضے سود پر لئے دیئے جاتے ہیں سپریم کورٹ آف پاکستان کے تو تفصیلی فیصلے کے مطابق بھی بنکوں کا سود حرام ہے سپریم کورٹ کے مطابق سود کی تمام موجودہ شکلیں چاہے وہ بنکوں کے لین دین میں ہوں یا پرائیویٹ لین دین میں ربوا کے تحت آتی ہے اور قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

حرمت سود کی وجہ

حرمت سود کی ایک وجہ ظلم بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ قرض دینے والا قرض خواہ کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس پر ظلم کرتا ہے اور ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کیا ایک ہی وجہ ہے یا اور بھی وجوہات ہیں مثلاً اگر شخص کسی سے ایک 1000 روپے لے اور اس شرط پر کہ ایک سال بعد 1500 واپس کرے گا تو یہ سود ہوگا لیکن اگر وہی شخص بازار جاتا ہے اور اپنی ضروریات کی اشیاء خریدتا ہے دکاندار اس سے کہتا ہے کہ اگر نقد لو تو 1000 روپے اور اگر

ادھار لو تو 1500 روپے دو گے یعنی وہ دونوں سود پر متفق ہو گئے اور یہ ربوا نہیں ہے اور نہ شریعت میں ناجائز ہیں حالانکہ اس بیع سے ہوسکتا ہے مشتری مجبوراً ادھاری چیز لے رہا ہو اس کی اور بھی وجوہات ہیں شریعت نے سود کی جو حرمت بیان کی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ جو تمام نامور علماء معیشت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ سود کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں میں سکڑ جاتی ہے۔

اعلحضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **"کفل الفقیہ الفاہم"** میں یہی وجہ بیان کرتے ہیں اپنی بنیادی ضروریات کے لئے ادھار لینے والے پر سود چارج نہ کرنا ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے اور اس کی معقولیت واضح ہے لیکن کاروباری مقاصد (**Productive-Purpose**) کے لئے سود لینے والے پر چارج کرنا اس کے لئے ممنوع ہے کیونکہ کاروبار میں نفع کے ساتھ نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے اخلاقی طور پر پہلے سے منافع مقرر کر دینا صحیح نہیں ہے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ رقم مہیا کرنے والا کاروبار کرنے والے کے ساتھ اتنا ہی (**Risk**) کا سامنا کرے۔ اگر وہ منافع حاصل کرنا چاہتا ہے یہی فرق ہے اسلام اور سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دارانہ نظام رقم کو بھی ایک عامل پیدائش سمجھتا ہے اور باقی عاملین پیدائش کی طرح سمجھتا ہے جبکہ اسلام اسے (**Enter Prise**) کے طور پر لیتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے 900 سال پہلے سود کی وجہ حرمت بیان کی تھی جو آج بھی موثر ہے سود اس لئے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگوں کو حقیقی، معاشی سرگرمیوں سے روکتا ہے شریعت نے زر کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جو سودی اشیاء کے ساتھ کیا خاص طور پر دو معاملات میں ایک یہ کہ زر کے ساتھ تجارت والا معاملہ نہیں کیا جس طرح باقی اشیاء کے ساتھ کیا گیا اس کا استعمال اس کے بنیادی فرض یعنی آلہ مبادلہ تک محدود کیا گیا۔

دوسرا یہ کہ اگر زر کا زر کے ساتھ تبادلہ کیا جائے یا ادھار میں استعمال ہو اور دونوں طرف سے

ادائیگی برابر ہوتا کہ اپنی تجارت نہ ہو۔

کاغذی زر کی حیثیت

کاغذی زر سمجھنے سے پہلے ہمیں زر کی تعریف سمجھ لینی چاہئے کہ زر کی تعریف کیا ہے نامور معیشت دانوں کے مطابق زر وہ شے ہے جسے بطور آلہ قبولیت نامہ حاصل ہو اور جو قدر کو جانچنے اور ذخیرہ کرنے کی خوبی رکھتی ہو اس سے یعنی تعریف سے واضح ہوا کہ جس شے میں تین خوبیاں ہوں اسے زر کہتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1) آلہ مبادلہ کا کام سرانجام دے۔

2) دوسری اشیاء کی قدر جانچنے کا کام سرانجام دے۔

3) اسے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔

یہ تینوں خوبیاں کاغذی زر میں پائی جاتی ہیں اس لئے ہم اسے حقیقی زر کے طور پر ہی لیں گے۔

OIC کی اسلامک فقہ اکیڈمی کے تیسرے **Session**‘ **1986** میں یہ کہا گیا کہ کاغذی زر ایک حقیقی زر ہے جس میں زر کی تمام خصوصیات موجود ہیں اور شریعت کے اصولوں کے مطابق کاغذی زر کے تحت تمام سونا‘ چاندی‘ سود‘ زکوۃ اور باقی معاملات طے پائیں گے سپریم کورٹ آف پاکستان کی ایک **Judgment** میں جسٹس خلیل الرحمان نے کہا کہ موجودہ حالات کے تقاضوں کے مطابق **Fiat-Money** یعنی کاغذی زر کو سونے اور چاندی کا مبادلہ اور حقیقی اور قدرتی زر ہی سمجھا جائے گا۔

ان تمام وضاحتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کاغذی زر اس وقت تک ہی زر رہے گا جب تک حکومت اسے زر برقرار رکھے اسے حقیقی زر سمجھا جائے گا کیونکہ اس میں زر کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔

اب ہم ان تمام صورتوں کا جائزہ لیں گے جو بینکنگ سسٹم میں قابل عمل ہیں اور جن کی

وضاحت فقہ حنفی میں موجود ہے اور جب ہم ان کی وضاحت کریں گے اور بعض مقامات پر فقہ حنفی کا موازنہ دوسرے مذاہب کے ساتھ کریں گے تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ فقہ حنفی آج کل کے دور میں سب سے زیادہ قابل عمل ہے اور جدید بینکاری میں انتہائی ممد و معاون ثابت ہوسکتی ہے۔

جدید اسلامک بینکنگ Modern Islamic Banking

موجودہ صورتحال یہ ہے کہ ایک طرف وہ افراد؛ صارفین' پیدا کنندگان' ادارے کمپنیاں اور حکومتیں ہیں اور جو فنڈ کی تلاش میں ہیں اور جنہیں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے فنڈ چاہئیں اور دوسری طرف وہ افراد جن کے پاس اپنی ضروریات سے زیادہ فنڈز اور ذرائع ہیں اور وہ مناسب شرائط پر دوسروں کو اپنے فنڈز دینے کے لئے تیار ہیں جغرافیائی طور پر اور معاشی رجحانات کے لحاظ سے ان دونوں گروپوں کا آپس میں One-to-One ملنا مشکل ہے یہ صورتحال ایک تیسری پارٹی کے موثر کردار کو جنم دیتی ہے جو چھوٹی چھوٹی بچتوں کو ایک بڑی مقدار میں تبدیل کر کے فنڈز کی کمی کو پورا کرتی ہے۔

شریعت کو ایسے اداروں پر کوئی اعتراض ہیں جو دو گروپوں کے درمیان رابطے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں مسائل صرف ان طریقوں میں ہیں جو اس مقصد کے لئے اپنائے جائیں۔

موجودہ بینکاری نظام میں تمام بنک شرح سود کی بنیاد پر فنڈز اکٹھا کرتے ہیں اور شرح سود کی بنیاد پر ہی لوگوں کو سرمایہ کاری اور دوسرے مقاصد کے لئے قرض دیتے ہیں کچھ بنک خود بھی سرمایہ دیتے ہیں تاہم ان بنکوں کا بچتیں اکٹھے کرنے کا بڑا ذریعہ ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ بینکاری نظام کو کیسے اسلامی خطوط پر استوار کیا جا سکتا ہے اور شریعہ میں کون کون سے طریقے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر سود سے بچا جا سکتا ہے۔

تجارتی بنیادوں پر انتظامات Trading Base Aggrements

بیع موجل

یہ ایسی بیع ہے جس میں گاہک کو چیزوں کی ادائیگی کر دی جاتی ہے جس کی قیمت اس کی ذمہ قرض بن جاتی ہے اور مستقبل میں اس شے کی قیمت ادا کرتا ہے چاہے وہ تمام قیمت اکٹھی ادا کر دے یا اقساط میں ادا کرے جس طرح بائع اور مشتری کا معاہدہ ہو۔

شرائط

1) سودا طے کرتے وقت قیمت کا تعین ہونا چاہیئے۔
2) چیز کو مکمل طور پر مشتری کی ملکیت میں دیا جائیگا۔

بنک کا کردار

بیع موجل میں بنک کا کردار کیسا ہوگا؟ اگر ہم موجودہ بینکاری کو دیکھیں اپنے (Client) کو رقم دیتا ہے اور مقررہ معیار کے بعد گاہک بنک کو اصل رقم اور سود واپس ادا کرتا ہے جبکہ موجل کے تحت بنک کا گاھک اس کے پاس آئے گا بنک اسے رقم دینے کی بجائے شے (Commodity) دے گا جس کی ادائیگی وہ بینک کو بعد میں کرے گا اور بنک اس میں کچھ اپنا منافع رکھ لے گا اس طرح بنک دو الگ معاہدے کرے گا۔

ایک بنک اور رسد مہیا کرنے والے Supplier کے درمیان اور ایک بنک اور اس کے مشتری Buyer کے درمیان عملی طور پر پاکستان میں اس Instrument کے ان علاقوں میں بڑے موثر طریقے ہیں جن میں گنا کثرت سے ہوتا ہے اس کی وضاحت بیع سلم کے بعد آئے گی۔ مثلاً ایک شخص ٹیکسٹائل مل لگانا چاہتا ہے اور اسے اس مقصد کے لئے سرمایہ چاہیئے وہ بنک کے پاس جاتا ہے بنک اسے رقم کے بجائے بیع موجل کے تحت مشینری فراہم کرتا ہے یا بنک اسے رقم کی بجائے خام مال خرید کر دیتا ہے اور گاہک بنک کو رقم کچھ

عرصے بعد معاہدے کے مطابق دے دیتا ہے جس میں بنک کا منافع شامل ہے اس طرح بنک کو بھی منافع مل جائے گا اور سرمایہ کار بھی سود کے وبال سے بچ گیا۔

بیع سلم

بیع سلم میں گاہک بائع کو رقم Advance ادا کرتا ہے اور چیز کی ادائیگی مستقبل میں ہوتی ہے مثلاً گندم مئی میں پکتی ہے اور اس کے لئے کسان کو رقم نومبر، دسمبر میں دے دی جائے۔

شرائط

1) شے کی Quality Nature اور Quality کا واضح طور پر بتا دیا جائے۔
2) Advance میں دی جانے والی رقم بھی Fix ہونی چاہئے۔
3) مصارف نقل و حمل Margine میں نہیں ہونگے۔

بنک کا عمل

بیع سلم کے تحت بنک اپنے گاہک کو رقم کی ادائیگی کرے گا گاہک اس رقم سے اپنی ضروریات پوری کرے گا اور کوئی چیز بنک کے ہاں فروخت کرے گا اب بنک اس چیز کو بیچ کر رقم حاصل کرے گا اس میں ظاہر ہے کہ بنک اپنے گاہک کو مارکیٹ ریٹ سے کچھ کم ادا کرتا ہے اس طرح بنک کو بھی منافع حاصل ہو جائے اور اس کا گاہک بھی مطمئن ہو جائے گا۔

زراعت سیکٹر میں بیع موجل اور سلم کا استعمال

Use of Bai-muajal-salam in agri sector

زرعی سیکٹر میں خصوصاً گنے اور چینی کی خرید و فروخت ہوتی ہے یہ دو آلات Instrusments بڑے موثر انداز استعمال سے استعمال کئے جاسکتے ہیں مثلاً کسان اپنی

فصل کاشت کرتا ہے تو انہیں سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے بیج، کھاد اور زمین بہتر بنانے کے لئے کھاد کی فروخت ہوتی ہے اس لئے انہیں سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اب اگر گنے کی کاشت کرنی ہو اور بنک اس کسان سے بیع سلم کرے اور سرمایہ کسان کو دے دے اتنی مدت تک جتنی مدت میں فصل تیار ہو جائے تو شوگر ملز مالکان کے ساتھ بیع موجل کرے اور کسانوں سے گنا لیکر ملز مالکان کو دے دے اس طرح کسان بھی سود سے بچ جائے گا اور ملز مالکان گنا لیکر شوگر بنا کر مارکیٹ میں فروخت کریں گے اور بل کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور وہ بھی سود سے بچ جائیں گے کیونکہ گنے کو چینی میں تبدیل کرنے کے Process میں بھی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے تو خام مال پر نقد میں بھی سرمایہ لگانے کے بجائے وہ اس Process پر سرمایہ لگائیں گے اس طرح پاکستان جس کی معیشت کی بڑی زراعت ہے بنک زرعی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے اور خود زرعی منڈی (Money-Market) کو بھی ترقی دے سکتا ہے۔

شراکتی بنیادوں پر بینکاری

Partnership Based Arrangment

شراکتی بنیادوں پر شریعت نے ہمیں دو اہم اصول عطا فرمائے ہیں۔

(i) مضاربت (ii) مشارکت

مضاربت

مضاربت دو فریقوں کے درمیان اس معاہدے کو کہتے ہیں جس کی دو میں سے ایک فریق سرمایہ کی فراہمی اپنے ذمہ لیتا ہے اور دوسرا فریق اپنی محنت پیش کرتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں صاحب مال کو رب المال اور سرمایہ کار کہتے ہیں اور عمل کرنے والوں کو عامل یا مضارب کہتے ہیں اور جو مال لگایا جاتا ہے اسے راس مال یا سرمایہ کہتے

ہیں۔

مضاربت کی دوقسمیں ہیں۔

(i) مضاربت مطلقہ (ii) مضاربت مقیدہ

مضاربت مطلقہ

اگر معاہدے کے وقت سرمایہ کار کوئی عامل پر شرط نہ لگائے بلکہ یہ کہے کہ جس طرح چاہو تجارت کرو تو اسے مضاربت مطلقہ کہتے ہیں۔

مضاربت مقیدہ

اگر سرمایہ کار عامل پر معاہدے کے وقت کوئی شرط لگائے مثلاً یہ کہے کہ تجارت صرف لاہور تک کرنی ہے تو اسے تجارت مقیدہ کہتے ہیں۔ مضاربت شروع کرنے سے پہلے مضاربت کے تمام معاملات طے کرلینا ضروری ہے مثلاً مضاربت کا Scope اور واضح طور پر بیان کیا جائے مضاربت کا کردار واضح کردیا جائے

اگر منافع کی تقسیم کے بارے میں پہلے بیان نہ کیا تو پھر منافع نصف نصف تقسیم ہوگا ورنہ جتنی Raito پر رب المال پر مضارب متفق ہوجائیں۔ اگر رب المال نے یہ کہا کہ میں منافع میں سے اتنی رقم ہر صورت لوں گا چاہے منافع زیادہ ہو یا کم' تو یہ شرعی طور پر ناجائز ہے مثلاً صاحب المال نے کہا کہ مجھے 10 ہزار روپے چاہیے منافع زیادہ ہو یا کم۔

سرمایہ کی صورت

مضاربت میں کیا سرمایہ نقدی کی صورت میں ہونا چاہیے یا سامان بھی سرمایہ بن سکتا ہے احناف کے نزدیک سرمایہ نقدی کی شکل میں ہونا چاہئے اور غیر نقدی اشیاء مثلاً سامان کو مضاربت کا سرمایہ نہیں بنایا جاسکتا اگر رب المال مضارب کو سامان دیکر یہ کہے کہ تم یہ سامان فروخت کر کے رقم کو مضاربت میں لگادے تو جائز ہے (المرغیانی)

اسی طرح اگر رب المال مضارب سے یہ کہہ دے کہ فلاں آدمی کے ذمے میں میرا قرض ہے اسے وصول کرلو اور وصول کرنے کے بعد اسے سرمائے میں لگادو تو جائز ہے۔

احناف کے اس مسلک کے مطابق اپنے گاہکوں کو بنک مضارب بنا سکتا ہے جدید بینکاری میں بنک اپنے گاہکوں کو قرض دیتا ہے اور اس پر سود لیتا ہے لیکن اسلامی بنکاری بنک گاہک کو بطور رب المال سرمایہ فراہم کرے گا اور نفع میں اس کے ساتھ شریک ہوگا اگر مضارب میں کسی قسم کا نقصان ہوجائے مثلاً کوئی چیز تلف ہوجائے تو اس نقصان کی تلافی اس نفع سے کی جائے گی پھر اگر سارا نفع پورا ہوجائے اور نقصان باقی رہے تو پھر اس کی تلافی سرمایہ سے کی جائے مضارب کے اوپر کوئی ضمان یا تاوان نہیں آئے گا اگر مضارب کے پورے کاروبار میں خسارہ ہوگیا ہے اور نفع بالکل نہ ہوا تو وہ خسارہ رب المال سے سمجھا جائے گا اور مضارب پر کوئی تاوان نہیں ہوگا چاہے وہ دونوں یہ ابتداء میں طے کریں اگر خسارہ ہوا تو دونوں کو سمجھا جائے گا اس طے کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا خسارہ صرف رب المال کا ہوگا الا یہ کہ مضارب نے کسی غفلت لاپرواہی سے شرائط کی خلاف ورزی یا بددیانتی کا ارتکاب کیا ہو اور اس کی بنیاد پر نقصان ہوا ہو تو جتنا نقصان ان اسباب کی وجہ سے ہوا ہو اس کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی۔

مشارکہ

مضاربہ میں ہوتا ہے کہ ایک شخص پیسہ لگاتا ہے جسے رب المال کہتے ہیں اور دوسرا شخص اس کے ذریعے تجارت کرتا ہے کہ رب المال سے سرمایہ لیکر کاروبار کرتا ہے لیکن اگر مضارب بھی اپنا سرمایہ اسی کاروبار میں لگاتا ہے تو اس معاملے میں مضارب بھی پیسہ لگائے تو مضارب کی شرکت جمع ہوگئی مثلاً زید (رب المال) نے بکر (مضارب) کو ایک لاکھ روپے بطور مضاربہ دیے اس میں بکر نے اپنے پاس سے پچاس ہزار روپے شامل کرلئے تو یہ معاملہ شرکت اور مضاربت دونوں کا مجموعہ ہوگا۔

احناف کے نزدیک یہ صورت جائز ہے شمس الائمہ سرخسی تحریر فرماتے ہیں خلط الف المضاربة بالف من ماله قبل الشراء جاز یعنی اگر مضاربت کے ایک ہزار روپے کے ساتھ اپنے مال کے ہزار روپے خریداری سے پہلے ملادے جائز ہے (المبسوط)

احناف اس مسلک کے مطابق ایک بنک ایسے گاہک کے ساتھ مشارکہ پر عمل کر سکتا ہے اور خصوصاً وہ لوگ جو کم سرمایہ رکھتے ہیں اور وہ ایسے کاروبار میں لگانا چاہیں لیکن کم سرمایہ کی وجہ سے ایسا نہ کر سکیں تو بنک کے ساتھ مل کر وہ اپنا کاروبار شروع کر سکتے ہیں جس میں وہ بنک کے ساتھ شریک ہوگا اور بنک کا مضارب بھی ہوگا یہاں بھی احناف کے اس موقف کی برتری ثابت ہوتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں سرمایہ صرف نقدی کی صورت میں ہونا چاہئے کیونکہ شرکت کی وجہ سے کسی قسم کی فتح ہو جاتی ہے اور سرمائے کو واپس تقسیم کرنا پڑتا ہے اگر شرکاء نے نقد مال کی سرمایہ کاری کی تو پھر شرکت فتح کی تو کل نفع کو اسی تناسب سے تقسیم کیا جائے گا لیکن اگر دونوں نے نقد مال کے بجائے جنس کی شکل میں مال لگایا تو واپس تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ سامان اس وقت فروخت ہو چکا ہو لہذا اگر سرمایہ اس کی مالیت کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے تو یہ ممکن ہے کہ اس کی مالیت بڑھ جائے لہذا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شریک تو سارا منافع لے جائے اور دوسرے شریک کو کچھ نہ ملے۔

اسی طرح احناف کے ایک اور موقف جس میں مشارکہ میں سرمایہ کا مخلوط ہونا ضروری نہیں سمجھا جدید دور میں ایک اہم مسئلے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور احناف کی برتری ثابت کرتا ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کئی کمپنیاں یا تجارتی ادارے اس طرح شریک ہوں کہ ہم فلاں صنعت لگا کر کاروبار کرتے ہیں اور صنعت کی مشینوں کے لئے ابھی سرمایہ اکٹھا نہیں کیا اور ان میں سے کسی ایک کمپنی نے زیرو مارجن پر ایل سی اور یہ ایل سی برآمد کنندہ کے پاس بنک کے ذریعے پہنچی جس کی بنیاد پر برآمد کنندہ نے سامان جہاز میں لوڈ کروادیا اور اس سامان کی رسیدیں اور مطلقہ کاغذات اپنے بنک کی معرفت درآمد کنندہ کے لئے بنک کے پاس بھیج

دیں جب یہ رسیدیں یہاں پہنچیں تو درآمد کنندہ کمپنیوں نے سرمایہ اکٹھا کر کے اس کی قیمت کی ادائیگی اپنے بنک کو کر دی پھر درآمد کنندہ نے بنک سے وہ رسیدیں درآمد کنندہ کمپنی کے ایجنٹ کو دی جس کو دکھا کر اس نے وہ سامان بندرگاہ سے چھڑوالیا۔

شافعی مسلک کے لحاظ سے اس صورت میں درآمد کردہ سامان شرکت کی شکل نہیں بن سکتا بلکہ وہ صرف اس شخص کی کمپنی کا ہوگا جس نے ایل سی کھلوائی کیونکہ ایل سی کھلواتے وقت سرمایہ مخلوط نہیں کیا اور سرمائے کو مخلوط کئے بغیر ان میں شرکت وجود میں نہیں آتی اس کے برعکس اگر حنفیہ کا مسلک اختیار کیا جائے تو اس صورت میں ان تمام اداروں میں پہلے سے رقمیں بلاک کرنے کی ضرورت نہیں ایل سی کوئی ایک شریک کھلوادے تو وہ ایل سی شرکت کی طرف سے سمجھی جائے گی اور یہ رقموں کی ادائیگی کے بعد میں بھی کی جاسکتی ہے۔

شرکت کی میعاد

احناف کے نزدیک شرکت کو پابند کرنے کی دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ شرکت کو کسی بھی میعاد کے ساتھ مشروط اور پابند کیا جاسکتا ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ شرکت کو کسی بھی میعاد کا پابند کرنا جانتے ہیں شرکت تو کیل ہے اور وکالت میں میعاد کی پابندی صحیح نہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ شرکت کو کسی میعاد کا پابند نہیں کیا جاسکتا ہے (شامی)

بنک کے ساتھ شرکت اور منافع کی تقسیم

اگر بنک اپنے گاہک کے ساتھ مشاورت کرتا ہے تو وہ اپنے گاہک کے ساتھ نفع کی تقسیم کیسے کرے گا احناف کے مندرجہ بالا مذہب کے مطابق وہ شرکت کی میعاد مقرر کرے گا اور اس میعاد کے ختم ہونے پر نفع تقسیم کیا جائے گا اور پھر نئی شرکت کا معاہدہ ہوگا کیونکہ احناف کے نزدیک شرکت ختم ہونے سے پہلے اور صاحب المال کے اصل سرمائے پر قبضہ سے پہلے

نفع تقسیم نہیں کیا جا سکتا احناف کہتے ہیں کیونکہ نفع کی تقسیم اس وقت درست نہیں جب تک صاحب سرمایہ اپنے اصل سرمایہ پر قبضہ نہ کرے اگر نفع اس سے پہلے تقسیم کر لیا گیا تو یہ تقسیم عارضی (موقوف) ہوگی پھر اگر مالک نے اصل سرمایہ پر قبضہ کر لیا تو یہی تقسیم صحیح ہو جائے گی ورنہ کالعدم قرار پائے گی البتہ اگر نفع تقسیم کر لیا جائے اور اصل سرمایہ مضاربت پر مال لیکر کاروبار کرنے والے ہی کے پاس ہو تو پھر مضاربت کا یہ معاہدہ ختم کر کے ایک نئے معاہدے کے تحت از سر نو مضاربت شروع کی جائے تو جو نفع تقسیم کیا جا چکا اس کی تقسیم نافذ ہو جائے گی تو یہ واپس نہ لیا جا سکے گا۔

لہذا بنک اپنے گاہک جو اس کا شریک بھی ہوگا شرکت کی ایک میعاد مقرر کرے گا جو زیادہ سے زیادہ تین ماہ اور کم از کم ایک ماہ ہے تین ماہ بعد منافع کا تقسیم ہو اس کے بعد نیا معاہدہ کر لیا جائے اس میں بنک کے لئے بھی آسانی ہو اور اس کے شریک کے لئے بھی آسانی ہے۔ سالانہ بنیادوں پر منافع کی تقسیم کی بھی جا سکتی ہے لیکن اس میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر شریک ایک سے زائد ہوں اور ہر ایک کی مدت بھی مختلف ہو تو پھر ان کے درمیان منافع کی تقسیم کیسے ہوگی اس مشکل کا حل یہ ہے کہ بنک اس اصول پر عمل کرے گا کہ کتنا پیسہ روزانہ کتنی پیداوار دے رہا ہے مثلاً کم سے کم یہ مقرر کر لیا جائے ایک روپیہ روزانہ کتنی پیداوار دے رہا ہے اور اسی بنیاد پر منافع کی تقسیم کی جائے۔

بانڈز وغیرہ پر سود فقہ حنفی کی روشنی میں

بانڈز وغیرہ پر علماء مختلف رائے دیتے ہیں بعض علماء انعامی بانڈز کو جائز قرار دیتے ہیں اس بنیاد پر کہ یہ ایک طرح کی حکومت کی فلاحی کاموں پر معاونت ہے اور حکومت بدلے میں قرض دینے والے کو انعام کی رقم دیتی ہے جو جائز ہے جبکہ بعض علماء بانڈز کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور اس پر اضافی رقم سود قرار دیتے ہیں۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کی تحقیق کے مطابق بانڈز چاہے انعامی ہوں سب ناجائز ہے فقہ

اکیڈمی تحقیق کے مطابق وہ بانڈ جس کی واپسی اس کی ظاہری قیمت (Face-Value) کے ساتھ سود کے ساتھ ہوتی ہے یا پہلے طے شدہ منافع کے ساتھ ہوتی ہے شریعت میں جائز نہیں اس کو Issue کرنا، خرید و فروخت کرنا، کیونکہ یہ سود پر مبنی قرض کی رسیدیں ہیں چاہے اس کو Issue کرنے والی اتھارٹی پرائیویٹ ہو یا حکومتی اتھارٹی ہو یہی حکم زیرو کوپن بانڈز کا ہے جو ظاہری قیمت سے کم قیمت پر بیچے جاتے ہیں اس طرح انعامی بانڈز ناجائز ہیں کیونکہ ان پر دی جانے والی رقم پہلے سے طے شدہ ہے یا یہ بانڈز رکھنے والوں میں سے غیر معین لوگوں کو ملتا ہے اس طرح یہ ایک طرح قمار کے مشابہ ہیں ان تمام تفرعات سے پتہ چلتا ہے کہ بانڈز کی خرید و فروخت طریقے کے مطابق جائز ہیں ان بانڈز کو ناجائز قرار دینے کی وجہ بطور قرض اسناد کیا گیا ہے These Bons are considerd as do an certifcate اگر ان کو قرض کی ہی اسناد ہی سمجھا جائے تو پھر تو بات ایسی ہی ہے لیکن اگر ان کو بطور اسناد نہ لیا جائے اور مال کے طور پر لیا جائے یعنی If these are considerd commodities تو پھر سود کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

اعلحضرت احمد رضا خان بریلوی اپنی کتاب "کفل الفقیہ الفاھم" میں کاغذی کرنسی کو بطور مال لیتے ہیں اور اس کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیتے ہیں شامی میں ہے اگر کسی نے کاغذ کے ٹکڑے کو ہزار روپے میں خریدا تو رضامندی سے خریدا تو جائز ہے کیونکہ خرید و فروخت بائع اور مشتری کی رضامندی سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" (النساء 29

ترجمہ۔ مگر یہ تجارت تمہاری مرضی کی ہو۔

اعلحضرت فرماتے ہیں کہ ہمارے حنفی علماء نے آج سے سینکڑوں سال پہلے یہ بات کی ہے اس کا نتیجہ وہ یہ نکالتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک ہزار روپے 100 میں خریدا اور باہمی رضامندی تو یہ بیع جائز ہوگی۔

اعلحضرت کے دور میں کاغذی کرنسی کے ساتھ حقیقی کرنسی یعنی سونے اور چاندی کے سکے بھی جاری ہیں تو اس لئے شاید اعلحضرت نے اسے حقیقی کرنسی کے طور پر نہ لیا لیکن آج کے دور میں ہم اسے حقیقی کرنسی کے طور پر لیتے ہیں کیونکہ اس میں کرنسی کی وہ تمام شرائط پائی جاتی ہیں جو علماء معاشیات بیان کرتے ہیں کہ اسے آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبولیت عام حاصل ہو۔

پیمانہ قدر

ذخیرہ قدر کا فریضہ انجام دے۔

روپے کو حقیقی کرنسی کے طور پر لیا جائے تو روپے کی بیع، بیع صرف ہوگی جو دست بدست ہوتی ہے ورنہ بیع جائز نہیں ہوگی تو پھر اس بیع میں تفاضل بھی جائز نہیں لیکن اگر بانڈز کو لیا جائے کیا یہ کرنسی بن سکتا ہے یا نہیں؟ اوپر بیان کی گئی شرائط کے مطابق بانڈ کرنسی نہیں بن سکتا ہے نہ تو بانڈز آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبولیت عامہ رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی یہ پیمانہ قدر کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

اس بنیاد پر ہم بانڈز کو بطور مال یا شے (Commodity) کے طور پر لے سکتے ہیں اس طرح بانڈز کے روپے سے خرید و فروخت جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں اس کی ظاہری قیمت سے زیادہ فروخت کیا جائے یا کم قیمت پر فروخت کیا جائے اب گویا ایک کمپنی یا حکومت ڈکٹس فروخت کر رہی ہیں اور اس کی حیثیت بائع کی ہے اگر بائع اور مشتری اگر کسی قیمت کو مقرر کر لیں تو یہ ان کا حق ہے جو شریعت نے ان کو دیا ہے اور فقہ حنفی کے مطابق بائع اور مشتری بیع میں عرف کو فسخ کر سکتے ہیں۔

اعلحضرت فرماتے ہیں اگر بائع اور مشتری نے وہ کاغذ کا ٹکڑا جس کی قیمت ہزار ہو اس قیمت کو فسخ کر دیا اور پانچ سو میں بیع کو طے کیا تو جائز ہے۔

اگر مندرجہ بالا مقدمے کو صحیح مان لیا ہے تو بانڈز کی خرید و فروخت جائز ہوگی اسی طرح

گورنمنٹ سکیورٹیز اور دوسری اس کی قسم کی تمام اسناد کی خرید و فروخت جائز ہوئی اور ان پر اضافہ یا کمی سود شمار نہیں ہوگا لیکن اس بیع میں Maturty کی شرط ختم کرنا ہوگی یعنی مشتری کو مجبور نہیں کیا جا سکے گا اور ان کی Maturity Date کو بالکل ختم کرنا ہوگا ورنہ بیع فسخ قرار پائے گا اس طرح یہ خرید و فروخت اس طرح ہوگی جس طرح عام اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

اس طرح اگر ہم فقہ حنفی میں سود کی علت دیکھیں تو سود کی علت یا سود کے پائے جانے کے لئے ضروری ہے جن چیزوں کا تبادلہ کیا جا رہا ہے وہ ہم جنس ہوں تو دونوں چیزیں کیلی یا وزنی ہوں یعنی ان کی بیع یا تول کر کی جاتی ہو یا ان کی پیمائش کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کے مطابق اگر کسی نے ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے ساتھ خریدا یا فروخت کیا تو جائز ہے یا ایک انڈے کو دو انڈوں کی صورت میں بیچا۔

کیونکہ یہ چیزیں کیلی یا وزنی نہیں۔

شرکت عنان اور بنک

شرکت عنان یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ اس معاہدے کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں اور کاروبار کے نفع و نقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں۔

شرکت کی صورت میں یہ لازمی نہیں کہ شریک عملاً بھی کاروبار کرنے میں حصہ لے البتہ کسی شریک کو کاروبار میں عملی حصہ لینے سے محروم نہیں کیا جا سکتا اصولاً اسے یہ حق حاصل ہے اور رہے گا خواہ وہ عملاً حصہ لے یا نہ لے۔

بعض علماء کے نزدیک بنک کا قیام شرکت عنان کے اصول پر عمل میں آئے گا جس میں چند افراد سرمایہ فراہم کریں گے ان سرمایہ فراہم کرنے والے کو ہم حصہ دار کہتے ہیں حصہ داروں کی تعداد کم از کم دو ہے زیادہ سے زیادہ تعداد کے لئے اصولاً کوئی حد نہیں لیکن سہولت اور

دوسرے مصالح کے پیش نظر مناسب ہوگا تعداد کی کوئی آخری حد مقرر کر دی جائے اس حد کی تعین ہر ملک ہر زمانے میں مختلف ہوتی ہے۔

کاروبار بنک کاری کے سلسلے میں منافع کے سلسلے میں یہ اصول اختیار کر لینا مناسب ہو گا کہ ان کی تقسیم سرمایوں کی مقداروں کی نسبت سے ہوگی بنک کے مجموعی نفع کو اس کے مجموعی سرمائے پر تقسیم کر دیا جائیگا اور اس طرح جو نفع آئے گا اسی کے حساب سے ہر صاحب سرمایہ کا نفع متعین کر لیا جائے گا۔

اگر کسی سال کاروبار بنک کاری میں بحیثیت مجموعی نقصان ہو تو یہ نقصان لازماً شرکاء بنک کے درمیان ان کے سرمایوں کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔

بنک کے کام کے لئے شرکت کا معاہدہ اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ بنک براہ راست صنعتی زرعی یا تجارتی کاروبار نہیں کرے گا بلکہ مشترکہ سرمایہ کو شرکت یا مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لئے دینے کا طریقہ اختیار کرے گا ساتھ ہی بنک کاروباری اداروں نیز عام اداروں میں دوسرے افراد اور دوسرے اداروں اور حکومت کی ایسی خدمات انجام دیں جن کے عوض معقول اجرت مل سکتی ہو یہ اجرتیں بھی بنک کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔

کسی شریک کی موت سے اس شریک کی حد سے شرکت ختم ہو جائے گی اور اس کا سرمایہ مع نفع یا نقصان کے اس کے شرعی ورثاء یا ان افراد کو واپس کر دیا جائے جن کے حق میں وصیت کی ہو البتہ اگر کوئی وارث یا ورثاء اس کی خواہش کریں اور باقی شرکاء اس پر راضی ہوں تو مرنے والے حصہ دار کے وارث یا ورثاء کو اس کی جگہ دی جا سکتی ہے۔

یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن پر اسلامک بینکنگ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور جو فقہ حنفی کی برتری کو ثابت کرتے ہیں ہم نے ان کو نہایت مختصر انداز میں بیان کیا ہے اور اس مقالہ میں بعض چیزیں رائے کے طور پر بیان کی ہیں کوئی حتمی نہیں ہیں مثلاً بانڈ کے بارے میں بیان کیا گیا موقف میرا ذاتی ہے۔ جس میں غلطی کی گنجائش موجود ہے اگر یہ مکمل طور پر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے۔

نشست چہارم

بعُنوان

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ .... فقیہِ عصر

امام اعظم علیہ الرحمہ کی فقہی رہنمائی اور عصر حاضر کے تقاضے

امام اعظم علیہ الرحمہ کے افکار کی روشنی میں نظام عدل وانصاف

تدوینِ فقہ کے اصول .... فقہ حنفی کی روشنی میں

رفاہی ریاست کے قیام میں فقہ حنفی کا کردار

فقہ حنفی میں
عرف وعادت کا مقام

ڈاکٹر محمد طفیل

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

فقہ حنفی میں عرف وعادت کا مقام

ڈاکٹر محمد طفیل

اس کائنات میں پائے جانے والے قوانین کی بنیاد انسانی رسوم و رواج اور عرف و عادت پر قائم ہے کیونکہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اور ایک معاشرتی اکائی ہونے کے حوالے سے باہم مل کر زندگی بسر کرنا انسان کی سرشت میں شامل بھی ہے اور اس کی بنیادی ضرورت بھی کیونکہ کوئی بھی فرد تنہا اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ اپنے فوائد اپنے علوم وفنون اور اپنی صلاحیتوں کو اپنی ذات تک محدود رکھ سکتا ہے بلکہ ان تمام امور سے وہ خود بھی استفادہ کرتا ہے اور ان کے فوائد دوسروں تک پہنچانے میں یک گونہ فرحت و راحت محسوس کرتا ہے۔

اس طرح انسانی باہمی روابط کی بناء پر ایک نظام وجود میں آتا ہے اس نظام کو معاشرتی یا اجتماعی نظام کہا جاتا ہے جو ایک انسانی معاشرے میں قائم ہوتا ہے اور پروان چڑھتا ہے یہ حقیقت کسی سے بھی مخفی نہیں ہے کہ انسانوں کے ربط وضبط اور باہم مل کر زندگی بسر کرنے کا نام ''معاشرہ'' ہے اور کوئی بھی معاشرہ نہ تو ہوا میں قائم ہوتا ہے اور نہ ہی وہ فضا میں پروان چڑھتا ہے بلکہ ہر معاشرہ چند ضوابط کی بنیاد پر قائم ہوتا اور انہیں قواعد وکلیات کی عملداری سے قائم رہتا ہے ظاہر ہے کہ یہ قواعد وکلیات انسان اپنے گردوپیش سے ہی حاصل کرتا ہے یہ کلیات یا تو انسان بذات خود وضع کرتا ہے یا وہ یہ ضوابط اپنے دوسرے ہم جنسوں سے حاصل کرتا ہے اسی کا نام ''عرف وعادت'' ہے۔

اگر ہم کائنات کے قدیم ترین قواعد وضوابط اور قوانین وکلیات کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مصدر ومنبع وہ رسوم ورواج اور اعمال وافکار ہیں جو انسانی معاشروں میں مروج ہیں جو نہ صرف انسان کے لئے قابل فہم ہیں بلکہ وہ اس کے لئے قابل عمل بھی ہیں انہیں اعمال وافکار کو عرف وعادت اور روایت ورسوم کا نام دیا جاتا ہے اور یہی انسانی عملیات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پختہ اور مربوط ہو کر قانون کا درجہ پاتی رہیں اس قانون کو انسانوں کا بنایا ہوا قانون کہا جاتا ہے۔

ہم اس حقیقت سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ انسان دو مادوں کے باہمی اختلاط سے حادثاتی طور پر وجود میں نہیں آیا بلکہ خالق کائنات نے انسان کو ایک منصوبے کے تحت اور مقررہ مقاصد کی تکمیل کے لئے پیدا کیا اور ان مقاصد کے حصول کے لئے اسی خالق نے انسان کو مکمل رہنمائی فراہم کی چنانچہ "خلق الانسان و علمه البیان" اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو پیدا کیا اور اسی نے انسان کو قوت بیان عطاء کی جو قوانین کی اساس بنی کیونکہ قوانین تو وجود میں آسکتے ہیں لیکن انہیں قوت اور زندگی انسانی کلام و بیان سے ہی ملتی ہے اس طرح خالق کائنات نے نہ صرف انسان کو پیدا کیا بلکہ اسے قوانین سے بھی نوازا اور ان قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بیان وکلام کے ذریعے سے انسان کو قوت حاکمہ اور قوت نافذہ بھی عطاء کی۔

مذکورہ تصریحات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کائنات کے قوانین بنیادی طور پر یوں تقسیم ہیں الہامی قوانین اور انسانی قوانین اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ انسانی عقل و دانش فہم وادراک اور علم ومعرفت کی دولت سے مالا مال ہے غور وفکر اور تعقل وتدبر کی صلاحیت بھی انسان کو بدرجہ اتم ودیعت ہوئی ہے اس لئے وہ نہ صرف اپنے نفع ونقصان اور اپنے لئے خیر وشر کا ادراک رکھتا ہے بلکہ وہ اس ادراک کو عملی جامہ پہنانے کی استعداد سے بھی متصف ہے اس لئے وہ اپنے نفع ونقصان کے طریقے سوچنے اور انہیں عملی جامہ پہنانے

کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے چنانچہ انسانی قوانین وضع ہوتے اور انسانی معاشروں میں انسانی زندگی پر لاگو ہوتے رہتے ہیں۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ حکیم وکریم نے انسان کو اعلیٰ مقاصد کے لئے پیدا کیا اور ان مقاصد کے حصول کے لئے انسان کو مکمل رہنمائی عطاء کی اور "وعلم آدم الاسماء کلها (2) "علمک مالم تکن تعلم" (3) کے ذریعے ایزدتعالیٰ نے انسان کو جس علم سے نوازا وہ اس کائنات میں پائی جانے والی ہر چیز کا کامل علم تھا یہی وجہ ہے کہ علمائے ربانی یہ پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصل علم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھایا جبکہ انسان نے اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ علم کو اسی کی ودیعت کردہ صلاحیتوں کو قوت گویائی اور فہم وفراست کے ذریعے سے فروغ دیا اور پروان چڑھایا۔ ان نکات سے یہ عیاں ہوا کہ انسانی قوانین بھی دراصل الہامی قوانین کی ایک ظاہری اور مفصل شکل ہے یہی وجہ ہے کہ "خذ العفو و امر بالعرف واعرض عن الجاهلين" (4) کے مطابق انسان پر لازم ہے کہ وہ ان تمام عمدہ امور کو اپنائے جو اسے اپنے خالق سے قریب تر کرتے ہیں۔

اس کائنات میں الہامی اور انسانی قوانین کا وجود مسلم ہے تاہم اگر بغور دیکھا جائے تو یہی حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اصل قوانین تو صرف الہامی قوانین ہی ہیں اور انسانی قوانین؛ ایک طرف تو وہ ہر طرح سے الہامی قوانین کے تابع ہیں اور دوسری طرف وہ الہامی قوانین کی تشریح وتوسیع ہیں یہی وجہ ہے کہ علم اصول فقہ کا یہ مشہور اصول ہے کہ "العرف کالنص" کہ انسانی عرف وعادت اصل الہامی نصوص کی طرح ہیں کیونکہ تمام الہامی نصوص انسانی طبیعت اور جبلت کے عین مطابق ہیں اور ان کی روشنی میں وضع کئے جانے والے قوانین اور پروان چڑھنے والے معاشرے الہامی قوانین کا عکس اور پرتو ہوتے ہیں چنانچہ انسانی قوانین ابد سے الہامی قوانین کے تابع رہے ہیں کیونکہ اصل الہامی قوانین ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک انسانوں کو اپنے

رسولوں اور کتابوں کے ذریعے عطاء فرمائے اور انسانی قوانین ان کی فرع اور تشریح و توضیح ہیں یہی وجہ ہے کہ جب بھی الہامی اور انسانی قوانین کے مابین کوئی تضاد یا تصادم ہو تو الہامی قانون کو ہمیشہ تفوق اور برتری حاصل ہوتی ہے اور وہ قائم ودائم رہتے ہیں جبکہ انسانی قوانین نہ صرف منسوخ ہو جاتے ہیں بلکہ وہ اپنا وجود ہی کھو دیتے ہیں۔

سطور بالا میں ہم نے جو امور بیان کیئے وہ ہمارے زیر نظر موضوع کے نہ صرف بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں بلکہ وہ اس موضوع کے لئے رہنمائی کے اصول بھی فراہم کرتے ہیں:

1) الہامی قوانین ہی اصل قوانین ہوتے ہیں۔
2) انسانی قوانین انسانی کوشش سے وجود میں آتے ہیں اس لئے وہ الہامی قوانین کے تابع ہوتے ہیں۔
3) انسانی قوانین اپنا مواد الہامی قوانین سے لیتے ہیں۔
4) الہامی اور انسانی قوانین انسانی معاشروں میں نافذ ہوتے ہیں۔
5) انسانی جبلت اور الہامی قوانین باہم مربوط ہیں اور ایک دوسرے کے قریب تر ہیں۔
6) وہی انسانی قوانین معتبر اور قابل عمل ہوتے ہیں جو الہامی قوانین کے مطابق ہیں۔
7) الہامی اور انسانی قوانین میں تضاد یا تصادم انسانی قوانین کو ختم کر دیتا ہے۔
8) الہامی قوانین دائمی اور ابدی ہوتے ہیں جبکہ انسانی قوانین وقتی اور قابل تنسیخ ہوتے ہیں۔
9) انسانی قوانین مختلف معاشروں میں مختلف ہوتے ہیں جبکہ الہامی قوانین پوری انسانیت کے یکساں ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔
10) الہامی قوانین ختم نبوت کے ساتھ ہی مکمل ہو گئے جبکہ انسانی قوانین قیامت تک وجود میں آتے اور ختم ہوتے رہیں گے۔

ان اصول عشرہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انسانی عرف وعادت اور رسوم و رواج کی اصل الہامی قوانین ہی ہوتے ہیں اور وہی انسانی عرف وعادت یا رسوم ورواج معتبر ہوتے ہیں جو الہامی قوانین کے تابع ہوں نیز ایسے عرف وعادت اور رسوم ورواج ہی قانون کا حصہ بن سکتے ہیں جو کسی طرح الہامی قوانین سے متصادم یا متضاد نہ ہوں اور ہماری اس تحریر میں ہم یہی رہنما اصول اپنائیں گے۔

اسلامی شریعت بلاشبہ ایک الہامی قانون ہے اور اس آخری الہامی قانون نے بھی انسانی عرفی یا روایتی قانون کو مناسب جگہ اور مقام دیا ہے چنانچہ اسلامی شریعت کے گہرے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ فقہ حنفی نے بھی عرف وعادت اور رسوم ورواج کو اپنے دامن میں ضروری مقام دیا ہے اسلامی احکام کو استنباط کرتے وقت فقہ حنفی نے عقل و دانش اور عرف وعادت کو جو مقام دیا غالباً اسی کی وجہ سے فقہ حنفی زیادہ مقبول بھی ہوئی اور قابل عمل بھی رہی۔

اس کائنات میں جب اسلام کا ظہور ہوا۔ اس وقت عرب معاشرے کا پورے کا پورا نظام عرف وعادت اور رسوم ورواج کا مجموعہ تھا کیونکہ اس وقت الہامی قانون پر عمل نہیں ہوتا تھا اور شریعت ابراہیمی اور شریعت عیسوی کو ترک کیا جا چکا تھا لہذا انسانی قانون ابھی کماحقہ وجود میں ہی نہیں آیا تھا اس لئے عربوں کا سیاسی، معاشی، معاشرتی، قانونی اور اخلاقی نظام عرف وعادت اور رسوم ورواج پر مبنی تھی ان میں بعض قبائل میں عرفی امور مشترک بھی تھے اور عرب قبائل کے بعض رسوم ورواج ایک دوسرے سے مختلف بھی تھے اسی طرح انسان کی تغیر پسند طبیعت کا تقاضا ہے کہ عربوں کے رسوم ورواج شریعت ابراہیمی سے من وعن مطابقت نہ رکھتے ہوں اور ان میں تبدیلیاں ہو چکی ہوں۔

اس حقیقت کو مولانا محمد تقی امینی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اسلام سے پہلے کی جتنی چیزیں زمانہ اسلام میں پائی جاتی ہیں

ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سب پہلے کی شریعتوں بالخصوص شریعت ابراہیم علیہ السلام سے ماخوذ اور مستنبط ہیں نہایت مشکل ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عرب اور عرب میں کسی اور طریقے سے رائج معقول رواج کا وجود ہی نہ رہا ہو یا معاشرتی فلاح و بہبود سے متعلق کوئی عملدرآمد اور عرف پایا ہی نہ جاتا ہو"۔(7)

اس عبارت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عرب معاشرے میں ایسے رسوم و رواج پائے جاتے تھے جو شریعت ابراہیمی سے متصادم تھے اور وہ عربوں نے دیگر اقوام سے میل ملاپ کے ذریعے حاصل کئے اور رواج دیئے تھے لیکن اس امر سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عربوں کے ہاں اسلام سے پہلے عرف و عادت کو ہی قانون کا درجہ حاصل تھا بلکہ ان کی خلاف ورزی قبیلے سے بغاوت شمار ہوتی تھی چنانچہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی کہتے ہیں۔

"عرب اپنے عرف اور اپنی عادت کے بے حد پابند تھے جو بات ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی اور ذہنوں میں رچ بس جاتی وہ مذہب جیسا درجہ حاصل کر جاتی اسے وہ عرف سمجھا کرتے تھے اور کسی کو عرف کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں ہوتی تھی یعنی قبیلے کا عرف ہی ان کا دین ہوتا تھا"۔(8)

ان حوالوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عرب معاشرہ ایک روایتی معاشرہ تھا جس میں تمام امور عرف و عادت اور رسوم و رواج کی بنیادوں پر قرار پاتے تھے اور قبیلے کے ہر فرد پر لازم ہوتا تھا کہ وہ اس کے عرف و عادت پر من وعن عمل کرے ورنہ اسے قبیلے سے خارج اور باغی سمجھا جاتا تھا۔

اسلام نے عربوں کے عرف و عادت اور رسوم و رواج کو اپنی کسوٹی پر پرکھا اور خذ ما صفا ودع ما کدر (9) پر عمل کرتے ہوئے عرف کے بارے میں تین طرح کا رویہ اختیار کیا جب اسلام نے عربوں کے عرف و عادت کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھا تو اس نے حقوق اللہ

اور حقوق العباد کو بنیاد بنایا اور ان تمام رسوم و رواج کو ترک کردیا جو کسی بھی طرح سے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کو مجروح کرتے یا نقصان پہنچاتے تھے اور ایسے عرف و عادت کو اسلام نے من وعن قبول کرلیا جو ان دونوں اقسام کے حقوق کی تکمیل یا نگہداشت کرتے تھے لیکن ایسے کرتے وقت اسلام نے صرف عربوں کے عرف و عادت پر ہی پورا انحصار نہیں کیا بلکہ اس نے ہر معاشرتی عرف و عادت کو اپنے احکام اور نصوص کے ذریعے سے قانونی درجہ دیا ہے۔

عربوں کے رسوم و رواج کا جائزہ لیتے وقت اسلام نے بعض اعراف و عادات کو نہ مکمل طور پر رد کیا اور نہ ہی انہیں مکمل طور پر قبول کیا بلکہ ان کے مفید پہلوؤں کو قائم اور برقرار رکھا جبکہ ان کے مضر اور نقصان پہنچانے والے پہلوؤں کو یکسر ختم کردیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واحل اللہ البیع و حرم الربو" (10) اس نص قرآنی میں عرب معاشرے کے دو عرفوں کے ساتھ مختلف سلوک کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تجارت، کاروبار، سوداگری اور باہمی رضامندی کے لین دین کو حلال اور جائز قرار دیا اور معاشرے میں اسے باقی رکھنے اور رواج دینے کی تلقین وترغیب دی جبکہ اس کے برعکس "الربوا" سود کو یکسر حرام اور ناجائز قرار دیا کیونکہ سودی کاروبار کے ذریعے سے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں مجروح ہوتے تھے بلکہ سود معاشی سرگرمیوں پر بھی منفی اثرات مرتب کرتا تھا اس لئے اسے حرام قرار دیا حالانکہ عرب معاشرے میں تجارت اور سود ایک ایسا عرف تھے جو ایک دوسرے کے لئے ناگزیر اور لازم وملزوم سمجھے جاتے تھے۔

عربوں کے اعراف و عادات سے اسلام نے عمدہ سلوک کیا کیونکہ اسلام اپنے ہی معیارات رکھتا ہے اور اس کائنات کی تمام چیزوں کو انہیں معیارات پر پرکھتا ہے اور انہیں معیارات کی روشنی میں ان کی حلت و حرمت کا فیصلہ کرتا ہے اور یہ فیصلہ کرتے وقت اسلام اپنے ضروری احکام جاری کرتا ہے دوسری طرف اسلام نہ اپنے ماضی سے کٹ کر رہنے والا

دین ہے اور نہ ہی معاشرتی قدروں کو فراموش کرتا ہے بلکہ معاشرے کی اچھی اور مفید قدروں کو پروان چڑھاتا ہے۔

اسلامی شریعت کا عرف وعادت کے ساتھ یہی سلوک فقہ حنفی میں عرف وعادت کو بھی رد وقبول کا درجہ عطا کرتا ہے کیونکہ اسلامی شریعت میں عرف وعادت نہ صرف ثانوی ماخذ ہیں بلکہ وہ اسی وقت بروئے کار لائے جاتے ہیں جب اسلامی شریعت کے اصلی اور اساسی مصادر خاموش ہوں یا وہ مکمل رہنمائی فراہم کرنے سے قاصر ہوں چنانچہ فقہ حنفی نے بھی عرف وعادت کو اپناتے وقت یہی اصول پیش نظر رکھا کہ جس مسئلے یا معاملے پر شریعت کے نصوص سے رہنمائی ملتی ہے ان امور میں نہ صرف ان شرعی نصوص کو اپنایا جائے بلکہ انہی پر عمل کیا جائے اور انسانی رسوم ورواج کو یکسر ختم کر دیا جائے گا اور جن امور یا اجزائے امور کے بارے میں اصلی نصوص خاموش ہوں ان میں عرف وعادت اور دیگر ثانوی مصادر سے بھی بھرپور استفادہ کیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کا دامن دیگر فقہوں سے وسیع تر ہے اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کے ماخذ ومصادر سے بھی روشناس کرایا جائے اگرچہ فقہ اسلامی اور فقہ حنفی کے مصادر میں کوئی فرق یا تضاد نہیں ہے تاہم فقہ شافعی، فقہ مالکی، فقہ حنبلی، فقہ ظاہری، فقہ جعفری، فقہ طبری اور فقہ ثوری میں یہ ماخذ ومصادر ایک دوسرے سے مختلف اور کم وبیش ہیں۔ ان ماخذ کی بنیاد پر ان کے اصول وقواعد میں بھی تبدیلی وقوع پذیر ہوتی ہے اور اصول وقواعد کی تبدیلی کے احکام پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں نیز احکام کے تغیرات ہی فقہی مدارس کو وجود عطا کرتے ہیں۔

اصول فقہ کے سرسری مطالعے سے یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کے مصادر دو طرح کے ہیں اصل مصادر اور ثانوی مصادر۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی فقہ کا مصدر وہ ہوتا ہے جس سے احکام کا استخراج اور استنباط کیا جاتا ہے اسی طرح فقہ حنفی کے اپنے مصادر ہیں چنانچہ فقہ حنفی کے اصلی مصادر یہ ہیں۔ قرآن حکیم، سنت نبوی، اجماع امت اور قیاس، جس سے اجتہاد کا

دروازہ کھلتا اور فقہ حنفی کو دیگر فقہوں پر فوقیت اور اسے اپنے وجود میں ابدیت عطا کرتا ہے۔

فقہ حنفی کے ثانوی ماخذ میں استحسان، استدلال، استصلاح، مسلمہ شخصیات کی آراء، تعامل، عرف وعادت اور رسم ورواج، ماقبل کی شریعتیں اور ملکی قوانین وغیرہ شامل ہیں فقہ حنفی کا ایک اور ماخذ عمل صحابہ بھی ہے جو کئی وجوہ کی بناء پر بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن حکیم کے اولین مخاطب تھے اور رسالت مآب ﷺ کے اسوہ حسنہ کے چشم دید گواہ تھے نیز وہ اسلام کے احکام پر عمل کرنے والے اور دینی تعلیمات کے محافظ تھے اس لئے ان کا عمل فقہ حنفی کا اہم مصدر ومنبع قرار پاتا ہے۔

دیگر فقہوں کی طرح فقہ حنفی میں ماخذ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ ماخذ وہ ذرائع ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے یا وہ مقامات ہیں جہاں سے قانون دلائل کے ساتھ حاصل کئے جاتے ہیں (11) اور مصادر ہی وہ منبع ہوتے ہیں جنہیں بروئے کار لاتے ہوئے جدید پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے کیونکہ انسانی زندگی کے مسائل گوناگوں ہیں اور ان میں تنوع اور تغیر وتبدل روزانہ کا معمول ہے نیز انسانی علوم و فنون اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی نت نئی ایجادات اسلامی معاشرے میں جدید مسائل کو جنم دیتی رہتی ہیں اس طرح جدید مسائل بکثرت پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تلاش کیا جاتا ہے اور جدید مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے اسلامی شریعت کے ماخذ ومصادر سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

فقہ حنفی کو اصلی اور ثانوی مصادر میں تقسیم کرنے کا منشا یہ ہے کہ انسانوں کو جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوگا تو ابتداء میں اس کا حل اصلی مصادر سے ڈھونڈا جائے گا اور جب اصلی مصادر سے پوری رہنمائی میسر نہ ہو تو ثانوی مصادر کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ثانوی مصادر سے استفادہ کرتے وقت اس حقیقت کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا کہ ثانوی ماخذ سے اخذ کردہ کوئی بھی حکم، نہ تو اصلی مصادر سے ماخوذ احکام کے خلاف ہوگا اور نہ ہی ان کے احکام

میں کسی قسم کی کمی بیشی کا سبب بنے گا اس طرح اولین مصادر کو ہمیشہ ثانوی مصادر پر ترجیح اور تفوق حاصل رہے گا تاہم فقہ حنفی میں ثانوی مصادر سے بھی پورا پورا استفادہ کیا جاتا اور بوقت ضرورت انہیں بروئے کار لایا جاتا ہے انہیں ثانوی مصادر میں فقہ حنفی عرف و عادت اور رسوم و رواج کو خاص اہمیت اور مقام عطا کرتا ہے۔

فقہ حنفی اور اس کے اصول وقواعد کے عمیق مطالعے سے یہ امر بھی سامنے آتا ہے کہ عمل صحابہ کو فقہ حنفی میں اعلیٰ مقام حاصل ہے کیونکہ ''عمل صحابہ'' ایک جانب اسلامی تعلیمات کی عملی تعبیر وتشریح ہے تو دوسری طرف وہ عرف و عادت کی عمدہ تفسیر بھی ہے اس لئے ہماری رائے میں ''عمل صحابہ'' اصلی اور ثانوی مصادر کے مابین ایک پل کا کام کرتا ہے۔ جس سے فقہ حنفی نے خوب خوب استفادہ کیا مزید برآں صحابہ کرام ہی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو عہد جاہلیت کے بھی نمائندہ تھے اور عہد اسلام کے بھی عمدہ نمونے تھے جنہوں نے جاہلیت کی رسوم کو ترک کر کے ان کی جگہ اسلامی تعلیمات کو اپنایا اس طرح عمل صحابہ' نظری اور عملی دونوں قسم کا ماخذ ہے۔ جس سے فقہ حنفی نے بھرپور استفادہ کیا۔

یہاں یہ بنیادی سوال ابھرتا ہے کہ فقہ حنفی جس عرف و عادت کو اپنا ثانوی ماخذ تسلیم کرتا اور استنباط احکام میں اسے بروئے کار لاتا ہے وہ کیا ہے؟ عرف و عادت دونوں ایک ہی مفہوم کے دو مترادف الفاظ ہیں یا ان میں کوئی فرق پایا جاتا ہے نیز ان دونوں میں سے کسے ترجیح حاصل ہوتی ہے؟ ان سوالات کے جوابات ہم فقہی ادب سے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

السید شریف جرجانی نے عرف کو ان الفاظ میں متعارف کرایا'' ہے:

''العرف مااستقرت النفوس بشهادة العقول ، وتلقته الطبائع بالقبول، وهو حجة ايضا. لكنه اسرع الى الفهم(12)

عرف سے وہ عمل مراد ہے جو عقلی شہادت سے انسانی نفوس میں جاگزیں ہو اور انسانی طبائع اسے قبول کر لیں وہ حجت ہے کیونکہ ایسا عمل آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔

اسی طرح سید شریف جرجانی عادت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''وکذا العادة وهي ما استقر الناس على حكم العقول وعادوا اليه مرة بعد اخرى''(13)

یہی حال عادت کا ہے عقل کے حکم کے مطابق جس حکم پر لوگ جم جائیں اور اسے بار بار ادا کریں۔ سید شریف جرجانی نے عرف و عادت کو ایک دوسرے کے قریب تر لاتے ہوئے ان کے تین خصائص کو ملحوظ رکھا ہے (1) انسان جس حکم پر عمل پیرا ہوں (2) انسانی عقل اس حکم کو قبول کرتی ہو (3) وہ حکم یا کام معاشرے میں بار بار ہوتا رہے۔

امام ابو حامد محمد غزالی نے بھی اسی حقیقت کو تسلیم کیا ہے چنانچہ ان کی رائے ہے کہ کوئی فعل یا طریقہ عقلی طور پر انسانوں کے نفوس میں اس طرح جاگزیں ہو جائے کہ فطرت سلیمہ اسے قبول کر لے اور اسلامی دنیا کے سلیم الطبع افراد اس کے عادی ہو جائیں اور وہ عمل کسی بھی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔(14)

فقہ حنفی کے نامور فقیہ اور برصغیر کے مقبول ترین حنفی فقیہ ابن عابدین کے ہاں عرف و عادت کا شمار مترادفات میں ہوتا ہے چنانچہ وہ عرف و عادت کو ہم معنی قرار دیتے ہوئے اپنے موقف کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''العادة ماخوذة من المعاودة' فهي بتكرارها ومعاودتها مرة بعد اخرى صارت معروفة مستقرة فى النفوس والعقول' ملتقاة بالقبول من غير علاقة' حتى صارت حقيقة' فالعادة والعرف بمعنى واحد من حيث

لماصدق، وان اختلفا من حیث المفهوم"(15)

عادت کا لفظ "معاودت" سے ماخوذ ہے جو بار بار دہرانے سے عوام الناس میں معروف اور عام ہو جاتا ہے وہ انسانی نفس اور عقل میں جاگزین ہو جاتا ہے بغیر کسی تعلق کے قبولیت کا درجہ پالیتا ہے اور اس طرف ایک عرفی حقیقت کا درجہ حاصل کرلیتا ہے اس طرح عرف اور عادت ہم معنی ہیں کیونکہ ان دونوں کا مصداق یکساں اور معانی مختلف ہوتے ہیں۔

ابن عابدین کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ عرف اور عادت کے معنی، مطالب اور مفاہیم ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں لیکن ان دونوں کا مصداق ایک ہی ہے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی معاشرے میں پروان چڑھتے، انسانی عقل ونفوس میں جاگزین ہوتے ہیں بار بار دہرائے اور بروئے کار لائے جاتے ہیں نیز ان دونوں کے باہمی اتفاق واتحاد سے ہی مسلمانوں کا ایسا عمل وجود میں آتا ہے جو فقہ حنفی میں "عرف" کہلاتا، اس کا ثانوی ماخذ بنتا، اسے احکام کے استنباط کی قوت عطا کرتا ہے۔

ایک اور جلیل القدر حنفی فقیہ ابن نجیم اسی باب میں رقم طراز ہیں:

"العادة عبارة عما یستقر فی النفوس من الامور المتکررة المقبولة عندالطبائع السلیمة"(16)

عادت وہ ہے جو بار بار دہرانے سے انسانی نفوس میں جاگزیں ہو جائے اور اسے انسانی سلیم طبائع قبول کرتی ہوں۔

اس امر میں بھی فقہی ادب بٹا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ عرف اور عادت ایک ہی عمل کے دو مختلف نام ہیں یا ان کے مفاہیم مدلولات منطوقات اور تطبیقات ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں اس سلسلے میں عصر حاضر کے نامور فقیہ اور ماہر اصول فقہ عبدالوہاب خلاف کی رائے ہے

"العرف مایتعارفه الناس. ویسیرون علیه غالبا من قول اوفعل، والعرف والعادة فی لسان الشرعیین لفظان مترادفان معناهما واحد"(17)

عرف اس طریقے سے عبارت ہے جو لوگوں میں متعارف ہو لوگ اپنے قول یا عمل میں عام طور پر اس پر عمل پیرا ہوں اصل قانون کی زبان میں عرف و عادت ہم معنی دو متعارف الفاظ ہیں۔ جبکہ عصر حاضر کے بلند پایہ فقیہ امام زھرہ کی رائے ہے کہ:

"العرف مااعتاده الناس من معاملات و استقامت علیه امورهم"(18)

عرف وہ طریقہ ہے جس پر عمل کرنے کے لوگ عادی ہوں اور اس پر ان کے امور قائم ہوں عصر حاضر کے ایک اور نامور فقیہ اور ماہر اصول فقہ ڈاکٹر حسنین حامد حسان کی رائے ہے۔

"یطلق العرف ماتعارف علیه الناس واعتادوه من قول اوفعل. لایخالف نصامن کتاب اوسنة"(19)

عرف وہ طریقہ ہے جس سے لوگ واقف ہوں اور اس قول یا فعل کے وہ عادی ہوں اور وہ قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف نہ ہو۔

عرف وعادات کی مذکورہ بالا تعریفات کو پیش نظر رکھیں تو یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اصول فقہ کی رو سے عرف اور عادت دو مختلف امور ہیں کیونکہ عرف میں انسانی عقل ودانش اور فہم وفراست کو گہرا دخل ہوتا ہے جبکہ عادت انسانوں کا وہ عمل ہے جو وہ بار بار کرتے ہیں اور اپنی زندگیوں میں اسے دہراتے رہتے ہیں اور اس میں انسانی عقل ودانش کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا چنانچہ عادت نام ہے "الامر المتکرر بغیر علاقة عقلیة"(20) کہ عادت بار بار وقوع پذیر ہونے والا ایسا عمل ہے جس کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہی وجہ

ہے کہ ہماری نظر میں عرف کی قابل عمل تعریف یہ ہے کہ "العرف عادة جمهور قوم فی قول او فعل" کسی قول یا فعل میں جمہور قوم کی عادت کا نام عرف ہے گویا فقہی ادب میں عرف اور عادت جو مترادفات ہیں جو یکساں معانی یا مفاہیم کے لئے استعمال ہوتے ہیں نیز وہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں تاہم ان دونوں کو باہم ملا کر عرف و عادت اس لئے لکھا جاتا ہے کہ معاشرے میں استعمال ہونے والے تمام اعراف اور ساری عادات کو فقہ حنفی اس ماخذ کا حصہ بنایا جاسکے جسے "عرف و عادت" کہا جاتا ہے۔

فقہ حنفی جو کہ ایک دائمی اور وسعت پذیر فقہ ہے اس لئے اس فقہ میں عرف و عادت کو ماخذ قرار دیتے وقت ان دونوں اصطلاحات کا وہ وسیع تر مفہوم مراد لیا جاتا ہے جس سے کوئی سماجی تعامل، معاشرتی قدر یا عوامی مقبولیت رکھنے والا عمل خارج نہ ہو سکے عرف و عادت کے اس وسیع تر مفہوم نے ایک جانب فقہ حنفی کو فقہی ادب میں وہ وسعت عطاء کی جو دیگر فقہوں کو حاصل نہ ہو سکی اور دوسری جانب اسی وسعت نے فقہ حنفی کو عوام میں زیادہ سے زیادہ مقبول بنایا یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی ہجری سے لیکر آج تک اس فقہ کے پیروکاروں کی تعداد دیگر فقہوں پر عمل پیرا ہونے والے افراد کی تعداد سے زیادہ رہی ہے اسی طرح فقہ حنفی کا فقہی ادب بھی دیگر فقہوں سے وسیع تر ہے اور وہ عوامی معاشرتی مسائل کا بکثرت احاطہ کرتا ہے اور فقہ حنفی کی کتب عوامی مسائل کی سب سے زیادہ جزئیات کا احاطہ کرتی ہیں غالباً یہ عرف و عادت ہی ہے جو فقہ حنفی کو زیادہ متداول زیادہ عام فہم اور زیادہ قابل عمل بناتی ہیں۔

یوں تو قرآن حکیم اور سنت نبوی میں عرف اور معاشرتی عادت کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے اور قرآن و سنت میں یہاں بھی معروف، عرف، عادت، معتاد وغیرہ کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں ان سب سے وہ عمدہ، مفید اور قابل عمل طریقے یا اعمال مراد لئے جاتے ہیں جو عوام الناس میں متعارف مشہور، متداول اور زیر عمل ہوں اور جب بھی انہیں ذکر کیا جائے تو لوگ انہیں پہلے سے ہی جانتے ہوں اور انہیں متعارف کرانے یا انہیں تفصیل سے

بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ بلکہ معاشرے کے مختلف طبقے ان سے پہلے ہی آگاہ ہوں اور استفادہ کرتے ہوں۔

تاہم فقہائے کرام نے عرف کی بنیاد اس حدیث پر رکھی ہے کہ ایک مرتبہ مشہور صحابیہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیان بے حد بخیل انسان ہے چنانچہ وہ مجھے اس قدر مالی وسائل فراہم نہیں کرتا جن سے میری اور میرے بچے کی ضرورتیں پوری ہوسکیں تاہم اسے بتائے بغیر میں اس کے مال میں سے اس قدر وسائل خود حاصل کر کے اپنی ضرورتیں پوری کرتی ہوں اس پر رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا۔

"خذی مایکفیک وولدک بالمعروف" (21)

"کہ تم اپنی اور اپنے بچے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے عرف کے مطابق مال لے لیا کرو" یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کی شرح میں عمدۃ القاری میں ابن بطال کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ عرف فقہاء کے نزدیک "امر معمول به" (22) ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی رائے ہے کہ جس معاملے میں شرعی تحدید موجود نہ ہو وہ عرف پر مبنی تصور ہوگا جو کہ عرف پر اعتماد کا ایک اہم اصول ہے (23)

مزید برآں فقہ حنفی کے اہم ستون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "ما راہ المسلمون حسنا، فهو عندالله حسن" (24) جس کام کو مسلمان عمدہ تصور کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی عمدہ شمار ہوتا ہے۔

فقہ حنفی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آثار، فقہی آراء اور فیصلوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرتی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عہد صحابہ میں ہی مدینہ منورہ سے عراق منتقل ہو گئے تھے اس لئے ان کو مذکورہ بالا اثر کی خاص اہمیت ہے کیونکہ جن امور میں قرآن و سنت کی نصوص خاموش ہیں اور ان سے

بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی رہنمائی نہیں ملتی ان امور میں معاشرتی قدروں، سماجی عادات اور عوامی اعراف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی نے احادیث نبوی کو کڑے معیار کی کسوٹی پر پرکھا اور انہیں خوب چھان پھٹک کر قبول کیا کیونکہ ان کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر موجود تھا جسے امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ایک طویل حدیث کے آخر میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"فماراه المسلمون حسنافهو عندالله حسن. وماراوه سيئا فهو عندالله سيئ" (25)

"جس امر کو مسلمان اچھا قرار دیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور
جس بات کو مسلمان برا قرار دیں وہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بری
قرار پاتی ہے"

اس اثر سے فقہ حنفی نے خوب خوب استفادہ کیا اور اسے ان تمام امور و معاملات میں لاگو کیا یہاں قرآن وسنت کی نصوص خاموش تھیں یا انہیں مزید واضح کرنے کی ضرورت تھی اور اسی اثر کے تحت فقہ حنفی نے قانون سازی کرتے وقت اور مسلمانوں کے عبادات، معاملات، سیاست مدن، تدبیر منزل کے نزاعی امور کا فیصلہ کرتے وقت یہ اصول پیش نظر رکھا کہ جن امور میں قرآن وسنت سے رہنمائی نہ ملتی ہو ان امور میں معاشرتی عرف و عادت سے بھرپور استفادہ کیا جائے اور ایسا کرتے وقت یہی اصول پیش نظر رہے کہ عرف و عادت کسی بھی طرح قرآنی آیت، حدیث نبوی یا آثار صحابہ کے خلاف نہ ہو یا اس پر عمل کرنے سے قرآن وسنت سے انحراف یا روگردانی نہ ہوتی ہو اس اصول پر عمل کرنے سے فقہ حنفی کو وسعت بھی نصیب ہوئی اور عام مسلمانوں خصوصاً عجمی مسلمانوں میں قبولیت اور پذیرائی بھی حاصل ہوئی نیز اس میں یہ صلاحیت بھی پیدا ہوگئی کہ وہ دنیا کے تمام خطوں میں قابل عمل اور قابل قبول قرار پا گیا۔

فقہ حنفی نے عرف و عادت کو اپنی تدوین میں ایک ماخذ کے طور پر استعمال کیا کیونکہ ابوبکر جصاص نے سورۃ الاعراف کی آیت "خذ العفو وامر بالعرف" کی تفسیر میں لکھا ہے اور کیا خوب لکھا ہے کہ فقہ حنفی کو عرف و عادت کا ماخذ عطا کر دیا۔

"وفي هذه الاية دلالة على تسويغ اجتهاد الراى فى احكام الحوادث اذلا وصل الى تقدير النفقة بالمعروف الامن جهة غالب الظن واكثر الراى. اذا كان ذلك معتبرا بالعادة. و كل ما كان مبنيا على العادة من قبيلة الاجتهاد و غالب الظن" (26)

"اس آیت میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں اجتہاد سے کام لیا جائے اس لئے نان ونفقہ کا تعین کرتے وقت گمان غالب اور کثرت رائے سے بھی کام لیا جاتا ہے جبکہ ان امور کو عرف و عادت کے ذریعے سے اعتماد حاصل ہوتا ہے اور ہر وہ امر جو عرف و عادت پر مبنی ہو اس میں اجتہاد اور ظن غالب پر عمل کئے بغیر کوئی اور چارہ نہیں ہوتا۔

ان دلائل و حقائق سے فقہ حنفی نے بھرپور استفادہ کیا اور درج ذیل امور کو عرف و عادت کی بنیاد پر استوار کر کے فقہ حنفی کا قصر رفیع تعمیر کیا اور فقہ حنفی نے جن امور کو عرف و عادت کے ذریعے حل کرنے کی سعی بلیغ کی ان حلوں کا مرتبہ و مقام انتہائی ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ "الثابت لعرف كا الثابت بدليل شرعي" (27) کے مطابق جو شرعی امور معاشرتی عرف و عادت کی بنیاد پر طے ہونگے انہیں شرعی دلیل سے ثابت تسلیم کیا جائے گا ان امور پر عمل کرنے کے مسلمان پابند ہونگے انہیں شرعی دلیل سے ثابت تسلیم کیا جائے گا ایسے امور پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو اجر وثواب ملے گا اور ان پر عملدر آمد نہ کرنے سے وہ عذاب

کے مستحق قرار پائیں گے یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کی رو سے نصوص کی عدم دستیابی یا خاموشی کی صورت میں عرف سے استفادہ کیا جائے گا جن میں سے چند امور یہ ہیں۔

1) مقداروں کے تعین میں عرف سے مدد لی جائے گی جیسے سن بلوغ، مدت، حمل اور یائسہ کے تعین کے لئے عمر کی حد تک کیونکہ ان امور میں قرآن وسنت نے عمر کا تعین اس لئے نہیں کیا کہ موسموں کی تبدیلی، حالات وزمانے کے اثرات، امارت وغربت نیز خوشی اور غمی ان امور پر مثبت اور منفی اثرات مرتب کرتے ہیں اس لئے ان امور کے تعین کے لئے معاشرے کے عرف وعادت پر ہی انحصار کیا جائے گا کیونکہ "ان الرجوع الی العرف احد القواعد التی بناء علیھا" (28) عرف کا تعلق ان پنجگانہ قواعد سے ہے جن پر فقہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

2) اگر کوئی شخص ایسی کرنسی کے ذریعے خرید وفروخت کرے جو معاشرے میں مروج نہیں ہے تو ایسا کرنا اسلامی شریعت میں درست نہیں ہوگا کیونکہ ایک جانب میں تو مال متقوم ہے جبکہ دوسری طرف غیر مروج یا جعلی کرنسی فقہائے کرام کے ہاں مال متقوم شمار نہیں ہوتا اس لئے معاشرتی عرف وعادت کی بناء پر ہی فیصلہ ہوگا۔ ابن حجر عسقلانی نے اس باب میں عرف کو اس حد تک اہمیت دی ہے کہ اگر دس روپیہ قیمت والی اشیاء گیارہ روپے میں فروخت کرنے کا عرف رائج ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے شرعی نصوص نے مال تجارت میں منافع کی مقدار کا تعین نہیں کیا بلکہ اس اقتصادی معاملے کو معاشرتی عرف وعادت پر چھوڑ دیا ہے۔(29)

3) اسلامی شریعت کی تعلیمات کے مطابق فقہ حنفی ناپ تول کے نظام کو تسلیم کرتا ہے اور اس نظام کا تعین معاشرتی عرف سے کرتا ہے چنانچہ جن خطوں میں کوئی چیز تول کر خریدی اور بیچی جاتی ہے اسی پر عمل ہوگا اور جو چیز ناپ کر خریدی اور بیچی جاتی ہے وہاں اس کا کاروبار ناپ کر ہی کیا جائے گا چنانچہ پنجاب میں کیلے اور کینوں عددی طور پر

فروخت ہوتے ہیں جبکہ سندھ میں یہ دونوں پھل کیلی ہیں اور تول کر فروخت کئے جاتے ہیں فقہ حنفی کی رو سے مقامی "عرف" ہی معتبر ہوگا۔

4) اسلامی شریعت میں بعض امور مثلی طور پر لاگو ہوتے ہیں جیسے مہر مثالی، ثمن مثلی، زیر کفالت افراد کے اخراجات اور قیمت مثلی وغیرہ یہ امور بہت اہم ہیں کیونکہ انہیں مسائل میں سے ایک کفو کا مسئلہ بھی ہے یہ سب امور عرف وعادت، معاشرتی تعامل اور سماجی رسوم ورواج کی روشنی میں طے کئے جاتے ہیں اسی طرح تجارتی امور میں خریدار کو جو "خیار عیب" حاصل ہے اس کا فیصلہ بھی معاشرے کے عرف وعادت کی بنیاد پر ہی کیا جاتا ہے۔

5) فقہ حنفی میں بہت سی اصطلاح مروج ہیں جیسے قبضہ، ہدیہ، رعایت، غصب، ودیعت اور احیائے اموات (مردہ زمینوں کو قابل کاشت بنانا) وغیرہ ان اصطلاحات کے معانی ومفاہیم اور ان کی عملی شکلوں کا تعین بھی معاشرتی عرف وعادت سے ہی ہوتا ہے اور اس زمانہ کے افراد جسے قبضہ قرار دیں گے وہی قبضہ قرار پائے گا دیگر طریقے نہ تو معتبر ہونگے اور نہ ہی ایسا قبضہ شریعت اور قانون کی نظر میں حقیقی قبضہ شمار ہوگا اور نہ ہی خریدار پر قابض کے احکام کا اطلاق ہوگا۔

6) ناپ تول کے پیمانوں کی مقداریں بھی عرف سے ہی متعین ہوتی ہیں چنانچہ راولپنڈی میں زمین کا ایک مرلہ 272 مربع فٹ کا شمار ہوتا ہے جبکہ لاہور میں یہی زمین کا ایک مرلہ 250 مربع فٹ کا شمار ہوتا ہے چنانچہ فقہ حنفی کی رو سے جس علاقہ میں زمین کی خرید وفروخت ہوگی اسی کے مطابق اس کا رقبہ شمار ہوگا اور اس کی قیمت بوقت خرید وفروخت ادا کی جائے گی۔

7) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" للمملوک طعامه و کسوته بالمعروف" (30) کہ غلام

کے کھانے اور لباس کا تعین عرف وعادت کی بنیاد پر ہوگا اس حدیث کا اطلاق اب مزدور کی کم از کم اجرت کا تعین کرنے پر ہوگا جو معاشرے کے حالات کے مطابق ہوگا یہی وجہ ہے کہ مختلف اسلامی ممالک میں اس وقت کم از کم اجرت کی تعداد ایک دوسرے ملک سے مختلف ہے کیونکہ ہر اسلامی ملک کے معاشی حالات اور ضروریات زندگی نیز اشیائے ضرورت کی قیمتیں ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔

8) اگر کسی شہر کے باشندے بکری یا گائے کا گوشت کھانے کے عادی ہوں اور وہاں اونٹ کا گوشت استعمال نہ ہوتا ہو اور کوئی مسلمان قسم اٹھائے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور وہ اونٹ کا گوشت کھالے تو وہ حانث نہیں ہوگا یا وہ مچھلی کا گوشت کھالے تو اس قسم کی نہ قسم ٹوٹے گی اور نہ ہی وہ کفارہ ادا کرے گا۔

9) اگر کسی شخص نے فرنیچر خریدا اور اس کی بار برداری، گھر کے اندر پہنچانے اور اسے اپنے اپنے مقام پر رکھ کر جوڑنے کی تشریح نہیں کی تو ان امور میں عرف پر عمل ہوگا۔ اگر یہ سب امور خریداری میں شامل ہیں تو مارکیٹ کے رواج کے مطابق فرنیچر بنانے والے کو یہ سب امور انجام دینا ہونگے ورنہ وہ ان امور کا پابند نہیں ہوگا(31) کیونکہ یہ امور عرف کی بنیاد پر طے کئے جاتے ہیں۔

10) انسانی معاشرے میں ہم ایک دوسرے سے اشیاء مستعار لیتے رہتے ہیں اور انہیں استعمال کر کے ان کے اصل مالکوں کو واپس لوٹا دیتے ہیں مستعار لی گئی چیز میں دوران استعمال، اگر کوئی عیب پیدا ہوا یا وہ چیز ٹوٹ گئی تو عرف ہی یہ امر متعین کرتا ہے کہ مستعار لی گئی چیز کا استعمال ناروا طور پر کیا گیا یا اس کا نقصان، کسرو ریخت یا اس میں کمی بیشی کسی طبعی قانون کے تحت ہوئی ہے کیونکہ اسی پر ضمان وغیرہ کے احکام بھی مرتب ہونگے۔

11) فقہ حنفی کا عام قاعدہ ہے کہ فریقین میں تجارت، نکاح، ھبہ اور امانت کے معاملات ان

دونوں کی باہمی رضامندی سے طے ہوتے ہیں اور اس رضامندی کا اظہار فریقین گواہوں کی موجودگی میں اپنے قول سے کریں گے یا اس معاملے کی دستاویز تیار ہوگی لیکن اگر نکاح کے وقت کنواری لڑکی خاموش رہے تو فقہا کرام کا قول ہے کہ "السکوت من الرضا"(32) ایسی لڑکی کی خاموشی ہی اس کی رضامندی شمار ہوتی ہے فقہ حنفی نے یہ اصول بھی عرف سے اخذ کیا ہے کہ کنواری لڑکی میں شرم وحیاء زیادہ ہوتی ہے اس لئے وہ اپنی رضامندی کو الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے خاموش رہتی ہے نیز یہ زمینی حقیقت ہے کہ یہ شرم وحیاء متوسط درجہ کے مسلمان گھرانوں کی لڑکیوں میں بجا طور پر پائی جاتی ہے تاہم کسی وجہ سے اگر معاشرے کا یہ عرف ختم ہو جائے تو کنواری لڑکیوں کو بھی زبان سے نکاح کا اعتراف واقرار کرنا پڑے گا۔(33)

12) عقود التعاطی، ہاتھ در ہاتھ تجارت اور معاملات کا تعین بھی عرف وعادت سے ہی ہوتا ہے کیونکہ اسلامی شریعت میں تجارت کے لئے ایجاب وقبول ضروری ہے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا اپنی زبان سے خرید وفروخت کے الفاظ گواہوں کی موجودگی میں ادا کرے جبکہ آج کل کا عمل اس سے بالکل مختلف ہے کہ ایک شخص ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل سٹور میں جاتا ہے۔ اور وہاں سے مختلف اشیاء کا انتخاب کرتا اور انہیں کاؤنٹر پر لا کر ان کی قیمت ادا کر کے انہیں اپنے گھر لے جاتا ہے بیع کا کوئی معاہدہ فریقین میں طے نہیں ہوتا بلکہ مالک کا ان اشیاء کو سٹور میں رکھنا، ان پر قیمتوں کی چٹیں لگانا اور لوگوں کو سٹور میں داخلے کی اجازت دینا اور خریداروں کا سٹور میں داخل ہو کر اشیاء کا انتخاب کرنا اور سٹور کے کاؤنٹر پر اکاؤنٹنٹ کو ان کی قیمت ادا کرنا، یہ سب امور معاشرتی عرف سے ماخوذ ہیں اس لئے حنفی فقہ میں اس تجارتی عمل کو بالکل درست اور جائز قرار دیا جاتا ہے۔

13) چند احباب مل کر ایک ریسٹورنٹ میں جاتے ہیں اور سپریٹ چائے منگواتے ہیں

جس کی رو سے ریسٹورنٹ کا مالک چائے کا پانی، چینی اور دودھ الگ الگ فراہم کرتا ہے احباب چائے نوش فرماتے ہیں لیکن ریسٹورنٹ کی چینی اور دودھ بچ جاتے ہیں حالانکہ احباب نے ان کی قیمت ادا کی ہوئی ہے اور وہ ان کے شرعی مالک ہیں لیکن ہمارا معاشرتی عرف یہ ہے کہ ہم ایسی باقی ماندہ اشیاء اپنے ساتھ نہیں لاتے بلکہ انہیں ریسٹورنٹ میں ہی چھوڑ آتے ہیں جو انہیں حسب خواہش استعمال میں لا سکتا ہے چنانچہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہوٹل والے ان اشیاء کو نہ صرف دیگر گاہکوں کو پیش کرتے ہیں بلکہ ان میں سے بھی ان اشیاء کی وہ قیمت دوبارہ وصول کر لیتے ہیں اور فقہائے کرام نے اس آمدن کو شرعاً جائز آمدن قرار دیا ہے کیونکہ یہ امور معاشرتی عرف پر مبنی ہیں۔

14) فقہ حنفی عوام کے عرف کو بہت اہمیت دیتا ہے چنانچہ خرید و فروخت میں شہر، ملک یا علاقے میں مروجہ کرنسی کو معتبر قرار دیتا ہے اور عقد بیع میں کرنسی کا ذکر کرنا ضروری قرار نہیں دیتا مثلاً اگر پاکستان میں تجارتی معاملہ عمل میں آ رہا ہے تو عرف کے مطابق وہ پاکستانی روپے میں ہی طے ہوا ہے اور کرنسی کا نام لئے بغیر بھی درست ہوگا کیونکہ ملکی عرف یہی ہے اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مال کی قیمت میں ڈالر میں وصول کرنا چاہتا ہے تو سودا کرتے وقت ڈالر کا تعین کئے بغیر وہ اپنی چیز کی قیمت ڈالر میں وصول نہیں کر سکتا کیونکہ عرف اس کا ساتھ نہیں دیتا اسی طرح اگر ایک ملک میں کئی کرنسیاں رائج ہوں تو کرنسی کا ذکر کئے بغیر کوئی تجارتی معاملہ درست قرار نہیں پائے گا یہی عرف کا تقاضا اور شرعی ضرورت ہے۔

15) اسلام کے ابتدائی دور میں سب معاملات زبانی طے ہوتے تھے کیونکہ اس وقت نوشت و خواند کا زیادہ رواج نہیں تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلم معاشروں میں خواندگی کی شرح میں معتد بہ اضافہ ہوا اور حکومتوں نے وثیقہ جاتی نظام کو فروغ دیا اس لئے معاشرے کے رفتہ رفتہ تمام امور تحریری شکل میں قرار پانے لگے اگرچہ سورۃ البقرہ

کی آیت نمبر 282 میں وثیقہ نویسی کی تعلیم دی گئی ہے لیکن ان کی نوعیت اور کیفیت بیان نہیں کی گئی یہی وجہ ہے کہ ہر طرح کی تحریروں، رسیدوں، چیک، کریڈٹ کارڈ، SMS اور حوالہ وغیرہ میں عرف و عادت کا اعتبار ہوگا اور ان وثیقہ جات کے واضح طور پر تحریر ہونے اور ان پر جاری کرنے والے فریق کے دستخط ہونے کی بناء پر وہ ایسے ہی معتبر ہونگے جیسے زبان سے ادا کئے گئے الفاظ معتبر ہوتے ہیں کیونکہ عرف کی رو سے دستخط ہی تسلیم و رضا کے عکاس ہوتے ہیں۔

16) ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں زندہ ہیں نئے نئے علوم و فنون اور ان کی جدید اصطلاحات وجود میں آ رہی ہیں یہ سب اصطلاحات اور ان کے معانی و مفاہیم نیز ان کے مدلولات و تطبیقات بھی معاشرتی عرف پر ہی مبنی ہوتی ہیں (34) اور اگر ان عرفوں میں کوئی امر اسلامی شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ سب جائز، درست اور قابل استعمال ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا سطور میں عرف و عادت کے بعض گوشے پیش کئے گئے جو اس امر کے عکاس ہیں کہ فقہ حنفی نے عرف و عادت کو انتہائی اعلیٰ مقام عطا کیا ہے کیونکہ شرعی نصوص نہ صرف محدود ہیں بلکہ وہ صرف اصول و کلیات سے بحث کرتی ہیں اور انہیں معاشرے میں لاگو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان اصولی احکام کا عملی ضمیر بھی معاشروں سے ہی اٹھایا جائے چنانچہ قرآن حکیم نے یہ اہتمام کیا کہ ہر قوم میں بھیجا جانے والا نبی اور رسول ﷺ اسی قوم کی زبان بولتا تھا (35) اسی طرح فقہ حنفی نے بھی یہ ضروری قرار دیا کہ نصوص شرعیہ پر عمل کرتے وقت معاشرتی عرف و عادت کو ہر طرح سے ملحوظ خاطر رکھا جائے تاکہ اسلامی شریعت کے احکام پر عمل کرنا آسان ہو اور مختلف معاشروں سے وابستہ افراد کو نہ تو اسلامی احکام پر عمل کرتے وقت اجنبیت محسوس ہو اور نہ ہی وہ اپنے معاشروں سے کٹ جائیں عرف کے ذریعے سے وہ اپنے معاشرے سے بھی مربوط رہیں اور اسلامی احکام پر عمل پیرا

ہو کر وہ عالمی اسلامی معاشرے کا بھی حصہ قرار پائیں۔

فقہ حنفی نے عرف وعادت کو اپنا ماخذ بنا کر اپنی ضرورت واہمیت میں معتد بہ اضافہ کر لیا ہے اور اپنے آپ کو جدید معاشروں کے لئے قابل قبول اور قابل عمل بنا لیا ہے نیز فقہ حنفی کو عرف پر عمل کرنے سے ایک ایسا ''حرکی نظام'' میسر آ گیا ہے جو پیدا ہونے والے جدید مسائل میں اسے ہمیشہ رہنمائی فراہم کرتا رہے گا اور اس کی وسعت اور نشوونما میں اس کی ہمیشہ آبیاری کرتا رہے گا کیونکہ فقہ حنفی میں عرف نہ صرف خود معتبر اور مروج ہے وہ نصوص شرعیہ کی مخالفت نہیں کرتا ہے بلکہ وہ ہر لحاظ سے نصوص شرعیہ کی تائید کرتا (36) اور انہیں زمان ومکان کی قیود سے نکال کران کے احکام کو آفاقیت اور ابدیت کا درجہ عطا کرتا ہے۔

☆☆☆

مصادر وحواشی

1) قرآن حکیم، سورۃ الرحمان آیت نمبر 3-4

2) قرآن حکیم، سورۃ البقرہ آیت نمبر 31 ترجمہ اس نے آدم کو تمام نام سکھائے۔

3) قرآن حکیم، سورۃ النساء آیت نمبر 113 ترجمہ اور اس نے آپ کو وہ سب کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔

4) قرآن حکیم سورۃ الاعراف آیت نمبر 199 ترجمہ آپ معاف فرما دیجئے مروجہ امور کا حکم دیجئے اور جاہل افراد سے کنارہ کش رہئے۔

5) عبدالکریم زیدان اصول الفقہ ص طبع بغداد

6) الہامی نصوص سے وہ متن مراد ہیں جو قرآنی آیات اور احادیث نبوی کے متن میں محفوظ ہیں نیز ان سے وہ تمام احکام مراد ہیں جو دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص اور سیاق النص سے ماخوذ ہیں۔

7) محمد تقی امینی، فقہ اسلامی کا پس منظر ص 271 اسلامی پبلی کیشنز لاہور 1980ء

8) ساجد الرحمان صدیقی عرف وعادت اسلامی قانون کی نظر میں، اسلامی پبلی کیشنز لاہور 1991ء

9) اس محاورے کا مفہوم یہ ہے کہ اچھی چیزیں لے لو اور ناپسندہ کو چھوڑ دو عربوں میں یہ محاورہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جو عمدہ اشیاء کو اپنایا جائے اور ناپسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیا جائے۔

10) قرآن حکیم، سورۃ البقرہ آیت نمبر 275 ترجمہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا۔

11) محمد تقی امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص 71، اسلامک پبلی کیشنز لاہور 1996ء

12) حسن الشاذلی المدخل فی اصول، الفقہ الاسلامی ص 220 الکویت

13) السید شریف جرجانی' التریفات تحت مادۃ العرف۔
14) غزالی' امام ابو حامد محمد' المستصفی
15) ابن عابدین' مجموعۃ الرسائل ج 2 ص 114
16) ابن نجیم' الاشباہ والنظائر ص 93
17) عبدالوہاب خلاف مصادر التشریع الاسلامی فیما لانص فیہ 145 القاھرہ
18) ابو زھرہ اصول الفقہ ص 274، القاھرہ
19) حسن حامد حسان' المدخل لدراستہ الفقہ الاسلامی ص 213 القاھرہ
20) منظور افریقی' لسان العرب تحت المادۃ والعادۃ
21) ابن حجر عقلانی فتح الباری ج 4 ص 405 لاہور
22) العینی' عمدۃ القاری ج 12 ص 17 ' احیاء التراث الاسلامی ریاض
23) ظفر احمد عثمانی' اعلاء السنن ج 16 ص 413 کراچی
24) ابن نجیم الاشباہ والنظائر ص
25) امام احمد بن حنبل' المسند ج 1 ص 375 طبع بیروت
26) ابوبکر الجصاص' احکام القرآن ج 1 ص 404
27) ابن عابد مجموعۃ الرسائل ص 115 ترجمہ جو بات عرف سے ثابت ہے وہ شرعی دلیل سے ثابت ہے۔
28) ساجد الرحمان صدیقی' عرف وعادت اسلامی قانون کی نظر میں ص 39 ' اسلامی پبلی کیشنز لاہور 1991
29) ابن حجر عسقلانی فتح الساری ج 4 ص 407
30) الزرقانی' شرح موطا امام مالک ج 4 ص 495 دار الفکر بیروت
31) سلیم رستم باز' شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ ج 1 مادہ نمبر 30 بیروت

32) مصطفی الزرقاء' الفقہ الاسلامی فی ثوب الجدید ص 86 کویت
33) مصطفی الرزقاء' الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ص 866' م 86 کویت
34) مجیب ندوی' فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل ص 126 کراچی
35) قرآن حکیم سورہ ابراہیم آیت نمبر 4 وما ارسلنا من رسول الابلسان قومہ
36) ابن عابدین' ردالمختار ج 4 ص پاکستان

فقہِ حنفی کے فروغ میں فتاویٰ رضویہ کا کردار

ڈاکٹر مجید اللہ قادری

فقہِ حنفی کے فروغ میں فتاویٰ رضویہ کا کردار

ڈاکٹر مجید اللہ قادری

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

(النساء4:59)

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔ (کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسر قرآن حضرت علامہ سیّد نعیم الدین مراد آبادی (م1367ھ/1948ء) رقم طراز ہیں:

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ احکام تین قسم کے ہیں ایک وہ جو ظاہر کتاب یعنی قرآن سے ثابت ہوں ایک وہ جو ظاہر حدیث سے، ایک وہ جو قرآن و حدیث کی طرف بطریق قیاس رجوع کرنے سے، اولی الامر میں امام امیر بادشاہ حاکم قاضی سب داخل ہیں خلافتِ کاملہ تو زمانۂ رسالت کے بعد تیس

سال رہی مگر خلافتِ ناقصہ خلفاء عباسیہ میں بھی تھی اور اب تو امامت بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ امام کے لئے قریش میں سے ہونا شرط ہے اور یہ بات اکثر مقامات میں معدوم ہے لیکن سلطنت و امارت باقی ہے اور چونکہ سلطان و امیر بھی اولوالامر میں داخل ہیں اس لئے ہم پر اُن کی اطاعت بھی لازم ہے"۔

(حاشیہ خزائن العرفان علی کنز الایمان)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دورِ خلافت راشدہ میں صحابہ کرام کا بنیادی ماخذ متن قرآن اور احادیثِ رسول اللہ ﷺ تھیں مگر اس کے باوجود بھی خلفائے راشدین نے اَز خود یا اکابر صحابہ کے مشوروں سے اجتہاد اور قیاس سے کام لیا۔ اگرچہ ان کاموں کو لفظ "بدعت" سے تعبیر کیا گیا مگر اس کو احسن بدعت قرار دیا گیا کیونکہ وہ امر دین کے فروغ اور اشاعت کا سبب بن رہا تھا۔ دورِ خلافت ہجرت کے 40 ویں سال تک قائم رہا۔ پھر خلافت ناقصہ کا دور دورہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ سوائے دورِ عمر بن عبدالعزیزؒ کے، یہ خلافت مسلمانوں میں دوبارہ رائج نہ ہو سکی اور شاید اب کبھی قائم بھی نہ ہو سکے مگر یہ کہ اللہ ہی کسی بندے کو کھڑا کر دے۔ اصحابِ رسول ﷺ میں صحابہ کرام بالعموم ایسے تمام تر معاملات اَز خود قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک دوسرے سے معلومات حاصل کر کے حل فرما لیتے تھے اور حرام و حلال کے علاوہ زیادہ مصطلحات Terms بھی مستعمل نہیں ہوئیں تھیں مگر عجمیوں کے اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ ساتھ ضرورت بڑھ رہی تھی کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے اب کچھ بنیادی اصول مرتب کئے جائیں۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں اس پر بہت تیزی سے کام ہوا اور سب سے بڑا کام ممتاز تابعی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے جیّد تلامذہ حضرت امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم کا ہے جنہوں نے فقہ اور اور اصول فقہ کی نہ صرف بنیاد ڈالی بلکہ اس کی اپنے دور میں تدوین بھی فرمائی اور سینکڑوں

نہیں، ہزاروں معاملات کو انہوں نے ان اصولوں کی بنیاد پر عوام الناس کے لئے سہل بنایا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ نے بالخصوص خلافتِ ناقصہ میں قاضی القضاۃ کے عہدوں پر رہتے ہوئے اسلامی قوانین کے مطابق عدل و انصاف فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے بعد کے فقہا کرام نے اس میں مزید آسانیاں پیدا کیں اور قوانین کو مزید سہل بنایا۔ یوں فقہ اور اصول فقہ کے اندر مزید وسعتیں پیدا ہوتی چلی گئیں تا کہ آنے والے دور کے مسائل کا حل بھی عدل و انصاف کے ساتھ قوانین شریعت کے مطابق کیا جا سکے۔

راقم الحروف فقہ و اصول فقہ کے حوالے سے نہ تمام دور کا احاطہ کر رہا ہے اور نہ تمام اصولوں کو یہاں پیش کر رہا ہے اور نہ ہی چند اوراق میں ان کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ راقم یہاں صرف ایک اصول فقہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اختصار کے ساتھ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہندوستان میں اولوالامر کی حیثیت رکھنے والے متعدد علماء فقہا گزرے ہیں، ان میں ایک انمول شخصیت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے جنہوں نے فقہ حنفی کے فروغ اور تدوین کا اکیلے بیڑا اٹھاتے ہوئے فتاویٰ عالمگیریہ کے بعد مستند اور کامل فتاویٰ، "فتاویٰ رضویہ" کی صورت میں چھوڑا ہے جو ایک مکمل اور کامل قوانین شریعہ کا ضابطہ ہے جسے ایک اسلامی مملکت میں کسی بھی وقت نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں فقہ اور اصول فقہ حنفی کے تحت تمام تر معاملات چاہے ان کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہو یا معاشی معاملات سے ہو، انفرادی یا اجتماعی معاملہ ہو، حدود و تعزیرات کے معاملات ہوں یا دورِ حاضر کے جدید مسائل ان سب کا حل "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" میں پیش کر دیا گیا ہے۔ جس کی اصل میں 12 ضخیم جلدیں ہیں جس کے اندر دو سو سے زیادہ تفصیلاً رسائل بھی قلمبند ہیں اور ہزاروں مسائل بھی اور ان بارہ جلدوں کو جب ترجمہ اور تخریج کے ساتھ دوبارہ مرتب کر کے شائع کیا گیا تو اس کی 30 جلدیں تشکیل پا سکیں جو دورِ حاضر میں فقہ حنفیہ کی مکمل

دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہ العزیز کو عرب وعجم کے علماء فقہاء نے 14ویں صدی ہجری کا مجدد اور فقیہ اسلام تسلیم کیا ہے کیونکہ آپ نے اپنے دور میں وہ مسائل حل کیے جن کو علماء عرب وعجم حل کرنے میں دشواریاں محسوس کررہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر کے دانشوروں نے آپ کو فقہ کی دنیا میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا جانشین اور ثانی ابوحنیفہ جیسے القاب سے یاد کیا چنانچہ ممتاز دانشور محترم کوثر نیازی صاحب، امام احمد رضا کی تصانیف بالخصوص فتاویٰ رضویہ کی جامعیت اور اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ ''فتاویٰ رضویہ'' فتاویٰ عالمگیریہ سے (جس کو 40 علماء ومفتیان نے مرتب کیا) کہیں زیادہ جامع اور کامل ہے جس کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

''فقہ حنفیہ میں ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں، ان میں سے ایک ''فتاویٰ عالمگیریہ'' ہے جو دراصل 40 علماء کی مشترکہ خدمت ہے۔ جنہوں نے فقہ حنفیہ کا ایک جامع مجموعہ ترتیب دیا (جو کسی حد تک ہندوستان میں رائج بھی ہوا) اور دوسرا فتاویٰ رضویہ ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام 40 علماء نے مل کر انجام دیا وہ اس مردِ مجاہد نے تنہا کرکے دکھا دیا اور یہ مجموعہ فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ عالمگیریہ سے زیادہ جامع ہے اور میں نے جو آپ کو امام ابوحنیفہ ثانی کہا وہ صرف محبت میں یا عقیدت میں نہیں کہا بلکہ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابوحنیفہ ہیں۔ آپ کے فتاویٰ میں مختلف علوم وفنون پر جو بحث کی گئی ہے اس کو پڑھ کر بڑے بڑے علماء کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کاش کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اس

دور کو میسر آجاتی تاکہ آج کل کے پیچیدہ مسائل حل ہوسکتے کیونکہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی۔ اس کے آگے مزید گنجائش نہیں ہوتی۔ (مولانا کوثر نیازی، مجلہ امام احمد رضا کانفرنس 1994ء ،ص 50 مطبوعہ)۔

شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال آپ کے ہم عصر ہیں۔ انہوں نے جب فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کیا تو وہ بھی کہہ اُٹھے ''ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے کہ مولانا جب ایک دفعہ رائے قائم کرلیتے تھے۔ اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت ہی غور وفکر کے بعد کرتے تھے''۔ (مقالاتِ یوم رضا ص 10، مطبوعہ لاہور)

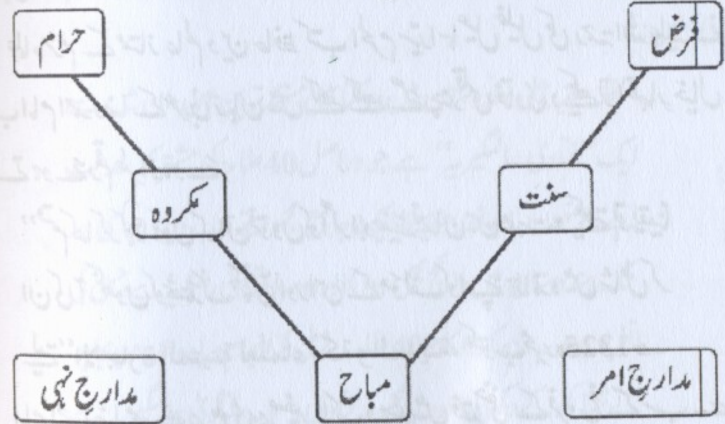
علماء حرم کے ممتاز عالم دین حافظ کتب الحرم سیّد اسماعیل خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب امام احمد رضا کے عربی زبان میں لکھے گئے چند قلمی فتاویٰ دیکھے تو اظہارِ خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہوئے:

''قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان فتوؤں کو اگر ابوحنیفہ نعمان بن ثابت دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل کرلیتے'' الاجارة المتینة لعلماء بکة والمدینة، مکتوب محررہ 1325ھ۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی برصغیر پاک وہند میں فقہ حنفی کے فروغ کے سب سے بڑے داعی تھے۔ انہوں نے ماقبل ''فتاویٰ عالمگیریہ'' کا جائزہ لیا تھا اس لئے انہوں نے آنے والے وقت میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کے لئے فتاویٰ رضویہ کو فقہ حنفی کے تسلسل میں مکمل طور پر مربوط کیا جس میں انہوں نے ہر ہر مسئلے میں تحقیق کا حق ادا کردیا۔ آپ نے معاشرتی، معاشی، اقتصادی اور دیگر کسی بھی مسئلے کو نہ چھوڑا کہ بعد والوں کو جزئیات ہی تلاش کرنے میں عشرے نہ گزر جائیں۔ امام احمد رضا نے ہر ہر پہلو سے فقہ حنفی کو فروغ دینے کے

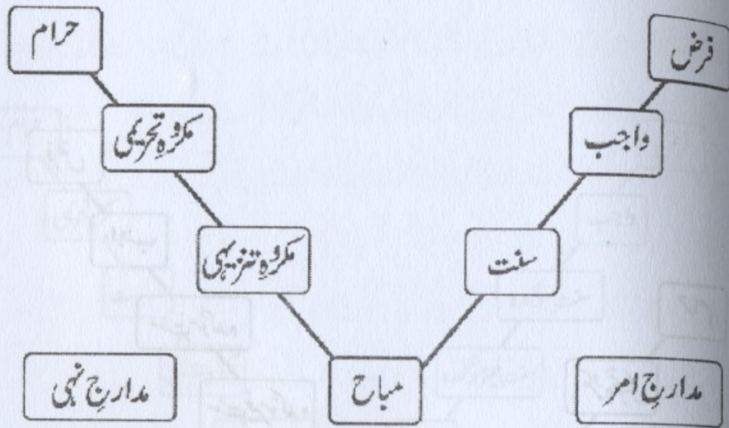
لئے اپنی تمام تر علمی صلاحیتیں صرف کیں اور فقہ حنفی کے اصولوں کی روشنی میں اپنے جزئیات مرتب کر دیئے کہ رہتی دنیا تک ہم ان سنہرے اصولوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہاں صرف ایک تجزیہ کو زیر بحث لانا چاہتا ہوں اور وہ اصولی نکتہ یہ ہے کہ کسی بھی پہلو سے کسی معاملہ کے حرام وحلال اور اس کے درمیان کیا کیا نوعیت ہو سکتی ہیں کیونکہ ابتدا میں تو صرف حرام اور حلال کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ پھر یہ بڑھتے بڑھتے 3-5-7 ہوتی چلی گئیں اور امام احمد رضا نے اس کی تکمیل فرمادی۔ اس تدوین کا تاریخی پہلو ملاحظہ ہو۔

شریعت مطہرہ کے احکامات جو امر و نہی دونوں پر مشتمل ہوتے ہیں فقہا اور علماء اصولیین نے ابتدا میں ان کو پانچ اقسام یعنی فرض، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح میں تقسیم کیا تھا جس کو احقر نے مندرجہ ذیل میزان بنا کر بتایا ہے:



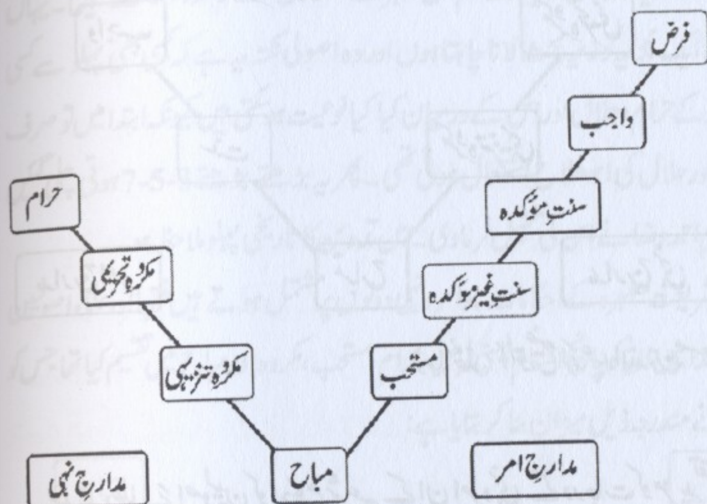
(مآخذ: مسلم الثبوت)

بعد ازیں علمائے اصولین نے اس میں مزید توسیع کی اور ان کو پانچ کے بجائے سات اقسام میں تقسیم کر دیا یعنی فرض، واجب، سنت، حرام، مکروہِ تنزیہی اور مباح جس کو مندرجہ ذیل میزان میں دیکھا جا سکتا ہے۔

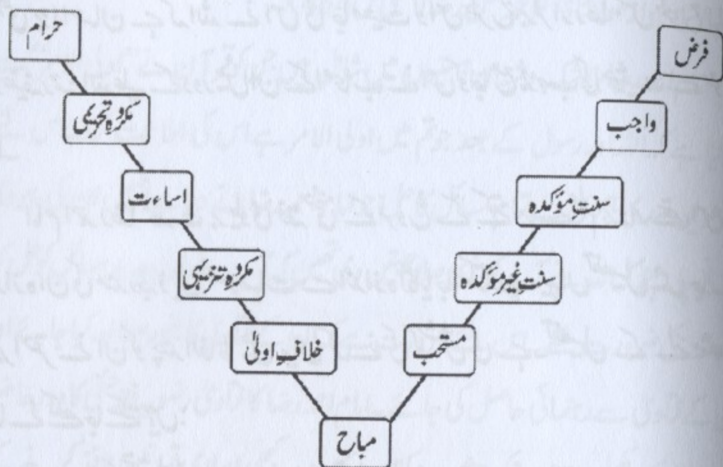


(مآخذ: التوضیح از عبداللہ بن مسعود)

بعد میں علمائے اصولیین کو احکامِ شرعیہ کے ان امر و نہی کے درجات کو مزید تقسیم کی ضرورت پیش آئی تاکہ عوام الناس کو امر و نہی سمجھنے اور عمل کرنے میں آسانی ہو جائے چنانچہ انہوں نے سات کے بجائے 9 میں تقسیم کیا مگر نہی کے لئے انہوں نے وہی تین اصطلاحیں استعمال کیں یعنی حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی۔ دوسری جانب امر کے لئے 5 اصطلاحیں استعمال کیں یعنی فرض، واجب، سنتِ مؤکدہ، سنتِ غیر مؤکدہ، مستحب اور آخر میں دونوں جانب سے مباح اس کو یوں دیکھا جا سکتا ہے:



امام احمد رضا محدث بریلوی نے احکام کی یہ تمام قسمیں جو منتشر طور پر فقہا کی کتابوں میں تھیں ان سب کو یکجا کیا اور ان اصولیین کی مزید اصلاح فرمائی اور تیرہ سو سالہ دور کے فقہاء کرام کے کام کو یکجا کیا اور ان 9 مدارج میں دو نئی اصطلاحیں استعمال کر کے ان کی تعداد کو نہ صرف گیارہ تک پہنچایا بلکہ امر و نہی میں جو توازن میزان نہ تھا، اس کا توازن بھی قائم کیا۔ آپ نے ان گیارہ مدارج کی اصولی ترتیب بھی فرمائی جو مندرجہ ذیل میزانِ امام احمد رضا میں دیکھی جاسکتی ہے:



امر و نہی کا میزانِ امام احمد رضا محدث بریلوی

مندرجہ بالا میزان میں احکامات کی شرعی حیثیت میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر امر اپنے نہی کے مقابل ہے اور ان سب کے وسط "مباحِ خالص" ہے۔ احکام کی یہ تمام قسمیں یکجا اور میزان عدل کے طرز پر سوائے امام احمد رضا کے کسی اور فقیہ کے ہاں پورے عالم اسلام میں نہیں ملیں گی۔ یہ امت پر اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے امام احمد جیسا مدبر اور محقق ہمیں اس دور میں دیا جس نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہوئے ان کے اصولوں کو مزید آسان بناتے ہوئے امر و نہی کا جو میزان دیا ہے اس سے تمام مسائل بہ آسانی حل ہو سکتے ہیں اور اب معاشرتی معاشی یا کسی بھی نوعیت کا جدید معاملہ ہو

اس میزان کے تحت ہم اس کی امر ونہی کی حیثیت قائم کر سکتے ہیں۔ یہ امام احمد رضا کا فقہ حنفی پر بھی بڑا احسان ہے کہ اللہ نے اس کی جامعیت کو اس طرح برقرار رکھا جس طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ان کے اصحاب نے اس کو جامع مذہب کی حیثیت سے منوایا تھا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی فقہ حنفی کے فروغ کے کتنے بڑے علم بردار تھے، اس کا اندازہ ان کی مندرجہ ذیل خصوصیات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، یہاں تفصیل میں جائے بغیر احقر نے ان کو چند الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ تفصیل کے لئے متعدد مقالے لکھے جاسکتے ہیں:

1) جس مسئلہ کی تحقیق فرماتے، اس میں اقوال سلف کا استقصار فرماتے۔

2) احتمالِ شقوق کا استصیاب کرتے۔

3) غیر معتمد اقوال وشقوق پر کلام وافر فرماتے۔

4) کلام سلف کی توجیہات فرماتے۔

5) اقوال متبائن ودلائل مختلفہ میں تطبیق فرماتے۔

6) تطبیق وتوجیہ ناممکن ہوتی تو ترجیح دیتے۔

7) توجیہ وتوفیق اور ترجیح کے اسباب وعلل پر مدلل کلام فرماتے۔

8) ضوابطِ کلیہ وضع فرماتے۔

9) اصلاح واضافہ فرماتے۔

10) دلائل ومسائل کی بھرپور تنقیح فرماتے۔

11) مسائل جدیدہ کا استنباط کرتے۔

12) علوم عصریہ سے دینی مسائل کی تائید فرماتے۔

(فقیہ اسلام، ازمولانا ڈاکٹر محمد حسن رضا اعظمی ص 464)۔

امام احمد رضا بلا شک وشبہ ان ہستیوں میں شامل ہیں جن کو قرآن نے ''اولی الامر'' سے یاد کیا ہے کہ اللہ اور رسول کے بعد جو تم میں اولی الامر ہے اس کی اطاعت کرو۔ اس لئے چودھویں صدی ہجری کے تمام مسائل کا حل جو امام احمد رضا نے دیا ہے ہمیں ان کی پیروی کرنی چاہئے کہ اللہ نے آپ کو ایسی صلاحیتیں دی تھیں کہ آپ نے ان جدید مسائل کو حل کیا جو وقت کی ضرورت تھے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے فتاویٰ کا بغور مطالعہ کیا جائے اور ان کے فتاویٰ سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ امام احمد رضا کا فتاویٰ رضویہ فقہ حنفی کا دورِ حاضر کے لئے ایک مکمل دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب کبھی اسلامی قوانین نافذ کرنے کے لئے قوانین شرعیہ کی ضرورت ہو، فتاویٰ رضویہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

رفاہی ریاست کے قیام میں
فقہ حنفی کا کردار

ڈاکٹر قاری محمد اقبال
صدر، شعبہ علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

رفاہی ریاست کے قیام میں فقہ حنفی کا کردار

ڈاکٹر قاری محمد اقبال

تمہید

رفاہی ریاست کے قیام میں فقہ حنفی اور حنفی فقہاء کے کردار کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ ریاست کے رفاہی ہونے کا ایک معیار مقرر کرلیا جائے تا کہ اس معیار پر پورا اترنے کی صورت میں کسی ریاست کو رفاہی قرار دیا جاسکے۔

ابن منظور افریقی "رفاهية" کا ترجمہ:

رغد الخصب ولين العيش (خوش حالی، زرخیزی اور آرام دہ زندگی) کے الفاظ میں کرتے ہیں۔(1)

المعجم الوسیط کے مؤلفین **رفاهة ورفاهية** کا مفہوم '**رغد العيش وسعة الرزق والخصب والنعيم**' (خوش حالی، وسعت رزق، کثرت پیداوار اور پرمسرت زندگی کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔(2)

مندرجہ بالا دونوں حوالوں میں کثرت پیداوار، معاشی خوشحالی اور دشواریوں سے پاک زندگی کا مفہوم مشترک ہے۔ گویا رفاہی ریاست وہ ہے جس کے شہری خوش حال ہوں، ہر شہری کو وسائل رزق دست یاب ہوں، کوئی آدمی اضطراری فقر و فاقے سے دوچار نہ ہو، چوری، ڈکیتی، ظلم، حق تلفی، لوٹ مار اور سلب ونہب کا اسے کوئی خوف نہ ہو۔ ہر شخص کی

جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو۔ ہر شہری زندگی کی جائز مسرتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ مستقبل کے امکانی خطرات مثلاً مرض، معذوری، بیروزگاری اور اپنے بعد بیوی بچوں کی کفالت وغیرہ کے بارے میں اسے اطمینان ہو۔ رفاہیت کا یہ معیار مقرر کر لینے کے بعد ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ تعلیمات اسلام کے بنیادی سر چشمے قرآن و سنت اور ذیلی ضوابط کار (فقہیات اسلام بالخصوص حنفی فقہ) افلاس سے پاک اور خوش حال و پر مسرت زندگی کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

قرآن کریم اور خوش حالی

قرآن کریم میں معاشی خوش حالی، رزق کی فراوانی اور ضروریات زندگی کی احسن طریقے سے تکمیل کو اللہ کی نعمت اور بھوک کو اللہ کا عذاب قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ نحل میں ارشاد ربانی ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (3)

اللہ تعالیٰ ایک بستی (والوں) کی مثال بیان فرماتے ہیں جو امن واطمینان سے رہتے تھے، ان کا رزق کثرت کے ساتھ اطراف واکناف سے آتا تھا، پھر اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگے جس پر اللہ نے انہیں بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا جو انہی کے کرتُوتوں کی سزا تھی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امن، اطمینان، کثرت رزق اور تجارتی وسعت کو اللہ کی نعمتیں اور بھوک وغیرہ میں مبتلا ہونے کو اللہ کی طرف سے ناشکری کی سزا قرار دی ہے۔ صرف ایک آیت کے بعد ارشاد فرمایا گیا:

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (4)

اللہ کا دیا ہوا حلال اور پاکیزہ رزق کھایا کرو اور اس کی نعمت کا شکر ادا کیا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت میں کھانے کی حلال اور پاکیزہ چیزوں کو اللہ کا رزق اور اس کی نعمت کہا گیا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا اور عبادت ایک دوسرے کے متضاد نہیں بلکہ لازم وملزوم ہیں۔ سورۃ کہف میں بھی ایک آدمی کی مثال بیان فرمائی گئی جس کو انگوروں اور کھجوروں کے دو باغ دیئے گئے جس کے پھل دار درختوں کے درمیان خالی جگہ پر وہ آدمی کھیتی باڑی بھی کرتا تھا۔ اس کے دونوں باغ بھرپور پھل دیتے تھے اور دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر بہتی تھی۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الرَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا O كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا (5)

ان آیات میں جَعَلْنَا (ہم نے بنائے) حَفَفْنٰهُمَا (ہم ان کے چاروں طرف لگا دیئے) اور فجرنا (ہم نے جاری کر دی) کے الفاظ ان افعال کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت بیان کر رہے ہیں اور ان تینوں چیزوں کو اللہ کی نعمت کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔

سورۃ قریش میں تجارتی سہولتوں کی دست یابی اور اس کے نتیجے میں بھوک سے حفاظت اور خوف سے امن کو قریش پر اللہ کی نعمت قرار دیا گیا اور انہیں بطور شکر رب کعبہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا۔ (6)

سورۃ عبس میں انسانوں اور ان کے پالتو مویشیوں کو خوراک کی فراہمی اور اس کے

انتظامات کے سلسلہ میں بارش برسانا، زمین میں جگہ جگہ شگاف ڈال کر اناج، انگور، سبزیاں، زیتون، کھجوریں، گھنے باغ، پھل اور گھاس پیدا کرنے کو متاع قرار دیا گیا۔ (7)

کھانے پینے، لباس، رہائش، سواری اور استعمال کی دیگر اشیاء کا استعمال صرف ضرورت کی حد تک جائز قرار نہیں دیا گیا بلکہ ان چیزوں میں عمدگی اور اچھا معیار اپنانے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیب و زینت کی حد تک بھی ان کا استعمال جائز ہے۔ عمدہ کھانا، نفیس لباس، خوبصورت گھر، شان دار سواری وغیرہ اسلامی شریعت میں ناجائز نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (8)

اے اولاد آدم! ہر عبادت گاہ میں زینت کو لازم کر لو، کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو، کیونکہ فضول خرچ لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ اے رسول! آپ بھی کہہ دیں کہ وہ کون ہوتا ہے جو کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو اور اللہ کی اس زینت کو حرام کہتا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے۔

قرآن پاک میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ پاکیزہ چیزوں کو حرام اور ممنوع سمجھنے یا کہنے کو حد سے تجاوز اور اللہ کی محبت سے محرومی کا سبب بتلایا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (9)

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ سمجھو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔ حد سے نہ بڑھو کہ حد سے بڑھنے والے اللہ کو پسند

نہیں ہیں۔

لباس کے زینت ہونے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا (10)

اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے لائق ستر حصوں کو چھپاتا ہے اور سامان زینت بھی ہے۔

سواریوں کو انسانی سج دھج کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (11)

اللہ تعالیٰ نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم ان پر سواری کرو اور زینت حاصل کرو، وہ ایسی سواریوں بھی پیدا کرے گا جن کے بارے میں تم نہیں جانتے۔

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ سواریوں کے سلسلے میں تخلیق و تدریج اور تجدید و تحسین کا عمل جاری رہے گا۔ عہد رسالت کے لوگوں کیلئے ہماری کاریں، بسیں، گاڑیاں، ہوائی جہاز وغیرہ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ تھے اور ہمارے لئے آئندہ ایجاد ہونے والی سواریاں اس زمرے میں آتی ہیں۔

پالتو جانوروں کو بھی ذریعہ خوراک، سردی سے بچنے کا باعث اور وسیلہ جمال کہا گیا:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ج لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ

اللہ نے مویشی پیدا کئے جو تمہارے لئے گرم لباس، بہت فوائد اور خوراک کا ذریعہ ہیں۔ ان میں تمہارے لئے صبح و شام خوب صورتی

کا سامان بھی ہے۔(12)

کھانے پینے ،لباس ، گھر،سواری،مویشی،کھیتیاں،باغات اور نہروں وغیرہ کے بارے میں مندرجہ بالا قرآنی ارشادات اس لئے پیش کئے گئے ہیں کہ مقامی سطح پر اس عمومی اور عوامی جبکہ بین الاقوامی سطح پر بعض اہل مذاہب کی اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کا استعمال روحانی درجات کے زوال اور اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنتا ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا کی ہیں۔ ان میں انسانوں کے لئے بے شمار فوائد رکھ دیئے ہیں اور ان کی فراوانی کسی معاشرے کی رفاہیت اور خوش حالی کا ثبوت ہے۔

سنتِ رسول ﷺ اور خوش حالی

چونکہ خوش حالی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت قرار دیا ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی خوشحالی کے لئے بھرپور کوشش فرمائی۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی مہاجرین وانصار کے درمیان مؤاخاۃ کا قیام تھا۔ ہجرت کے بعد سب سے اہم اور فوری مسئلہ مہاجرین کی آباد کاری تھی ایک چھوٹی سی بستی میں تقریباً دوسو خاندانوں کو آباد کرنا آسان کام نہیں تھا بعض مہاجرین کے جسم پر کپڑوں کے سوا کوئی چیز نہیں تھی۔ اس مشکل صورتحال کا جو حل نبی کریم ﷺ نے نکالا ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی زبانی سنیئے۔

> ”آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے ان لوگوں کو بلایا جو نسبتاً خوش حال تھے اور ساتھ ہی مکی مہاجرین کے ان نمائندوں کو بھی بلایا جو اپنے خاندانوں کے سربراہ تھے۔ جب دونوں جمع ہو گئے تو حضورِ اکرم ﷺ نے مہاجرین کی سفارش کرتے ہوئے انصار سے خطاب فرمایا، یہ تمہارے بھائی ہیں۔ تمہارے ہی دین والے ہیں۔ دین ہی کی خاطر اپنے وطن اور اپنی ہر چیز کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں اس لئے

تمہارا فریضہ ہے کہ ان کی مدد کرو۔ آپ ﷺ نے تجویز دی کہ انصار میں سے ہر خاندان مکہ والوں کے ایک خاندان کو اپنے خاندان میں شامل کر لے۔ مؤاخاۃ یا بھائی چارے کا مفہوم یہ نہیں تھا کہ مہاجرین مفت خوری کرنے والے مہمانوں کی طرح رہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب بجائے چھوٹے خاندان کے بڑا خاندان ہو گا۔ دونوں خاندان کام کریں گے۔ جب کام زیادہ کیا جائے گا تو آمدن زیادہ ہوگی۔ آمدن زیادہ ہوگی تو دونوں کی گزر بسر کا انتظام آسان ہو جائے گا۔ کوئی شخص کسی خاندان پر بار نہیں بنے گا اس لئے سب ہی نے یہ تجویز بخوشی قبول کر لی“ (13)

اس مؤاخاۃ نے مسلمانوں کے درمیان باہمی تعاون کے دروازے کھول دیئے۔ انصار باغ بانی اور کاشت کاری کرتے تھے لیکن انہیں تجارت کا تجربہ نہیں تھا۔ اس وجہ سے وہ اپنی زرعی پیداوار تجارتی مہارت سے فروخت نہ کر سکتے تھے۔ مہاجرین کو تجارت کا تجربہ تھا چنانچہ انصار و مہاجرین کی مؤاخاۃ کا نتیجہ یہ نکلا کہ زراعت اور تجارت کی مہارتیں اکٹھی ہو گئیں۔ انصار کی پیداوار تجارتی مہارت و بصیرت سے فروخت ہونے لگی اس طرح چند سالوں میں انصار یہودیوں کے سودی شکنجے سے آزاد ہو گئے۔ صدیوں کی معاشی غلامی سے چند سالوں میں آزاد ہونے کا یہ حیرت انگیز واقعہ اعجازِ نبوت کی انوکھی مثال ہے۔ ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔

> ”4ھ میں غزوۂ بنی نضیر کے نتیجے میں جب بنو نضیر کو مدینے سے جلا وطن کیا گیا تو یہودیوں نے عذر پیش کیا کہ ہمارے قرضے لوگوں کے ذمہ ہیں۔ تحقیق پر یہ محض عذر نکلا کیونکہ مسلمانوں میں سے صرف ایک آدمی اسید بن حضیر کے ذمہ ایک سو بیس (120) دینار کا قرض نکلا جبکہ مدت ادائیگی میں ایک سال باقی تھا۔ اسی (80) دینار کی فوری

ادائیگی پر اس معاملے کو طے کر دیا گیا"۔ (14)

نبی کریم ﷺ کو مسلمانوں کی مالی مشکلات کا اتنا احساس تھا کہ یوم بدر کے موقع پر آپ نے ان کے لئے یوں دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ انھُم حُفاۃ فَاحمِلھُم اَللّٰھُمَّ اِنَّھُم عُراۃ فَاکسُھُم
اَللّٰھُمَّ انھُم جِیاعٌ فَاشبِعھُم (15)

اے اللہ! ان کے پاس سواری نہیں ہے ان کو سوری عطا کر دیں، ان کے پاس لباس نہیں ہے انہیں لباس عطا کر دیں، یہ بھوکے ہیں ان کو پیٹ بھر کر کھانا دے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی:

فَانقَلَبُوا حِینَ انقَلَبُوا وَمَا مِنھُم رَجُلٌ اِلاَّ وَقَد رَجَعَ بِجَمَلٍ
اوجملین واکتسوا وشبعوا (16)

مجاہدین بدر سے اس طرح لوٹے کہ ہر آدمی کے پاس ایک یا دو اونٹ تھے انہیں لباس بھی مل گیا اور پیٹ بھر کر کھانا بھی۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سواری، لباس اور کھانا وغیرہ اسلامی تعلیمات میں ممنوع ہیں نہ معیوب۔

معاشی خوش حالی کے ساتھ اگر خوف خدا اور فتنہ وفساد سے پرہیز مل جائیں تو یہ ملاپ ایک خوش حال آدمی کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے۔

رسول اللہ کا ارشاد ہے:

ان اللہ یحب العبدالتقی الغنی الخفی (17)

بے شک اللہ تعالیٰ متقی، مالدار اور خلوت نشین بندے کو محبوب رکھتے ہیں۔

ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معاشی جدوجہد

نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر معاشی جدوجہد کی فضیلت بیان کی اور مالی حالات درست کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی تاکہ مسلمان اقتصادی طور پر کسی سے پیچھے نہ رہیں۔

آپ ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

اذاصلیتم الفجر فلاتناموا عن طلب ارزاقکم (18)

جب تم فجر کی نماز پڑھو تو رزق کی تلاش سے غافل ہو کر سوتے نہ رہو۔

کرم الدنیا الغنی و کرم الآخرۃ التقویٰ (19)

دنیا کی شرافت دولت مند ہونے میں اور آخرت کی شرافت پرہیزگار ہونے میں ہے۔

طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (20)

حلال روزی کمانا ایک فرض (نماز) کے بعد دوسرا فرض ہے۔

نبی کریم ﷺ کے یہ ارشادات اس بات کا ثبوت ہیں کہ معاشی جدوجہد زہد کے خلاف ہے نہ توکل کے، للّٰہیت کے خلاف ہے نہ ربانیت کے، تزکیہ نفس کے خلاف ہے نہ تصفیہ باطن کے، تصوف کے خلاف ہے نہ روحانیت کے اور حقوق اللہ کے خلاف ہے نہ حقوق العباد کے۔

خوش حالی کے مقابلے میں فقر وفاقہ اور افلاس کو کفر کا موجب اور اخلاق کو برباد کرنے والا قرار دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں:

کاد الفقران یکون کفراً (21)

قریب ہے کہ محتاجی کفر ہو جائے۔

ان الرجل اذایغرم حدث فکذب ووعدفاخلف (22)

مقروض (جب قرض ادا نہیں کر سکتا) تو جھوٹ بولتا اور وعدہ خلافی کرتا ہے۔

اللهم انی اعوذبک من الجوع فانه بئس الضجیع (23)

اے اللہ! میں میں بھوک سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کیونکہ وہ وہ برا ساتھی ہے۔

اللهم انی اعوذبک من الفقر والقلة والذلة (24)

اے اللہ! میں محتاجی، مال کی کمی اور رسوائی سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

بیان کردہ ان احادیث میں نبی کریم ﷺ کی یہ خواہش نظر آ رہی ہے کہ آپ چاہتے تھے کہ کوئی آدمی بھوکا نہ ہو، کوئی آدمی ضروریات زندگی سے محروم نہ ہو، کسی کو دست سوال دراز کرنے یا زبان سے سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ ائے اور ہر ایک کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات پوری کر سکے۔

حکومتی ذمہ داریاں اور فقہ حنفی کی خدمات

اسلامی تعلیمات کے مطابق ریاست کے تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کی کفالت اور رعایا کی خوش حالی کے تمام ممکنہ اقدامات کی ذمہ داری حکومت پر ہے اور اس سلسلے میں حکومت کا کردار ہی فیصلہ کن ہو سکتا ہے حکومتی فیصلے ہی زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت کو ترقی کی جانب لے جا سکتے ہیں اور حکومت کے غلط فیصلے ہی ان تمام وسائل رزق کو برباد کر سکتے ہیں۔ حکومت کی اس کلیدی اور بنیادی حیثیت کی وجہ سے ہی خود نبی کریم ﷺ نے اور بعد میں ائمہ مجتہدین، فقہا اور مصلحین اُمت نے اپنی تحریر وتقریر میں اسلامی حکومت کو اس کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔ حنفی فقہاء کا کردار اس سلسلے میں سب سے نمایاں ہے جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں ریاست وحکومت کی سطح پر اسلامی قوانین کے نفاذ اور اس کی عملی کوشش کے تین دور نمایاں ہیں۔ عباسی دور، مغلیہ دور اور عثمانی دور۔ ان ادوار کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ اسلامی اصول وقوانین کے نفاذ کی خواہش ارباب حکومت کی طرف سے ہوئی جس کا نتیجہ وسائل کی دست یابی، قانون سازی کے کام میں تیزی اور نفاذ میں قوت تاثیر کی صورت میں نکلا۔ ہمارے لئے اس میں خوشی اور اطمینان کا

پہلو یہ ہے کہ ان تینوں ادوار میں خدمت دین کا یہ عظیم کام قدرت نے حنفی فقہاء سے لیا۔

ہارون الرشید کے دور میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، مغلیہ دور میں شیخ نظام الدین برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ اور عثمانی دور میں حنفی عالم ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اس کارِ عظیم کے سرخیل تھے۔ اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ اسلام میں جس فقہ کو حکومتی معاملات چلانے، ملکی آئین کے طور پر نافذ رہنے اور ریاست وحکومت کے پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی کا موقع ملا وہ صرف حنفی فقہ ہے۔ فقہ حنفی کی خدمات کے ان تینوں ادوار کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

کتاب الخراج اور عوامی فلاح و بہبود

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دورِ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد اسلامی حکومت تقریباً ڈیڑھ سو سال تک خانہ جنگی اور عدم استحکام سے دوچار رہنے کے بعد اپنے پاؤں پر مضبوطی سے کھڑی ہو گئی تھی اور خلیفۂ وقت نے خود اپنی حدود خلافت میں اسلام کے اصولوں پر رعایا کے حقوق ادا کرنے، اس کے معاملات کو سدھارنے اور اس کی خوش حالی کا عزم ظاہر کیا تھا۔ خلیفہ کی نگاہِ انتخاب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقرب ترین شاگرد قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی۔ یہ انتخاب مبارک ثابت ہوا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کے بارے میں ریاست کی ذمہ داریوں پر ''کتاب الخراج'' کے نام سے کتاب لکھی جو اپنے موضوع پر چودہ صدیوں میں لکھی گئی کتابوں پر اب تک بھاری ہے۔

یہ کتاب ہارون الرشید کے عہد سے خلافت عباسیہ کے خاتمے تک تقریباً آٹھ سو سال ریاستی قانون کے طور پر نافذ رہی۔ یہ کتاب اختصار، جامعیت، سہولت الفاظ، سلاست بیان اور عملی طور پر قابل عمل سفارشات پر مبنی ہے۔ اس کتاب نے اہل علم کو رعایا کے حقوق کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔ یحیٰی بن آدم القرشی متوفی 203ھ کی ''کتاب الخراج''، ابوعبید القاسم بن سلام متوفی 224ھ کی کتاب الاموال، ابن زنجویہ متوفی 251ھ کی کتاب الاموال، ابوالحسن

المادردی متوفی 450ھ کی الاحکام السلطانیۃ، ابویعلیٰ الفراء متوفی 458ھ کی الاحکام السلطانیۃ، ابن رجب حنبلی متوفی 795ھ کی الاستخراج لاحکام الخراج، امام ابویوسف متوفی 182ھ کتاب الخراج ہی کا تتبع اور فیضان ہیں۔

امام ابویوسفؒ نے اس کتاب میں خلافتی ذمہ داریوں کو بطریق احسن ادا کرنے کا عملی طریق کار بیان کرنے سے پہلے اس کے فضائل اور کوتاہی کے ارتکاب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی وعیدیں بھی بیان کی ہیں۔ یوں اس کتاب نے جہاں حکمرانوں کو فکری و عملی طور پر عوام پر بے جا بوجھ ڈالنے سے روکے رکھا وہاں عوامی سطح پر حقوق کا شعور پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے اس کتاب کے چند مندرجات پیش کئے جاتے ہیں۔

"یاامیر المومنین ان اللہ ولہ الحمدقد قلد ک امراً عظیماً: ثوابہ اعظم الثواب وعقابہ اشدالعقاب قد استرعا کھم اللہ وائتمنک علیھم وابتلاک بھم وولاک امرھم،ولیس یلبث البنیان اذااسس علی غیر التقوی فلاتضیعن ماقلدک اللہ من امرھذہ الامۃ والرعیۃ فان القوۃ فی العمل باذن اللہ" (25)

اے امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کی گردن میں بہت بڑا کام ڈال دیا ہے، جس کا ثواب بھی عظیم ترین اور جس کی سزا بھی سخت ترین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آپ کی رعیت بنایا، ان پر آپ کو امانت دار بنایا، ان کے بارے میں آپ کو آزمائش میں ڈالا اور آپ کو ان کے معاملات کا سرپرست بنا دیا ہے۔ عمارت کی بنیاد تقویٰ نہ ہو تو وہ جلد گر جاتی ہے اس امت

اور رعایا کی جو ذمہ داریاں اللہ نے آپ کی گردن میں ڈال دی ان کو ہرگز ضائع نہ کیجئے، عمل کی قوت بھی اللہ کے حکم سے ملتی ہے۔

لاتؤخر عمل الیوم الی غدفانک اذافعلت ذلک اضعت. ان الاجل دون الامل فبادرالاجل بالعمل فانہ لاعمل بعد الاجل. (26)

آج کا کام کل پر نہ ڈالیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اس کام کو ضائع کر دیا۔ موت خواہش سے زیادہ قریب ہے۔ موت سے پہلے عمل کر لیں کہ پھر عمل کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

واعمل لاجل مقضوض وسبیل مسلوک وطریق ماخوذ،وعمل محفوظ و منھل مورودفان ذلک المورد الحق والموقف الاعظم الذی تطیرفیہ القلوب و تنقطع فیہ الحجج یوم تزل فیہ الاقدام وتتغیرفیہ الالوان ویطول فیہ القیام ویشتدفیہ الحساب (27)

طے شدہ مہلت، متعین سفر، یقینی راستے، محفوظ عمل اور پیاس بجھانے والے چشمے پر اترنے کے لئے ابھی سے عمل کر لیجئے۔ وہ حاضر ہونے کی ایسی سچی جگہ اور کھڑا رہنے کا ایسا مقام ہے جہاں (خوف سے) دل اڑ جائیں گے اور دلیلیں دم توڑ دیں گی جس دن پاؤں پھسل جائیں گے، چہروں کے رنگ متغیر ہو جائیں گے، قیام طویل ہو جائے گا اور سختی سے حساب لیا جائے

گا۔

اضاءۃ نورولاۃ الامر اقامۃ الحدود ورد الحقوق الی اھلھا بالتثبت والامر البین (28)

حکمرانوں کا روشنی بانٹنا یہ ہے کہ وہ حدود قائم کریں، حق داروں کا حق ثابت قدمی اور نظر آنے والے انصاف کے ذریعے لوٹائیں۔

وقد کتبت لک ما امرت بہ وشرحتہ لک وبیّنتہ فتفقھہ وتدبرہ وردد قراءتہ حتّٰی تحفظہ فانی قد اجتھدت لک فی ذلک ولم الک والمسلمین نصحًا ابتغاء وجہ اللّٰہ وثوابہ وخوف عقابہ (29)

آپ کے حکم کے مطابق میں نے کتاب لکھ دی ہے اور اس کی تشریح اور وضاحت بھی کر دی ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھیں، اس پر خوب غور کریں اور بار بار پڑھیں یہاں تک کہ آپ کو زبانی یاد ہو جائے۔ میں نے اس کام میں سخت محنت کی ہے اور آپ کی اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ میرے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب کا حصول تھا اور اس کی گرفت کا ڈر۔

یہ اس ہدایت نامے کے چیدہ اقتباسات ہیں جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج کے شروع میں خلیفہ ہارون الرشید کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ ان اقتباسات کا لفظ لفظ راعی اور رعیت کی خیر خواہی، ابلاغ میں حق، ہیبت حق کی وجہ سے خوف خلق سے بے نیازی، عندالسلطان کلمہ حق کے ساتھ ساتھ حسن الفاظ، عمق معنی، رفعت مقصد اور کمال انشاء پردازی

کا عمدہ نمونہ ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے اپنی اس کتاب میں حکمرانوں کے فرائض پر نبی کریم ﷺ کے ارشادات بھی بیان کئے ہیں۔ عہد رسالت سے قرب کی وجہ سے آپ کا سلسلہ روایت بھی دو تین واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس خوبی کی بناء پر چند احادیث بطور حصول برکت درج کی جاتی ہیں:

انّ من احبّ الناس الیّ واقربھم منّی مجلساً یوم القیمۃ امام عادل وانّ ابغض الناس الی یوم القیمۃ واشد ھم عذابا امام جائر (30)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لوگوں میں میرا سب سے محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا اور قیامت کے دن مجھے سب سے ناپسند اور سخت ترین عذاب میں ظالم حکمران ہوگا۔

اذا اراد اللّٰہ بقوم خیراً استعمل علیھم الحلماء وجعل اموالھم فی ایدی السمحاء واذا اراد اللّٰہ بقوم بلاءً استعمل علیھم السفھاء وجعل اموالھم فی ایدی البخلاء الا من ولی من امر امتی شیئاً فرفق بھم فی حوائجھم رفق اللّٰہ بہ یوم حاجتہ ومن احتجب عنھم دون حوائجھم احتجب اللّٰہ عنہ دون خلتہ وحاجتہ

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو ان پر علم والے حکمران لے آتے ہیں اور ان کے اموال سخی اور سیر چشم لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ

مصائب کا ارادہ رکھتے ہیں تو ان پر کم عقل لوگوں کو حکمران بنا دیتے
ہیں اور ان کے اموال بخیلوں کے قبضے میں دے دیتے ہیں۔
خبردار! جس شخص کے سپرد میری امت کا کوئی کام بھی کیا گیا اور اس
نے ان پر نرمی کی تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں اس پر نرمی فرمائیں
گے اور جو شخص ان کی حاجات پوری کرنے سے دور رہا اللہ تعالیٰ بھی
اس کی دوستی اور حاجت پوری ہونے سے دور ہو جائیں گے۔(31)

یہ وہ بنیادی کام تھا جسے ازل نے ایک حنفی امام کے حصے میں رکھ دیا تھا۔ جس نے ایک طرف حکمرانوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا اور دوسری طرف عوام میں حقوق کے لئے ایک بیداری کی لہر پیدا کر دی۔ راعی اور رعیت کے حقوق و فرائض کے آگاہی نے ریاست و حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا یہی وجہ ہے کہ عباسیوں کے پیش رو امویوں کو حکومت کے 100 سال بھی پورے کرنے کا موقع نہ ملا جبکہ عباسیوں کی حکومت 800 سال تک جاری رہی۔

فقہ حنفی کی خدمات کا دوسرا دور اور فتاویٰ عالم گیری

برصغیر کے مسلمان حکمرانوں میں اورنگ زیب عالم گیرؒ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ وہ برصغیر میں اسلامی تعلیمات کے احیاء کے حقیقی خواہش مند تھے۔ حکومتی آمدن کو عوام کی امانت سمجھنے اور ذاتی اخراجات کے لئے شاہی مصروفیات کے باوجود قرآن کریم کی کتابت اس عظیم حکمران کی منفرد فضیلت ہے۔ انہیں اپنی ذمہ داریوں کا بخوبی احساس تھا اور بادشاہ ہونے کی وجہ سے ذاتی طور پر جانتے تھے کہ مختلف افکار و خیالات، تہذیبی روایاتی اور ادیان و مذاہب کے ماننے والوں پر حکومت کرنا کس قدر دشوار ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ طبقاتی مفادات کا ٹکراؤ معاشرتی امن و سکون کیلئے کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔
ان تمام باتوں کا حل انہوں نے یہی سمجھا کہ دین رحمت کی مستند تعبیر فقہ حنفی کا اجراء کیا

جائے جس کو برصغیر کی مسلمان اکثریت کا اعتماد حاصل تھا اور جو پہلے بھی ریاستی قانون ہونے کا اعزاز اور تجربہ رکھتی تھی اور دوسرے مذاہب فقہ کے مقابلے میں غیر مسلم شہریوں کے لئے بھی قابل قبول تھی۔ چنانچہ وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے، ہندو اکثریت پر قلت تعداد کے باوجود مسلم حکومت کے نازک اور حساس کام میں آسانی مہیا کرنے اور متعلقہ مسائل کو حل کرنے کے لئے فقہ حنفی کی تدوین نو کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ کام بعد میں فتاویٰ عالم گیری کے نام سے معروف ہوا۔ اس فتاویٰ کی تدوین کے مراحل دائرہ معارف اسلامیہ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

> ''فتاویٰ عالم گیری کی تالیف اس زمانے کا بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ یہ عالم گیر کی ذاتی نگرانی میں تالیف ہوئی۔ اس کی تدوین کیلئے تقریباً 50 علماء پر مشتمل ایک مرکزی جماعت تشکیل ہوئی۔ جماعت کے صدر شیخ نظام الدین برہان پوری تھے۔ مرکزی جماعت کے تحت ذیلی جماعتیں بھی تھیں۔ فقہ کی تمام معتبر کتابیں مہیا کر دی گئی تھیں۔ زیادہ تر استفادہ شاہی لائبریری سے کیا جاتا تھا۔ ایک ایک مسئلے کی اچھی طرح چھان بین کی جاتی تھی۔ سابق فتوؤں کی توضیح و تشریح معتبر علماء کے حوالوں سے کی گئی۔ تیاری اور نظر ثانی کے بعد مسودات عالم گیر کے سامنے پیش کیئے جاتے تھے۔ اگر کوئی فروگزاشت ہوتی تو عالم گیری کی ہدایت پر دور کی جاتی تھی۔ اس کی تالیف کا آغاز 1077ھ میں اور تکمیل 1080ء میں ہوئی، اس پر اس زمانے میں 2 لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ فتاویٰ عالم گیری کو نہ صرف برصغیر میں مقبولیت حاصل ہوئی بلکہ پوری اسلامی دنیا میں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ترکی، شام، مصر اور دیگر بلاد اسلامیہ

میں شرعی فیصلوں میں اسے بطور سند استعمال کیا جانے لگا" (32)

فقہ اسلامی کی تدوین نو، مجلۃ الاحکام العدلیہ اور حنفی فقہ

فقہ اسلامی کی خدمت کے لحاظ سے اس کی باقاعدہ تدوین، شق وار دفعات میں اس کی ترتیب، مختلف قانونی جزئیات کی عنوانات کے تحت تنظیم ایک بڑا کام تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک یہ کام نہیں ہو سکا تھا۔ فتاویٰ کی درجنوں کتابیں موجود تھیں لیکن فقہی اقوال کی کثرت بلکہ اختلاف وتضاد قاضیوں کو کسی فقہی قول کا سہارا لے کر ایک رائے قائم کرنے اور فیصلہ سنانے میں تو مددگار ثابت ہو سکتی تھیں لیکن ایک باقاعدہ ریاست کا غیر نزاعی قانون نہ بن سکتی تھی۔ علاوہ ازیں دوسرے ممالک کے ساتھ سیاسی اور تجارتی تعلقات کے لئے بھی ایک ٹھوس لائحہ عمل پیش کرنے سے قاصر تھیں چنانچہ عثمانی دور حکومت میں طے کیا گیا کہ فقہ اسلامی کے تحریری ذخائر کی مدد سے ایک مرتب اور مدون مجموعہ قوانین تیار کیا جائے۔ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں ارکان شوریٰ، قاضی صاحبان اور علامہ ابن عابدین شامی صاحب ردالمحتار علی الدر المختار کے صاحبزادے شامل تھے۔

بظاہر یہ کام آسان معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں بہت دشوار تھا۔ اس میں ایک تو یہ تلاش کرنا تھا کہ فقہ اسلامی بالخصوص فقہ حنفی میں ان بڑے بڑے مسائل کے متعلق احکام کیا ہیں جو تاجروں کو مقامی اور بین الاقوامی تجارت میں پیش آ رہے ہیں۔ اگر کسی مسئلے پر ایک سے زیادہ آراء پائی جاتی ہیں تو صحیح ترین اور وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ رائے کون سی ہے۔ پھر یہ کہ وہ رائے اسلامی تعلیمات اور دلائل کی رو سے بھی قوی ہو۔ نئے مسائل میں نئے احکام کی بھی ضرورت تھی۔ ان نئے احکام کو کن اصولوں کی بنیاد پر اور کس طریقے سے وضع کیا جائے۔ اس کام کے لئے زبردست اجتہادی صلاحیت کی ضرورت تھی چنانچہ اس کام میں کمیٹی کو 20 سال لگ گئے۔ اس کام کا آغاز 1856ء میں اور تکمیل 1876ء میں ہوئی۔ یہ سلطنت عثمانیہ کا پہلا مدون اور کوڈی فائڈ سول لاء تھا جو بالخصوص حنفی فقہ سے ماخوذ تھا۔

کہیں کہیں حسب ضرورت غیر حنفی فقہاء کے اقوال بھی لئے گئے تھے۔

1876ء سے لے کر 1925ء تک مشرقی یورپ کے کئی ممالک ترکی، وسط اشیاء، عراق، شام، فلسطین، لبنان، الجزائر، لیبیا، تیونس، جزیرہ نمائے عرب اور بالواسطہ مصر پر مجلۃ الاحکام العدلیہ کی حکمرانی رہی، گویا اب تک نفاذ اسلام کی تاریخ کے تینوں ادوار میں ہی فقہ حنفی کی خدمات اسلام اور مسلمانوں کے کام آئیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فقہ حنفی

اس گفتگو کا اختتام حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول پر کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ آخری زمانہ میں بھی فقہ حنفی کا فیض بانداز دگر ظاہر ہوگا۔

"فردا کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرماید بمذہب ابی حنیفہ عمل خواہد کرد چنانکہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ در فصول ستہ می فرماید......نمی تواں انداخت" (33)

کل جب حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کریں گے۔ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصول ستہ میں یہی بات فرمائی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے یہی بزرگی کافی ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبران کے مذہب پر عمل کریں گے۔ دوسری سو بزرگیاں اس ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات مکتوبات میں بھی ارشاد فرمائی ہے اور بیان کردہ قول پر ہونے والے اعتراض کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے۔

"یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ موافق اجتہاد امام اعظم خواہد بودنہ آنکہ تقلید ایں مذہب خواہد کرد کہ شان او علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بلند تر است کہ تقلید علمائے امت فرماید" (34)

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کی طرح ہو گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ حنفی مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ ان کی شان اس بات سے بہت بلند ہے کہ آپ علمائے امت کی تقلید کریں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حواشی وحوالہ جات

1) ابن منظور افریقی، لسان العرب، ج3، ص1698، دار المعارف مصر۔
2) ابراہیم مدکور ودکتور رورفقاء، المعجم الوسیط، ج1، ص363۔
3) النحل، 112/16۔
4) النحل، 114/6۔
5) الکہف، 34-33/18۔
6) قریش، 4-1/106۔
7) عبس، 32-24/7۔
8) الاعراف، 32-31/7۔
9) المائدہ، 87/5
10) الاعراف، 26/7
11) النحل، 8/16
12) النحل، 5/16
13) حمید اللہ ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص50
14) کرم شاہ پیر، ضیاء النبی، 608/3
15) ابوداؤد، السنن، کتاب الجہاد، باب فی النفل للسریۃ تخرج من العسکر، 2747، ص 399، دار السلام ریاض۔
16) ایضاً
17) مسلم بن الحجاج قشیری، الجامع الصحیح، کتاب الزہد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر، ح7432، ص1285، دار السلام ریاض۔

18) علی متقی الہندی، کنز العمال، ج4، ح9299

19) المناوی عبدالرؤف، کنوز الحقائق، ج2، ص37، ح5433

20) الخطیب التبریزی، مشکوۃ المصابیح، ص504، ح2781

21) بیہقی امام، شعب الایمان، ج2، ص899، ح6612

22) ابوداؤد امام، السنن، کتاب الصلوۃ، باب الدعا فی الصلوۃ، ص136، ح8802

23) ایضاً، کتاب الصلوۃ، باب فی الاستعاذہ، ص228، ح1547

24) ایضاً، ص227، ح1544

25) ابو یوسف قاضی امام، کتاب الخراج، ص3

26) ایضاً

27) ایضاً، ص4

28) ایضاً، ص5

29) ایضاً، ص6

30) ایضاً، ص8

31) ایضاً، ص9

32) پنجاب یونیورسٹی لاہور، دائرہ معارف اسلامیہ، ج20، ص92

33) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، مبدأ و معاد، ص25

34) ایضاً، المکتوبات، ج2، مکتوب55، ص15

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کا

طریقِ استدلال واستنباطِ مسائل

حافظ محمد سعد اللہ

(ایڈیٹر مجلہ منہاج، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقِ استدلال واستنباطِ مسائل

حافظ محمد سعد اللہ

یہ امر چنداں محتاج بیان نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس پسندیدہ دین کی اپنے آخری رسول اور محبوب ﷺ کے ذریعے تکمیل فرما دی ہے(1) اس کی حفاظت کا ذمہ اس نے خود اٹھا رکھا ہے(2) چنانچہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں تقاضائے وقت کے مطابق ایسے افراد پیدا فرمائے ہیں جن سے اس نے حفاظت دین کا کام لیا۔شاید اسی سنت الہیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وتاويل الجاهلين و انتحال المبطلين(3)

ہر آنے والی نسل کے ثقہ وعادل لوگ اس علم دین کو سینوں سے لگائے رکھیں گے جو حد سے تجاوز کرنے والوں کی من گھڑت تحریف، جاہلوں کی تاویل اور باطل پرستوں کے غلط انتساب کو اس علم دین سے دور رکھنے کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے چونکہ حفاظت دین بلکہ تدوین فقہ کا کام لینا تھا اور انہی کے ذریعے خوارج، معتزلہ، مرجیہ، شیعہ، قدریہ، جبریہ، جہمیہ، کرامیہ اور دہریہ جیسے پیدا شدہ گروہوں کے عقلی استدلات، من مانی تحریفات اور "ولے تاویل شاں

در حیرت انداخت خدا و جبریل و مصطفیٰ را" جیسی من گھڑت تاویلات کا توڑ کرنا تھا(4) اس لئے فحوائے حدیث نبوی "کل میسر لما خلق له" (5) ہر آدمی کو جس مقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہو وہ کام اس کیلئے آسان کر دیا جاتا ہے) انہیں غیر معمولی ذہانت وفطانت، عقل و فہم، باریک بینی، گہرائی، معاملہ فہمی اور حیران کن عقلی استدلال کی قوت عطا فرمائی گئی، موفق مکی نے امام اعظمؒ کی کمال ذہانت وفطانت، وفور عقل اور حد درجہ فراست کی وضاحت کیلئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس ضمن میں 10 صفحات پر مشتمل تفصیلات دی ہیں۔(6)

معجزانہ فصاحت وبلاغت کے حامل کلام الٰہی اور صاحب جوامع الکلم پیغمبر کی احادیث کے الفاظ وتراکیب میں پنہاں جن گہرے معانی ومفہوم اور مختلف احتمالات پر جس طرح آپ کی نظر جاتی تھی اور جس خوبصورتی آسانی اور حیرت انگیز طریقے سے آپ بظاہر بڑے مشکل اور پیچیدہ قسم کے کلامی اور فقہی قسم کے مسائل کا شرعی حل بتاتے اور سوالات اور اشکالات کا جواب دیتے تھے۔(7)

اس پر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے کہ:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله(8)

"مومن کی فراست سے بچو، بیشک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔

امام اعظم کے وفور عقل اور زور استدلال پر امام مالک اور امام شافعی جیسے ائمہ مجتہدین کا درج ذیل تبصرہ "قدر جوہر جوہری بداند" کا مصداق ہے چنانچہ:

قيل للامام مالك هل رائيت قال نعم لو كلمك في هذه السارية ان يجعلها ذهبا لقام بحجته(9)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ کیا آپ نے ان (امام اعظم) کو دیکھا ہے تو فرمایا ہاں۔اگر وہ تمہارے ساتھ اس (لکڑی یا پتھر) ستون کے بارے میں بات کرے اور وہ اسے سونے کا ثابت کرنا چاہے تو وہ اس پر بھی دلیل قائم کرنے پر قدرت رکھتا

ہے۔

اس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

من أرادان یعرف الفقه فلیلزم اباحنیفه و اصحابه فانّ

الناس کلهم عیال علیه فی الفقه(10)

جو آدمی علم فقہ میں معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کو لازم پکڑ لے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں اُن کے محتاج ہیں۔

اللہ کریم نے امام اعظم ابوحنیفہ کو جس قدر وھبی اور کسبی کمالات۔ فضائل اوصاف اور خوبیاں عنایت فرمائی تھیں جن کی تفصیل زیر نظر مقالہ کا موضوع نہیں (11) انہیں دیکھتے ہوئے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ:

لیس علی الله بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

اللہ جل شانہٗ کی قادر مطلق ذات کیلئے یہ بات چنداں دشوار نہیں کہ وہ دنیا بھر کے کمالات کسی ایک آدمی میں جمع کر دے۔

ان خداداد خوبیوں اور کمالات میں سے جس غیر معمولی بصیرت، حکمت، دانائی، دقت نظری اور فہم وفراست کو کام میں لا کر آپ نے ہزاروں نہیں لاکھوں مسائل کا شرعی حل بتا کر اُمت کیلئے آسانی پیدا کی (13) نادان اور حاسد قسم کے مخالفین، ظاہر بین اور لکیر کے فقیر لوگوں نے اس چیز کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عیب بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور پروپیگنڈہ کیا کہ امام صاحب دین میں قرآن وسنت کو چھوڑ کر رائے اور قیاس سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ دینی مسائل میں امام صاحب کا رائے اور قیاس سے کام لینا قرآن وسنت پر عمل کرنے کیلئے ہوتا تھا نہ کہ العیاذ باللہ چھوڑنے کیلئے یہ محض عقیدت کا اظہار اور دعویٰ بلا دلیل نہیں بلکہ اس کی وضاحت موفق مکی اور کردری وغیرہ نے ایک چشم دید موقع پر موجود گواہ ''زھیر بن معاویہ'' کی زبانی یوں نقل کیا ہے کہ:

''ایک روز ابوحنیفہ اور ابیض بن انمر کسی قیاسی مسئلے پر تبادلہ خیال کر رہے تھے کہ مسجد کے ایک کونے سے ایک شخص نے جو میرے خیال میں مدینہ کا رہنے والا تھا، آواز بلند کہا۔ یہ کیا قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں؟ قیاس تو سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا، امام ابوحنیفہ نے (بڑے حوصلے اور بردباری سے) کہا، تیری یہ بات بے محل اور بے موقع ہے ابلیس نے قیاس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا حکم (حضرت آدم کو سجدہ کا حکم) رد کر دیا تھا اور ہم غیر منصوص مسئلے کو قرآن وسنت اور اجماع اُمت میں سے کسی اصل پر قیاس کرتے ہیں اور اتباع کے لیے اجتہاد کرتے ہیں تو ہمارے اور ابلیس کے درمیان قیاس کی کیا مناسبت ہے؟

یہ جواب سن کر اس شخص نے کہا:

نوّر الله قلبک کما نورت قلبی

اللہ آپ کے دل کو نور سے بھر دے جس طرح آپ نے میرے دل کو نور سے منور کر دیا (شکوک کا ازالہ کر دیا ہے)(13)

ایک موقع پر خود امام صاحب نے اپنے الفاظ میں اس الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

کذب والله وافتری علینامن یقول عنا انانقدم القیاس

علی النص وهل بحتاج بعد النص الی القیاس(14)

قسم بخدا اس شخص نے جھوٹ بولا اور ہمارے اوپر بہتان باندھا جو ہمارے بارے یہ کہتا ہے کہ ہم نص (قرآن وسنت) پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں اور کیا نص کے بعد بھی (کسی مسلمان کیلئے) قیاس کی حاجت رہتی ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تذکروں سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی میں ہی آپ

کے قرآن وسنت پر رائے وقیاس کو مقدم کرنے کا جھوٹ اور بہتان یا الزام اتنی کثرت سے پھیلا دیا گیا تھا کہ آپ کو متعدد مواقع پر اس الزام کی تردید کرنی پڑتی۔ موفق مکی نے یحیٰ بن ضریس کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک صاحب علم وعبادت آدمی (نام نہیں لکھا) حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس آیا اور ان سے کہا: حضرت! آپ کیوں بلا وجہ امام ابوحنیفہؒ کو استنباط مسائل کے معاملے میں مطعون ومورد الزام ٹھہراتے ہیں انہوں نے فرمایا: اعتراض کیا ہوا ہے، میں نے خود انہیں اس بارے میں ایسی بات کہتے سنا ہے جو سراسر انصاف اور حجت پر مبنی ہے اُن کا کہنا ہے:

"انی أخذ بكتاب الله اذا وجدته فمالم اجد فيه" اخذت بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم والآثار الصحاح عنه التى فشت فى ايدى الثقات فاذالم أجدفى كتاب الله و لاسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذت بقول اصحابه من شئت وادع قول من شئت ثم لاأخرج من قولهم الى قول غيرهم فاذانتهى الامرالى ابراهيم والشعبى والحسن وابن سيرين وسعيد بن المستيب وعدرجالاقداجتهدوافلى اجتهد كمااجتهدوا(15)

"بے شک میں (سب سے پہلے) کتاب اللہ (قرآن مجید) سے مسئلہ اَخذ کرتا ہوں جبکہ اسے کتاب اللہ میں) پالوں، پس جو مسئلہ میں کتاب اللہ میں نہ پاسکوں تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ سے منقول ان صحیح احادیث سے لیتا ہوں، جو ثقہ راویوں کے ہاں مشہور ہو چکی ہیں۔ پھر جب میں کسی مسئلہ کتاب اللہ میں نہ پاؤں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تو اسے آپ کے صحابہ میں سے

جس کے قول سے چاہوں لے لیتا ہوں اور جس صحابی کا قول چاہوں، چھوڑ دیتا ہوں، مگر صحابہ کا قول چھوڑ کر ان کے غیر کے قول کی طرف نہیں جاتا ہوں۔ مگر جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن، ابن سیرین اور سعید بن مسیب تک پہنچ جائے اسی طرح کچھ اور معاصر مجتہدین کا بھی آپ نے شمار کیا تو حق پہنچتا ہے کہ جس طرح انہوں نے (مسائل کے استنباط واستخراج میں) اجتہاد سے کام لیا میں بھی اجتہاد کروں"۔

اسی طرح زیر بحث مسئلے میں حافظ ابن حجر نے ایک مستقل فصل "فيما بنى عليه مذهبه' '(ان کے مذہب کی بنیاد کے بارے میں) کے عنوان سے قائم کرتے ہوئے لکھا ہے:

اعلم انه يتعين عليك ان لاتفهم من اقوال العلماء عن ابى حنيفة و اصحابه انهم اصحاب الراى ان مراد هم بذلك تنقيصهم ولانسبتهم الى انهم يقد مون رايهم على سنت رسول اللهﷺ ولاعلى قول اصحابه لاهم براء من ذلك"

فقد جاء عن ابى حنيفة من طرق كثيرة ماملخصه انه اولا ياخذ مافى القرآن فان لم يجد هافبالسنة فان لم يجد فبقول الصحابة فأن اختلفوا اخذ بما كان اقرب الى القرآن اوالسنة من اقوالهم ولم يخرج عنهم فان لم يجد لاحد منهم قولا لم ياخذ بقول احد من التابعين بل يجتهد كما اجتهدوا وقال الفضيل بن عياض ان كان فى المسئلة حديث صحيح تبعه وان كان عن الصحابة

اوالتابعین فکذلک والاقاس فاحسن القیاس"(16)

یہ خوب اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ علماء نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے اصحاب کے بارے میں جو کہا ہے کہ وہ اصحاب رائے تھے اس سے ان کی مراد ان کی نہ توہین ہے اور نہ ہی یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ اوران کے اصحاب کے اقوال پراپنی رائے کو مقدم کرتے ہیں کیونکہ وہ اس سے بری ہیں۔

اس لئے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے متعدد طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے قرآن سے اخذ کرتے ہیں اوراگر قرآن میں نہ پاتے تو سنت کی طرف رجوع کرتے ورنہ قول صحابہ کی طرف اوراگران میں بھی اختلاف پاتے تو جس کے قول کو قرآن وسنت کے زیادہ قریب اور مطابق پاتے اسے قبول فرماتے اوران کے قول سے پہلوتہی نہ فرماتے اور کسی صحابی کا قول نہ پاتے تو کسی تابعی کے قول کو نہ لیتے بلکہ خود اجتہاد فرماتے جیسے کہ انہوں نے اجتہاد کیا اور فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح ہوتی تو اس کی اتباع کرتے اوراگر صحابہؓ اور تابعین کا قول ہوتا تب بھی یہی کرتے اوراگرایسا نہ ہوتا تو قیاس فرماتے اور بہترین قیاس کرتے۔

حافظ ابن حجر زیر بحث مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

اورامام ابوحنیفہ سے بھی منقول ہے کہ (آپ فرمایا کرتے تھے) لوگوں پر تعجب ہے جو:

وعنہ ایضاالناس یقولون افتی بالرای و ماافتی الابالاثروعنہ ایضالیس "لاحد ان یقول برأیہ مع کتاب

اللہ تعالیٰ ولامع سنۃ رسول اللہ ﷺ ولامع ماجمع علیہ اصحابہ"

واماما اختلفوافیہ فنتخیر من اقاویلھم اقربہ الی کتاب اللہ تعالیٰ اوالی السنۃ ونجتھد وما جاوزذلک فالاجتھاد بالرأی لمن عرف الاختلاف وقاس وعلی ھذاکانوا(18)

کہتے ہیں کہ میں رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث ہی سے فتویٰ دیتا ہوں اور آپ ہی سے منقول ہے کہ کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ اللہ کی کتاب اوراس کے رسول ﷺ کی سنت اور صحابہ کے اجماع کے ہوتے ہوئے اپنی رائے دے۔ ہاں جس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہوگا تو ہم اس میں سے وہ قول اختیار کریں گے جو اللہ کی کتاب سے زیادہ قریب ہوگا اور جو اس سے متجاوز ہوگا اس میں اجتہاد کیا جائے گا اپنی عقل سے اور یہ اس شخص کیلئے ہے جو اختلاف کو جاننے والا ہو اور قیاس کرے اور اس پر فقہا عامل رہے۔

علی ہذا القیاس امام شعرانی نے شافعی مسلک کے باوجود زیر بحث مسئلے میں ایک مستقل تفصیلی فصل، فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام اباحنیفہ والی انہ یقدم القیاس علی حدیث رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے قائم کیا ہے، جس میں انہوں نے نقل کیا ہے کہ:

اورامام موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نہیں قیاس کرتے مگر سخت ضرورت کے وقت اوراس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے کسی مسئلہ کی دلیل قرآن کریم یا حدیث شریف یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں میں دیکھتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی دلیل نہیں پاتے

تو مجبوراً مسکوت عنہ کو اس حکم پر قیاس کرتے ہیں۔ جس کی شریعت میں تصریح کی گئی ہو، بشرطیکہ کوئی علت مشترکہ دونوں میں پائی جاتی ہو جس کو جامع سے تعبیر کرتے ہیں:

اور دوسری روایت میں امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ ہم سب سے پہلے قرآن شریف کو پکڑتے ہیں۔ پھر حدیث شریف کو۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو۔ اگر کسی حکم میں سب متفق ہوں، تو اس پر عمل کرنا لابدی اور ضروری جانتے ہیں اور اگر دلائل مذکورہ باہم کسی حکم میں مختلف ہوں تو اس وقت ایک حکم کو دوسرے حکم پر قیاس کرتے ہیں۔ بشرطیکہ دونوں مسئلوں میں کوئی علت مشترکہ جس کو جامع کہتے ہیں، پائی جاتی ہو، تاکہ اختلاف سے جو ابہام آ گیا تھا، وہ دور ہو جائے اور مطلب واضح ہو جائے۔

اور ایک روایت میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس طرح منقول ہے کہ ہم سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے بعد سنت رسول اللہ ﷺ پر پھر ابوبکر اور عمر اور علی اور عثمان رضی اللہ عنہم کی احادیث پر۔

اور ایک روایت میں آپ کا یہ قول مروی ہے کہ جو کچھ رسول خدا ﷺ سے ہم کو پہنچے۔ وہ سر اور آنکھوں پر ہے (ان پر میرے ماں باپ فدا ہوں) اور اس کی مخالفت ہم پر حرام ہے اور جو کچھ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہنچے۔ اس میں سے ہم پسند کر لیں گے اور جو کچھ ان کے سوا اور دوسرے لوگوں سے ہم کو پہنچے تو وہ جس طرح آدمی ہیں ویسے ہی ہم بھی ہیں۔ (18)

امام صاحب کا اپنے اصول استنباط میں یہ کہنا کہ "اخذت بقول اصحابہ من شئت وادع قول من شئت" (میں حضور ﷺ کے صحابہ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا

ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ لیتا ہوں) تو تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امتیاز فقہ اور غیر فقہ کی حیثیت سے تھا، غیر فقہ صحابہ کے مقابلے میں آپ فقہا صحابہ کے قول کو ترجیح دیتے تھے مثلاً حضرت سفیان بن عینیہ نے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ............اور امام اوزاعی مکہ میں دار الخیاطین میں ملے، تو امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ لوگ رکوع میں جانے اور رکوع سے کھڑے ہوتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، اس لئے کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، انہوں نے کہا، کیوں نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے، زہری سے سالم نے اور سالم نے اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو جب رکوع میں جاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو رفع یدین کرتے تھے، امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ "ہم سے حماد نے، حماد سے ابراہیم نے، ابراہیم سے علقمہ اور سودین، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف نماز شروع فرمانے کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے،، اس کے بعد رکوع وغیرہ میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، امام اوزاعی نے کہا کہ میں زہری، سالم اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کرتا ہوں اور آپ حماد اور ابراہیم کا نام لیتے تھے"۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ "حماد زہری سے زیادہ اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر کو اگرچہ صحبت یا فضل صحبت حاصل تھا، تاہم علقمہ ان سے کم نہیں، اسود کو بھی بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی ہیں" یہ سن کر امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔

پھر زیر بحث معاملے میں لطف یہ کہ کسی بھی مسئلے میں امام صاحب اپنی رائے نہ تو کسی دوسرے پر ٹھونستے ہیں نہ یہ اصرار ہے کہ تمام مجتہدین کے مقابلے میں صرف میری رائے ہی

صحیح ہے بلکہ برملا اور بلا جھجک فرماتے ہیں۔

قولنا هذا رأى وهو احسن ماقدرنا عليه فمن جاء نا
باحسن من قولنا فهو اولى بالصواب منا(20)

ہمارا یہ قول محض ایک رائے ہے اور ہمارے علم کے مطابق سب سے
اچھی ہے پس جو آدمی ہمارے پاس ہماری اس رائے سے زیادہ بہتر
رائے لائے گا تو وہ ہماری رائے کی نسبت صواب اور صحت کے زیادہ
نزدیک ہے۔

اسی طرح ابن حجر نے امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

انه كان يقول هذا الذى فنحن عليه رأى لانجير عليه
احدا ولانقول يجب على احد قبوله فمن كان عنده
احسن منه فليات به نقبله(21)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس پر ہم ہیں وہ محض ایک رائے ہے
حدیث نہیں ہم اس پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ
اس پر عمل واجب ہے تو اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو
اسے لائے، ہم اسے قبول کرنے کو تیار ہیں۔

کسی عام آدمی پر اپنی رائے مسلط کرنا یا اسے قبول کرنے پر مجبور کرنا تو بہت دور کی بات
ہے۔ امام صاحب تو اپنی رائے اپنے شاگردوں پر بھی نہیں ٹھونسا کرتے تھے۔ آپ کی مشہور
مجلس تدوین فقہ جس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس میں مسائل کی تدوین
اور بحث و گفتگو کا طریقہ کیا تھا؟ اس کے متعلق موفق مکی نے لکھا:

فوضع ابو حنيفة مذهب شورى بينهم لم يستبد فيه
بنفسه دونهم اجتهاد امنه فى الدين و مبالغته فى

النصحة لله ورسوله والمؤمنين فكان يلقى مسألة مسألة
يقلبهم ويسمع ماعندهم ويقول ماعنده ويناظرهم
شهرا أواكثر من ذالك حتى يستقر احد الاقوال فيها
ثم يثبتها.

"امام ابوحنیفہ نے اپنا مذہب باہمی مشورہ سے مرتب کیا جس میں وہ
دوسروں کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح نہ دیتے تھے۔
القاضی ابو یوسف فی الاصول (22) کے ذیل میں ان کا اجتہاد اور اللہ
اور اس کے رسول اور تمام اہل ایمان سے انتہائی خیر خواہی۔ چنانچہ
آپ ایک ایک کر کے مسئلہ (مجلس کے فاضل ممبران کے) سامنے
رکھتے ان کے خیالات کو الٹتے پلٹتے ان کے دلائل اور رائے کو سنتے اور
اپنی رائے بھی بیان کرتے اور اس طرح ان سے مہینہ اور بعض
اوقات اس سے بھی زیادہ عرصہ ان سے مناظرہ و بحث و مباحثہ
فرماتے رہتے۔ یہاں تک کہ زیر بحث مسئلے میں کسی ایک قول رائے
پر اتفاق ہو جاتا۔ پھر قاضی ابو یوسف اس متفق علیہ مسئلہ کو اصول میں
درج کر لیتے۔

موفق مکی نے مجلس تدوین فقہ کے طریقہ کار کی مزید تفصیل عبداللہ بن نمیر کی زبانی بیان کرتے
ہوئے لکھا ہے:

"امام ابوحنیفہ جب بیٹھتے تو ان کے ارد گرد اصحاب بیٹھ جاتے جن
میں قاسم بن معن، عافیہ بن یزید، داؤد طائی، زفر بن ہذیل اور انہی
کے مرتبے اور لوگ ہوتے۔ اس کے بعد کسی مسئلہ کا ذکر چھیڑا
جاتا، پہلے امام کے تلامذہ اپنی اپنی معلومات کے لحاظ سے بحث

کرتے اور خوب بحث کرتے، یہاں تک کہ ان کی آواز بلند ہو جاتی
اور اس مسئلے میں سیر حاصل بحث کرتے جب آخر میں امام اپنی تقریر
شروع کرتے امام کی تقریر جس وقت شروع ہوتی لوگ خاموش ہو
جاتے اور جب تک امام گفتگو فرماتے رہتے مجلس پر سکوت طاری رہتا
پھر جب آپ فارغ ہو جاتے تو وہ اس مسئلے پر بحث شروع کر
دیتے(23) اس مجلس تدوین فقہ کے فاضل ارکان کس آزادی سے
اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے اور ایک مسئلے پر کس طرح جرح، بحث و
مباحثہ اور اس کی تنقیح ہوتی تھی، یہ اس تحریر کا موضوع نہیں(23)

درج بالا معروضات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ قرآن و سنت پر اپنی رائے اور قیاس کو مقدم کرنا تو کجا وہ تو صحابہ کرام کے قول کے خلاف بھی قیاس کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ دوسرے اپنی رائے اور اجتہاد و قیاس کو حرف آخر سمجھتے تھے نہ دوسروں پر مسلط کرنے کے قائل تھے۔

یہاں زیر بحث مسئلے کا ایک اور پہلو سے جائزہ لینا بھی بے جا نہ ہوگا وہ یہ کہ اس گئے گزرے اور مادہ پرستی کے دور میں ایک عام مسلمان بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ وہ قرآن و سنت کے مقابلے میں اپنی رائے و اجتہاد کو صحیح سمجھے چہ جائیکہ امام ابوحنیفہ جیسے آدمی سے یہ توقع کی جائے جس نے خیرون القرون میں آنکھ کھولی، بعض صحابہ کی زیارت کی عراق اور حجاز کے کبار علماء فقہا اور محدثین کی صحبت اٹھائی۔ پھر جیسے حد عشق کی حد تک قرآن مجید کے ساتھ تعلق خاطر تھا۔ وہ ہر رمضان المبارک میں دن اور رات کو الگ الگ پورے قرآن مجید کی تلاوت کر کے 60 ختم قرآن کرتے(25)۔ 30 سال تک مسلسل صرف ایک رکعت میں پورا پورا قرآن مجید پڑھا(26) پھر جس جگہ وفات پائی وہاں سات ہزار مرتبہ پورے قرآن مجید کی تلاوت کی(27)

جس آدمی کو قرآن مجید اس حد تک مستحضر ہو اس کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ استنباط مسائل کے وقت قرآن مجید کی کوئی آیت اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے یہ کیسے مان لیا جائے کہ حدیث رسول کے معاملے میں اسے "وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضیٰ اللہ و رسول امرا ان یکون لھم الخیرہ" اور ماآتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا جیسی تھدیدی آیات بھول گئی ہوں گی۔

پھر معترضین کے بقول جو آدمی حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں اپنی رائے اور قیاس کو ترجیح دیتا ہو وہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سچے خواب کی رُو سے کیسے حضورِ اکرم ﷺ کا اتنا قرب حاصل کر سکتا ہے کہ آپ ﷺ اس بوڑھے امام پر بچوں کی طرح شفقت فرمارہے ہوں(28)

استنباط مسائل اور تفریع احکام میں امام ابوحنیفہؒ کا مندرجہ بالا طریق کار عین وہی طریقہ ہے جسے حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی زبانی سن کر صرف پسند ہی نہیں کیا بلکہ اس پر اظہارِ تشکر فرمایا (29) اور جیسے خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنایا جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اس کے باوجود امام ابوحنیفہؒ کے خلاف قرآن و سنت پر اپنی رائے و اجتہاد کو مقدم کرنے کا پروپیگنڈہ آپ کے مخالفین اور ظاہر بین علماء نے کچھ اس انداز میں پھیلایا کہ بڑے بڑے علماء اس سے متاثر ہو کر آپ سے بدظن ہو گئے مگر جب انہیں اصل حقیقت معلوم ہوئی تو ان کی بدظنی عقیدت و محبت میں بدل گئی مثلاً امام شعرانی نے لکھا ہے:

"ابو مطیع بلخی کہتے ہیں کہ میں کوفہ کی جامع مسجد میں، امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ، امام جعفر صادق اور بعض دوسرے فقہاء آئے اور امام صاحب سے کہنا شروع کیا کہ:

"ہم نے سنا ہے کہ آپ دین میں قیاس بہت کرتے ہیں اور ہمیں خوف ہے کہ کہیں یہ

کثرت قیاس آپ کیلئے نقصان دہ نہ ہو؟ کیونکہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ چنانچہ امام صاحب نے اس بارے میں ان سے جمعہ کے دن صبح سے لے کر دوپہر تک مناظرہ کیا اور اپنا مذہب انہیں بتلایا کہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں اس کے بعد حدیث پر اس کے بعد صحابہ کرام کے فیصلوں پر اور جس حکم میں ان سب مذکورین کا اتفاق ہو البتہ اختلاف کی صورت میں مجبوراً قیاس کرتا ہوں، یہ سن کر وہ سب حضرات اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ اور گھٹنے کو بوسہ دیا اور امام صاحب سے کہا:

"آپ سید العلماء ہیں ہمارے سابقہ قصور معاف فرمائیے کہ ہم نے بلاتحقیق آپ پر اعتراض کیا ہمیں آپ کے مذہب کا اچھی طرح علم نہ تھا، آپ نے فرمایا، غفر الله لنا ولکم اجمعین " اللہ ہماری اورتم سب کی مغفرت فرمائے۔(30)

اسی طرح علامہ کردری نے لکھا ہے:

"حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں: میں امام اوزاعی کے پاس شام آیا تو میں نے انہیں شہر بیروت میں دیکھا۔ تو آپ نے (مجھ سے) پوچھا: "من هذا المبتدع الخارج بالکوفة یکنی ابا حنیفه" (یہ بدعتی آدمی کون ہے جو کوفہ میں ظاہر ہوا ہے، جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے) یہ سن کر میں گھر واپس آیا اور تین دن لگا کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل میں کچھ چیزوں کا انتخاب کیا، پھر تیسرے روز دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اہل محلہ کی مسجد کے امام اوران کے موذن بھی تھے، میں نے ان منتخب مسائل پر مشتمل وہ کتابچہ انہیں پکڑا دیا، آپ نے ایک مسئلہ دیکھا جس میں، میں نے لکھا تھا "قال النعمان بن ثابت" (حضرت نعمان بن

ثابت نے یہ کہا) اذان دینے کے بعد وہ کھڑے رہے حتیٰ کہ اس کتابچہ کا ابتدائی حصہ پڑھ لیا۔ پھر اقامت ونماز سے فارغ ہو کر ساری کتاب پڑھ ڈالی اور مجھ سے پوچھا (من النعمان) یہ نعمان کون ہیں؟ میں نے کہا وہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے آپ نے ذکر کیا تھا۔ (کہ یہ کون بدعتی آدمی ہے جو کوفہ میں ظاہر ہوا ہے)۔

اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ پھر مکہ میں ہماری ملاقات ہوئی تو میں نے امام اوزاعی کو دیکھا کہ وہ ان مسائل میں امام ابوحنیفہ سے مناظرہ کر رہے تھے اور امام صاحب ان کے کیلئے میری تحریر سے زیادہ وضاحت کر چکے تھے۔ جب ہم جدا ہوئے تو میں نے امام اوزاعی سے پوچھا، آپ نے انہیں (ابوحنیفہ کو) کیسے پایا؟ کہنے لگے مجھے اس کی کثرت علم اور وفور عقل پر رشک آتا ہے۔ میں اس سے معافی چاہتا ہوں، یقیناً میں غلطی پر تھا، اس شخص کا دامن پکڑ لو، ان کے بارے میں مجھ تک جو بات پہنچی تھی وہ اس کے برعکس ہے۔(31)

علی ہذا القیاس موفق مکی نے لکھا ہے:

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کی مدینہ منورہ میں ملاقات ہوئی تو امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے کہا؟ کیا آپ وہی ہیں جس سے میرے جدّ امجد کے دین اور آپ ﷺ کی احادیث کو قیاس کے ذریعے بدل دیا ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: معاذ اللہ! (پناہ بخدا) اس پر امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ فرمایا کہ نہیں بلکہ تم نے اسے بدل دیا ہے۔ اب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آپ اپنی جگہ پر تشریف رکھیں، جو آپ کے شایان شان ہے تاکہ میں اپنی حیثیت کے مطابق بیٹھوں کیونکہ

میرے نزدیک آپ کا وہی مقام و مرتبہ اور عزت و احترام ہے جو آپ کے نانا حضرت محمد ﷺ کا اپنی حیات ظاہری میں صحابہ کرامؓ کے نزدیک تھا۔ چنانچہ حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہوئے تب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور کہا:

میں آپ سے تین مسائل دریافت کرتا ہوں آپ جواب ارشاد فرمائیں:

سوال نمبر 1: مرد کمزور ہے یا عورت؟

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ: عورت مرد کی نسبت کمزور ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: عورت کیلئے وراثت کے لحاظ سے کتنے حصے ہیں؟

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ: مرد کے دو حصے ہیں اور عورت کا ایک حصہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: آپ کے نانا کا فرمان ہے اگر میں قیاس سے آپ کے نانا کے دین کو تبدیل کرنے والا ہوتا تو میرے لئے یہ مناسب تھا کہ میں کہتا مرد کا ایک حصہ ہے اور عورت کے دو حصے ہیں کیونکہ عورت مرد کے مقابلے میں کمزور ہے (اور شرعاً کمزور کو زیادہ حصہ ملنا چاہئے کیونکہ قوی تو خود بھی اچھا کما سکتا ہے) حالانکہ میں نے یہ قیاس نہیں کیا۔

سوال نمبر 2: پھر آپ نے پوچھا نماز افضل ہے کہ روزہ؟

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ: نماز۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: یہ آپ کے نانا کا ارشاد ہے اگر میں آپ کے نانا کے دین کو تبدیل کرتا تو قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو میں اسے حکم دیتا کہ وہ نماز کی قضا کرے نہ کہ روزے کی۔

سوال نمبر 3: پھر آپ نے پوچھا، پیشاب زیادہ پلید ہے یا نطفہ؟

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ: پیشاب زیادہ پلید ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: اگر میں آپ کے نانا کے دین کو قیاس سے تبدیل کرتا ہوتا تو میں یہ حکم دیتا کہ پیشاب کرنے کے بعد غسل فرض ہو جاتا اور انزال منی کے بعد وضو سے بھی طہارت حاصل ہو سکتی ہے۔ (کیونکہ زیادہ نجس چیز کے خروج کے بعد غسل فرض ہونا چاہئے اور وہ پیشاب ہے) لیکن میں نے معاذ اللہ یہ قیاس نہیں کیا نہ ہی آپ کے نانا کے دین کو قیاس سے تبدیل کیا یہ۔ پس امام باقر رحمۃ اللہ علیہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور انتہائی اکرام کیا (32)۔

حوالاجات

1) دیکھیے: سورۃ المائدۃ 3

2) دیکھیے: سورۃ الحجر 9

3) ابوعبداللہ الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح (کتاب العلم، آخر فصل ثانی) ص 31 طبع کلاں کراچی۔

4) ان عقل پرست فرقوں میں سے متعدد فرقوں کے عقائد ونظریات کا مختصر تعارف اوران کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے بحث ومناظرہ کی تفصیل ابوزہرہ نے لکھی۔ دیکھیے: حیات امام ابوحنیفہ اردوترجمہ، ص 1-19 تا 285۔ ملک سنز فیصل آباد

5) (الف) بخاری، الجامع الصحیح (کتاب التوحید باب قول اللہ ولقد یسرنا القرآن للذکر) 1126/2

(ب) مسلم، الجامع الصحیح (کتاب القدر باب کیفیۃ خلق الآدمی) 334/2 طبع کلاں نور محمد کراچی۔

6) دیکھیے: موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ (الباب الثامن فی فطنتہ و وفور عقلہ ص 100 تا 184 دار الکتاب العربی بیروت و لبنان، وذکر فراستہ 1401ھ، 1981ء

7) موفق نے ایک مستقل باب میں ان پیچیدہ مسائل کا ذکر کیا ہے جن کے جواب سے آپ کے ہم عصر علماء عاجز آ گئے تھے مگر آپ نے ان سوالات کا جواب فی البدیہ دیا۔ (ص 91 تا 155) کردری نے بھی ایسے عجیب سوالات کے جوابات پر مشتمل ایک مستقل فصل قائم کی ہے۔ جس میں بیسیوں مسائل کا جواب امامؒ نے فی البدیہہ دیا۔ (ص 175 تا 232)

8) جامع ترمذی (کتاب التفسیر) ص 447 طبع کلاں کراچی۔

9) حافظ الدین بن محمد الکردری، مناقب ابی حنیفہ ص 2 / 5 4 دار الکتاب العربی بیروت، لبنان۔

10) موفق، مناقب ابی حنیفہ 284/1۔

11) ان شخصی فضائل وکمالات کی کیفیت وکمیت کا اندازہ امام اعظمؒ کی حیات وخدمات پر مشتمل کتابوں مثلاً موفق مکی اور کردری کی الگ الگ "مناقب ابی حنیفہ، ابن حجر مکی کی الخیرات الحسان، ابوزہرہ کی حیات ابوحنیفہ اور شبلی نعمان کی سیرۃ النعمان وغیرہ کی فہرست مندرجات پر ایک نظر ڈالنے سے ہی ہو جاتا ہے۔

12) موفق مکی اور کردری دونوں نے امام اعظم کی وضع کردہ مسائل کی تعداد پانچ لاکھ بتائی ہے۔ دیکھیے: موفق 395/1 کردری 161/2 مولانا مناظر احسن گیلانی کا خیال یہ ہے کہ اگر ان روایات کو مبالغہ آمیز بھی قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام صاحب کے وضع کردہ اصول وکلیات سے بعد میں فقہا نے جن مسائل کا استنباط کیا ان کی تعداد لاکھوں میں ہے چونکہ ان کی بنیاد امام کے کلیات پر قائم تھی اس لئے انہیں بھی امام کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص 233 نفیس اکیڈمی کراچی۔

13) دیکھیے: موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 741 ب کردر، مناقب ابی حنیفہ 162/2 ج، ابن حجر مکی، الخیرات الحسان (مع اردو ترجمہ) ص 97-98، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

14) امام شعرانی، المیزان الکبریٰ 71/1 اکمل المطابع دہلی۔

15) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 80/1

16) حافظ ابن حجر، الخیرات الحسان مترجم ص 95-94

17) حافظ ابن حجر، الخیرات الحسان مترجم ص 96

18) عبدالوہاب الشعرانی، میزان الکبریٰ (اردو ترجمہ از مولانا محمد حیات سنبھلی) 170/1 ایچ ایم کمپنی کراچی 1410ھ

19) دیکھیے، موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 113/1 کرداری، مناقب ابی حنیفہ 191/2

20) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ ص 71/1

21) ابن حجر مکی، الخیرات الحسان (مع ترجمہ اردو) ص 9 مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

22) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 391/1

23) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 48/1

24) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو

(الف) مولانا مناظر احسن گیلانی، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، ص 226 تا 233 نفیس اکیڈمی کراچی

(ب) شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان ص 163 تا 166 سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

(ج) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی

(د) ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی، امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین فقہ ص 99 تا 105 علمی مرکز راولپنڈی

25) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 207/1

26) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 208/1

27) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 209/1

28) علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب باب فی ذکر ائمتہم من اتباع التابعین الی یومنا ص 29 سمن پبلی کیشنز

29) دیکھیے (الف) امام ابوداؤد، سنن (کتاب القضاء باب اجتہاد بالرأی فی القضاء) 5/2 طبع کلاں کراچی۔

(ب) ابوعیسیٰ ترمذی، الجامع (ابواب الاحکام باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی)

ص 210، طبع کلاں کراچی۔

30) شعرانی، میزان الکبریٰ (اردو ترجمہ) 186/1

31) کردری، مناقب ابی حنیفہ 45/1-46

32) موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ 143/1

رفاہی ریاست کے قیام میں

فقہ حنفی کا کردار

ڈاکٹر محمد اکرم ورک

شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج، پیپلز کالونی، گوجرانوالہ

رفاہی ریاست کے قیام میں فقہ حنفی کا کردار

ڈاکٹر محمد اکرم ورک

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّدالانبیاء والمرسلین وعلی اٰلہٖ واصحابہٖ أجمعین أمابعد!

آج دنیا کی ہر قوم اپنے دروازے اور کھڑکیاں دوسری قوموں کے لئے کھول دینے پر مجبور ہے، آج کا دور محدودیت کا دور نہیں ہے۔ آج ''عرفِ عام'' سے مراد عالمی عرف ہے اور آج کے معروضی حالات میں اب کسی بھی فیصلے اور اس کے اثرات کو مقید رکھنا ممکن نہیں ہے۔ انسانی معاشرہ ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے اس مقام پر آ گیا ہے جہاں فردِ واحد کی بجائے پوری قوم اور کسی مخصوص قوم کی بجائے پوری انسانیت کے اجتماعی مفاد کو عزیز رکھے جانے کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ گلوبلائزیشن کے اس دور میں کسی بھی طرح کے امتیازی قوانین کی کوئی گنجائش باقی نہیں بچی۔ اس لئے دورِ حاضر کے اربابِ فکر و دانش کا فرض ہے کہ وہ فقہ حنفی میں عرفِ عام، استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب حال وغیرہ جیسے اصولوں کو آج کے معروضی حالات میں اس انداز میں استعمال کریں کہ نہ صرف فقہ حنفی کی آفاقیت ثابت ہو جائے بلکہ شریعتِ اسلامیہ کی اصل روح بھی سامنے آ جائے۔

''رفاہی ریاست کے قیام میں فقہ حنفی کا کردار'' ایک ایسا علمی موضوع ہے جس کی بہت

سی جہتیں توجہ کے قابل ہیں۔ موضوع پر براہِ راست گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رفاہی ریاست کے تصور پر مختصر گفتگو کرلی جائے۔ عصر حاضر میں رفاہی ریاست (Welfare State) کے جس تصور سے ہم آگاہ ہیں اس کے تانتے مغربی فکر وفلسفہ سے ملے ہوئے ہیں اور ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ آج ہمیں اس کی عملی صورت صرف مغرب ہی میں نظر آتی ہے، تاہم اس حقیقت سے تاریخ کا ہر طالب علم آگاہ ہے کہ مغرب رفاہی ریاست کے جس تصور سے آج آگاہ ہوا ہے اس کی مکمل شکل اور عملی مثال ریاست مدینہ کی صورت میں چودہ صدیاں پہلے پیش کی جا چکی ہے، جس کے اوّلین سربراہ رسول اکرم ﷺ تھے اور پھر خلافت راشدہ کے دور میں اس ریاست نے ادارہ جاتی تکمیل اور تنظیم کی سازی منازل طے کرلیں۔

اسلام کی تہذیبی خدمات میں ایک نمایاں خدمت انسانیت کی فلاح و بہبود کے کام کو مذہبی عبادت کا درجہ دینا ہے۔ یہ اعزاز بھی صرف اسلامی شریعت کو حاصل ہے کہ اس نے خالص روحانی کوتاہیوں کے ازالہ کے لئے بھی محتاجوں اور مساکین کو کھانا کھلانے کے عمل کو کفارہ کی حیثیت دی ہے۔ اسلام کی نظر میں انسان تو پھر انسان ہے یہاں تو بھوکے جانوروں کو چارہ ڈال دینا اور پیاسے جانوروں کو پانی پلا دینا بھی آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی مکی زندگی میں خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کی جس ترغیب کی ہمیں عملی مثالیں نظر آتی ہیں، مدنی دور میں اس نے ایک معاشرتی اور اداراتی حیثیت اختیار کرلی۔ اسلامی ریاست کے پورے ڈھانچے پر نظر دوڑائی جائے تو یہ واضح ہے۔ قرآن مجید نے اسلامی ریاست کے چار بنیادی اصولوں کا ذکر کیا ہے۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلاۃ و آتوا الزکاۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر(1)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر زمین میں حکومت دیں تو یہ نماز قائم کریں

گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے"۔

غور کیا جائے تو نماز اسلام کے پورے روحانی نظام کی جڑ ہے اور زکوٰۃ سے نظام معاشرت کی بہبود اور بہتری وابستہ ہے۔ اسی وجہ سے مدنی ریاست میں اولین طور پر جس ادارے کو مستحکم کیا گیا وہ زکوٰۃ کا نظام ہے۔ زکوٰۃ اسلام کے نظام مالیات میں وہ سب سے بڑا ذریعہ ہے جس سے غرباء، مساکین، یتامیٰ اور معاشرے کے دوسرے پسے ہوئے طبقات کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (م 13ھ) کے عہد خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ روک لینے کا عندیہ ظاہر کیا تو چونکہ اس عمل سے ریاست کی اتھارٹی کے علاوہ رفاہ عامہ کے پورے نظام کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا، اس لئے آپ نے ایسے لوگوں کے خلاف بلا جھجک اعلانِ جہاد فرمایا۔ خلافتِ راشدہ کے پورے دور کا بہترین تعارف یہی ہے کہ اس میں لوگوں کو بے لاگ عدل وانصاف میسر تھا اور پسے ہوئے طبقے کی آخری امید اسی نظام سے وابستہ تھی۔ مدنی ریاست ایک مکمل رفاہی ریاست تھی جس نے خلافت راشدہ کے مختلف ادوار میں اپنے ارتقاء کی ساری منزلیں طے کرکے آنے والے دور کے لئے ایک رول ماڈل (Role Modle) کی حیثیت اختیار کرلی۔

خلافت راشدہ کے بعد بنواُمیہ سے ملوکیت کے جس دور کا آغاز ہوا اس میں بہت جلد وہ تمام خرابیاں در آئیں جو مطلق العنان حکومتوں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ بنواُمیہ کے طرزِ حکمرانی نے عوامی سطح پر اس تاثر کو پختہ کیا کہ حکومت کے جملہ اقدامات کا مقصد اپنے اقتدار کا تحفظ اور مخصوص طبقہ کے مفادات کی پاسداری ہے اور حکومت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ طبقۂ عوام سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس جمع کرکے اپنی آمدنی میں اضافہ کرے۔ ہمارے سامنے اس طرزِ فکر کی بدترین اور انتہائی شکل یہ ہے کہ عہد بنی امیہ میں جب بعض علاقوں کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور وہ جزیہ کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو گئے اور نتیجے کے طور پر ان

علاقوں کی آمدنی میں خاطر خواہ کمی ہوئی تو نو مسلموں پر جزیہ عائد کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا بالآخر اس سلسلے کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ختم فرمایا۔(2)

امام ابوحنیفہؒ (80-150ھ) نے ملوکیت کے اسی دور میں آنکھ کھولی جب بیت المال کی حیثیت حکمرانوں کے ذاتی خزانے کی تھی، حکومتی جبر کے نتیجے میں اظہار رائے کی آزادی ایک بھولی بسری داستان معلوم ہو رہی تھی اور عدلیہ جو لوگوں کی امیدوں کا آخری مرکز ہوا کرتی ہے، محض ارباب بست و کشاد کے گھر کی لونڈی بن کر رہ گئی تھی۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں لوگ رفاہی ریاست کے جس تصور سے متعارف ہوئے تھے وہ گہنا چکا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کو بنو امیہ کی حکمرانی کے آخری دور اور بنو عباس کی حکمرانی کے ابتدائی سالوں کا بھرپور تنقیدی جائزہ لینے کا موقع میسر آیا اور یہی آپ کے علمی شباب کا دور بھی ہے، جب تحصیل علم کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ محترم حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ (م 120ھ) کے انتقال کے بعد مسند تدریس پر متمکن ہو چکے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نتائج فکر کا اصل سرچشمہ امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ، علقمہ بن قیس النخعی رحمۃ اللہ علیہ (م 62ھ) اور ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ (م 95ھ) کے واسطہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، (م 23ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ، (م 40ھ) ہے۔ صحابہ فقہ حنفی کے ستون ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان ہی اساطین علم کے علمی وارث ہیں۔ اسلامی ریاست کی اپنی اصل شکل میں بحالی کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عملی کوششوں کو اسی علمی اور فکری پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے۔ رفاہی ریاست کے قیام میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ حنفی کے کردار اور خدمات کا جائزہ لینے کیلئے جو پہلو خاص طور پر توجہ کے متقاضی ہیں وہ یہ ہیں:

1) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی کردار اور طرز عمل
2) حنفی دستور کے اصول و مبادی
3) حنفی قضاۃ کے عدالتی فیصلے اور فتاوی

عوامی فلاح و بہبود کا تصور جن ریاستی اداروں سے وابستہ ہے ان میں عدلیہ اور بیت المال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ریاست کے بنیادی فرائض میں عدل وانصاف کی فراہمی اور محروم طبقات کی فلاح و بہبود سرِ فہرست ہے، لیکن رفاہ اور فلاح کا کوئی بھی تصور حریتِ فکر کا متبادل نہیں، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آزادیٔ اظہارِ رائے کے زبردست داعی تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی کردار اور سیاسی وژن سے جو حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہیں وہ یہ ہے کہ چونکہ مدنی ریاست ہی ان کا رول ماڈل ہے۔ اس لئے وہ اس سے کم پر کسی صورت راضی نہیں ہیں۔

ایک ایسے دور میں جب ابو جعفر منصور کو ملک میں مختلف بغاوتوں اور شورشوں کے واضح آثار نظر آ رہے تھے اس نے اپنی حکومت کو شرعی اعتبار بخشنے کے لئے مدینہ منورہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ اور کوفہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر طرح کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر ابو جعفر کو سمجھانا شروع کیا:

> "دیکھو تم نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں اس وقت سنبھالی ہے جب مسلمانوں میں فتویٰ دینے کی اہلیت جن لوگوں میں ہے ان میں سے دو آدمی بھی تمہاری خلافت پر متفق نہیں ہوئے تھے اور تم جانتے ہو کہ خلافت ایک ایسا مسئلہ ہے جسے مسلمانوں کا اجماع ہی طے کر سکتا ہے ان کے مشورے سے ہی خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال تمہارے سامنے ہے، چھ مہینے تک انہوں نے اپنے آپ کو حکومت کرنے سے روکے رکھا جب تک کہ یمن کے مسلمانوں کی بیعت کی خبر ان تک نہ پہنچی"۔(3)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں اگر خلیفہ کے چناؤ میں شوری اور رائے عامہ کی آزادی

کے اصول کو مدنظر نہ رکھا جائے تو وہ خلافت نہیں ملوکیت اور بادشاہت ہے اور بادشاہت کبھی خرابیوں سے پاک نہیں ہوسکتی اور اس طرح کی حکومتوں میں بیت المال کا جو ناجائز استعمال ہوا ہے اس سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے یہی وجہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکمرانوں کے تحائف اور ہدایا کو قبول کرنے سے ہمیشہ احتراز کیا۔ ایک موقع پر جب ابو جعفر منصور نے امام کو زبردستی ہدیہ دینا چاہا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"امیر المؤمنین اگر ذاتی مال سے مجھے کچھ دیتے تو شاید میں قبول بھی کر لیتا، لیکن یہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں۔ یہ تو مسلمانوں کے بیت المال کا روپیہ ہے جس کا میں اپنے آپ کو کسی صورت بھی مستحق نہیں پاتا، میں نہ بھوکا ننگا محتاج فقیر ہوں اگر یہ صورت ہوتی تو فقیروں کی مد سے شاید میرے لئے کچھ لے لینا جائز ہوتا اور نہ ہی میں ان لوگوں میں سے ہوں جو مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہوئے ان کے دشمنوں سے لڑتے ہیں اگر میرا تعلق فوجیوں سے ہوتا تو میں اس وقت بھی اس مد سے لے سکتا تھا جس مد سے سپاہیوں کو امداد ملتی ہے۔ میرا تعلق جب نہ اس گروہ سے ہے اور نہ اس طبقے سے تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس رقم کو میں کس بنیاد پر لوں۔" (4)

ابو جعفر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا بھلا کیا جواب دے سکتا تھا لیکن آپ نے بڑے حکیمانہ انداز میں خلیفہ کو آگاہ کیا کہ بیت المال کے صحیح مصارف کیا ہیں اور وہ جس طرح کی غلط بخششوں سے کام لے رہا ہے اس کا اسلامی ریاست کے سربراہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بیت المال کو اپنی صوابدید سے خرچ کرے۔ بادشاہت کی یہی وہ خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر وسائل دستیاب ہوں اور کامیابی کی امید ہو تو ایسے غیر شرعی حکمران کے خلاف خروج فرض ہے۔ فقہ حنفی کے اصول کے

مطابق شرعی حاکم کا تقرر اسلام کے اہم واجبات میں سے ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسلامی ریاست کے قیام کی کوشش حج جیسی عبادت سے بھی افضل ہے۔ (5)

حنفی فقہ کی کتابوں میں "کتاب القاضی" کے نام سے ایک مستقل موضوع ہے جس میں تفصیلی طور پر ان تمام چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق حاکم شرعی کے حقوق و شرائط، تقرری و برخاستگی وغیرہ کے اصولوں سے ہے اور ان تمام اصولوں کی پاسداری سے ہی رفاہی ریاست کا تصور وابستہ ہے۔ اہل علم آگاہ ہیں کہ اس معاملے میں محدثین کی رائے میں امیر بالاستیلاء کی اطاعت بھی شرعی حاکم کی طرح لازم ہے جبکہ امام صاحب کی رائے اس سے بالکل مختلف ہے۔ (6) یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے بنو امیہ کے خلاف امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن علی رضی اللہ عنہ (م 120ھ) کے حامی رہے اور بعد ازاں بنی عباسی کے خلاف محمد نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ (م 145ھ) کے خروج کے موقع پر خود اس تحریک میں عملی طور پر شریک رہے۔ (7)

رفاہی ریاست کا ایک انتہائی اہم ستون آزاد عدلیہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں دوسری قابل توجہ چیز یہ ہے کہ آپ عدلیہ کی اسی آزادانہ حیثیت کے زبردست داعی تھے جس کا مثالی نمونہ عہد نبوت اور خلافتِ راشدہ میں نظر آتا ہے۔ اس تحریک کی صحیح قدر و قیمت وہی شخص جان سکتا ہے جس کی اس دور کے عدالتی نظام پر گہری نظر ہو۔ یہ آپ کی ہمہ گیر تحریک کا نتیجہ ہی ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب عدلیہ محض حکمرانوں کی من مانیوں کو جواز کے دلائل فراہم کرنے کا فریضہ ادا کر رہی تھی۔ آپ نے ایک مقنن کی حیثیت سے فقہ حنفی کی صورت میں امت کو ایسے اصول دیئے جن کے بغیر معاشرتی استحکام، رائے عامہ کا اطمینان اور رفاہی ریاست کا تصور ممکن ہی نہیں اور مزید یہ کہ آپ نے اپنے شاگردوں کی اس انداز میں تربیت فرمائی کہ عدالتی نظام کو چلانے کے لئے وہ حکمرانوں کی ضرورت بن گئے۔

کوفہ کے معروف قاضی ابن ابی لیلی کے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علمی معرکوں کا اگر باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ان علمی معرکہ آرائیوں سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود کسی عہدہ کا حصول یا ذاتی تشہیر نہ تھی بلکہ آپ اس طریقے سے حکومت کے پورے عدالتی نظام کو چیلنج کر رہے تھے۔ لوگوں میں پیدا ہونے والے جھگڑوں اور لڑائیوں کا درست فیصلہ ہی اصل حکومت ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ عدلیہ پر تنقید کے ذریعے ارباب اقتدار کو اس طرف متوجہ کر رہے تھے کہ جب تمہارا عدالتی نظام ہی لوگوں کو انصاف مہیا کرنے سے عاجز ہے تو تمہیں حکمرانی کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف عدلیہ ادارے کی حیثیت سے اپنی آزادانہ حیثیت کھو چکی تھی اور دوسری طرف مختلف شہروں میں قضاۃ ایک ہی طرح کے مقدمات میں بالکل متضاد فیصلے کر رہے تھے۔

آزادیٔ اظہارِ رائے پر پابندی، محکوم عدلیہ اور بیت المال کا ناجائز استعمال وہ بنیادی وجوہ ہیں جن کی بنا پر آپ بنو عباس کے خلاف بھی برسر پیکار رہے تھے، اس لئے عباسی خلفاء نے فقہ حنفی کو نظر انداز کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ ابو جعفر منصور (136-158ھ) اور ہارون الرشید (170-193ھ) وغیرہ نے امام ابو حنیفہؒ کی فکر کے بالمقابل امام مالکؒ (م179) کو کھڑا کرنے کی بہت کوشش کی لیکن امام مالکؒ نے حکومتی سرپرستی میں اپنی رائے کے نفاذ کو پسند نہ فرمایا۔(8) ہارون الرشید نے مدینہ کے عظیم فقیہ حضرت سفیان بن عینیہؒ (م198ھ) کی تمام کتب بھی بغداد منگوا کر چاہا کہ ان کے علوم پر سلطنت کے انتظام و انصرام کی بنیاد رکھی جائے لیکن مقصد پورا نہ ہوا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس عرق ریزی سے مصلحتِ عامہ پر مبنی فقہی اصول مرتب کئے تھے اور حنفی فقہ نے جس طرح عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کر لی تھی، اس کی وجہ سے عباسی خلفاء کے پاس بجز فقہ حنفی کے کوئی دوسرا متبادل نہ تھا۔ حالات کا یہی وہ رخ تھا جس کو دیکھتے ہوئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنے تربیت یافتہ تقریباً ایک ہزار تلامذہ کو خصوصی دعوت پر کوفہ کی جامع مسجد میں طلب کیا اور ان کے سامنے ایک تاریخی خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں فقہ (اسلامی قانون) کی زین تم لوگوں کے لئے کس کر تیار کر چکا ہوں۔ اس کے منہ پر تمہارے لئے لگام بھی چڑھا چکا ہوں۔ اب تمہارا جس وقت جی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو، میں نے ایک ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ تلاش کریں گے، میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا اور ہموار کر دیا ہے''۔

پھر آپ نے اپنے خاص چالیس شاگردوں کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اب وقت آ گیا ہے کہ آپ لوگ میری مدد کریں گے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم (چالیس) میں ہر ایک عہدہ قضاء کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہے اور دس آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بلکہ قاضیوں کی تربیت و تادیب کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں''۔(9)

اگرچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بنی عباس کے انداز حکمرانی کے سخت خلاف تھے، اس لئے اپنی ذات کی حد تک آپ نے ان حکومتوں میں کسی بھی طرح کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کیا تاہم آپ دستیاب مواقع کو ضائع کرنے کے حق میں بھی نہ تھے۔ آپ کی اس حکمت عملی کے نتائج بھی بہت جلد سامنے آنا شروع ہو گئے۔ آپ کی ذاتی قربانی آپ کے شاگردوں کے لئے تابندہ مثال بن گئی۔ ایک وقت وہ تھا جب قاضی شریک کو صرف اس لئے عہدہ قضاء سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے کہ انہوں نے خلیفہ کی ایک لونڈی کے خلاف فیصلہ سنایا تھا، (10) اور اب وہ وقت ہے کہ ایک قاضی بے خوف و خطر ہو کر خلیفہ کے خلاف فیصلہ

کر رہا ہے۔(11) ایک وقت وہ ہے کہ جب خلیفہ اعلان کر رہا ہے کہ خبردار اگر کسی نے مجھے ''اِتَّقِ باللّٰہ'' کہنے کی جسارت کی، اور اب تبدیلی کا یہ منظر بھی ہے کہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ کی فرمائش پر ''کتاب الخراج'' رقم فرماتے ہیں تو اس میں پہلے خلیفہ کو پند ونصائح سے نوازتے ہیں،(12) اور پھر محاصل کے پورے نظام کو اس اسلوب میں بیان کرتے ہیں جس میں حکومت کا مقصد ہی یہ ٹھہرتا ہے کہ وہ مفاد عامہ اور لوگوں کی سہولت کو ہر نفع پر ترجیح دے۔

رفاہی ریاست اور فقہ حنفی کے اصول ومبادی

فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریعت اسلامیہ کا محور پانچ امور ہیں، یہ امور انسان کا نفس، دین عقل، مال اور نسل ہیں۔(13) انسان کی دنیاوی اور اخروی حیات اور اس کی بقا کا دارومدار انہیں پانچ چیزوں پر ہیں۔ اس لئے ان پانچ امور کے مصالح ومفاسد کا حصول و دفعیہ ہی اسلامی قانون کا مقصد ہے جسے فقہاء کی اصطلاح میں ''مقاصد شریعہ'' کہا جاتا ہے۔ فقہاء نے اسلامی احکام کے دینی مقاصد ومصالح کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ اسلام کا پورا نظام چونکہ انسانی فطرت کے موافق ہے جس کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے اجتہادی اصول بھی فطرت کے قریب تر ہوں، اسی سے انسان کے لئے آسانی اور سہولت کا امکان پیدا ہوگا۔ اس نقطۂ نظر سے اگر فقہ حنفی کے ان اجتہادی اصول وقواعد کا جائزہ لیا جائے جن کا تعلق رفاہی ریاست کے قیام سے ہے تو صاف محسوس کیا جا سکتا ہے کہ ان میں انسانی ضروریات وحاجات کو ملحوظ رکھتے ہوئے سہولت اور آسانی کے پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

دیگر ائمہ کی نسبت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی جو تعریف کی ہے اس میں زیادہ وسعت اور گہرائی ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقہ کی بنیاد ''معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا'' (14) پر رکھی ہے۔ اس تعریف کی رو سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وضع کردہ اصول وقواعد صرف انسان کے ظاہری افعال تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس میں

عبادات، معاملات اور مناکحات وغیرہ سے آگے بڑھ کر انسان کے نفسیاتی، اعتقادی، سیاسی اور بین الاقوامی امور تک شامل ہیں۔ فقہ حنفی کی یہی وسعت اور جامعیت اس کی مقبولیت کا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں حکومت خواہ کسی بھی مسلک سے متعلق رہی ہو، احکام سلطانیہ اور سیاسی امور کی انجام دہی میں عموماً حنفی فقہ ہی کی پیروی کی جاتی رہی ہے۔

عرف وتعامل کا اصول:

ہماری رائے میں فقہ حنفی کے وہ تمام اصول وقواعد جن کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہے وہ رفاہی ریاست کے قیام کے بھی بنیادی اصول ہیں۔ کیونکہ انسان کی معاشرتی زندگی کے تحفظ کے بغیر رفاہی ریاست کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ فقہ حنفی میں معاشرتی زندگی میں رسم ورواج، ضرورت وحاجات اور اجتماعی مفادات کے ساتھ ایک حد تک ہر انسان کے قول و فعل کو بھی قانونی تحفظ دیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرف اور تعامل کو بھی احکام کی بنیاد قرار دیا، یہی وجہ ہے کہ حنفی اصولوں کے تحت حلال وحرام میں ترمیم سے بچتے ہوئے حتی الامکان عامۃ الناس کے معاملات کو درست قرار دیا گیا ہے بلکہ ان امور میں اس وقت تک عوام کی موافقت کی جائے گی جب تک ان کی ممانعت پر کوئی شرعی دلیل متحقق نہ ہو۔ عرف وتعامل کے اعتبار سے جہاں احناف کے ہاں بہت سے معاشرتی مسائل حل ہوتے ہیں، وہاں اس سے انسانی قدروں کے احترام کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اس سے انسان کے بطور انسان، مسلمان ہو یا کافر، عالم ہو یا جاہل کے قول وفعل کو تحفظ اور مجموعی انسانی معاشرتی امور میں ایک طرح سے مقنن کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

احترام انسانیت کا اصول:

احترام انسانیت حنفی فقہ کا ایک اہم اصول ہے اور فقہ حنفی میں بہت سے اہم فیصلوں کی

بنیادی محض احترام انسانیت ہے۔ مثلاً: آزاد عورت کے مہر کے مسئلے میں دیگر ائمہ کے برعکس امام ابوحنیفہؒ کا خصوصی مؤقف یہ ہے کہ اس کے مہر کا گراں قدر ہونا شرعی حق ہے جس میں کسی انسان کو بلکہ خود عورت کو بھی مداخلت کا اختیار نہیں۔ یہ بھی فقہ حنفی ہی کا اصول ہے: "لارضامع الاضرار" لہٰذا کسی ولی یا خود عورت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بغیر مہر، یا شرعی مقدار سے کم، یا مہر میں مال کے بغیر کسی اور شرط پر نکاح کر سکے اسی اصول کی بناء پر فقہ حنفی میں چوری میں قطع ید کو ایک حد تک گراں قدر مال کی چوری سے مشروط کیا گیا ہے، احترام انسانیت کے اسی اصول کی بنیاد پر فقہ حنفی میں معمولی چیز کی چوری پر قطع ید کی ممانعت کی گئی ہے۔(15) انسانی اکرام و احترام کو دستور قرار دیتے ہوئے امام صاحبؒ نے جہاد میں گھوڑے کی شرکت پر غنیمت میں سے گھوڑے کے لئے مجاہد کے مقابلے میں دوگنا حصے کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کے مقابلے میں حیوان کو کسی بھی صورت میں اعزاز نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس سے انسانی احترام و اکرام کا دستور متاثر ہوتا ہے۔(16) انسانی احترام اور وقار کی پاسداری کو مغرب نے جو اہمیت آج دی ہے امام ابوحنیفہؒ نے تیرہ سو سال قبل ہی اس کی اہمیت واضح کر دی تھی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (م 182ھ) زمینداری کی اس قسم کو حرام قرار دیتے ہیں کہ جس میں حکومت کاشتکاروں سے مال گزاری وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو زمیندار بنا کر بٹھا دیتی ہے اور عملاً اسے یہ اختیار دے دیتی ہے کہ حکومت کا لگان ادا کرنے کے بعد باقی جو کچھ چاہے اور جس طرح چاہے، کاشتکاروں سے وصول کیا جائے۔(17) وہ کہتے ہیں کہ زمین کا عطیہ صرف اسی صورت میں جائز ہے جبکہ غیر آباد اور غیر مملوکہ زمین کو آبادکاری کی نیت سے معقول حد کے اندر دیا جائے۔ اس طرح کا عطیہ جس شخص کو دیا جائے اگر تین سال تک وہ شخص اس کو آباد نہ کرے تو اس سے واپس لے لینا چاہئے(18) اگر زمینوں کی تقسیم کے اس ایک اصول کو ہی اپنا لیا جائے تو نہ

صرف جاگیرداری نظام کو لگام دی جا سکتی ہے بلکہ اس نظام سے وابستہ بہت سی خرابیوں پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فقہ حنفی دراصل انسان کے فطری تقاضوں اور ضروریات کی مدون شکل ہے اور ظاہر ہے کہ جو دستور فطری تقاضوں اور ضروریات سے ہم آہنگ ہوگا، وہی دنیا میں شائع ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے۔

اسلامی رفاہی ریاست اور اقلیتیں

اسلامی ریاست صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ اقلیتوں کے لئے بھی ایک مکمل رفاہی ریاست ہے۔ حنفی دستور کے مطابق اقلیتوں کو جو رعایتیں اور حقوق اسلامی حکومت میں حاصل ہیں وہ آزادی کے اس موجودہ دور میں بھی شاید اُن کو ہر جگہ میسر نہ ہوں، شراب وسور، جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے ذمی بھائی کی ان چیزوں کو تلف کر دے تو حاکم اس پر جرمانہ عائد کرے گا، فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ میں ہے:

"واذا اتلف المسلم خمراً الذمی او حنزیرہ ضمن فان اتلفھما لمسلم لم یضمن"(19)

"اگر کسی مسلمان نے ذمی کی شراب یا سور کا نقصان کر دیا تو اسے تاوان دینا ہوگا اور اگر یہ چیزیں کسی مسلمان کی تھیں تو پھر نہیں"

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ذمی دارالاسلام کا شہری بن جائے تو اب اس کی جان و مال بالکل محفوظ ہو گئے۔ احناف کے ہاں "النفس بالنفس" کے قرآنی حکم کو اصول کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔(20) جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسلمان قاتل کو غیر مسلم (حربی) کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا۔(21) فقہ حنفی کے مطابق ذمی ہر قسم کی تجارت میں بالکل آزاد ہیں جس طرح مسلمانوں سے مال تجارت پر زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اسی طرح ذمیوں سے بھی ٹیکس وصول کیا جائے گا۔(22) اگر ذمی اپنے دینی مسائل اور عقائد میں باہمی نزاع یا اختلاف کریں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا، وہ جانیں اور ان کا کام، ان کو اپنے حقوق

کا مقدمہ اپنے حاکموں کے پاس لے جانے سے نہ روکا جائے گا۔ ہاں، اگر وہ اسلامی عدالتوں کی طرف رجوع کریں گے تو اس کا فیصلہ دستورِ اسلامی کی روشنی میں کیا جائے گا۔ امام جماعت تشکیل دے رہے ہوں تو وہ پھر عہد ذمہ سے خارج ہو جائیں گے۔ ان میں سے جو شخص نقض عہد کرے یا قانون کی خلاف ورزی کرے تو اس کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر وہ کسی مسلمان عورت سے زنا کر بیٹھیں یا مسلمان کو کفر کی تبلیغ کریں یا جاسوسی کریں تو ان کو سخت ترین سزا تو دی جاسکتی ہے مگر حقوق شہریت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔(23) دیگر مذاہب کے مقابلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذمیوں کے لئے جو دستور مرتب فرمایا ہے اس میں انہوں نے فیاضی سے زیادہ کام لیا ہے۔ غرضیکہ اسلامی حکومت میں ذمی ایک باعزت شہری کی طرح ہیں۔ یہی وجہ ہے اسلامی دورِ حکومت میں غیر مسلم کثیر تعداد میں اپنی حکومتوں سے منتقل ہو کر مسلمان حاکم کی رعایا بننے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کے لئے امام ابو یوسف (م182ھ) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے حوالہ سے تین اصول ذکر فرمائے ہیں، جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

1) جو عہد بھی ان سے کیا گیا ہو، اسے پورا کیا جائے۔
2) ملک کے دفاع کی ذمہ داری ان پر نہیں مسلمانوں پر ہے۔
3) ان کی طاقت سے زیادہ ان پر جزیہ اور خراج کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔

پھر وہ فرماتے ہیں کہ مسکین، بوڑھے، راہب، عبادت گاہوں کے کارکن، عورتیں، بچے جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ذمیوں کے اموال، مویشی وغیرہ پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے میں مار پیٹ وغیرہ سے کام لینا جائز نہیں ہے۔ معذور اور محتاج ذمیوں کی پرورش حکومت کے خزانہ سے ہونی چاہئے۔(24)

حنفی قضاۃ کے فیصلے اور فتاویٰ/ فقہ حنفی میں ارتقاء

تمدن کا مسلسل ارتقاء اس امر کا متقاضی ہے کہ قانون سازی کے عمل میں بھی تسلسل قائم ہے، فقہائے احناف نے فقہ حنفی کے اصول و قواعد کی روشنی میں حالات اور زمانے کی رعایت اور عرف کی تبدیلی سے ہر دور میں پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ خود مسلم حکمرانوں کو آئے روز جن قانونی موشگافیوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا اس کی بنا پر انہوں نے جدید فتاویٰ کے مرتب کرنے میں ہمیشہ فقہاء کی حوصلہ افزائی کی۔ اس حوالے سے عباسی عہدِ خلافت کی عدالتی تاریخ اور نامور علماء کے فتاویٰ پر تنقیدی نظر ڈالنے سے اس دور میں فقہ حنفی میں ہونے والے ارتقائی سفر کو سمجھا جاسکتا ہے اور ان فیصلوں اور فتاویٰ میں مفادِ عامہ کا جو تحفظ کیا گیا ہے اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

عباسی خلافت کی طرح برصغیر میں بھی فقہ حنفی ہی بطور قانون نافذ رہی ہے اس لئے برصغیر کے مسلم حکمرانوں کی تمام رفاہی کوششوں کے پیچھے بھی دراصل حنفی قانون ہی کو دیکھا جانا چاہئے۔ فقہ حنفی کی جدید تدوین میں برصغیر کے مسلم حکمرانوں کا کردار بھی خصوصی دلچسپی کا موضوع ہے۔ غیاث الدین بلبن (664-686ھ) نے ایک مجموعۂ فتاویٰ مرتب کرایا جو اس دور کی عدالتی ضروریات کو پوری کر سکے، یہ "فتاویٰ غیاثیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ جلال الدین خلجی (688-6690ھ) نے "فتاویٰ قراخانی"، سلطان محمد تغلق (م795ھ) کے عہد میں اس کے وزیر امیر تاتارخان کی توجہ سے شیخ فرید الدین عالم بن علا، (م786ھ) نے "فتاویٰ تاتارخانیہ" مرتب کیا۔ قاضی احمد بن محمد نظام الدین جونپوری نے جونپور کے سلطان ابراہیم شرقی (804-844ھ) کی فرمائش پر "فتاویٰ ابراہیم شاہی" مرتب کیا۔ ظہیر الدین بابر (888-889ھ) کے اصرار پر شیخ نورالدین خوافی نے ایک فتاویٰ مرتب کیا، یہ مجموعہ "فتاویٰ بابری" کے نام سے مشہور ہے۔

بعد ازاں اورنگ زیب (1068-1118ھ) نے علم فتاویٰ کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔

انہوں نے شیخ نظام الدین برہان پوری رحمۃ اللہ علیہکی سربراہی میں اٹھائیس (28) نامور فقہاء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی، جس نے تقریباً آٹھ سال کے عرصہ میں عربی زبان میں ایک فتاویٰ مرتب کیا جو ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے متداول ہے۔ برصغیر کے حکمرانوں کا طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی نظر میں شریعت کی سب سے بہتر اور قابل عمل تعبیر وہی ہے جو فقہاء احناف نے کی ہے۔

بدقسمتی سے علم الفتاویٰ کا یہ ارتقائی سفر ہندوستان پر انگریز کے قبضہ کے بعد رک گیا اور اس کی جگہ انگریزی قانون نے لے لی، اگرچہ انگریزی دور میں حنفی دستور کا ریاستی امور سے عمل دخل ختم ہو گیا لیکن اس کے باوجود عامۃ الناس ہر دور میں اپنے روزمرہ معاشرتی مسائل کے علاوہ سیاسی معاملات میں رہنمائی کے لئے علماء کی طرف ہی دیکھتے تھے چنانچہ دورِ غلامی میں مرتب ہونے والے فتاویٰ میں بھی سیاسی امور کے بارے نئے حالات و واقعات کے تناظر میں حنفی علماء کی اجتہادی آراء کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے ''فتاویٰ عزیزی'' از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، فتاویٰ رضویہ، از مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م1921ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہمارے دینی مدارس میں فقہ حنفی کے جو متون زیر تدریس ہیں ان میں ابوالحسن بن احمد بن محمد بن جعفر المعروف امام القدوری رحمۃ اللہ علیہ (م428ھ) کی کتاب ''مختصر القدوری''، ابوالحسن علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ (م593ھ) کی ''الھدایۃ''، امام عبداللہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ (م747ھ) کی ''شرح الوقایۃ'' اور ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمۃ اللہ علیہ (م710ھ) کی ''کنز الدقائق'' وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان کتابوں میں فقہ حنفی کے ارتقاء کی یہ پوری تاریخ ظاہر ہے کہ موجود نہیں، جس کی وجہ سے فقہ حنفی میں حالات کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی جو صلاحیت ہے وہ واضح نہیں ہو پا رہی۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ مغرب کو ہماری نماز، روزے اور حج وغیرہ جیسی

عبادات سے قطعاً اختلاف نہیں ہے بلکہ اہل مغرب اسلام کی سیاسی واپسی اور خلافت کے احیاء سے خوف زدہ ہے اور اسلام کے سیاسی نظام کے خلاف ان کے ہاتھ میں پروپیگنڈا کے لئے جو مواد ہے اس کا بنیادی مأخذ ہمارا قدیم فقہی ذخیرہ ہے۔ جس کو بنیاد بنا کر ان کے لئے یہ کہنا آسان ہو جاتا کہ اگر سیاسی اسلام کی واپسی ہوئی تو عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا جائے گا، غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں ذمی کی حیثیت سے جزیہ ادا کر کے مخصوص لباس پہن کر ذلت آمیز زندگی گزارنا ہوگی، آزادئ اظہار رائے پر پابندی ہوگی بلکہ ایسے شخص کو مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا، جہادی کلچر پروان چڑھے گا اور دنیا لامتناہی جنگوں کی آماجگاہ بن جائے گی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مغرب کے خدشات اور تحفظات کو سمجھیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی وژن کو بروئے کار لاتے ہوئے جدید اسلامی اور رفاہی ریاست کے خدوخال کو اس انداز میں واضح کریں کہ اسلام کے سیاسی نظام کی برکات نمایاں ہو کر سامنے آ جائیں، ہماری رائے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ اصولوں کو جدید تناظر میں برتنے کی ضرورت ہے اجتہادی بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے فقہائے اُمت کے فقہی تفردات سے بھی فائدہ اٹھایا جانا چاہیے۔

حوالاجات

1) سورۃ الحج،41:22

2) گیلانی، مناظر احسن، مولانا (1892-1956ء) حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، (ناشر نفیس اکیڈمی، کراچی 1983ء) ص،44)

3) الکردری، حافظ الدین، الامام، (م 828ھ) مناقب ابی حنیفہ، (ناشر دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، 1981ء)، 296/2۔

4) الموفق بن احمد المکی، مناقب ابی حنیفہ (ناشر دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان 1981ء)، 191/1۔

5) حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، ص:344۔

6) ایضاً ص:171۔

7) ایضاً ص:151-343۔

8) الشعرانی، ابوالمواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد (م973ھ)، المیزان الکبری الشعرانیہ، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1998ء)، 52/1۔

9) مناقب ابی حنیفہ، 355/2۔

10) حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، ص، 54-55۔

11) مصدر نفسہ، ص502۔

12) ابویوسف یعقوب بن ابراہیم، قاضی، (م113-182ھ)، کتاب الخراج، (مطبع وسن ندارد)، ص3۔

13) الشاطبی، ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ (م 790ھ)، الموافقات فی اصول

الاحکام، (المطبعۃ السّلفیہ، بمصر، 1341ھ)، 15/1۔

14) صدر الشریعہ، عبیداللہ بن مسعود (م 747ھ)، التوضیح مع التلویح، (نور محمد اصح المطابع، کراچی 1400ء) 22/1۔

15) المرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، (511-593ھ) الہدایہ (مکتبہ البشری، کراچی، 2007ء)، کتاب الحدود، باب مایقطع فیہ ومالایقطع، 141/4۔

16) المرجع السابق، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتہا، فصل فی کیفیۃ القسمۃ، 232/4۔

17) کتاب الخراج، ص114۔

18) الہدایہ، کتاب احیاء الموات، 254۔

19) المرجع السابق، کتاب الغصب، فصل فی غصب مالایتقوم 523/6۔

20) المرجع السابق، کتاب الجنایات، باب مایوجب القصاص ومالایوجبہ، 12/8۔

21) المرجع السابق 13/8۔

22) کتاب الخراج، فصل فیمن تجب علیہ الجزیۃ، ص133۔

23) ایضاً ص194-205

24) ایضاً ص132۔

ماضی میں اجتماعی اجتہاد کی کاوشیں

محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ اسلامیہ، لاہور

ماضی میں اجتماعی اجتہاد کی کاوشیں

محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

یہ مقالہ تین اجزاء پر مشتمل ہے:

1) امام ابوحنیفہ کی تدوین فقہ اسلامی
2) فتاویٰ عالمگیری
3) مجلۃ الاحکام العدلیۃ

پہلے جز پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے اور اس کے بعد علماء اسلام کے چند اقوال ان کے بارے میں پیش کر دیئے جائیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

آیۃ من آیات اللّٰہ تعالیٰ، معجزۃ من معجزات رسول اللہ ﷺ، تاریخ اسلام کے کثیر الجہات عبقری، فقہ اسلامی کے پہلے مدون، سراج اُمت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطا بن ماہ ۸۰ھ /۶۹۹ء میں (کوفہ میں) پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ /۷۶۷ء میں بحالت قید بغداد شریف میں جام شہادت نوش کیا اور وہیں خیزران کے مقبرے کی مشرقی جانب ان کا مزار ہے۔ اس مزار پر ۴۵۹ھ /۱۰۶۶ء میں ایک گنبد تعمیر کر دیا گیا تھا، جس محلے میں یہ مزار واقع ہے وہ اب بھی امام اعظم کی نسبت سے اعظمیہ کہلاتا ہے۔(1)

کوفہ عظیم علمی وروحانی مرکز

یادرہے کہ کوفہ حرمین شریفین کے بعد عالم اسلام کا عظیم تر علمی اور فوجی مرکز تھا، مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی لکھتے ہیں ''یہ شہر دریائے فرات کے کنارے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، نے ۱۷ھ یا ۱۹ھ میں آباد کیا، انہوں نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار افراد کو کوفہ بھیجا اور ان سب کے لئے روزینہ وظیفہ مقرر فرمایا، کوفہ کی آبادی میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا''۔

اس کے بعد ابن سعد کی ''الطبقات الکبریٰ'' جلد ۶ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اہل کوفہ سے شروعات کیا کرتے تھے، وہاں تمام عرب کے گھرانے آباد تھے، بصرہ میں یہ بات نہیں تھی، کوفہ میں تین سو افراد بیعت رضوان والے اور ستر حضرات غزوۂ بدر والے نازل ہوئے، اس شہر کے درمیان ایک عظیم الشان مسجد شریف بنائی جس میں چالیس ہزار افراد بیک وقت نماز پڑھ سکتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نے فرمایا: کوفہ میں سرکردہ لوگ ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ کوفہ اللہ کا نیزہ اور ایمان کا خزانہ اور عرب کی کھوپڑی (دماغ) ہے، کوفہ کے لوگ سرحدی چوکیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور شہروں کی مدد کرتے ہیں، آپ نے اہل کوفہ کے نام مکتوب ارسال کیا تو اس کی ابتدا یوں فرمائی ''إلى رأس أهل الاسلام''

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے فرمایا: کوفہ اسلام کی کھوپڑی (یعنی اس کا دماغ) ایمان کا خزانہ، اللہ کی تلوار اور اس کا نیزہ ہے اور حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا: کوفہ اسلام اور اہل اسلام کا گنبد ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، نے اہل کوفہ کے نام ایک مکتوب ارسال کیا اور اس میں

لکھا: ''میں نے تمہارے پاس عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کو بھیج کر تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے''۔(2)

مولانا ابوالحسن زید فاروقی مزید فرماتے ہیں:

> اس مبارک شہر میں ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرام نے سکونت اختیار کی، ان حضرات کے رہنے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کی تعلیم وتدریس اور پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کے وہاں قیام اور جلیل القدر صحابہ کے ورود سے کوفہ بے مثال گلزارِ علم بن گیا۔ اسی مبارک سرزمین سے تمام علوم اسلامیہ نے سر ابھارا ہے۔ جو صحابہ کرام وہاں آئے ان سے حدیث شریف کے دھانے کھلے۔ نحو، لغت، فقہ اللغۃ، علوم معانی، فقہ اور اصول فقہ کا مصدر کوفہ ہی ہے۔

شاطبیہ میں سات ائمہ قرائت کا ذکر ہے (۱) نافع اور وہ مدینہ منورہ کے ہیں (۲) ابن کثیر اور وہ مکہ معظمہ کے ہیں (۳) ابوعمرو اور وہ بصرہ کے ہیں (۴) ابن عامر اور وہ دمشق کے (۵) عاصم (۶) حمزہ (۷) کسائی اور یہ تینوں حضرات کوفہ کے ہیں (3)

آخر میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حضرات اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو کچھ فرمایا ہے الہام ربانی ہے۔ ابھی سو سال نہیں گزرے تھے کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس مبارک سرزمین میں سے ایسے ایسے افراد ظاہر ہوئے کہ انہوں نے عقدِ ثریا کے روشن تاروں کے انوار سے تمام عالمِ اسلام کو شرقاً غرباً شمالاً جنوباً منور کر دیا۔ ان حضرات نے ایسے دقائق حل کئے ہیں اور ایسے ایسے علوم وفنون ایجاد کئے ہیں کہ دنیا محوِ حیرت ہے، حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے کوفہ کو جمجمة العرب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمجمة الاسلام (عرب اور اسلام کا دماغ) فرمایا ہے۔ ان حضرات کے ارشاد کا اظہار ہو رہا ہے۔ (4) قابل غور بات یہ ہے کہ ایسے مرکز اسلام سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ابھر کر پورے کوفہ پر نہیں بلکہ عالم اسلام پر چھا جانا ایک محیّر العقول واقعہ ہے، اس سے امام ابوحنیفہ کی عظمت وجلالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مشہور محدث امام سفیان بن عُیینہ فرمایا کرتے تھے: مجھے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ دو چیزیں کوفہ کے پُل کے پاس بھی جاسکیں گی لیکن وہ دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئیں۔ (۱) حمزہ کی قرائت اور (۲) ابوحنیفہ کی فقہ (5)

مردم خیز خطہ افغانستان

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دادا زوطی یا نعمان افغانستان کے رہنے والے تھے۔ ان کا گاؤں کابل کے مشرق میں ساٹھ کلومیٹر دور ضلع بروان کے قریب واقع ہے۔ ڈاکٹر عنایت اللہ ابلاغ افغانی لکھتے ہیں:

سرزمین افغانستان وہ مقدس سرزمین ہے جس کی طرف دو عظیم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، دو نابغۂ عصر مفکر فارابی اور ابن سینا اور دو ائمہ حدیث ابن قتیبہ اور ترمذی اور نادر روزگار علماء زمخشری، سکاکی، تفتازانی، رازی، نسفی اور علماء تصوف جیسے عبداللہ انصاری ہروی، سلطان محمود غزنوی اور مولانا جلال الدین بلخی رومی (داتا گنج بخش سیّد علی ہجویری، خواجہ باقی باللہ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) اور سیاسی وفکری زعماء مثلاً جمال الدین افغانی منسوب ہیں۔ (6)

مقصد یہ دکھانا ہے کہ وہ خطہ کس قدر مردم خیز ہے، جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے آباء واجداد کا وطن اصلی تھا، اسی طرح وہ شہر کوفہ کتنا بڑا علمی ایمانی اور روحانی مرکز تھا جہاں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسماعیل بن حماد کا بیان ہے کہ ہم فارس کے رہنے والے آزاد ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم پر کبھی غلامی طاری نہیں ہوئی۔ (7)

آپ کے دادا آپ کے والد کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے ثابت کے لئے دعا فرمائی (8)

تحصیل علم

امام ابوحنیفہ ریشمی کپڑے کی فروخت کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ اُن کی دکان ''عمرو بن حریث'' کے گھر تھی (7) ظاہر یہ ہے کہ یہ کاروبار انہیں ورثے میں ملا تھا۔ آپ حسب معمول خرید وفروخت میں مصروف تھے کہ ایک دن امام عامر بن شراحیل شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ کی پیشانی پر نجابت وشرافت کے آثار دیکھے تو آپ کو علم حاصل کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ آپ تحصیل علم میں مصروف ہو گئے اور اپنے تمام معاصرین سے آگے نکل گئے (8)

یوں تو امام ابوحنیفہ نے چار ہزار مشائخ سے استفادہ کیا (9) اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زیارت سے مشرف ہوئے، بعض حضرات نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے حدیث سننے کا بھی تذکرہ کیا ہے لیکن دو صحابہ کی زیارت سے تو کسی کو اختلاف نہیں ہے اس لئے امام صاحب کو اکابر تابعین میں شمار کیا جاتا ہے جبکہ دوسرے شہروں کے معاصر ائمہ کے لئے یہ فضیلت ثابت نہیں مثلاً امام اوزاعی شام میں، حمادین بصرہ میں، سفیان ثوری کوفہ میں، امام مالک مدینہ منورہ میں اور امام لیث مصر میں (11) تاہم زیادہ تر استفادہ امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے کیا، اٹھارہ

سال ان کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب
سے امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی ہے اس وقت سے میں نے جب بھی نماز پڑھی تو
اپنے والدین کے ساتھ ان کی مغفرت کے لئے بھی دعا کی ہے بلکہ فرماتے ہیں کہ میں ان
تمام علماء کی مغفرت کی دعا مانگتا ہوں جن سے میں نے علم حاصل کیا ہے یا جنہوں نے مجھ
سے علم حاصل کیا ہے۔(13)

فقہ میں کیوں تخصص حاصل کیا؟

فقہ میں تخصص حاصل کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میں نے علم
حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے تمام علوم کو اپنے سامنے رکھا اور ہر ایک کے فائدے اور
انجام میں غور کیا۔ سب سے پہلے میں نے سوچا کہ علم کلام حاصل کروں لیکن مجھے اس کا فائدہ
کم دکھائی دیا، کیونکہ جب انسان اس میں کامل ہو جائے تو کھلم کھلا بات نہیں کر سکتا، اس پر ہر
برائی کا الزام لگایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ ''صاحب ہوا'' ہے۔

پھر میں نے علم ادب اور نحو میں غور کیا، اس کا انجام یہ دکھائی دیا کہ میں بچوں کے پاس
بیٹھوں اور انہیں نحو اور ادب پڑھاؤں۔ پھر میں نے علم شعر میں غور کیا تو مجھے اس کا انجام یہ
نظر آیا کہ میں کسی کی مدح کروں اور کسی کی ھجو، نیز بیہودہ باتیں کروں اور جھوٹ بولوں۔ پھر
میں نے علم قرائت میں غور کیا تو اس کا انجام یہ سامنے آیا کہ جب میں اس علم کی انتہا کو پہنچ
جاؤں اور لوگوں کو میری طرف حاجت پیش آئے تو میرے پاس نوعمر بچے جمع ہوں اور وہ مجھ
سے پڑھیں۔

پھر میں نے علم حدیث میں غور کیا تو میں نے سوچا کہ جب میں طویل عمر صرف کر کے
بہت سی حدیثیں سن لوں گا تو لوگ میری طرف محتاج ہوں گے اور میرے پاس نوجوان بچے
جمع ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ پر جھوٹ بولنے اور حافظے کی کمزوری کی تہمت لگائیں
اور یہ عیب قیامت تک میرے طرف منسوب رہے۔

آخر میں فقہ میں غور کیا اور جب بھی اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا تو اس کی عظمت ہی اُجاگر
ہوتی گئی اور اس میں کوئی عیب نظر نہیں آیا، اس کی بدولت علماء، فقہاء، مشائخ اور اربابِ
بصیرت کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملے گا اور ان کے اخلاق کو اپنانے کی سعادت نصیب ہوگی۔
نیز مجھے یہ بات سمجھ میں آئی کہ فقہ کی معرفت کے بغیر فرائض اور عبادت کی ادائیگی نہیں ہو
سکے گی اور دین کو قائم نہیں کیا جا سکے گا اس کے ذریعے دین بھی حاصل ہوگا اور دنیا بھی چنانچہ
میں اس میں مصروف ہو گیا۔(14)

یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقہ ہی کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے ہر طرف
سے اسی کی طرف راہنمائی ہوتی گئی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت
حماد رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہو گیا، میں ان کے بیان کردہ مسائل سنا کرتا تھا اور یاد
کر لیتا تھا، دوسرے دن وہ شاگردوں سے سنتے تو میں انہیں کل کا سبق سنا دیتا، جب کہ
دوسرے شاگرد خطا کر جاتے، اس لئے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''مجلس درس میں
سب سے آگے میرے سامنے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کوئی نہ بیٹھے''۔

میں دس سال تک ان کی خدمت میں حاضری دیتا رہا، پھر کار قضا بصرہ میں ان کا ایک
رشتے دار فوت ہو گیا، جس کا کوئی وارث اُن کے علاوہ نہ تھا، انہوں نے مجھے اپنی جگہ پر بٹھایا
اور تشریف لے گئے میرے پاس ایسے مسائل بھی آئے جو میں نے ان سے سنے نہیں تھے
میں جواب دیتا رہا اور اسے لکھ لیتا تقریباً دو ماہ بعد جب وہ واپس تشریف لائے تو میں نے
مسائل ان کی خدمت میں پیش کر دیئے جن میں سے چالیس مسائل میں تو انہوں نے
میرے ساتھ موافقت کی لیکن بیس مسائل میں میری مخالفت کی میں نے قسم کھائی کہ میں ان
کی زندگی میں ان سے الگ نہیں ہوں گا چنانچہ میں ان سے جدا نہیں ہوا یہاں تک کہ وہ
رحلت فرما گئے(15)

امام ابو حنیفہ اپنے استاذ امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ

ارراہِ تعظیم کبھی ان کے مکان کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے حالانکہ درمیان میں چار گلیوں کا فاصلہ تھا(16)

یہ تعظیم استاذ کی بے پایاں شفقتوں کا نتیجہ تھی، حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ بیس سال تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اہل وعیال کی کفالت کرتے رہے(17) اور اپنی اولاد سے بڑھ کر ان سے محبت کرتے، امام حماد بن ابی سلیمانؒ کے صاحبزادے حضرت اسماعیل فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ واسط میں تھا میرا ایک چھوٹا بیٹا کوفہ میں تھا جس کے ساتھ میرے والد بڑی محبت کرتے تھے جب واسط میں ہمارا قیام طویل ہو گیا تو ایک دن میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ شوق کس سے ملنے کا ہے؟ میرا خیال یہ تھا کہ وہ میرے بیٹے کا نام لیں گے لیکن انہوں نے فرمایا، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔(18)

استاذ کے جانشین

امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل اور شاگرد ابوبکر نہشلی، ابو بردہ عتبی اور محمد بن جابر کو ان کی جانشینی کی دعوت دی گئی لیکن سب نے معذرت کر لی، آخر قرعۂ فال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام نکلا تو آپ نے فرمایا"میں نہیں چاہتا کہ یہ علم ضائع ہو لہٰذا میں آپ حضرات کی خواہش پوری کرتا ہوں۔(19)

امام ابوحنیفہ نے مسند تدریس پر فائز ہو کر سلسلہ تعلیم شروع کر دیا صبح وشام پڑھانے میں مگن ہو گئے، فرماتے ہیں ان ہی دنوں ایک خواب دیکھا:

"جیسے میں نے نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس کو کھودا ہے، آپ کی ہڈیاں جمع کر کے اپنے سینے پر رکھیں، اور انہیں ایک دوسری کے ساتھ جوڑا، اس خواب نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا، میں نے تدریس کی مجالس

کو چھوڑ دیا اور ایک با اعتماد آدمی کو خواب کی تعبیر پوچھنے کیلئے ابن سیرین کے پاس بھیجا، انہوں نے تعبیر یہ بتائی کہ:"اس خواب کے دیکھنے والا اُس علم کو زندہ کرے گا جو مر چکا ہو گا"۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ امام ابوحنیفہ امام ابن سیرین کے شاگرد کے پاس گئے اور ان سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو انہوں نے کہا:

"آپ سنت کے قائم کرنے میں ایسا کام کریں گے جو آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا ہو گا اور آپ علم کی بہت گہرائی تک جائیں گے تب میں نے اس علم میں یہ اجتہاد کیا۔(20)

ظاہر ہے یہ کہ خواب حضرت امام کے اشتیاق اور حوصلے کو مزید تقویت دینے کا باعث تھا۔

تلامذہ

قاضی القضاۃ ابوبکر عتیق بن داؤد دیمانی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس امت کی حفاظت کے لئے اتنے شاگرد اور فضلاء امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے گرد جمع کر دیئے جتنے کسی دوسرے اور کسی خطے میں جمع نہیں ہوئے۔(21)

امام علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی شافعی رضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کرنے والوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے (اس کے بعد متعدد ائمہ مثلاً ابن ابی لیلیٰ، امام مالک بن انس، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق وغیرہ ہم ائمہ اسلام کا ذکر کرنے کے بعد حافظ ابو محمد حارثی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ) ان تمام حضرات کے اتنے شاگرد اور فیض یافتگان سامنے نہیں آئے جتنے امام ابوحنیفہؒ کے تھے علماء اور تمام لوگوں نے مشتبہ

احادیث، مستنبط مسائل، پیش آمدہ مسائل، فیصلوں اور احکام میں
جتنا فائدہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے شاگردوں سے حاصل
کیا کسی سے نہیں کیا۔(21)

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق دس ہزار بتائی گئی ہے
(23) امام محمد بن یوسف صالحی شافعی نے آٹھ سوا کابر علماء کی فہرست پیش کردی ہے جنہوں
نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔(24)

لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کے مشائخ نے بھی آپ سے استفادہ کیا مثلاً امام حماد بن
ابی سلیمان، سلیمان بن مہران الاعمش (23) عاصم بن ابی النجود (سات قاریوں میں سے
ایک اور بعض بزرگ علماء نے بھی استفادہ کیا مثلاً ایوب سختیانی (26)۔

بخاری شریف میں (۲۲) احادیث ثلاثیات (جن میں امام بخاری اور نبی کریم ﷺ
کے درمیان تین راویوں کا واسطہ ہے) امام بخاری کا سرمایۂ افتخار ہیں، ان میں سے نصف
احادیث امام مکی ابن ابراہیم کی روایت ہیں، ان کے علاوہ خلاد بن یحیٰی ثلاثیات کے راویوں
میں سے ایک ہیں اور یہ دونوں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں (27)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کی روایت امام مالک سے کی ہے انہوں
نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے (28) دراصل محدثین میں یہ قابل تحسین روایت رہی
ہے کہ انہیں جو حدیث جہاں سے ملی ہے خواہ وہ عمر اور مرتبے میں بڑا ہے، برابر ہے یا چھوٹا
ہے اسے حاصل کرنے میں عار محسوس نہیں کی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو امام مالک رحمۃ اللہ
علیہ کے شاگرد ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں
،صحاح ستہ کے مصنفین امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ اس
طرح یہ سب حضرات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ تلامذہ میں سے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کردہ پندرہ مسانید کا مجموعہ جامع المسانید کے نام

سے امام ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی نے جمع کیا ہے جو دو جلدوں میں چھپا ہوا دستیاب ہے۔
دنیائے اسلام کی اس مسلم شخصیت کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کا سرمایۂ علمی صرف چند
احادیث تک محدود تھا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں ہے۔ حافظ ذھبی نے حفظ حدیث
میں آپ کا تذکرہ کرکے اس قسم کے پروپیگنڈے کو ختم کردیا ہے (29)

طریقت میں استفادہ وافادہ

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مروج علوم دینیہ کا حاصل کرلینا ہی کافی ہے، اس کے بعد
تصوف، زہد اور روحانیت کے لئے کسی استفادے کی ضرورت نہیں رہتی، امام ابوحنیفہ رحمۃ
اللہ علیہ نے واضح طور پر اس خیال کا رد کیا۔ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے زہد کا سبب یہ بنا کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں
بیٹھتے تھے، ایک دن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں فرمایا: اے ابوسلیمان:
"اَمَّا الْاَدَاۃُ فَقَدْ اَحْکَمْنَاھَا" آلہ تو ہم نے مضبوط کردیا ہے انہوں نے عرض کیا مزید کون
سی چیز باقی ہے؟ تو امام نے فرمایا: وہ ہے عمل (30) یہی وہ موڑ تھا جب حضرت داؤد طائی
رحمۃ اللہ علیہ زہد کی طرف مائل ہوئے اور دنیائے تصوف کے امام بنے، ان کے مرید اور
خلیفہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد سلسلہ اس طرح ہے۔
سری سقطی، شیخ شبلی، ابوالقاسم نصرآبادی، ابوعلی دقاق اور ان کے مرید وخلیفہ حضرت شیخ
ابوالقاسم عبدالکریم قشیری رحمھم اللہ تعالیٰ۔ یاد رہے کہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کو اسی طرح
حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت وخلافت تھی۔ جس طرح مام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ
علیہ سے خلافت حاصل تھی۔(31)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے طریقت کا فیض دو سال حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا، اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے
"لولا السنتان لھلک النعمان" (32) اگر دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہوجاتا۔

عبادت وریاضت

ایک دن امام ابوحنیفہ کہیں جا رہے تھے، راستے میں آپ نے سنا کہ ایک شخص دوسرے کو کہہ رہا ہے کہ یہ ابوحنیفہ ہیں جو رات بھر نہیں سوتے، امام صاحب نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ہمارا یہ ذکر خیر پھیلا دیا ہے، اللہ کی قسم! لوگ میرے بارے میں ایسے کام بیان نہیں کریں گے جو میں نہیں کرتا، اس کے بعد انہوں نے ساری رات نماز، دعا اور تضرع وزاری میں گزارنا شروع کردی (33)

پھر یہ ایک دو ماہ کا معمول نہیں تھا، تیس سال تو یہ معمول رہا کہ ہر رات ایک رکعت میں ایک دفعہ قرآن پاک ختم کرتے (34) پینتالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی (35) ہر دن رات میں ایک دفعہ قرآن پاک ختم کرتے، رمضان المبارک میں عیدالفطر کے دن اور رات سمیت باسٹھ مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے (36)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ میری پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی اور میں نے سولہ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں حج کیا (37) مجموعی طور پر آپ نے پچپن حج کیے (38) ایک دفعہ بیت اللہ شریف میں ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر آدھا قرآن پاک پڑھا باقی آدھا دوسرے پاؤں پر کھڑے ہوکر پڑھا (39) جس جگہ آپ کی وفات ہوئی (یعنی وفات کے وقت کوفہ جو آپ کی رہائش گاہ تھی) وہاں آپ نے سات ہزار مرتبہ قرآن پاک ختم کیا۔ (40)

ابومطیع کا بیان ہے کہ میں مکہ معظمہ میں تھا، میں رات کی جس ساعت میں بھی طواف میں داخل ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان رحمۃ اللہ علیہ کو طواف کرتے ہوئے پایا (41) تیس سال روزہ رکھتے رہے اور اس مدت میں (ایام ممنوعہ کے علاوہ) افطار نہیں کیا۔ اس کے باوجود خوف خدا کا کیا عالم تھا؟ مسعر کہتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ جا رہا تھا، نادانستگی میں ان کا پاؤں ایک بچے کے پاؤں پر آ گیا، اس بچے نے کہا: شیخ! آپ

قیامت کے دن کے قصاص (بدلے) سے نہیں ڈرتے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بے ہوش ہو گئے، میں ان کے پاس بیٹھا رہا، جب انہیں ہوش آیا تو میں نے کہا: اس بچے کی بات نے آپ کے دل پر اتنا اثر کیا؟ امام نے فرمایا ”اخاف انه لقن“ مجھے خوف ہے کہ اس بچے نے خود نہیں کہا، بلکہ اس سے کہلوایا گیا ہے (41)

مخلوق الٰہی میں جو نہیں بے مثال مقبولیت حاصل ہوئی وہ اپنی جگہ، اللہ تعالیٰ نے انہیں سو مرتبہ اپنے دیدار سے نوازا۔ (43)

مجمع العلوم

امام نووی نے تقریب میں حضرت مسروق کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کی انتہا چھ صحابہ پر ہوئی (۱) حضرت عمر فاروق (۲) حضرت علی مرتضیٰ (۳) حضرت اُبَیِ ابنِ کعب (۴) حضرت زید بن ثابت (۵) حضرت ابوالدرداء اور (۶) حضرت ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پھر ان چھ حضرات کے علم کی انتہا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود پر ہوئی (44)

اور ان دو اساطین صحابہ کا علم بڑی فراوانی کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملا۔ ایک دن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور کے پاس تشریف لے گئے وہاں پر امیر عیسیٰ ابن موسیٰ بھی موجود تھا، اس نے منصور کو کہا:

امیر المؤمنین! یہ آج دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں، منصور نے پوچھا، نعمان! آپ نے کس سے علم حاصل کیا ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”میں نے حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور ابن عباس کے زمانے میں روئے زمین پر ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا۔“

منصور نے کہا: آپ نے اپنے لئے بڑا مضبوط انتظام کیا ہے۔(45)

مشہور محدث یزید بن ہارون نے فرمایا:

کَانَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ تَقِیًّا زَاھِدًا عَالِمًا، صَدُوْقَ اللِّسَانِ اَحْفَظَ اَھْلِ زَمَانِهٖ(46)

امام ابوحنیفہ متقی، پاک صاف، زاہد، عالم، سچی زبان والے اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ تھے۔

امام زفر فرماتے ہیں:

''اکابر محدثین مثلاً زکریا ابن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن سلیم، مطرف بن ظریف اور حصین بن عبدالرحمٰن وغیرہ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کرتے تھے اور ان مسائل کے بارے میں سوال کرتے تھے جو انہیں پیش آتے تھے، نیز ان احادیث کے بارے میں پوچھتے تھے جو ان پر مشتبہ ہو جاتی تھیں۔(47)

بعض ائمہ نے کیا خوب تجزیہ کیا ہے کہ فقہ کا پودا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے لگایا، حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پانی پلایا، حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کاٹا، امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی گہائی کی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پیسا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے گوندھا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روٹیاں پکائیں جنہیں سب لوگ کھا رہے ہیں۔(48)

ائمہ دین کا خراجِ عقیدت

اس سلسلے میں مشہور امام مجتہد امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بے مثال خراج عقیدت پیش کیا ہے اور بار بار پیش کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

☆ فقہ میں تمام لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے محتاج (بال بچے) ہیں۔(49)

☆ مَا رَاَیْتُ اَحَدًا اَفْقَهَ مِنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ''ما رأیت سے مراد ''ماعلمتُ'' ہے۔(50)

''مَا رَاَیْتُ'' کا معنی عام طور پر ہوتا ہے میں نے نہیں دیکھا، مذکورہ بالا مقولے میں یہ معنی مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ امام شافعیؒ کی ولادت اس دن ہوئی جب امام ابوحنیفہؒ کی وفات ہوئی (51) (رحمہما اللہ تعالیٰ) اس مقولے کا معنی یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے بڑا فقیہ میرے علم میں نہیں آیا۔

☆ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کے مزار پر حاضر ہوتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کے مزار کے قریب جا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگتا ہوں تو میری حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔(52)

☆ حاشیہ منہاج میں ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے پاس صبح کی نماز پڑھی تو نماز میں قنوت (دعا) نہیں پڑھی، انہیں پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو فرمایا: اس قبر والے کا احترام کرتے ہوئے میں نے اپنے مذہب پر عمل نہیں کیا، بعض دیگر حضرات نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ امام شافعی نے بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔(53)

☆ عورتوں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا عقل مند نہیں جنا۔(54)

☆ جو شخص فقہ کو جاننا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کو لازم پکڑے۔(55)

☆ میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ہر دن ان کے مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہوں۔(56)

☆ اللہ کی قسم! میں امام محمد بن حسن کی کتابوں سے ہی فقیہ بنا ہوں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں

کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ میری فقاہت میں اضافہ ہو گیا اور میں ایسے مسائل پر آگاہ ہوا جن پر پہلے آگاہ نہیں تھا کیونکہ امام محمد نے بہت سے نئے نئے مسائل بیان کئے تھے۔ یہ توجیہ اس لئے کہ امام شافعی بغداد پہنچنے سے پہلے ہی فقیہ مجتہد تھے اور جو مجتہد مطلق نہ ہو اس سے اجتہاد مطلق حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ (57)

ان ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے امام شافعی کے کسی مقلد کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر زبان طعن دراز کرے، یہ بھی ذہن میں رہے کہ خطیب بغدادی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف جن لوگوں کے اقوال بیان کئے ہیں ان کی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کیا حیثیت ہے؟

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی ہیں اور ان سے استفادہ کرنے والے بھی ہیں، ایک دن امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ مسائل پوچھے گئے، انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ آپ ان مسائل کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے وہ مسائل بتا دیئے، امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ نے یہ مسائل کہاں سے اخذ کئے ہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ نے ہمیں ابوصالح سے روایت کی، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بیان کیا، اسی طرح آپ نے فلاں صحابی سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث بیان کی اسی طرح چند حدیثیں بیان کر دیں، امام اعمشؒ نے فرمایا: تمہارے لئے یہ احادیث کافی ہیں میں نے تمہیں جو حدیثیں ایک سو دن میں بیان کی تھیں وہ آپ نے مجھے ایک دن میں بیان کر دی ہیں مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں، نیز فرمایا:

یَامَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّیَادِلَةُ

اے گروہ فقہاء! تم اطباء ہو اور ہم پنساری ہیں۔

اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

وَاَنْتَ اَیُّهَا الرَّجُلُ اَخَذْتَ بِكِلَا الطَّرَفَيْنِ (58)

اور اے بندۂ خدا! تم نے تو دونوں طرف سے حصہ لیا ہے۔

ایک عظیم محدث کی طرف سے اپنے شاگرد کے لئے اتنے بڑے خراج تحسین کی مثال تاریخ میں شاید ہی ملے گی۔ اپنے دور کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ حدیث صحیح کے بارے میں مجھ سے زیادہ بصیرت رکھنے والے تھے۔ (59)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ اور ''ثلاثیات بخاری شریف'' میں سے نصف کے راوی امام مکی بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (60)

امام یزید بن ہارون سے پوچھا گیا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے فقیہ ہیں یا سفیان رحمۃ اللہ علیہ؟ انہوں نے فرمایا: سفیان رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے بڑے حافظ ہیں اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہؒ بڑے فقیہ ہیں، ساتھ ہی فرمایا کہ میں نے امام ابوعاصم نبیل سے پوچھا کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں سے بڑا فقیہ کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

''ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں میں سے ایک غلام بھی سفیان سے بڑا فقیہ ہے''۔ (61)

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے میری امداد نہ فرماتا تو میں ایک عام آدمی ہوتا۔ (62) حالانکہ وہ دنیائے اسلام کے عظیم محدث، فقیہ مجاہد اور اولیاء کاملین میں سے تھے۔

امام ابوحنیفہ اور تدوین فقہ اسلامی

اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ اس نے امام ابوحنیفہؒ جیسا جامع العلوم اور تاریخ اسلام کا عظیم ترین قانون دان، امام مجتہد رہنما انہیں عطا فرمایا، آپ نے تمام دینی علوم میں غور و فکر کرکے فقہ میں تخصص حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور جب ۱۲۰ھ میں آپ

کے استاذ امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو آپ پوری طرح ان کی مسند کا لائق تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ طویل غور وخوض کے بعد ایک منصوبہ بنایا تھا جو رہتی دنیا تک اُمت مسلمہ کی رہنمائی کرتا رہے، آپ دیکھ رہے تھے کہ اسلامی فتوحات میں جہاں بڑی وسعت پیدا ہوگئی ہے وہاں نت نئے مسائل بھی سر اٹھا رہے ہیں ان کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں ہونا چاہئے اور ایسے دیدہ ور علماء تیار کرنے چاہئیں جو منصب تدریس، افتاء اور قضا پر فائز ہو کر مسلمانوں کے مسائل حل کرتے رہیں۔

حدیث شریف میں ہے اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنظُرُ بِنُورِ اللّٰه (63) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے مصداق تھے، ہارون الرشید نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

''اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ پر رحم فرمائے وہ جس چیز کو سر کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے اسے عقل کی آنکھ سے دیکھ لیتے تھے''۔(64)

دوسرا بڑا کارنامہ سب سے پہلے علم شریعت کی تدوین ہے، ان سے پہلے یہ کام کسی نے نہیں کیا تھا، صحابۂ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے علم شریعت کو کتب اور ابواب کی صورت میں مرتب نہیں کیا تھا، وہ اپنے حافظوں کی قوت پر اعتماد کرتے تھے اور انہوں نے اپنے دلوں کو اپنے علوم کے صندوق بنا رکھا تھا امام ابوحنیفہؒ نے دیکھا کہ علم بکھرا ہوا ہے انہیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں بعد میں آنے والے نالائق لوگ اسے ضائع نہ کر دیں جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح علم قبض نہیں فرمائے گا کہ لوگوں سے علم چھین لے، بلکہ علماء کو اٹھا لے گا ان کے ساتھ علم بھی اُٹھ جائے گا۔(65)

امام ابوحنیفہ کا تیسرا منفرد کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تن تنہا فقہ حنفی مرتب نہیں کی، بلکہ

اسے اجتماعی اور شورائی فقہ بنا دیا، آپ نے اپنے بے شمار شاگردوں میں سے اصحاب کمال کا ایک بورڈ بنایا اور اجتماعی طور پر استنباطِ مسائل کی داغ بیل ڈالی۔

اجتماعی اجتہاد اور تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مسلم ہستی سربراہ ہو ورنہ اختلاف کی صورت میں فیصلہ نہیں ہو سکے گا، امام ابوحنیفہؒ نے مسجد میں ایک حلقہ دیکھا جس میں علماء فقہی مسائل پر غور کر رہے تھے، امام صاحب نے پوچھا کہ ان کا کوئی سربراہ ہے؟ حاضرین نے کہا: نہیں، فرمایا: یہ لوگ کبھی فقیہ نہیں بن سکتے (66)۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو بورڈ مقرر کیا تھا اس کے سربراہ وہ خود تھے اور اس دور میں ان سے بہتر سربراہ نہیں مل سکتا تھا۔

منتخب تلامذہ کی تعداد

منتخب اور افاضل شاگردوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ کے (بلند پایہ) اصحاب دس تھے، ابو یوسف، زفر، اسد بن عمرو البجلی، عافیہ الاودی، داؤد طائی، قاسم ابن معن مسعودی، علی بن مسہر، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، حبان، مندل یہ دونوں علی عنزی کے بیٹے تھے، ان میں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور زفر رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی نہ تھا۔(67)

حضرت سہل بن مزاحم کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارد گرد ان کے بہترین اور افاضل اصحاب میں سے تیس حضرات تھے۔(68)

جبکہ اسماعیل بن حماد ہی سے روایت ہے کہ ایک دن امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

''یہ ہمارے چھتیس افراد ہیں، ان میں سے اٹھائیس قاضی بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور چھ مفتی بننے کے قابل ہیں اور دو اس لائق ہیں کہ قاضیوں اور مفتیوں کی تربیت کریں یہ اشارہ تھا ابو یوسفؒ اور

زفرؒ کی طرف"۔(69)

افتخار الحسن میاں نے اپنے مقالے"امام ابوحنیفہ کی مجلس فقہ" میں امام صاحب کے ایسے پچاس ارباب کمال تلامذہ کی فہرست دی ہے نیز ان کا مختصر تعارف بھی کرایا ہے۔جن کے بارے میں سوانح نگاروں نے یہ لکھا ہے"لزمہ"،"صحبہ"یا"لازمہ"(70)

یادرہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہکے شاگردوں کی مذکورہ بالا فہرست میں امام محمد ابن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کی وفات کے وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی ورنہ امام صاحب کے مذہب کی ترجمانی اور اس کے پھیلانے میں ان کا کردار بے مثال ہے۔

حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ بھی فقہی بورڈ کے ممبر تھے ان کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خطا کی، انہوں نے فرمایا:

"ابوحنیفہ کیسے خطا کر سکتے ہیں؟ ان کے ساتھ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، زفر رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے اصحاب قیاس واجتہاد ہیں، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث اور علی کے دو بیٹے حبان اور مندل ایسے حدیث کے حافظ اور اصحاب معرفت ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کے پر پوتے قاسم بن معن ایسے لغت اور عربی زبان کے ماہر ہیں اور زہد وورع میں داؤد بن نصیر طائیؒ اور فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہیں جس امام مجتہد کے اصحاب اور ہم نشین یہ لوگ ہوں گے وہ خطا نہیں کرسکتا، کیونکہ اگر اس سے خطا صادر بھی ہو گئی تو حضرات اسے حق کی طرف پھیر دیں گے"۔(71)

امام ابوالمؤید خوارزمی فرماتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ کے سامنے جب کوئی واقعہ پیش آتا تو وہ اپنے شاگردوں سے مشورہ کرتے، ان سے گفتگو کرتے، مناظرہ کرتے اور وہ احادیث اور آثار سنتے جو ان کے پاس ہوتے اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا وہ بیان کرتے بعض اوقات ایک مہینہ سے بھی زیادہ بحث مباحثہ جاری رہتا یہاں تک کہ کسی ایک قول پر فیصلہ ہوجاتا تب اسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لکھ لیتے، اس شورائی انداز پر انہوں نے اصول طے کئے دوسرے ائمہ کی طرح تن تنہا اصول طے نہیں کئے۔(72)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو کھل کر ایک دوسرے سے بات چیت کا موقع دیتے تھے اور آخر میں کسی ایک کے حق میں فیصلہ دیتے، اور یہ بھی ان کی تربیت کا ایک انداز تھا، امام صاحب کے صاحبزادے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک دن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ان کی دائیں جانب ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تھے اور بائیں جانب زفر رحمۃ اللہ علیہ اور وہ دونوں کسی مسئلے میں بحث کررہے تھے، ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو قول پیش کرتے زفر رحمۃ اللہ علیہ اسے رَد کردیتے اور جو قول امام زفر رحمۃ اللہ علیہ پیش کرتے اسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ رد کردیتے، یہاں تک ظہر کا وقت ہوگیا، جب مؤذن نے اذان دی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہنے ہاتھ اُٹھا کر امام زفر کی ران پر مارا اور فرمایا: جس شہر میں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہو اس میں سرداری کی طمع نہیں کی جاسکتی، اسی طرح انہوں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔(73)

مشہور مصرع ہے: ع کرم ہائے تو کرد گستاخ مارا

امام صاحب کی بے پایاں نوازشات اور درگزر کا یہ کرشمہ تھا کہ ابوالخطاب جرجانی کہتے ہیں کہ امام صاحب کی مجلس میں حاضر تھا، ایک نوجوان نے امام صاحب سے ایک مسئلہ

پوچھا، آپ نے جواب دیا تو اس نے کہا: آپ نے خطا کی، پھر دوسرا مسئلہ پوچھا، آپ نے اس کا جواب دیا تو اس نے پھر کہا: آپ نے خطا کی، میں نے امام صاحب کے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کیسی عجیب بات ہے، کیا تم اپنے استاذ کا احترام نہیں کرتے؟ ایک نوجوان آتا ہے اور دو دفعہ کہتا ہے کہ آپ نے خطا کی اور آپ سب لوگ خاموش ہیں، امام صاحب نے فرمایا:

”انہیں چھوڑ دو، میں نے خود انہیں اپنے بارے میں اس کی اجازت دے رکھی ہے“۔(74)

عبداللہ ابن نمیر کا بیان ہے کہ جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھتے تو ان کے شاگرد ان کے گرد بیٹھ جاتے، قاسم بن معن، عافیہ ابن یزید، داؤد طائی اور زفر ھذیل وغیرہ ہم وہ کسی مسئلے پر آپس میں بحث شروع کرتے، ان کی آوازیں بلند ہو جاتیں اور طویل گفتگو ہوتی لیکن جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ گفتگو شروع کرتے تو سب خاموش ہو جاتے اور کوئی گفتگو نہ کرتا یہاں تک کہ وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہوتے تو جس مسئلے پر انہوں نے گفتگو کی ہوتی اسے محفوظ کرنے میں مشغول ہو جاتے اور جب اسے اچھی طرح محفوظ کر لیتے تو دوسرا مسئلہ شروع کر دیتے (75)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہی آپ کے بیان کردہ مسائل اور ان کے دلائل نہیں لکھتے تھے بلکہ دوسرے حضرات بھی لکھتے تھے۔

فقہ حنفی کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس میں صرف پیش آمدہ مسائل کا حل پیش نہیں کیا گیا، بلکہ فرض کر کے ایسی ایسی جزئیات کے احکام بیان کئے گئے جو ابھی معرض وجود میں نہیں آئی تھیں، مشہور تابعی امام حضرت قتادہ کوفہ میں آئے تو ایک دن انہوں نے سوال وجواب کی محفل منعقد کی اور فرمایا: اللہ کی قسم! آج ہم سے جو شخص بھی حلال وحرام کے بارے میں

سوال کرے گا ہم اسے جواب دیں گے امام ابوحنیفہؒ نے اُٹھ کر ان سے ایک سوال کیا انہوں نے فرمایا: کیا یہ مسئلہ پیش آیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: نہیں، وہ فرمانے لگے، پھر آپ ایسا مسئلہ کیوں پوچھتے ہیں جو ابھی واقع نہیں ہوا، امام صاحب نے فرمایا:

”ہم بلاء کے نازل ہونے سے پہلے اس کے لئے تیار ہوتے ہیں تاکہ جب واقع ہو تو ہمیں اس میں داخل ہونے کا طریقہ بھی معلوم ہو اور خارج ہونے کا طریقہ بھی معلوم ہو“۔(76)

جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آ جاتا تو اپنے شاگردوں کو فرماتے کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا، اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگتے اور بعض اوقات اُٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے اور استغفار کرتے، مسئلہ حل ہو جاتا، اس پر فرماتے یہ خوشخبری ہے، معلوم ہوتا ہے کہ میری توبہ قبول ہو گئی ہے تب ہی مجھے یہ مسئلہ معلوم ہوا ہے، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اطلاع پہنچی تو خوب روئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا: یہ ان کے گناہوں کی کمی (بلکہ نہ ہونے) کی وجہ سے تھا، دوسرے لوگ تو گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا (77)

یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تدوین فقہ اور استنباط مسائل اور تعلیم پر تنخواہ یا مشاہرہ نہیں لیتے تھے بلکہ یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کرتے تھے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ مسائل پوچھے گئے آپ نے ان کا جواب دیا کسی نے اعتراض کر دیا کہ علماء تو اس وقت خیر کے علاوہ کسی بھی موضوع پر گفتگو کرنے کو مکروہ جانتے تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے بڑا خیر کا کام کون سا ہو سکتا ہے کہ ہم کہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، نیز ہم اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کریں اور مخلوق کو اس کی نافرمانی سے بچائیں۔(78)

تعلیم و تدریس میں ان کے انہماک اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کا اندازہ اس ایمان افروز واقعہ سے لگائیں کہ ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے کہ چھت سے ایک سانپ گرا اور سیدھا آپ کی آغوش میں آ گیا، لوگ خاص طور پر نوجوان اُٹھ کر بھاگ گئے لیکن امام صاحب اپنی جگہ پر بدستور بیٹھے رہے، آپ کے صاحبزادے حضرت حماد بیان کرتے ہیں کہ نہ تو ان کے ہاتھ پاؤں پھولے، نہ ہی اپنی جگہ بدلی اور نہ ان میں کوئی تبدیلی آئی بلکہ فرمایا: لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ہمیں وہی چیز پہنچے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے، پھر سانپ کو بائیں ہاتھ سے اٹھا کر دور پھینک دیا۔

عبدالحلیم جندی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ان کی روحانی قوت اور درس کے وقار کا مظاہرہ تھا یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب شاگرد ان کے سامنے بیٹھتے تو گویا امام صاحب محراب میں اللہ تعالیٰ کے سامنے محو سجود ہوتے تھے"۔(79)

شاگردوں کے اختلاف کی وجہ؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے شاگردوں نے آپ سے اختلاف کیوں کیا یہاں تک صاحبین نے مذہب امام کے ایک تہائی حصے میں اختلاف کیا ہے (80) بعض علماء نے اس کی حکمت یہ بیان کی کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بچے کو کیچڑ میں کھیلتے ہوئے دیکھا اور فرمایا: دیکھنا کہیں پھسل نہ جانا، اس نے کہا: آپ اپنی فکر کریں کیونکہ عالم کا پھسلنا پوری دنیا کا پھسلنا ہے، تب آپ نے اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ اگر کوئی دلیل تمہارے سامنے آئے تو اسے ضرور بیان کرو چنانچہ شاگرد آپ کی کسی روایت (قول) کو اختیار کر لیتا تھا اور اسے ترجیح دیتا تھا اور یہ امام اعظمؒ کی انتہائی درجے کی احتیاط تھی۔(81)

مجلس علمی کے اراکین صرف اپنے علم پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ دیگر علماء اور محدثین سے بھی رابطہ رکھتے تھے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہم علم کے کسی باب میں امام ابوحنیفہؒ

سے گفتگو کرتے اور جب آپ کوئی فیصلہ کن قول صادر فرماتے اور تمام اراکین مجلس اس پر متفق ہو جاتے تو میں کوفہ کے مشائخ کے پاس چکر لگاتا تاکہ معلوم کروں کہ امام صاحب کے قول کی تقویت کے لئے کوئی حدیث یا اثر ملتا ہے یا نہیں؟ بعض اوقات مجھے دو یا تین حدیثیں مل جاتیں، میں وہ لا کر امام صاحب کو پیش کر دیتا، آپ ان میں سے بعض قبول کر لیتے اور بعض کو قبول نہ کرتے اور فرماتے یہ حدیث صحیح نہیں ہے یا فرماتے معروف نہیں ہے حالانکہ وہ ان کے قول کے موافق ہوتی، میں عرض کرتا کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہے؟ فرماتے: میں کوفہ کے علماء کے علم سے باخبر ہوں۔(82)

بلکہ کوئی بھی محدث کوفہ میں آتا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یا تو خود ان سے ملاقات کرتے ورنہ اپنے شاگردوں کو ان کے پاس بھیجتے اور فرماتے دیکھو ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔(83)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہر فن کی ماہرین پر مشتمل ہوتی تھی، اس مجلس کے بارے میں اس دور کے عظیم محدث فضل بن موسیٰ سینانی فرماتے ہیں کہ ہم حجاز اور عراق کے علماء اور مشائخ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے زیادہ برکت والی اور زیادہ فائدہ مند کوئی مجلس نہیں تھی۔(84)

حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اکابر کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اصاغر پایا، نیز میں نے اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے کسی مجلس میں کم قیمت نہیں پایا (یعنی وہاں میری کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی) میں نے جس شخص کو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بحث کرتا ہوا دیکھا مجھے ہمیشہ اس پر ترس آیا۔(85)

منہج استدلال

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا انداز استدلال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کتاب اللہ یا سنت کی نص یا اجماع اُمت کے ہوتے ہوئے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی رائے سے بات کرے۔(86)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر مجھے اس میں حکم نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو لیتا ہوں اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی حکم نہ ملے تو میں آپ کے صحابہ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں اور ان کے اقوال سے نکل کر کسی دوسرے کے قول کی طرف نہیں جاتا، لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن بصری، عطاء اور سعید بن مسیب اور ایسے ہی دوسرے حضرات تک پہنچ جائے تو انہوں نے اجتہاد کیا، میں بھی ان کی طرح اجتہاد کرتا ہوں''۔(87)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف سراسر معاندانہ پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ حدیث کے مقابل قیاس سے کام لیتے تھے ایک شخص نے دوران گفتگو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہکو کہا کہ کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں؟ تو امام صاحب نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرمائے جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کی بدولت ہمیں عزت عطا فرمائی اور آپ ہی کے ذریعے آتشِ جہنم سے رہائی عطا فرمائی (88)

ابن حزم کہتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہکے تمام شاگردوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف قیاس اور رائے سے اولیٰ ہے''۔(89)

جس امام کے نزدیک حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح ہے، بھلا وہ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے قیاس کو کیوں ترجیح دیں گے؟

تعداد مسائل

اس سلسلے میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔

1) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کے ساٹھ ہزار مسائل بیان کئے۔

2) خطیب خوارزمی نے بتایا کہ تراسی ہزار مسائل بیان کئے، اڑتیس ہزار عبادات کے مسائل تھے اور باقی معالات کے۔

3) امام ابوبکر عتیق بن داؤد یمانی جب خوارزم آئے وہاں انہوں نے بیان کیا کہ پانچ لاکھ مسائل بیان کئے۔(90)

یاد رہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہہر سال حج ادا کرنے کے لئے حرمین شریفین جاتے تھے ظاہر ہے کہ اس سفر پر ڈیڑھ دو ماہ صرف ہو جاتے ہوں گے پھر درمیان میں ابن ھُبیرہ کا قضیہ بھی پیش آیا جس کا تذکرہ بعد میں آ رہا ہے، اس کے باوجود مسائل کی کم اَز کم تعداد بھی تسلیم کی جائے تو اتنے مسائل کا مرتب کر لینا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کی عظیم ترین کرامت ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فقہ حنفی کی حکمرانی

اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہکے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کو دنیا میں اقتدار عطا فرمایا وہ قاضی بنائے گئے اور مفتی بنائے گئے جس طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہکا منصوبہ تھا اور تاریخ اسلام میں طویل عرصہ تک فقہ حنفی بطور پبلک لاء نافذ رہی۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ سلطنت عباسیہ کا مذہب اگرچہ وہ تھا جو ان کے جدامجد (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) کا تھا، تاہم ان کے اکثر قاضی (جج) اور مشائخ احناف تھے اور ان کی حکومت کی مدت پانچ سو سال تھی۔ پھر سلجوقی بادشاہوں اور ان بعد خوارزمیوں کا مذہب حنفی ہی تھا اور ان کے ممالک کے قاضی عموماً حنفی تھے۔

رہے ہمارے زمانے کے آل عثمان کے (ترکی) حکمران تو ۹۰۰ھ سے آج تک قضاء اور دوسرے عہدوں پر صرف احناف ہی کو فائز کرتے ہیں۔(91)

شیخ علی طنطاوی اپنی کتاب ''رجال من التاریخ'' میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عباسی اور عثمانی حکمرانوں کے اقتدار کی مدت میں مذہب حنفی حکومت کا مذہب رہا اور یہ عرصہ تاریخ اسلام کے تین چوتھائی پر مشتمل ہے، رہا مالکی مذہب تو وہ اس عرصے میں مغرب کا مذہب رہا، مذہب شافعی ایوبی حکمرانوں کے دور میں کچھ عرصہ سرکاری مذہب رہا البتہ حنبلی مذہب آج نجد اور حجاز کا مذہب ہے۔(92)

بعض لوگ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیتے ہیں عمار بن ابی مالک نے کہا اگر ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بھی نہ کیا جاتا، ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اقوال کو پھیلایا اور ان کے علم کی اشاعت کی۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض بے بصیرت لوگوں نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو جاں نثار صحابہ میسر آ گئے ورنہ آپ کو اتنی بڑی کامیابی نصیب نہ ہوتی (معاذ اللہ) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی کیمیا اثر نگاہ نے ذرّوں کو اُٹھا کر رشک قمر بنا دیا تھا، درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کا صحابہ پر احسان تھا نہ کہ صحابہ کا آپ

پر احسان تھا۔ حضرت امام اعظم وہ ہستی ہیں انہوں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا اگر آپ ان کی دستگیری نہ کرتے تو آج امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا نام لینے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔

یہ تسلیم ہے کہ ہارون الرشید کے دور میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قاضی القضاۃ بننے سے فقہ حنفی کو بڑا فروغ ملا اور اس کی خوب اشاعت ہوئی لیکن سوال یہ ہے کہ سرکاری بیساکھیوں کے ذریعے کسی قانون کو کب تک سہارا دیا جا سکتا ہے؟ فقہ حنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے، اس کے بعد فقہ حنفی کی وسعت، اس کی شورائی حیثیت، دلائل کی قوت اور آئندہ پیش آنے والے مسائل کا حل یہ سب امور اس کی قبولیت عامہ کے عوامل ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر امام ابو یوسفؒ خود بھی تو امام مجتہد تھے انہوں نے اپنی فقہ کو کیوں نہ متعارف کرایا؟

علم کے راستے کی رکاوٹیں دور کریں

مشہور مقولہ ہے کہ ہر شے کے لئے ایک آفت ہوتی ہے اور علم کے لئے بہت سی آفتیں ہوتی ہیں، علم دین کے راستے کی بڑی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ طلباء عموماً غریب خاندان کے افراد ہوتے ہیں، انہیں دنیا اور دولت کی دمک چمک دوسری طرف نظر آتی ہے تو وہ اپنا راستہ تبدیل کر لیتے ہیں، اس طرح شیطان اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

دوسری بڑی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ دینی علوم کے اساتذہ عموماً بوریا نشین اور مفلوک الحال ہوتے ہیں، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غالباً انہیں ہی تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا

رَضِینَا قِسمَۃَ الْجَبَّارِ فِینَا   لَنَا عِلمٌ وَّ لِلْجُھَّالِ مَالُ

اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں جو تقسیم کی ہے ہم اس پر راضی ہیں، ہمارے لئے علم اور جاہلوں کے لئے مال ہے۔

ایسے اساتذہ خود تو روکھی سوکھی کھا کر صبر شکر کے ساتھ وقت گزار لیتے ہیں لیکن ان کی اولاد اور

ان کے شاگردان کے راستے پر چل کر استاذ بننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، وہ سوچتے ہیں کہ ہم پڑھ لکھ کر زیادہ سے زیادہ اپنے اساتذہ جتنے بڑے عالم بن جائیں گے اور جس غربت کی زندگی وہ گزار رہے ہیں وہی ہمارا مقدر ہوگی، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ظاہری دولت بھی رکھتے تھے، علم وعرفان کی دولت سے بھی مالا مال تھے اور بڑی بات یہ کہ دل کے بھی غنی تھے انہوں نے دونوں طبقوں اساتذہ اور طلباء میں بے تحاشا وظائف اور تحائف تقسیم کئے اور انہیں احساس دلا دیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور علم دین کی برکت ہے اس طرح راہِ علم کی دونوں بڑی رکاوٹوں کو پاش پاش کر دیا۔ ''رجال سازی'' کے منصوبے میں بے مثال کامیابی حاصل کی اور اپنے پیچھے باکمال رجال کی ایسی کھیپ چھوڑی جو کسی دوسرے امام کو میسر نہیں ہوئی۔ آج بھی جب کہ ہر طرف دین سے بے خبری کا دور دورہ ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان دونوں طبقوں کو فکر معاش سے آزاد کیا جائے۔

امام صاحب کے صاحبزادے حضرت حماد نے جب استاذ سے سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو آپ نے ان کی خدمت میں پانچ سو اور ایک روایت کے مطابق ایک ہزار دراہم پیش کئے، انہوں نے کہا: جناب ابھی تو میں نے صرف سورۂ فاتحہ پڑھائی ہے اور آپ نے اتنے دراہم بھجوا دیئے ہیں، امام صاحب نے فرمایا: آپ نے میرے بیٹے کو جس چیز کی تعلیم دی ہے اسے معمولی نہ سمجھیں، اللہ کی قسم! اگر ہمارے پاس کچھ اور دراہم ہوتے تو قرآن پاک کی تعظیم کی خاطر وہ بھی آپ کو پیش کر دیتے۔(93)

آپ کا معمول یہ تھا کہ مال بغداد بھجواتے اور اس کی قیمت کے بدلے سامان خرید کر کوفہ منگوا لیتے اور اس کا نفع پورا سال جمع کرتے رہتے، اس کے ساتھ مشائخ محدثین کی ضرورت کی چیزیں، خوراک، لباس اور ایسی ہی دوسری چیزیں خرید کر انہیں پیش کر دیتے اور جو دراہم اور دینار بچ جاتے وہ بھی انہیں پیش کر دیتے اور فرماتے انہیں اپنی حاجتیں پوری کرنے میں صرف کریں، لیکن شکر صرف اللہ تعالیٰ کا ادا کریں، کیونکہ میں نے اپنے مال میں

سے آپ کو کچھ نہیں دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور آپ کے نام بھیجے گئے مال کا نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں سے کروا دیتا ہے۔(94)

عظیم محدث سفیان بن عُیینہ کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ کثرت سے نماز اور روزے ادا کرتے تھے، صدقہ بھی کثرت سے دیا کرتے تھے، جتنا مال کماتے تھے اسے خرچ کر دیتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے مجھے اتنے تحائف بھجوائے کہ میں ان کی کثرت سے وحشت زدہ ہو کر رہ گیا، میں نے ان کے ایک شاگرد سے شکایت کی تو اس نے کہا کہ انہوں نے حضرت سعید بن عروبہ کو جو تحائف بھجوائے ہیں آپ وہ دیکھتے تو حیران رہ جاتے، ہر محدث کی دل کھول کر خدمت کرتے تھے۔(95)

چند واقعات طلبۂ علم کی مالی امداد کے بھی ملاحظہ ہوں:

> آپ نے اپنے شاگردوں کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا، اس کے باوجود عام دنوں میں بھی ان کی امداد کرتے رہتے(96) عیدوں کے مواقع پر ان کو تحائف سے نوازتے، اور ہر ایک کے مرتبے کے لحاظ سے اس کی امداد کرتے، جو حاجت مند ہوتا اس کی شادی بھی کرا دیتے اور اپنے پاس سے اس پر خرچ کرتے اور ان کی دوسری حاجتوں کا بھی خیال رکھتے۔(97)

ایک حاجی نے انہیں ایک ہزار جوتے لا کر پیش کئے چند دنوں کے بعد آپ جوتا خریدنے لگے تو کسی نے کہا وہ جوتے کدھر گئے؟ فرمایا: وہ تو ہم نے اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دیئے۔(98)

امام سفیان بن عُیینہ کے بھائی ابراہیم بن عُیینہ قرضے کی وجہ سے قید کر دیئے گئے، ان کے رشتے دار امام صاحب کے پاس آئے اور صورتحال بتائی، امام صاحب نے پوچھا کتنا قرض ہے؟ بتایا گیا کہ چار ہزار درہم سے زیادہ ہے، فرمایا: تم نے کسی سے امداد لی ہے؟

کہا: جی ہاں، فرمایا: وہ واپس کر دو، جتنا قرض ہے ہم ادا کر دیں گے۔ (99)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ غریب خاندان کے فرد تھے، لیکن علم کا شوق رکھتے تھے، ایک دن امام ابو حنیفہ کی مجلس میں حاضر تھے کہ ان کی والدہ انہیں اٹھا کر لے گئی، اور کہنے لگیں: ابو حنیفہ کو تو پکی پکائی روٹیاں مل جاتی ہیں، تمہیں تو کچھ کما کر لانا پڑے گا، امام صاحب ان کا خیال رکھتے اور مجلس درس میں بلا لیتے، ایک دن ان کی والدہ نے امام صاحب کو کہا: اس بچے کو صرف آپ نے بگاڑا ہے، یہ یتیم بچہ ہے، اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہے، میں روئی کات کر اسے کھانا کھلاتی ہوں اور میری خواہش ہے کہ یہ درہم کا چھٹا حصہ ہی کما کر لائے اور اپنے اوپر خرچ کرے، یہ لمحہ ابو یوسف کی زندگی کا نہایت اہم موڑ تھا، اگر امام صاحب ان کی دستگیری نہ کرتے تو وہ گمنامی کی وادی میں اتر جاتے، امام صاحب نے فرمایا: اللہ کی بندی جا، یہ علم حاصل کر رہا ہے اور ایک وقت آئے گا کہ یہ پستے کے روغن کے ساتھ فالودہ کھائے گا، وہ یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئیں کہ تو بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور تیری عقل ٹل گئی ہے (یعنی اسے روٹی میسر نہیں اور تم کہتے ہو کہ پستے کے روغن کے ساتھ فالودہ کھائے گا)۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اشارے پر ابو یوسف بیٹھے رہے، جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے انہیں ایک تھیلی دی جس میں ایک سو درہم تھے، فرمایا:

"ان سے کام چلاؤ اور مجلس درس میں باقاعدگی کے ساتھ حاضری دیا کرو اور جب یہ ختم ہو جائیں تو ہمیں بتا دینا"۔

ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں باقاعدہ درس میں شامل ہونے لگا، کچھ ہی دنوں کے بعد امام صاحب نے مزید ایک سو درہم عنایت فرما دیئے، اس کے بعد مجھے کبھی بتانے کی ضرورت نہیں پڑی، یوں معلوم ہوتا کہ انہیں خود خبر ہو جاتی تھی اور وہ مجھے مزید درہم عطا فرما دیتے (100)

ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

امام صاحب کا فرمان پورا ہوا اور ایک وقت آیا جب امام ابو یوسف چیف جسٹس بنے اور دنیا کے سب سے بڑے فرماں روا ہارون الرشید کے دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے اور پستے کے روغن کے ساتھ فالودے سے بھی لطف انداز ہو رہے تھے۔ (101)

یہ کوئی سال دو سال کا معاملہ نہیں تھا بلکہ دس سال تک امام ابو یوسف اور ان کے اہل و عیال کا خرچہ برداشت کرتے رہے۔ (102)

ایک دفعہ امام ابو یوسف نے امام صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے آپ سے زیادہ سخی نہیں دیکھا، انہوں نے فرمایا:

"اگر تم میرے استاذ حماد کو دیکھتے تو تمہارا تاثر کیا ہوتا؟ انہوں نے میری اور میرے اہل و عیال کی بیس سال تک کفالت کی" (103)

آج کے اساتذہ کو شکایت ہے کہ طلبہ میں نہ تو علم دین حاصل کرنے کا شوق ہے اور نہ ہی وہ اساتذہ کا احترام کرتے ہیں، سوچنے کی بات یہ ہے کہ اساتذہ میں بھی تو وہ شفقت نہیں رہی جو کسی وقت اساتذہ کا طرۂ امتیاز ہوا کرتی تھی، وہ اساتذہ اپنے شاگردوں کو وہی محبت دیتے تھے جو اپنی نسبی اولاد کو دیتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ:

"اِنِّیْ لَاَ دْعُوْلَا بِیْ حَنِیْفَۃَ قَبْلَ اَبَوَیَّ"

میں پہلے امام ابو حنیفہ کے لئے دعا کرتا ہوں پھر اپنے والدین کے لئے۔ (104)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نوازشوں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو علم دین کا اتنا گرویدہ بنا دیا کہ خود امام صاحب نے فرمایا: "ہمارے درس میں حاضری کا جتنا التزام ابو یوسف نے کیا کسی نے نہیں" (105)

اس سے بڑھ کر علم دین کا شوق جنوں خیز کیا ہو گا کہ جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے والد فوت ہو گئے تو اس خوف سے ان کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے کہ کہیں امام صاحب کے درس کا ناغہ نہ ہو جائے، ان کا خیال تھا کہ یہ صدمہ مجھے عمر بھر نہیں بھولے گا،

پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو کہہ دیا کہ تم نماز جنازہ پڑھ لینا اور تدفین وغیرہ کا انتظام کر دینا۔(106)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے علمی ذوق کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں ابراہیم بن جراح نے بیان کیا کہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اس وقت وہ سخت علیل تھے ،فرمانے لگے: ایک مسئلہ بتاؤ، میں نے کہا: ایسی حالت میں؟ کہنے لگے: ہم ایک مسئلے پر گفتگو کر لیتے ہیں، ممکن ہے کوئی نجات پانے والا اس کے ذریعے نجات پا جائے، یہ بتاؤ کہ جمرے (شیطان) کو پیدل کنکریاں مارنا افضل ہے یا سوار ہو کر؟ میں نے کہا: سوار ہو کر کنکریاں مارنا افضل ہے، کہنے لگے: تم نے خطا کی، میں نے کہا: پیدل افضل ہے، پھر فرمایا: تم نے خطا کی، پھر خود فرمایا: جن کنکریوں کے بعد ابھی کنکریاں مارنا باقی ہے تو ان میں افضل یہ ہے کہ پیدل ماریں اور جن کے بعد کنکریاں مارنے کا عمل باقی نہیں ہے ان میں سوار ہونا افضل ہے اس طرح تم اس جگہ سے جلدی ہٹ جاؤ گے، جب کہ پہلی صورت میں تمہارے لئے ٹھہرنا اور تسلی سے دعا کرنا آسان ہوگا۔

ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں رخصت ہو کر ان کے دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ پیچھے سے آواز آ گئی کہ امام ابو یوسف فوت ہو گئے ہیں۔(107)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ پر جو نوازشات کی تھیں، اس کی وجہ کیا تھی؟ اور امام کی نگاہِ بصیرت کیا دیکھ رہی تھی؟ امام صاحب کے دو جملوں سے بات واضح ہو جاتی ہے، ایک دفعہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سخت بیمار ہو گئے، امام صاحب کئی دفعہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، آخری دفعہ گئے تو دیکھا کہ وہ سامنے سے آ رہے ہیں، امام صاحب نے فرمایا:

"میری آرزو یہ تھی کہ میرے بعد تم مسلمانوں کی راہنمائی کرتے، اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو تمہارے ساتھ بڑا علم موت کے گھاٹ اتر جائے گا۔(108)

یہ ہے ان قدسی صفات نفوس کی سوچ، وہ دن رات امت مسلمہ کی بھلائی اور راہنمائی کے بارے میں سوچتے تھے۔

ابو جناب کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن امام منصور بن معتمر اور امام ابو حنیفہ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے ہیں، اس کے بعد وہ دیر تک کھڑے کھڑے گفتگو کرتے رہے اور روتے رہے، پھر مسجد سے نکل گئے، میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ آپ بہت دیر تک روتے رہے، کیا وجہ تھی؟ فرمایا: ہم نے موجودہ زمانے کا تذکرہ کیا اور اس امر کا تذکرہ کیا کہ کس طرح اہل باطل اہل خیر پر غالب آ رہے ہیں، بس یہی کچھ ذکر کر کے ہم روتے رہے۔(109)

خلاصہ:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام تر توانائیاں نظام مصطفیٰ (ﷺ) کے نفاذ کے لئے فضا سازگار بنانے پر صرف کر دیں اور اس سلسلے میں درج ذیل امور انجام دیئے:

1) سب سے پہلے تحریری طور پر احکام شریعت مدوّن کئے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مرتب کردہ مجموعہ پر انہیں غور و فکر اور تہذیب و تلخیص کا موقع بھی ملا اور فیصلہ کن انداز میں اپنا مذہب پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔(110)

2) ائمہ مجتہدین کی ایک ایسی جماعت تیار کی جس کا ہر فرد مفتی اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا تھا، امام صاحب نے خاص طور پر ان ائمہ مجتہدین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اب وقت آ گیا ہے کہ آپ لوگ میری مدد کریں، آپ میں سے ہر فرد عہدۂ قضا کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور دس حضرت تو ایسے ہیں جو صرف قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ قاضیوں (ججوں) کی تربیت اور ٹریننگ کا کام بھی کر سکتے ہیں۔

میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر اور جس علم کے آپ حامل ہیں

اس کی عظمت وجلالت کا احساس دلاتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ اس علم کو محکومی کی ذلت سے بچائے رکھنا، تم میں سے اگر کوئی قضا کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور ہو گیا تو یاد رکھیں کہ اگر آپ اپنے فیصلوں میں کسی کمزوری کا ارتکاب کریں خواہ وہ مخلوق خدا کی نگاہوں سے پوشیدہ ہی ہو، ایسے قاضی کا فیصلہ جائز نہیں ہوگا، نہ اس کی ملازمت حلال ہوگی اور نہ اس کی تنخواہ پاک قرار پائے گی۔

قضا کا عہدہ اس وقت تک صحیح اور درست رہتا ہے، جب تک قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو، اسی قضا کی تنخواہ حلال ہے۔

اگر تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داری قبول کرنا پڑی تو میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ مخلوق خدا اور اپنے درمیان کوئی رکاوٹ، چوکیدار اور دربان حائل نہ ہونے دے، پانچوں وقت کی نماز شہر کی جامع مسجد میں ادا کرے، ہر نماز کے بعد اعلان کرائے کہ کسی شخص نے کوئی ضرورت پیش کرنی ہو تو پیش کرے، خاص طور پر عشاء کی نماز کے بعد خصوصیت سے تین بار بلند آواز سے اس اعلان کا اعادہ کرائے، اس کے بعد گھر جائے۔

اگر بیماری وغیرہ کے باعث قضا کا کام نہ کر سکا تو اتنے دن کا حساب کر کے تنخواہ کٹوا دے۔

اگر مسلمانوں کا امیر مخلوق خدا میں سے کسی کے ساتھ زیادتی کرے تو امیر سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے۔(111)

3) قاضیوں کے فیصلوں پر کڑی تنقید کرتے، ابن ابی لیلیٰ کے فیصلوں میں تو کئی غلطیوں

کی نشاندہی کرتے، اس سے ایک تو امام صاحب کے نزدیک توہینِ عدالت کا تصور واضح ہوتا تھا کہ اگر کوئی مستند عالم قاضی کے فیصلے کو قرآن وحدیث کی رو سے غلط قرار دیتا ہے تو اسے توہینِ عدالت قرار نہیں دیا جائے گا، دوسرا آپ عوام الناس اور خلفاء وقت کو یہ پیغام دیتے تھے کہ رائج الوقت نظامِ عدالت اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے، اس لئے اسے بدل کر نظامِ مصطفیٰ نافذ کرنا ضروری ہے۔

وقت کا تقاضا:

آج پاکستان میں ''اسلامی نظریاتی کونسل'' ایسا ادارہ قائم ہے جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء جمع کئے جاتے ہیں اور سالانہ لاکھوں روپے اس پر خرچ ہو جاتے ہیں لیکن اول تو اس میں سیاسی وابستگیوں کی بنا پر علماء کو رکن بنایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود کونسل جو فیصلہ کرتی ہے اسے قانونی حیثیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسے اسمبلی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس میں اکثریت ان اراکین کی ہوتی ہے جو اسلامی قوانین کے ماہر نہیں ہوتے، نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کونسل کے فیصلے سرد خانے کی نذر ہو جاتے ہیں۔

اس لئے علماء کی ذمہ داری ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قوانین اسلام کی جدید انداز میں تدوین کریں، جدید مسائل پر اجتماعی انداز میں غور وفکر کر کے اُمت مسلمہ کی راہنمائی فرمائیں اور ایسے ماہرین قانون اسلامی تیار کریں جو بیک وقت قدیم اور جدید علوم پر دسترس رکھتے ہوں نیز مضبوط کردار کے حامل ہوں تا کہ یہ حضرات عدلیہ کے محکمے میں جا کر صحیح اسلامی فیصلے کریں اور عوام وخواص کو انصاف مہیا کریں۔ امام صاحب کی زندگی کا طرز عمل ہمیں یہی سبق دیتا ہے۔

ابتلاء استقامت اور شہادت

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ رہی ہے کہ وہ ارباب کمال کو آزمائشوں میں واقع کرتا

ہے، پھر استقامت کے ذریعے انہیں سرخرو فرماتا، خلفاء عباسیہ نے علماء کی تائید حاصل کرنے کے لئے فقہاء عراق مثلاً ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند وغیرہم کو اپنے پاس بلا کر مختلف مناصب ان کے سپرد کر دیئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی اہم اور پرکشش پیشکش کی، اس نے کہا:

''آپ کے پاس میری مہر ہوگی اور جو مراسلہ جاری ہوگا وہ آپ کے ہاتھ سے جاری ہوگا اور بیت المال سے جو مال نکلے آپ کے ذریعے نکلے گا''۔

لیکن امام صاحب نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا، جن فقہاء کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ وفد بنا کر امام صاحب کے پاس گئے اور کہنے لگے، اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں، ہم آپ کے بھائی ہیں، ہم بھی ان مناصب کو پسند نہیں کرتے، ہم نے بھی بامر مجبوری ان کو قبول کیا ہے، امام صاحب تقویٰ وتقدس کے بلندترین مقام پر فائز تھے، آپ نے فرمایا:

''اگر وہ مجھ سے مطالبہ کرے کہ میں اسے مسجد کے دروازوں کی گنتی کر کے بتادوں تو میں اس کا یہ مطالبہ بھی پورا نہیں کروں گا، چہ جائیکہ وہ کسی مسلمان مرد کی گردن اُڑانے کا حکم تحریر کرے اور میں اس پر مہر لگادوں''۔

صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب ان ظالم حکمرانوں کے ظلم میں شریک اور معاون بننے کے لئے تیار نہ تھے، چنانچہ انہیں کئی دن پے در پے کوڑے مارے گئے، ابن ہبیرہ کا اصرار تھا کہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے اسے پوری کریں (دراصل اقتدار کا غرور بول رہا تھا کہ اقتدار ہمارے پاس ہے، ایک مولوی کی کیا مجال کہ وہ حکم عدولی کی جرأت کرے؟ امام صاحب نے فرمایا: مجھے اس بارے میں دوستوں سے مشورہ کرنے دیجئے چنانچہ انہیں رہا کر دیا گیا، امام صاحب سیدھے مکہ معظمہ چلے گئے۔ یہ 130ھ کا واقعہ ہے، پھر جب بنوامیہ کی جگہ

عباسیوں کی خلافت آئی تو واپس کوفہ تشریف لے آئے۔ یہ ابوجعفر منصور کا دور تھا، اس نے امام صاحب کا بڑا احترام کیا، دس ہزار درہم اور ایک کنیز بطور تحفہ پیش کی لیکن امام صاحب نے کچھ بھی قبول نہیں کیا۔(112)

پھر خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے امام ابوحنیفہ کو کوفہ سے بغداد طلب کر کے قضا کی پیشکش کی جسے امام صاحب نے قبول نہیں کیا، جبین اقتدار پر شکن آلود ہوگئی۔ دھمکیاں دی گئیں، قید کیا گیا، دس دن ہر روز دس کوڑے مارے گئے، برسرِ بازار تشہیر کی گئی لیکن کوہ استقامت کے پاؤں میں تزلزل نہ آیا، وہ تو شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے راستے کے راہی تھے اور زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ یہ سر کٹ سکتا ہے جھک نہیں سکتا۔

امام اعظم نے منصب قضا کیوں قبول نہ کیا؟ جب کہ احکام اسلام کا نافذ کرنا اور مظلوم کو ظالم سے حق دلوانا تو عبادت ہے، امام اعظم کے درج ذیل ارشاد سے اس سوال کا جواب مل جاتا ہے، جب منصور نے آپ کو بغداد بلایا تو امام حسن بن علی مرغینانی آپ کے ساتھ تھے، جب امام اعظم منصور کے دربار سے واپس آئے تو امام حسن بن علی مرغینانی کے پوچھنے پر بتایا:

''اس نے مجھے قاضی بنانے کے لئے بلایا تھا، میں نے اسے بتایا کہ میں اس منصب کے لائق نہیں ہوں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم انکار کرنے والے کے ذمہ ہے، قاضی بننے کے لائق وہ شخص ہے جس میں یہ ہمت ہو کہ وہ تیرے خلاف، تیری اولاد کے خلاف اور تیری فوج کے کمانڈروں کے خلاف فیصلہ دے سکے اور مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔(113)

اس کا مطلب سوا اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ جہاں عدلیہ آزاد نہ ہو وہاں میں قاضی نہیں بن سکتا:

بروایں دام برمرغ دگرنہ   کہ عنقارا بلنداست آشیانہ

اس کے بعد دس دن حیات رہے پھر جامِ شہادت نوش کر گئے، بعض روایات کے مطابق انہیں زہر دیا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ حالتِ سجدہ میں آپ کی رحلت ہوئی یہ 150ھ کا واقعہ ہے۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ منصور نے امام صاحب کو کوفہ سے بغداد قتل کرنے کے لئے ہی طلب کیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے پرپوتے ابراہیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں منصور کے خلاف تحریک چلائی تو وہ خوف زدہ ہوا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی دشمن نے منصور کو اطلاع دی کہ ابوحنیفہ ابراہیم کی حمایت کر رہے ہیں اور ڈھیروں مالی امداد بھی دے رہے ہیں چنانچہ منصور نے امام صاحب کو کوفہ سے بغداد بلا کر قضا کی پیشکش کی، اسے معلوم تھا کہ امام صاحب قبول نہیں کریں گے اس طرح اس نے آپ کو شہید کروادیا۔

پچاس ہزار افراد نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی، چھ دفعہ نماز جنازہ ادا کی گئی پہلی دفعہ قاضی حسن بن عمارہ نے ادا کی اور آخری مرتبہ امام صاحب کے صاحبزادے حماد نے ادا کی۔(114)

اس جگہ ایک لمحے کے لئے ٹھہر کر دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنا چاہئے کہ جو لوگ یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ فقہ تو بادشاہوں کے دور میں مرتب کی گئی تھی، اس میں تو خوشنودئ سلطان کو ملحوظ رکھا گیا ہے اس لئے نئی فقہ مرتب ہونی چاہئے وہ کہاں تک حق پر ہیں؟

ع   طمعۂ ہر مرغکے انجیر نیست

اللہ تعالیٰ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے نقش پر چلنے والوں کو رحمت و رضوان سے مالا مال فرمائے۔ آمین!

حوالاجات وحواشی

1) شاخت پروفیسر اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ، پنجاب لاہور (782/1)

2) ابوالحسن زید فاروقی دہلوی، علامہ، سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ (طبع دہلی) ص:67

3) ایضاً ص:68

4) ایضاً ص:68

5) تاریخ بغداد 246/13

6) الامام اعظم ابوحنیفہ المتکلم (قاہرہ) ص 3

7) الجواہر المضیئۃ از شیخ عبدالقادر قرشی 352/2

8) تعارف فقہ وتصوف از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص 209

9) تاریخ بغداد 326/13

10) عقود الجمان، ص:160

11) جامع المسانید (مقدمہ) ص:30

12) عقود الجمان ص:50

13) تاریخ بغداد: 334/13

14) عقود الجمان ص:164

15) تاریخ بغداد 333-32/13

16) مناقب کردری 265/1

17) ایضاً 255/1

18) مناقب موفق 148/1

19) سوانح بے بہائے امام اعظم، ص93 (بحوالہ علامہ صمیری)
20) محمد بن یوسف صالحی، امام، عقود الجمان، ص171-170
21) جامع المسانید (ط فیصل آباد) 31/1
22) عقود الجمان، ص:90-89
23) تعارف فقہ وتصوف، ص:220
24) عقود الجمان، ص:91
25) حواشی الانتقاء از شیخ ابوغدہ (ط حلب) ص:195-194
26) عقود الجمان، 120-121
27) محمد بن یوسف، امام: عقود الجمان 148-110
28) ایضاً ص:143
29) تذکرہ الحفاظ: 168/1 (ط بیروت)
30) عبدالکریم قشیری، امام، رسالہ قشیریۃ (ط مصر) ص:13
31) عبدالستار، ڈاکٹر مقدمہ سوانح بے بہائے امام اعظم ص41
32) محمد غوث، مولانا، حجۃ السالکین فی رد المنکرین (ط ممبئ) ص93
33) عقود الجمان، ص213
34) تاریخ بغداد ص352/13
35) تاریخ بغداد ص352/13
36) عقود الجمان ص213
37) مسند الامام ابی حنیفہ بروایۃ (ط مصر) ص2
38) مناقب الامام اعظم الکردری (ط کوئٹہ) 250/1
39) محمد بن یوسف صالحی، امام عقود الجمان 220

40) تاریخ بغداد ص353/13
41) عقود الجمان ص212
42) عقود الجمان ص213
43) تاریخ بغداد 352/13
44) ابن عابدین شامی، امام رد المختار 49/1
45) مقدمہ جامع المسانید، 31/1
46) عقود الجمان، ص:194
47) مناقب الامام الاعظم از موفق 149/2
48) ردمختار حاشیہ شامی 50/1-49
49) تاریخ بغداد 345/13
50) ایضاً 345/13
51) ردالمختار 66/1
52) ابن عابدین شامی، امام ردالمختا 55/1
53) ایضاً 55/1
54) محمد بن یوسف صالحی، امام عقود الجمان ص247
55) محمد بن محمود خوارزمی، امام، جامع المسانید 36/1
56) الجواہر المضیئۃ 519/2
57) ردمختار مع حاشیہ شامی (ط۔ کراچی) 51/1
58) عقود الجمان، ص:322-321
59) تاریخ بغداد 340/13
60) ایضاً ص:345/13

61) ایضاً ص:346/13

62) ایضاً ص:347/13

63) امام ترمذی: کتاب التفسیر فی قولہ تعالیٰ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لآیات للمومنین

64) تاریخ بغداد248/14

65) مناقب ازامام موفق136/2

66) الانتقاء ابن عبدالبراندسلی، ص257

67) تاریخ بغداد:248/13

68) المناقب منموفق82/1

69) تاریخ بغداد250/14

70) الامام ابوحنیفہ: حیات، فکراور خدمات (ط: اسلام آباد) ص:248-219

71) عقود الجمان ص184-183

72) مقدمہ جامع المسانید33/1

73) تاریخ بغداد14/250-249

74) مناقب کردری261/1

75) مناقب ازامام موفق150/2

76) تاریخ بغداد348/1

77) عقود الجمان، ص:229-228

78) مناقب ازامام موفق93/2

79) ابوحنیفہ بطل الحریۃ والتسامح فی السلام ازعبدالحکیم جندی (ص۔ دارالمعارف، مصر) ص:68

80) مناقب موفق152/2-151

81) دردمختار مع شامی67/1

82) مناقب، موفق152/2-151

83) ایضاً83/1

84) ایضاً50/1

85) ایضاً52/1

86) مناقب کردری140/1

87) عقود الجمان، ص:172

88) الانتقاء ازابن عبدالبراندسلی، ص:209

89) عقود الجمان، ص:177

90) مناقب موفق، 144/1

91) ردالمختار56/1

92) الانتقاء حواشی از شیخ ابوغدہ ص204

93) عقود الجمان، ص234

94) مناقب کردری255/1

95) عقود الجمان235

96) عقود الجمان، ص:236

97) ایضاً، ص:237

98) تاریخ بغداد14/48-247

99) عقود الجمان227

100) تاریخ بغداد277/14

101) تاریخ بغداد237248/14

102) مناقب موفق259/1

103) مناقب کردری259/1

104) تاریخ بغداد340/13

105) مناقب ازامام کردری123/2

106) ایضاً123/2

107) مناقب ازامام کردری133/2

108) تاریخ بغداد248/13

109) عقود الجمان ص229

110) مناقب ازامام موفق137/2

111) امام ابوحنیفہ ،حیات فکر اور خدمات 0 9 - 9 8مقالہ محمد طفیل ہاشمی بحوالہ معجم المصلحین55/2

112) عقود الجمان312-311

113) مناقب ازامام موفق210/1

114) عقود الجمان ص:361-357



حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک (بغداد شریف)



مرکزِ تحقیق فیصل آباد